







در باره سیر و سیاحت

# عبد اقل وقایع سیر و سیاحت

بہار شاہجہاں و اورنگ زیب

جسکو اول جناب کرنل شہری مور صاحب بہار و حیدر  
و سہی تیس آتی ترہان مرگیشی کمانڈر انچیف  
صاحب و ادنیٰ ترجمہ کیا اور پوران کی فرائض سے جناب و مشیر  
مرزا ملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب پیشہ رہا  
یہاں سے آئے اور بعد از ان زمانہ خانیوں کے بعد نظر ثانی جناب و ملا  
مرزا ملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب بہار و حیدر

یہاں سے صرف اگر چہ اگر بغیر فائدہ عام شہر

و دیگران و افہام کنند و بچھیں جنیل و آبادی

۱۸۸۸ء

طبع گلزار ابراہیم واقع مراد آباد

پتہ کمالیہ شہر و آبادی و دیگران



# فہرست مضامین متعلق متن

ممبر	خلاصہ مضامین	صفحہ	ممبر	خلاصہ مضامین	صفحہ
۱	اندر دوش مرقومہ کرل نہری موصفا	۱	۸	امرا و سلطنت کا مالک بن نہ ہونا اور صرف	۸
۲	مہار با نقابہ	۲	۹	شاہ اندر خطاب اور لقب کیا جانا۔	۱۰
۳	دیباچہ محرمہ شلی احمد الدین صاحب	۳	۱۰	داراشکوہ کے مزاج اور خصلت کا بیان	۱۱
۴	مراد آبادی	۴	۱۱	سلطان شجاع کے خصال و شہرہ کا بیان	۱۳
۵	دیباچہ رختہ قلم شیرالدولہ متا	۵	۱۲	اورنگ زیب کے مزاج اور عادت کا بیان	۱۴
۶	البلک جناب خلیفہ سید محمد حسین	۶	۱۳	شہزادہ مراد بخش کی سیرت کا بیان	۱۸
۷	میرنشی ریاست میٹالہ	۷	۱۴	شاہجہاں کی بی بی بیگم صاحب کا ذکر	۱۹
۸	جلد اول	۸	۱۵	بیگم صاحب کا ایک شخص سے عشق پیدا کرنا	۲۲
۹	وقایع سید و سیاد الکریمین	۹	۱۶	ادس کا حکم کو گیارہین جلا جانا۔	۲۲
۱۰	مصنف کا شام اور مصر کی سیر کے بعد	۱۰	۱۷	بیگم صاحب کا ایک دوسرے شخص سے تعلق	۲۳
۱۱	بجراحر کی راہ سجدہ ہوتے ہوئے	۱۱	۱۸	پیدا کرنا اور اس کا انجام کار	۲۳
۱۲	مضامین پہنچانا اور ان سے عشق کا	۱۲	۱۹	رخن آرا بیگم کے مزاج اور عادت کا ذکر	۲۴
۱۳	ارادہ چھوڑ کر ہندوستان بن آنا	۱۳	۲۰	بیٹو کی مصنفہ صاحبی سے شاہجہاں کا بیٹم	۲۴
۱۴	شاہجہاں اور اس کا نسب	۱۴	۲۱	ہونا اور اس کو دور درختوں میں حکم بنا کر بھیجنا	۲۵
۱۵	ہندوستان میں لفظ مغل کا مفہوم	۱۵	۲۲	داراشکوہ کو ساتویں پہاڑوں کا اپنی بی	۲۵
۱۶	سے مخصوص ہونا اور اس کا کامیابی	۱۶	۲۳	جسے مقررہ کو چلے جانا اور اقل خود ہونا	۲۵
۱۷	ملنے میں اقلی خصوصیت کا ہونا۔	۱۷	۲۴	کارروائیوں کا بیان	۲۶
۱۸	مغلوں اور ترکوں اور ہندوؤں کی بیجا	۱۸	۲۵	داراشکوہ کا پای تخت کو چھوڑنا اور بیجا	۲۶
۱۹	شاہجہاں کی بی بی اور اس کے بیٹے کا نام	۱۹	۲۶	بیٹے کا سنا تھا نہ بڑا	۲۶
۲۰	مصنف کا ذکر اور اس کا لینا۔	۲۰	۲۷	میر حلیہ کا ذکر	۲۸
۲۱	شاہجہاں کی اولاد کے نام اور درجہ بندی	۲۱	۲۸	میر حلیہ کی آن بن اور اس کا بادشاہ کو لکھنا	۳۰

صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۳۹	۲۸ ان دنوں داراشکوہ کی نسبت شاہجہان کی ناراضی بڑھ جائیگی وجہ -	۲۲	میر جملہ کا اورنگ زیب کو عریفہ لکھنا اور پناہ دی کے عوض جن کو لکندہ کے فتح کرادے جس کا وعدہ کرنا۔
۴۲	۲۹ اورنگ زیب کی طاقت بڑھ جائیگی اندیشہ سے داراشکوہ کا اس مہم کی کارروائی کے متعلق بادشاہ سے چند شرطیں مقرر کرنا۔	۳۲	۲۳ میر جملہ کے لکھنے کے موافق اورنگ زیب کا ایک قریب سے گو لکندہ کو کوچ کرنا اور شہنشاہ سالگرہ پہنچ جانا اور شاہ گو لکندہ کا جھگڑا کر قلعہ میں پناہ لینا
۴۷	۳۰ ایسے نازک اوقات میں عیاشی کو فرما سے شاہجہان کا سخت مزین مہاجنا	۳۴	۲۴ گو گھیر لینا اور محاصرہ اٹھالینے کے لئے شاہجہان کی طرف سے زبان کا پہنچنا اور اسکا سبب اور فکروں غلطیوں کا پورا کرنا جس سے گو لکندہ کے بادشاہ پر عائد کریں۔
۴۱	۳۱ چاروں شہزادوں کا حصول سلطنت کے ارادہ کو میں جمع کرنا اور خطر کی چالیں چلانا	۳۶	۲۵ الہ گام زیب کا میر جملہ کو ساتھ لے کر دولت آباد کو واپس جاتے ہوئے راستہ میں بدتر کو شہنشاہ کر لینا۔
۴۲	۳۲ داراشکوہ کا انکو بعض سازشی کاغذ بکڑ کر پاپ کو دکھانا اور بادشاہ کا اس کے بدتمیزی اور مشتبہ بنانا۔	۳۸	۲۶ میر جملہ کا حسب الشہاب اگر وہ آنا اور شاہجہان کو اپنے بہائی متکلیس میں ایک فیاضیہ کرنا اور گو لکندہ اور بیجا پور پر چڑھائی کر کے ترغیب دینا
۴۵	۳۳ بادشاہ کا زیادہ پیار کرنا اور اس کے موت کی افواہ اُنجا نیکی سے شہر اور دربار میں ایک خونگ لیلیٰ پڑ جانا۔	۴۰	۲۷ میر جملہ اور عسکرات کے لاپرواہی سے کہ وہ ملک کے احوال غرض سے میر جملہ کی توجہ کا منور ہونا اور اسی کو یہ سالار کا حکم پہنچا جانا۔
۴۶	۳۴ سب سے پہلے سلطان شجاع کا فوج کے کر آگرہ کی طرف کوچ کرنا۔	۴۱	۳۵ اورنگ زیب کا اگر وہ کیون کو کوچ کرنا اور سلطان مراد بخش اور میر جملہ کو ایک عجیب طرح اپنا شہر کی حالت بتانا
۴۸	۳۶ اورنگ زیب کے دم میں ہمارے مراد بخش کا آمادہ ہو جانا اور شاہی خزانہ کو	۴۲	۳۶

صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون
۶۱	۴۶	دو بھائیوں کا نوجوان بہت لمبانا	۵۱	۴۱	کے تقد سے قلعہ سورت پر فتح بھیج دینا
۶۲	۴۷	اور اورنگ زیب کی مرکاریاں -	۵۲	۴۲	اسکے بعد اورنگ زیب کا میر جلد کھٹ
۶۳	۴۸	آگرہ میں ان خبروں کے پہنچنے سے	۵۳	۴۳	منہ جہ ہونا اور اپنے بڑے بیٹے کو اوکر
۶۴	۴۹	تھلک پر جانا -	۵۴	۴۴	پاس بھیجنا اور اسکا آنے سے انکار کرنا
۶۵	۵۰	باوجود ممانعتی احکام کے ان شاہزادوں کا	۵۵	۴۵	اورنگ زیب کا اوس کے پاس حکم
۶۶	۵۱	آگرہ کو ہر پہنچے آنا -	۵۶	۴۶	کو کمر تنہا دیکھ بھیجنا اور اوس کا
۶۷	۵۲	شاہجہان کی مجبورانہ اور پراہٹ	۵۷	۴۷	چلے آنا اور قید ہو جانا -
۶۸	۵۳	حالت	۵۸	۴۸	اس امر کی تحقیق کیر جلد حقیقتا مجبور ہو کر
۶۹	۵۴	مجبور ہو کر بادشاہ کا بعض امر کو لڑائی	۵۹	۴۹	قید ہو گیا تھا یا یہ صرف ایک حیلہ
۷۰	۵۵	کے لئے مامور کرنا	۶۰	۵۰	اور بناوٹ تھی
۷۱	۵۶	بادشاہ کی مخفی ہدایتیں جسے سنگھ کو	۶۱	۵۱	اورنگ زیب کا میر جلد کے رفیقوں
۷۲	۵۷	مگر لڑائی کا مل نہ سکنا اور شجاعت کی	۶۲	۵۲	اور اوسکی فوج کو بھٹکا کر اپنا رفیق
۷۳	۵۸	شکست -	۶۳	۵۳	نہانا -
۷۴	۵۹	اورنگ زیب اور مراد بخش کی چڑائی	۶۴	۵۴	اورنگ زیب کا مراد بخش کی اساد کو سوت
۷۵	۶۰	کی خبر سکر سلیمان شکوہ کا ارادہ مراد	۶۵	۵۵	کھٹ کرنا اور قلعہ سورت کے
۷۶	۶۱	کرنا -	۶۶	۵۶	فتح ہو جانکی خبر پر اکر اوس کا اتفاق
۷۷	۶۲	اورنگ زیب اور مراد بخش کی راہ	۶۷	۵۷	آگرہ کھٹ کر کچ کر نیکی اسد کا کرنا
۷۸	۶۳	روکو کے لئے قاسم خان اور مہاراجہ	۶۸	۵۸	قلعہ سورت کے خزانہ کا ذکر
۷۹	۶۴	جسوت سنگھ کا مامور ہونا -	۶۹	۵۹	۴۲
۸۰	۶۵	قاسم خان اور مہاراجہ جسوت سنگھ کو	۷۰	۶۰	۴۳
۸۱	۶۶	اورنگ زیب کے بیکار آپہنچنے	۷۱	۶۱	۴۴
۸۲	۶۷	کی خبر ملنا اور اسکا دہاکے کھاتہ	۷۲	۶۲	۴۵
۸۳	۶۸	روکنا -	۷۳	۶۳	۴۶
۸۴	۶۹	اورنگ زیب کی فتح قاسم خان کی	۷۴	۶۴	۴۷
۸۵	۷۰		۷۵	۶۵	۴۸
			۷۶	۶۶	۴۹
			۷۷	۶۷	۵۰
			۷۸	۶۸	۵۱
			۷۹	۶۹	۵۲
			۸۰	۷۰	۵۳
			۸۱	۷۱	۵۴
			۸۲	۷۲	۵۵
			۸۳	۷۳	۵۶
			۸۴	۷۴	۵۷
			۸۵	۷۵	۵۸
			۸۶	۷۶	۵۹
			۸۷	۷۷	۶۰
			۸۸	۷۸	۶۱
			۸۹	۷۹	۶۲
			۹۰	۸۰	۶۳
			۹۱	۸۱	۶۴
			۹۲	۸۲	۶۵
			۹۳	۸۳	۶۶
			۹۴	۸۴	۶۷
			۹۵	۸۵	۶۸
			۹۶	۸۶	۶۹
			۹۷	۸۷	۷۰
			۹۸	۸۸	۷۱
			۹۹	۸۹	۷۲
			۱۰۰	۹۰	۷۳

صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۸۲	داراشکوہ کے خیر خواہوں اور خود بادشاہ کا اوسکو لڑائی سے منع کرنا اور اسکا نہ ماننا۔	۲	دغا بازی کا شہداد جہنم سنگھ کا شکست کھا کر اپنی ریاست کا چورہ پور کو چلا جانا۔
۸۳	داراشکوہ فرجن خیالات سے ان شوروں کو نہ مانا اُنکی تشہیح	۵۶	راجپوتوں کی پانگہری کے متعلق اونکی بعض عادتوں اور رسموں کا اور اونکی شجائے کے باعث مسلمان بادشاہوں کے
۸۵	داراشکوہ کا اگرہ سے کوچ کر کے دریا جمنیل کے گہاٹوں کو جا رونا۔	۷۴	نزدیک اونکو محل اعماد مونی کا ذکر
۸۶	اورنگ زیب کا داراشکوہ کو دہوکے میں رکھ کر ایک غیر معروف گہٹ سے اگرہ کے قریب آہنچنا۔	۷۷	۵۷ گہر پہنچنے پر جہنم سنگھ کے ساتھ اوسکی لڑائی کا ایک عجیب و غریب طور سے پیش آنا۔
۸۸	داراشکوہ کا جمنیل کے کنارے سے مورچہ اٹھاکر اورنگ زیب کی فوج کے مقابلہ میں لشکر لانا اور بادشاہ کی رائے کے برخلاف لڑائی میں عجلت کرنا	۷۸	۵۸ ہندوستان کی باغی عورتوں کی نسبت مصنف کی رائے
۹۲	داراشکوہ کی صف آرائی	۷۹	۵۹ شکست کی خبر نہ شہداد جہنم سنگھ کی طرف سے داراشکوہ کا طیش میں آنا اور بادشاہ کا سمجھا بوجھا کر اونکو ٹھنڈا کرنا
۹۵	اورنگ زیب اور مراد بخش کے لشکر کی صف بندی۔	۸۰	۶۰ فتح کے بعد اورنگ زیب اور مراد بخش کی جال ڈال۔
۹۷	۶۱ ہندوستان کے فن جنگ کی اسف مصنف کی رائے	۸۱	۶۱ شاہجہان کی مجبوری اور داراشکوہ کی خود رائی۔
۹۸	۶۲ لڑائی کا بیان۔	۸۲	۶۲ داراشکوہ نے جفرج جیج کی تھی اوسکی اتحاد
۹۹	۶۳ اورنگ زیب کا اپنی ماتحتی کے باوجود بغیر والدین کا حکم دینا اور راجپوتوں کے بہت سخت حملوں میں اسکا اور مراد بخش کا	۸۳	۶۳ باوجود کثرت فوج کے داراشکوہ کی ناکامیابی کے آثار نمایاں ہوتے

صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۸۲	سلطان شکوہ کا سری نگر کو روانہ ہونا اور جیل اور دیر خان کا اس کو مان اسباب کو لے لینا اور اس کو رفیقوں کی تباہی مگر شہزادہ کا سری نگر پہنچ جانا - ۱۰۸	۹۸	ثابت قدم رہنا -
۱۰۸	ازگ زیب کا آگ میں آنا اور باپ بیٹے کے باہم منافقانہ سلام و پیام اور آخر کار شاہجہان کا قید ہو جانا - ۱۱۰	۱۰۰	خلیل اللہ خان کی دغا بازی اور دارا شکوہ کی شکست -
۱۱۰	شاہجہان کا محمد سلطان کو سلطنت کی ترغیب دینا اور ازگ زیب اور شاہجہان اور محمد سلطان کی تدبیروں کی نسبت مصنف اور اورنگ زیب کی رائے - ۱۱۵	۱۰۲	کثرت کی بہ نسبت فوج کے قلیل کی طاقت ہونے کا فائدہ اور ہندوستانی اور یوپی فوج کی حالت کا مقابلہ -
۱۱۵	شاہجہان کا محمد سلطان کو قلعہ کی کنیاں حوالہ کر دینا - ۱۱۸	۱۰۴	فوج کے بعد امر سلطنت کے ساتھ اورنگ زیب کے توجہ جہاں و سب سے پہلے خلیل اللہ خان کا اس کے پاس حاضر ہونا اور اورنگ زیب کا مرقع کو پہلا سے رکھنا -
۱۱۸	اعتبار خان خواجہ سر کا قلعہ دارا گڑھ متھر ہونا اور بادشاہ کی سخت قید -	۱۰۶	شاہینہ خان کی کوششوں سے اورنگ زیب کو نفع کثیر پہنچنا -
۱۱۹	قید کر کے عزیز اورنگ زیب کا باپ کی خدمت میں عرضہ بھیجا - ۱۲۰	۱۰۷	اورنگ زیب کا بظاہر کہتے رہنا کہ میں خاک و غبار ہوں اور مرا خوش بلو شاہ ہے
۱۲۰	اورنگ زیب نے باپ کی نسبت جو الزام لگا یا تھا اس کی تحقیق -	۱۰۸	دارا شکوہ کی ناامیدی اور بلو شاہ کی طرف نسلی دشمنی کے پیغام اور اس کا رد کی بھاگ جانا -
۱۲۰	بادشاہ کے نیک چوگان کے بعد چند لوگوں کے سوا کل مرا کا اورنگ زیب اور مرا خوش کو جاسلم کرنا اور ان کے اس روتہ کی نسبت مصنف کی رائے -	۱۰۹	اورنگ زیب کا سلیمان شکوہ کے ہمراہ سر داروں کو اپنی طرف کر لینے کی کوشش کرنا -
۱۲۰	اورنگ زیب اور مرا خوش کا دارا شکوہ کے	۱۱۰	راجہ جیسنگ اور دیر خان کا سلیمان شکوہ سے ہر گزشتہ ہو جانا اور جیسنگ کا اس کو سری نگر راجہ کے پاس بلو جانی صلاح دینا

صفحہ	نمبر	خلاصہ معنوں	صفحہ	نمبر	خلاصہ معنوں
		اور اورنگ زیب کی شکست کے گمان			تعاقب بین رحمان ہونا اور اورنگ زیب
		میں شائبہ خان کا خود کشی کے لئے			کا دغا بازی سے مراکش کو قید کر لینا
۱۵۲		تیار ہو جانا۔	۹۱		مراکش کا قید ہو جانا شکریہ کے ملازمین کا
	۹۹	اورنگ زیب کا محمد سلطان اور میر حیدر کو			آبادہ فساد ہونا اور اورنگ زیب کا امن کو
		سلطان شجاع کے تعاقب میں بھینا			کا شہہ لینا۔
۱۵۵		اور حردا گروہ کو روٹ آنا۔	۹۲		مراکش کو قلعہ سلیم گڑھ میں بھینا
	۱۰۰	شجاع کا الہ آباد سے اولیٰ منگیلا دہر	۹۳		اورنگ زیب کا دارا شکوہ کے تعاقب
		راج محل جانا اور میر حیدر اور محمد سلطان			میں لاہور اور ملتان جانا۔
		کافع کے بعد وہ بنی توفیق کرنا۔	۹۴		دارا شکوہ کا قلعہ غنیمت میں جا کر مہا لینا
۱۶۰		شجاع کا مکر فوج بہرہ کرنا جہین			اور اورنگ زیب کا مہمیں ہو کر دار السلطنت
۱۶۲		بہت سے پرتیکیز بھی تھے۔			کو لوٹ آنا۔
	۱۰۲	محمد سلطان اور میر حیدر بنی انسانی کا			اس سفر کے متعلق اورنگ زیب کے
		پیدا ہونا اور غنیمت کا سلطان شجاع کے	۱۰۵		استقلال طبع اور حسن تدبیر کی مثال
		پاس چلا جانا اور شجاع کا اسکو سنہ			دارا شکوہ کا قلعہ غنیمت کی حفاظت کے
		نہ لگانا اور اورنگ زیب کے حکم سے قلعہ			واسطے کچھ بیجا نڈن اور غنیمت کو جوڑ کر
۱۶۳		گواہ بایں اور سکا قید کیا جانا			کچھ بچ کے راستہ سے گجرات میں جا داخل
		اورنگ زیب کا سلطان محمد حکم کو بہائی			ہونا اور ان کے صوبدار شامہ خاں کا
		کی حالت سے جرت دلانا اور محمد معظم	۱۰۶		باطاعت پیش آنا۔
		کے چلن کی نسبت لوگوں اور محمد مصنف			اورنگ زیب کی زرد آئینہ حالت اور
۱۶۶		کی رائے			سلطان شجاع کے ساتھ لڑائی اور
	۱۰۴	مخالہ کی طرف لڑائی کا جاری رہنا اور			راجہ جسونت سنگھ کی دغا بازی اور شجاع
۱۶۸		اورنگ زیب کا تخت سلطنت پر چلوں کرنا			کی شکست۔
	۱۰۵	دارا شکوہ کا گجرات سے اجیر آنا اور	۱۰۹		سلطان شجاع کی شکست کے بعد بہت
		جسونت سنگھ کا صفا مہاراجن کی قلابازی			کا گروہ بن کر زکریا سے دمن کو جانا



صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۱۱۵	قیدی شاہزادوں کو جس غرض سے	۱۱۵	اور شاہنواز خان کا قتل اور دلا شکوہ
۱۹۸	پوست پلائے جاتے تھے اُسکا ذکر۔	۱۹۹	کی بنا ہی۔
۱۹۹	سلطان مراد بخش کا قتل کیا جانا۔	۱۰۶	شکست کے بعد داراشکوہ کا بہر گروت
۱۱۷	سلطان شجاع کے حالات کا اخیر بیان		کی طرف جانا اور حاکم احمد آباد کی کٹھنرانی
	اور اُسکا وڈنا کہ کو بہاگ جانا اور راجہ		اور داراشکوہ کا کہہ کے راجہ ملک
۲۰۱	اراکان کے چناہ کا طالب ہونا	۱۷۴	میں پہنچ جانا اور اُسکو افسوسناک مصیبت
	راجہ کا آئندہ طرز سلوک اور میر حیدر	۱۰۷	داراشکوہ کی اس مصیبت سفر میں مصنف
	نورجور اور شاہزادہ کامیابی کی شادی کر دینے	۱۷۶	کاتین دن تک اُسکو ہمراہ رہنا۔
	کے پیغام سے مجبور ہو کر راجہ پر حملہ کرنے	۱۷۸	مصنف کی سرگزشت۔
	کی تدبیر کرنا اور راز کا کھیل جانا اور شجاع	۱۰۸	راجہ ہرسی نگر کا سلیمان شکوہ کو حوالہ
۲۰۴	کا انجام کار		نکڑا اور اورنگ زیب کی فوج کی سپر
	سلطان شجاع کی موت و حیات	۱۷۹	چرائی اور نا کامیابی۔
۲۰۸	کی نسبت مختلف روایات کا ذکر۔	۱۱۰	داراشکوہ کا غصہ کے قریب پہنچ جانا
	شجاع کے لڑن عیال پر جو گوری اُسکا		اور اورنگ زیب کی سپاہ کے مقابلہ
۲۱۰	بیان۔	۱۸۱	میں ہان کے قلعہ دہلی کی ثابت قدمی
	خانیں اُڑبک کے سفیر کا اورنگ زیب	۱۱۱	دلا شکوہ کا گرفتار ہو کر دہلی میں پہنچنا
۲۱۴	کی خدمت میں حاضر ہونا۔		اور بڑی بہزنی کے ساتھ شہر
	سفیران اُڑبک کے ساتھ مصنف کی	۱۸۵	کیا جانا
۲۲۲	ملاقات اور کھانا کھانا اور حرف حکایت	۱۱۲	دلا شکوہ کا قتل اور بہر شکوہ کا قلعہ
	اورنگ زیب کا تپ سے بیمار ہونا اور	۱۸۹	گواہ دین متبہ کیا جانا
۲۲۶	اُسکو متعلق بعض واقعات	۱۱۳	جیون شان کا دہلی سے رخصت کیا جانا
	اورنگ زیب کا داراشکوہ کی بیٹی سے		اور وطن کے قریب پہنچ کر جبرون کے
	سلطان اکبر کی شادی کا اعلان کرنا اور	۱۹۵	اتھ سے قتل کیا جانا۔
۲۲۹	اُس شہزادی کا اوسکو نہ ماننا	۱۹۶	سلیمان شکوہ کا گرفتار ہو کر دہلی میں آنا

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۲۵	اوزنگ زیب کا شاہجہان سے معین جہازت طلب کرنا اور اس کا سختی سے جواب دیدینا۔	۲۳۰	۱۳۲	ایلیا بی شاہزادوں کے بدعادتوں پر متنبہ ہونے اور ان کی غفلت شکاری اور وزیر یا کسی لوندی یا خاجہ سر کے زور و تسلط اور اس کو تلبیح کا بیان۔	۲۵۷
۱۲۶	دُجون کے سفیر مرشد بڑیکین کا نشینی کی ادائیگی تہنیت کے لئے حاضر ہونا اور اس کے مراسم ملاقات	۲۳۱	۱۳۵	سفیر ایران کا دہلی میں آنا۔	۲۵۸
۱۲۷	سفیر کے پہنچنے سے دُجون کی اصل غرض	۲۳۲	۱۳۶	سفیر ایران کی مجلس سراج بنظیر و مکریم ہونی اور جو حصے اوزنگ زیب اُس کے پیش آیا اور جو مخالفت اس نے پیش کی اُن کا بیان۔	۲۵۹
۱۲۸	ایک لمبر کا اوزنگ زیب کو سلطنت کے کام میں زیادہ محنت کرنے سے منع کرنا اور اس کا اسکے جواب میں اپنے فرائض کا اظہار۔	۲۳۴	۱۳۷	اہل ایران شہنشاہ کا نام شاہ ایران کے مضمون کے باب میں مختلف افواہیں اُڑنا اور اس کی نسبت مصنف کی رائے	۲۶۱
۱۲۹	ایک واقعہ کا ذکر جس سے یہ ثابت ہوا کہ خوجن کو بھی تشن ہو سکتا ہے	۲۳۶	۱۳۸	اوزنگ زیب کا خطاب سفیر ایران کی نسبت اور اس کا سبب	۲۶۳
۱۳۰	خوجن کی محفلت کی نسبت اہل ہند اور مصنف کی رائے۔	۲۳۷	۱۳۹	سفیر ایران کے ساتھ شاہجہان اور اوزنگ زیب کے مختلف طور کے بتاؤ کا ذکر۔	۲۶۱
۱۳۱	روشن آنا بیگم کی نسبت دو نامعلوم کے محل میں بلا لینے کا مشہور ہونا	۲۳۸	۲۴۰	سفیر ایران اور شاہجہان کے چند ظرفیاتیہ سوال و جواب کا ذکر اور مصنف کی رائے میں اُن کا سفیروں کے سنا ب حال ہونا۔	۲۶۲
۱۳۲	شریف مکہ اور سلطان میں اور پرنس بصرہ اور بادشاہ حبش کے اہلچوکن کا آنا اور آخر الذکر سفیر کی نسبت ایک دبچپ اور ظرافت آمیز بیان	۲۳۹	۱۴۱	شاہجہان کا نام ارض ہو کر شام سے	
۱۳۳	اوزنگ زیب کا اپنی قبر سے لڑنے کے سلطان اکبر کی تعلیم تربیت کے لئے				

صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون
۱۵۲	شائستہ خان کا ان پرنکیز قزاقوں پر چڑھائی کرنا اور ان کے سپہ سالاروں کے قتل کرنا	۲۴۲	سفر ایران پرست باہمی کا چھوڑ دینا اور اپنی چالاک اور دیرینہ سفیر کا اس آفت سے بچ نکلنا۔
۳۱۵	پرنکیزوں کے پھر سے مخالف طرز سلوک کا ذکر۔	۱۲۳	اورنگ زیب کا اپنے استاد ملا صالح کے ساتھ عیب ملوک
۱۵۳	شائستہ خان پر سیاہی کا حملہ۔	۲۴۵	بادشاہی عجم کی نگاہانی موت اور عجم کی نسبت لوگوں کی اسے اور خیالات کا ذکر۔
۳۲۶	سیوا جی کا بند کھانا سوت کو دینا۔ اور	۲۸۱	۱۲۴
۳۲۷	جنوں سنگھ کی سازش کا شبہہ	۲۸۵	۱۲۵
۱۵۶	راجہ جینگھ کا پہلا سالار دکن مقرر ہونا اور	۲۸۸	۱۲۶
۳۲۹	سیوا جی کے ساتھ مصاحبہ۔	۲۹۲	۱۲۷
۱۵۷	سیوا جی کے دہلی میں حاضر ہونے اور پھر	۲۹۶	۱۲۸
۳۲۹	خوف کھا کر بہاگ جانے کا ذکر	۳۰۰	۱۲۹
۱۵۸	جو سنگھ کی وفات اور اورنگ زیب کا اونکو بیٹھے کے ساتھ جن لوگوں کو پیش آنا۔	۳۰۶	۱۳۰
۳۳۰	ملک دکن کی دعوت	۳۰۹	۱۳۱
۳۳۱	گول کڑا اور بیجا پور کے بادشاہوں کا	۳۰۹	۱۳۲
۳۳۲	راجہ رام راج کی علامی سے بادشاہ بننا	۳۰۵	۱۳۳
۱۶۱	گو لکڑا کی خفیف حالت اور سلطنت	۳۰۶	۱۳۴
۳۳۴	مغلیہ سے اونکے تعلقات کا ذکر۔	۳۰۹	۱۳۵
۳۳۸	بیجا پور کی کیفیت	۳۰۹	۱۳۶
۱۶۳	سیوا جی کی حوسری اور اونکی روز افزائی	۳۰۵	۱۳۷
۳۴۴	طاقت کا ایک مرکز ذکر۔	۳۰۶	۱۳۸
۳۶۰	شاہ جہان کی وفات کا ذکر۔	۳۰۹	۱۳۹
۱۶۵	خاتمہ اور اورنگ زیب کی نسبت	۳۰۹	۱۴۰
۳۶۱	مصنف کی رائے۔		

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۶۶	مصنف کا عرصہ انشور کو ل برٹ	۲۶۵	۱۸۱	رؤینہ وارون کی تنخواہ اور انکی خدمات	۳۸۸
۱۶۷	وزیر فرانس کے نام -	۳۶۸	۱۸۲	اور مندرجہ سبب کا حکم ایسا -	۳۸۹
۱۶۸	ہندوستان کی وسعت کا بیان -	۳۶۹	۱۸۳	عام سواروں کی تنخواہ وغیرہ کا بیان	۳۹۰
۱۶۹	ہندوستان کی قدرتی اور مصنوعی چیزیں	۳۷۰	۱۸۴	پیدل سپاہیوں اور گولہ اندازوں کی تنخواہ	۳۹۱
۱۷۰	غیر ملکوں سے سونے چاندی کے ہندو	۳۷۱	۱۸۵	وغیرہ کا ذکر -	۳۹۲
۱۷۱	بین آنے اور بین کھپ جانے کا سبب	۳۷۲	۱۸۶	نوجوان کا ذکر -	۳۹۳
۱۷۲	شہنشاہ منگل کی دو تہذیب کے ذریعوں	۳۷۳	۱۸۷	صوبوں کی فوج اور سواروں کی کل فوج	۳۹۴
۱۷۳	اور اس کے مخالف امور کا ذکر -	۳۷۴	۱۸۸	کی تعداد کا ذکر -	۳۹۵
۱۷۴	شہنشاہ منگل کی فوجی قوت -	۳۷۵	۱۸۹	پیدل فوج کی اسمبلی تعداد اور لوگوں کے	۳۹۶
۱۷۵	راجپوت راجاؤں کے فوجیں بہرتی	۳۷۶	۱۹۰	غلط اندازہ کرنے کی وجہ	۳۹۷
۱۷۶	کے جانے کے سبب -	۳۷۷	۱۹۱	بادشاہ کے لشکر میں بھیڑ کی کثرت کا سبب	۳۹۸
۱۷۷	پٹھانوں کی فوج کے طرز رکھنے کا سبب	۳۷۸	۱۹۲	تھک وقت پر تنخواہ ملنے کے شراب پیچو کا	۳۹۹
۱۷۸	ولایت زاباہ مغلیہ کا بیان	۳۷۹	۱۹۳	تھک وقت پر تنخواہ ملنے کے شراب پیچو کا	۴۰۰
۱۷۹	دربار مغلیہ کے امیروں کے عہد و قوت	۳۸۰	۱۹۴	شہنشاہ منگل کے اخراجات کثیر کا بیان	۴۰۱
۱۸۰	اور خاندانی امیر ہونے کی وجہ -	۳۸۱	۱۹۵	ہندوستان اور ایران اور روم کے	۴۰۲
۱۸۱	اُمرا کے درجے اور تنخواہ وغیرہ کا ذکر	۳۸۲	۱۹۶	محل کا مقابلہ	۴۰۳
۱۸۲	اُمرا کی تعداد اور انکی سواری کے طریقہ	۳۸۳	۱۹۷	شہنشاہ منگل کی دو تہذیب کی مبالغہ آمیز	۴۰۴
۱۸۳	کا ذکر -	۳۸۴	۱۹۸	شہرت اور نزلے اور جوہر ت کا ذکر	۴۰۵
۱۸۴	اُمرا کے تسلیمات کے لئے حاضر ہونے	۳۸۵	۱۹۹	ہندوستان میں سونے چاندی کے بھار	۴۰۶
۱۸۵	ادب و کمال دینے اور شاہی خاصہ میں	۳۸۶	۲۰۰	کم دکھائی دینے اور لوگوں کے منوں	۴۰۷
۱۸۶	کھانا غنیمت ہونے کی کیفیت -	۳۸۷	۲۰۱	معلوم ہونے کا سبب -	۴۰۸
۱۸۷	بادشاہ کی سواری کے وقت اُمرا کے	۳۸۸	۲۰۲	مستاجروں اور جاگیرداروں کے ظلم و تعد	۴۰۹
۱۸۸	حاضر کا رہنے کا ذکر -	۳۸۹	۲۰۳	اور داری کے کافی انتظام ہونے کا	۴۱۰
۱۸۹	منصوبہ دہلی تنخواہ وغیرہ کا بیان	۳۹۰	۲۰۴	تھک وقت پر تنخواہ ملنے کے شراب پیچو کا	۴۱۱

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱۹۴	غلامانہ حالت سے تجارت اور لوگوں کے	۲۰۰	۲۰۱	در بارہ اور فوج کے اخراجات کثیر کے	۲۱۲
۱۹۵	اوپنل عداوت اور طریق معاشرت پر اثر کا ذکر	۲۰۳	۲۰۲	باعث سے رہنما کی تباہ حالی	۲۱۳
۱۹۶	ہندوستان میں رعایا کو حق ملکیت نہیں حاصل ہونے سے جو منفی نتیجہ حکام اور رعایا کے لئے پیدا ہوتے ہیں	۲۰۴	۲۰۳	حکام کے فقر کے باعث بین تکی اور ایران اور ہندوستان کے غلہ آمد اور اصول حقیقت ملکیت کے ملحوظ ہونے سے جو منفی موقع ہے اور اسکا ذکر -	۲۱۵
۱۹۷	اوپنل فصل بیان	۲۰۵	۲۰۴	مالک فرنگستان کی خوشحالی اور سرسبزی	۲۱۶
۱۹۸	شخصی حکومت سے جو نتیجہ ہندوستان میں پیدا ہوتے وہی انشیا کو چک اور مسہرین بھی پیدا ہوتے -	۲۰۶	۲۰۵	اور دروازہ ذوق ترقی اور اسکا سبب	۲۱۷
۱۹۹	ہندوستان کی سبلی اور جہالت کا ذکر	۲۱۰	۲۰۶	مالک ایشیا کی کاروائی اور اسکا ذکر	۲۱۸
۲۰۰	ہندوستان کی تجارت کی اہمیت عالی ذکر	۲۱۱	۲۰۷	پلو کے وزیر کی ایک عجیب اور مشکل خبر	۲۲۰
۲۰۱	امرات ہندوستان کا خاندانی اور عالی نسب ہونا اور ان کی جہالت	۲۱۲		تدبیر کا ذکر	

## فہرست مضامین حواشی

بابت بعض ایسے حاشیوں کے جو مختصر اشاروں کے طور پر ہیں

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱	مصر کے دارالسلطنت قاہرہ کی چوتھی اور یہ کہ اسکو کب اور کس نے آباد کیا -	۱	۲	مالا بار پر تکیزوں کی حکومت ہے -	۲
۲	رومن گیتھاک عیسائیوں کے فرقہ جیسویٹ کی حقیقت -	۲	۳	مضف کا حبش میں جانیکا ارادہ -	۳
۳	جزیرہ گوا کا مختصر حال جیمین ساحل			اور بنجوت جان یونانی یا ازنی کا بھیس بنائینے کا خیال - اور اس خیال پر کنزل ہنری مور صاحب بہادر کی رائے	۳



صفحہ	خلاصہ مضمون	نمبر	صفحہ	خلاصہ مضمون	نمبر
۲۳	ہندوستان وغیرہ کے ہیروں کی کاٹوں اور انکی اقسام کا ذکر تعلق حالات میر جملہ -	۲۹	۲۴	میر جملہ اور اسکے آقا کی والدہ کے ہم ناما نسب بن کا ہونا کسی فاسی تاریخ میں ترجمہ کی نظر سے نہیں گزرا	۳۱
۲۵	میر جملہ کے بیٹے کا صحیح نام محمد بن تھا	۳۲	۲۶	دولت آباد کا قدیم نام دیوگڑھ اور دھاراگری وغیرہ تھا۔ اور اب اس زمانہ میں اسکا کیا حال ہے -	۳۲
۲۷	والی گولکنڈ اسکے دار الحکومت شہر حیدر آباد وکن کا پہلا نام بھاگ نگر اور اسکی وجہ تسمیہ اور اس ریاست کی آمدنی وغیرہ کا حال اس زمانہ میں -	۳۳	۲۸	میر جملہ کا اپنے آقا والی گولکنڈا کی نازنگی سے واقف ہو کر اور گنت پیب کو بلالینا اور شاہ گولکنڈا کا منسوب ہو کر قلعہ میں پناہ لینا جسطح پر بعض اور معتبر تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے -	۳۵
۲۹	شاہزادہ محمد سلطان اور اوزنگ نے بیک بھاگ نگر کو لوٹنا اور والی گولکنڈا کے بھائی و ذخائر کی عجیب و غریب کثرت -	۳۶	۳۰	اصل کتاب میں شاہزادہ محمد سلطان کو جا بجا غلطی سے سلطان محمود لکھا ہے	۳۷
۳۱	محمد سلطان کو گولکنڈا کی سلطنت کے ولیعہد سمجھے جانے اور شاہجہاں کا سکہ جاری کر نیکی شہر اٹک کو عاقل خاں اور خانی خاں نے نہیں لکھا -	۳۷	۳۱	قلعہ بدر کا نام بے در ہے -	۳۸
۳۲	شاہجہاں کے وزیر اعظم سعد اللہ کا	۳۸	۳۲	سعد اللہ خاں کے سبب مرگ کی نسبت مصنف کا بیان دوسری معتبر تاریخوں سے غلط معلوم ہوتا ہے -	۴۱
۳۳	شاہجہاں کے دربار میں میر جملہ کے آنے اور منصب وزارت پر عروج پانے اور ہم بجا بور پر مامور ہونیکا ایک صحیح بیان -	۴۳	۳۳	شاہجہاں کی بیماری کا حال -	۴۷
۳۴	مصنف کے ایک محل بیان کی تشریح کہ شاہجہاں اپنے بھائیوں کو قتل کر کر کس طرح بادشاہ بنا تھا بمع ذکر اس بات کے کہ جہانگیر کی وفات کے بعد بورجہاں نے اپنے داماد کو اور اسکے بھائی آصف خاں نے اپنے داماد شاہجہاں کی سلطنت کے بعد کس طرح اٹھا رکھا تھا -	۴۶	۳۴	اگرہ کی طرف متقدمی کر نیکی وقت اوزنگ نریب کے پاس حقیقتاً کس قدر فوج تھی -	۴۸
۳۵	ان آیام میں شہر سورت یکم صاب کی	۴۹			

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۴۳	اس واقعہ کے -	۴۳	۵۰	جاگدیس میں تھا -	۵۰
۴۷	راجہ جیسنگہ والی جیسپور کا کچھ مختصر ذکر ہوگا	۴۷	۵۱	مراد بخش کا باپ کے سخت بیمار ہو گیا	۵۱
۴۸	شجاع کی تنبیہ اور ہدایت کے لئے	۴۸	۵۲	خبر پا کر اسکا مر جانا فرض کر کے خود سری	۵۲
۴۹	شاہجہاں نے سلیمان شکوہ کے گھسا	۴۹	۵۳	انتہی کر کرنا اور اوزنگا زب کا اسکو اپنا	۵۳
۵۰	ماسور کیا تھا - اور ریاست جیسپور کی	۵۰	۵۴	شریک حال بنانا اور باہمی عہد و پیمان	۵۴
۵۱	حالت موجودہ زمانہ میں -	۵۱	۵۵	اوزنگا زب کے اُس قابل و دیانت کا	۵۵
۵۲	جیسنگہ کا دلی دوست و بیہ خاں	۵۲	۵۶	انتخاب جسکے ذلیعہ سے اُسے مراد بخش	۵۶
۵۳	نہیں بلکہ بہادر خاں یا ولی خاں تھا	۵۳	۵۷	لوگ اٹھا -	۵۷
۵۴	اور ان دونوں اُمرا کا کچھ مختصر حال	۵۴	۵۸	مراد بخش کے ایک لی خیر خواہ امیر کا بیٹا	۵۸
۵۵	سلیمان شکوہ نے شجاع پر الٹا آباد میں	۵۵	۵۹	نام شہباز خاں تھا شاہ عباس نہ تھا	۵۹
۵۶	فتح نہیں پائی تھی بلکہ بتارس سے کچھ	۵۶	۶۰	اوزنگا زب نے اگرہ پر چڑھائی کر نیسے	۶۰
۵۷	پرست بہادر پور میں - اور ان واقعات	۵۷	۶۱	پیشر جن بدوں سے اور جس حکمت سے	۶۱
۵۸	کا کچھ مختصر بیان مع بعض واقعات قابل	۵۸	۶۲	میر حاکم کو قید کیا اسکی ایک بچہ شہر	۶۲
۵۹	اطلاع -	۵۹	۶۳	اصل کتاب میں برہان پور کو برہم پور غلطی	۶۳
۶۰	اُجین کے قریب جس دریا کے گھاٹ	۶۰	۶۴	سے لکھا ہے -	۶۴
۶۱	روکنے کا ذکر اصل کتاب میں ہے	۶۱	۶۵	مصنف کے اس بیان کی تردید کہ	۶۵
۶۲	اُس سے شہیدانہ سی مراد ہے -	۶۲	۶۶	مراد بخش نے جو سورت کے قلعہ کو	۶۶
۶۳	اُجین کے قریب جس دریا سے	۶۳	۶۷	سُرنگ لگا کر فتح کیا یہ ترکیب نے وٹانیکو	۶۷
۶۴	اوزنگا زب اُتر کر آیا تھا اسکا نام بڑا	۶۴	۶۸	نہ آئی تھی اور اس موقع پر پہلے پہل ڈپو	۶۸
۶۵	غلط دہی شہپرہ صحیح ہے -	۶۵	۶۹	نے سکھائی تھی -	۶۹
۶۶	خانی خاں کی تاریخ سے مصنف کے	۶۶	۷۰	اس بات کی تشریح کہ اوزنگا زب نے	۷۰
۶۷	اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ قاسم خان	۶۷	۷۱	مراد بخش دونوں کس مقام پر رہے تھے	۷۱
۶۸	نے باجوہ شہپرہ سپاہی ہونیکے جو	۶۸	۷۲	اور اوزنگا زب نے اگرہ کو آنیکے	۷۲
۶۹	اوزنگا زب کے مقابلہ میں کوتاہی کی	۶۹	۷۳	لیئے بظاہر کیا جیلے بنائے تھے مع سنا	۷۳





صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون
		شاہجہاں کے مابین مناجات کا رد و پایا	۶۴		اس لڑائی میں مراد بخش کے موہنہ پر
		ہوتی ہیں۔ مع پوری نقل اس دھچپ	۱۰۰		تیروں کے زخم لگے تھے۔
		خط کتابت کے جو اس موقع پر لکے	۶۵		اس موقع پر شائستہ خاں اپنے بھائی
		بازم ہوتی رہی۔ وغیرہ وغیرہ — ۱۲۲			داراشکوہ سے کیوں ناراض تھا اسکی
۴۳		اس وقت شائستہ خاں اگرہ کا صوبہ دار	۱۰۵		تشریح۔
		مقرر نہوا تھا۔ بلکہ اسلام خاں کے	۶۶		داراشکوہ کی شکست کے بعد اس کے
۱۳۱		صوبہ دار مقرر ہو نیسے کچھ عرصہ بعد ہوا تھا			بیٹے سلیمان شکوہ کے سری لکھا
۴۴		شیخ میر اور سید میر دونوں بھائی تھے	۱۰۹		کے حالات کا خلاصہ۔
۱۳۳		اور سید میر اورنگ زیب کا مصاحب تھا	۶۷		قلما قلیوں کو مصنف نے اہل کتاب
۴۵		کن عجیب غریب چالوں سے اورنگ زیب	۱۱۴		میں تاملی عزتیں لکھا ہے۔
۱۳۵		نے مراد بخش کو قید کیا اسکا مفصل بیان	۶۸		مغلیہ خاندان میں سخت کی قسم کھانیکو
۴۶		فیروز شاہ سے شکست کھا کر ہالوں کے			دستور کا ذکر جبکہ مصنف نے اپنے
		ایران جانیکا ایک اشارہ بننا سب			معاورہ کے موافق بجا کلفظ سخت
۱۳۳		داراشکوہ کی شکست خوردہ حالت کے	۱۱۵		کے تاج لکھدیا ہے۔
۴۷		داراشکوہ کے تعاقب میں خود اورنگ زیب	۶۹		شاہزادہ محمد سلطان کے قلعہ گوالیار
		کاملتان تک جانا اور وہاں سے بمبئی	۱۱۷		میں قید رہنے کا اشارہ۔
		کو اس کے تعاقب میں مامور کو کے دہلی پہنچا	۷۰		شاہجہاں کو قید کرنے کے وقت اعتبار
۱۳۴		بطور تشریح و تصحیح بیان مصنف کے۔			کو نہیں بلکہ ذوالفقار خاں کو اگرہ کا قلعہ
۷۸		لاہور اور ملتان کے راستہ میں جہانگیر	۱۱۸		مقرر کیا گیا تھا۔
		کا اورنگ زیب کو گرفتار کرنے کے ارادہ سے	۷۱		شاہجہاں کے قید ہونے کے وقت
۱۳۷		پہنچا ایک بے سہارے اور غلط قصہ ہو چکا ٹوٹ			داراشکوہ کی مخالفت کو باعث دہلی میر
۷۹		شاہ نواز خاں صوبہ گجرات جسٹس داراشکوہ کی	۱۲۱		خانی نشین تھا۔
		اعت قبول کر لی تھی جس پر اس مصنف مقرر ہوا	۷۲		داراشکوہ پر غالب آجانیسے لیکر شاہجہاں
۱۳۸		سے نکلا۔ اور اسکا صحیح حسب و نسب			کے قید ہو جانے کا جو اورنگ زیب اور

نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	نمبر	خلاصہ مضمون	صفحہ
۸۰	کچھوہ کے مقام جو اوزنگ زریب کی شجاع سے لڑائی ہوئی اُسکا موقع	۱۴۹	۸۷	راج تھل کے قدیمی نام گل محل کا ذکر	۱۶۱
۸۱	داراشکوہ کی شکست سے چند روز بعد سلطان محمد معظم کا میر جملہ کو دکن میں قید سے رہ کرنا اور اُسکا حلیہ		۸۸	محمد سلطان جو باغی ہو کر میر جملہ کے لشکر سے شجاع کے پاس چلا گیا تھا یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ اُسکی بغاوت بنگالہ میں اور داراشکوہ اور سپہر شکوہ کی گرفتاری	
۸۲	کچھوہ کے قریب جب قول مصنف اس لڑکی کا گرمی میں نہ ہونا بلکہ عین سردی میں ہونا۔	۱۵۰	۸۹	محمد سلطان کی بغاوت کا سبب اور شجاع کی بیٹی سے اسکی شادی وغیرہ اور اُسکا	۱۶۳
۸۳	بعض قدیم مصنف کے اس گمان کی تائید میں کہ شجاع کو کچھوہ کے مقام غالباً اور بڑی اُسکو مراد عظیم کی خیانت سے شکست ہوئی جو دکن میں	۱۵۱	۹۰	محمد سلطان اور تیلیاں شکوہ اور سپہر شکوہ کے سلیم گڑھ اور گوالیار وغیرہ میں قید رہنے کا حال اور سپہر شکوہ کی شادی مراد بخش کی بیٹی سے اور راجہ کٹنوار کی بیٹی سے محمد سلطان کی شادی ہونا۔	۱۶۴
۸۴	داراشکوہ کے مغلوب کر نیکے بعد اوزنگ زریب کی طرف شجاع کی نسبت حکمت علی کا تراؤ۔ اس چال کی ناکامیابی اور آخر کا کچھوہ کے قریب طبع اُسکو شکست دیکر بنگالہ کو بھاگا گیا۔ اور محمد سلطان اور میر جملہ کو اُسکے تعاقب میں تعینات کیا۔	۱۵۳		لیاقت علی وغیرہ -	۱۶۵
۸۵	شجاع کو مغلوب کر نیکے صلہ میں میر جملہ کو امیر الامر کا خطاب نہیں دیا گیا تھا بلکہ خان خاناں کا خطاب ملا تھا۔	۱۵۴	۹۱	اوزنگ زریب اور شانزادہ محمد معظم براہ حقیقی محمد سلطان کے باہمی تعلقات کے ذکر میں شاہجہاں کے اور جہانگیر کے باہم اُن بنی رہنے کا ایک اشارہ	۱۶۶
۸۶	شجاع کے تعاقب کے سلسلہ میں کوئٹہ کے پہاڑ اور گنگا مٹھے و میان ایک لمبی دیوار	۱۵۹	۹۲	شانزادہ محمد معظم جو اوزنگ زریب کے بعد بادشاہ ہوا تھا اُسکی لیاقت اور	

صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون
۱۸۶	۱۰۰	داراشکوہ کی مصیبتوں کی ایک سلسلہ۔ سرگزشتِ اجمیر سے گجرات کو بھاگنے لڑ بیکر دار میں گرفتار ہونے تک	۱۶۷	۹۳	درحفاظ اوقات اور نیک سیرتی کا ایک مفصل بیان اور باوجود اسکے شہنشاہ اورنگزیب کا اسکو نہایت سختی سے ایک مدت تک قید رکھنا مع حالات متعلقہ۔
۱۸۹	۱۰۱	باغِ خضر آباد کا حال جو ہمایوں کے مقبرہ کے قریب تھا جسکو مصنف نے غلطی سے حیدر آباد لکھا ہے۔	۱۶۹	۹۴	داراشکوہ۔ مراد بخش اور شجاع کو جوبی منغلوں پر لینے کے بعد بمقامِ دہلی اورنگزیب کی کافضلیت نشینی کا حال۔
۱۹۰	۱۰۲	حکیم داؤد مخاطب بہ تقرب خاں کا حال جس نے بقولِ تبریز داراشکوہ کے قتل کی رائے بڑے زور سے دی تھی۔	۱۷۰	۹۵	اُسکا شاہی لقب اور سدا و خطبہ مع ایک روایت متعلق خطبہ کے۔
۱۹۱	۱۰۳	نذیریگ چیلہ قاتل داراشکوہ کے ذکر میں شاہی غلاموں کو چیلہ کا لقب دینے جائیکا دستور۔	۱۷۱	۹۶	کھجورہ کی لڑائی کے دنوں میں داراشکوہ کے پاس گجرات میں کس قدر سوار اور توپخانہ تھا۔ اور وہ اس لڑائی کی غلط افواہوں پر بھروسہ کر کے خود ہی اجمیر تک آیا تھا۔
۱۹۲	۱۰۴	داراشکوہ کے دہلی پہنچنے، تنہا ہونے، اور قید اور قتل اور دفن ہونے وغیرہ کی مفصل سرگزشت۔	۱۷۳	۹۷	مہاراجہ سنوت سنگ کو راجہ جیکھ نے ہونہار داراشکوہ کی مدد کرنی سے جس طرح روکا اسکی تائید و تشریح۔
۱۹۶	۱۰۵	سری نگر سے سلیمان شکوہ کے گرفتار ہو کر آنے اور قلعہ سلیم گڑھ میں قید ہونے کی تشریح و تفصیل۔	۱۷۴	۹۸	اجمیر کے مقام اورنگ زیب کو داراشکوہ چرچہ جس طرح چل ہوئی اسکی تشریح۔
۱۹۹	۱۰۶	بحالتِ قید پوتوں کے ذریعہ سکھوں کی موت کی نسبت مصنف کے قول کی تائید مگر بخلاف قول مصنف محمد سلطان پہلے شکوہ اور ایزد بخش کا آخر کا قید سے رہائے جانے کا ثبوت۔ انکی شادیاں اور تقرر مواجب وغیرہ۔	۱۸۴	۹۹	پہم شکوتوں کے بعد دار کے پیشتر ملک جنوں انانان کے پاس داراشکوہ کے جائیکا بڑا سبب کیا ہوا۔ شیخِ اجمیر میں مارا گیا تھا اسنے قلعہ کی فتح کے موقع پر اسکی موجودگی صحیح نہیں ہو سکتی۔

صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	ممبر
		تاریخی بیان - اسکا شاہجہاں سے طالب	۱۰۷	
		امداد مومنا - شاہجہاں کا مراد بخش اور علی مران		
		کوروانہ کرنا - اوران کا بھائی امراؤ کے قلعہ پنج	۲۰۰	
		پر قلعہ کرینا - مراد بخش کا واپس آنا - اوران کا	۱۰۸	
		کا بھجوا جانا - اسکا عجیب و غریب بہادری کے	۱۰۹	
		ساتھ ازبکوں سے لڑنا - انکا مغلوب ہونا		
		- مگر اس ہم میں کئی کرور - وہیہ کا بیفائدہ		
		صرف ہونا - اور شاہزادہ غمخوار رنگ زیب		
۱۱۳		واپس آنا -		
	۱۱۸	اسی ضمن میں بطور تشریح بیان مہنف کشمیر کی	۲۰۳	
		طوائف الملوک اور آخر اس کے ضمیر سلطنت خلیہ		
		ہو جانے اور یعقوب شاہ کشمیری کا شہنشاہ	۲۰۵	
		البر کی پاپوش سپر پر باندھ کر دربار میں حاضر		
۲۱۴		ہونیکا تاریخی بیان -	۲۰۶	
۲۱۹	۱۱۹	کاشغر کا لاجو - د -		
	۱۲۰	منغلیہ دربار کی رسم و مذہب اور مسجد -	۲۰۸	
۲۲۰		آداب زمیں ہوس سلطنت اور سلام	۲۰۹	
	۱۲۱	سبحان قلی خاں اور عبدالعزیز خاں ازبکوں		
		کے سفیروں کے آنے کی تعویذ و شریج	۲۱۱	
۲۲۱		انکی تواضع اور انعامات وغیرہ کا حال		
۲۲۲	۱۲۲	"راگو" کیسے سالن کو کہتے ہیں		
	۱۲۳	ترکستان میں گھوڑے کے گوشت کمانے		
		کا رواج - اور کھانا کھانا کا طرز - اور اس		
		عجیب اتفاق کا ذکر کہ منشاہدہ کی لڑائی		
		شاہزادہ مراد بخش کے حالات قتل کی		
		تشریح و تفصیل		
		شجاع کے بیٹوں کے ناموں کی تحقیق		
		ملک زخنگ جہاں بنگالہ سے بھاگ کر		
		شجاع نے پناہ لی تھی جو زمانہ حال میں		
		اراکان مشہور ہو گیا ہے اسکی تعظیم و تہنیت		
		مع دیگر کوائف -		
		شجاع کی بیگم با بیٹیوں کا اراکان کو اس کے		
		ساتھ جانا فارسی تاریخوں سے ثابت نہیں		
		ہو سکا -		
		اراکان پھنکے جو شجاع نے سرسوار سی نہیں		
		وغیرہ لٹائیں - اس رواج کا ذکر -		
		اس امر کی تصحیح کہ شجاع کے ساتھ اراکان		
		کو کتنے فتنے گئے تھے -		
		اسکی تباہی سے نو برس بعد تک بھٹی سکی		
		موت و حیات میں شک ہی تھا -		
		اصفہان اس زمانہ میں ایران کا دارالسلطنت تھا		
		شاہزادوں کی باہمی لڑائی اول سے آخر		
		تک کتنے برس جاری رہی -		
		تشریح و تفصیل شجاع کی شکستوں اور اس کے ارکان		
		جانیئے حوال کی -		
		خوافین ازبک کے سفیروں کا اور رنگ زیب		
		کے دربار میں نہانہ اور اسکے ضمن میں مذکور		
		دلی ترکستان کی سلطنت میں بل بل پڑنے کا		

صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون
		مرام مہانداری و اعزاز رسوم درباری			میں فرانسسوں نے بھی تیرس میں گھوڑوں کا
		تخنے اور خلعت اور انعام جن میں ایک			گوشت پہنچو جیوری اور بعد ازاں طبعاً رکھایا۔ ۲۲۳
		فیل درباری بھی دیا گیا تھا۔ شاہ ایران			۱۲۴ لفظ آمیزش کی تحقیق۔ ۲۲۴
		کے نامے موسومہ اورنگ زیب اور			۱۲۵ شاہزادہ محمد کبر سیر اورنگ زیب کی نہال
۲۶۴		فرمان موسومہ سفیر کی نقل			کا شاہان سقط سے ہونا صحیح نہیں ہے۔ ۲۲۰
	۱۳۷	حسب بیان مصنف اورنگ زیب کے			۱۲۶ ایشیا کی رسم کے موافق وہاں کا زیادہ دیک
		اُستاد کا نام ملا صالح ثابت نہیں تھا			ٹھہرا خوش خلق کی نذر سے ہوتا ہے ۲۳۲
		بلکہ میر محمد ششم گیلانی اُسکا اُستاد تھا۔ ۲۷۵			۱۲۷ بٹیو یا کا ڈر جو طوجوں کے قبضہ میں جزیرہ
	۱۳۸	اورنگ زیب کا اپنے اٹھارہ ہوس	۲۳۳		جاوا میں ہے۔
		سال جلوس میں تمام منجوں کو موقوف			۱۲۸ مصنف کے اس خیال کی تردید کہ خواجہ بک
		کروینا۔ اور خبریوں تک بنائی کی علامت ۲۸۲			بھی تعلق ہو سکتا ہے۔ ۲۳۶
	۱۳۹	سلطان بایزید یکم کے متعلق جبکو			۱۲۹ بصرہ کے ترکی حاکم کا نام جو اورنگ زیب
		امیر تیمور نے قید کر لیا تھا روایت تبتہ			کے یہاں آکر نوکر ہو گیا تھا۔ ۲۴۰
		متن کی تصدیق کبرنامہ بایتمیور نامہ سے			۱۳۰ شاہ جہنم کے مسلمان امیجی کا نام جو
		نہیں ہوئی۔ ۲۹۱			اورنگ زیب کے دربار میں آیا تھا ۲۴۱
	۱۴۰	میر جلال کا مغلوب ہو کر آسام سے واپس			۱۳۱ کروٹ سنگ کی قیمت باعتبار روپیہ کے ۲۴۲
		درست نہیں اور اس کے متعلق ایک فصل			۱۳۲ سیوٹ کیا چیز ہے۔ ۲۴۳
		اور دیکھ چاشنیہ کا اس جلد کے اخیر میں			۱۳۳ رائل سپرٹ تحت و تلج کی طرح یورپ
۲۹۷		لگاے جائیگا وعدہ۔			میں منجہ شاہی علامتوں کے ہے۔ ۲۵۳
	۱۴۱	”راس داس پال ماس“ جو پرنسز کا			۱۳۴ مصنف کے بیان میں شاہ عباس سے
		مقبوض تھا کہاں واقع ہے۔ ۳۰۰			کو لٹا شاہ عباس مراد ہے۔ ۲۶۲
	۱۴۲	شاہ جہاں کے عہد میں ہو گئی کے			۱۳۵ بیہم شرننگ کے معنی۔ ۲۶۳
		پرنسزوں کے تباہ ہو کر پڑے جگہ			۱۳۶ سفیر ایران جو اورنگ زیب کے
		ایک ذکر میں بخ تفر کے اٹھ سے			دربار میں آیا تھا اُسکا نام اور اس کے

صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون
۳۱۶	۱۵۱	حال جن طرح پر کر عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے	۳۰۲	۱۴۳	بیت المقدس کے بنی اسرائیل کے بابل میں قید ہو کر اسے جابیکا حال
۳۲۸	۱۵۲	۱۵۱ کے پوئین "عیسائی درویش کیسے ہوئے" پر اصل کتاب میں راجہ رام راج کو غلط طور پر	۳۰۴	۱۴۴	حسب بیان مختلف ہو گئی میں پرتگیز کب اور کب طرح آباد ہوئے تھے اور
۳۳۲	۱۵۳	رام راج اور بنگے نگر کو بس نگر لکھا ہے خاندان بھتیہ اور گوگندہ اور بجا پور کے	۳۰۴	۱۴۵	پھر شاہ جہاں کے عہد میں کیرل اور کس طرح برباد کئے گئے -
۳۴۰	۱۵۴	بادشاہوں کا صحیح حال اور شاہان مغلیہ کا اُسے طرز تعلقی اور آخر کار انکا اور گنتی	۳۰۸	۱۴۶	اور ان کے عروج و زوال کی نسبت اس جلد کے اخیر میں ایک تفصیلی حاشیہ لگا
۳۴۰	۱۵۵	کی سلطنت میں شامل ہو جانا صحیح حال راجہ رام راج کے وغیرہ وغیرہ -	۳۰۹	۱۴۷	جانبیکا وعدہ - جزیرہ سونڈیپ کہاں واقع ہے
۳۴۵	۱۵۶	سیداجی مرہٹہ کا طولانی اور دلچسپ حال مہاراشٹر کا اطلاق قدیم زمانہ میں کس ملک پر	۳۱۰	۱۴۸	پرتگیزیوں کی گئی اور گئی کی آس کشتیوں کی شکل اور انکا بیان -
۳۵۲	۱۵۷	ہوتا تھا - سننے کے سبب بھن کا حال -	۳۱۲	۱۴۹	جزیرہ ہیرن کو پرتگیزیوں نے ایرانیوں چھینا اور پھر ایرانیوں نے انگریزوں
۳۶۰	۱۵۸	ان رسوم نامہ وغیرہ کے جو اورنگ زیب نے کیے -	۳۱۳	۱۵۰	کی مدد سے واپس لیا - پرتگیزیوں - ڈچوں - انگریزوں - ڈنارک
۳۶۵	۱۵۹	کول برٹ وزیر فرانسس کلپٹون نامہ و خطا وغیرہ حالات جس کے عہد میں ڈاکٹر بریئر			والوں اور فرانسیسیوں کا علی الترتیب ہندوستان میں آنا - اور آخر کار سب کا زوال
		نے یہ کتاب لکھی تھی -			ہو کر انگریزی سلطنت کا قائم ہو جانا -
		۱۵۸ بادشاہ کے دامن نجا کر بوسہ دینے کی رسم مغلیہ دربار میں تھی -			فرانسیسیوں کے مقبوضہ شہر پانچ پوری کا صحیح نام پتہ چری ہے -
		۱۵۹ اس امر کی توضیح کہ مصنف نے یہ کتاب بادشاہ فرانسس کو نذر کی اور اسکا وہ حصہ جو			شائستہ حال کا پرتگیزیوں کی مدد سے قلعہ چانگام کو مارا گانیوں سے فتح کر لیا

صفحہ	خلاصہ مضمون	نمبر	صفحہ	خلاصہ مضمون	نمبر
۲۰۰	بادشاہی خزانوں کی کیفیت اکبر و شاہجہا کے عہد میں۔	۱۶۷	۳۶۷	بطور عرضیہ کے ہے کو لبرٹ وزیر کو۔	۱۶۰
۲۰۲	دولت کی نسبت ہندوؤں کے ایک عقائد کے بارہ میں مصنف کے بیان کی تردید	۱۶۸	۳۷۳	بنسبت شاہی ملک کے راجاؤں کے علاقوں میں رعایا پخت گیری کم ہونے کی تصدیق۔	۱۶۱
۲۰۶	شاہی عاملوں اور متاجروں کے ظلم ستم کی ایک دردناک کیفیت۔	۱۶۹	۳۷۶	زمانہ حال کے کل ہندوستانی وادیاں ملک کی بالمقابل تعداد۔ اعلیٰ وسعت ملک اور تعداد رعایا۔ اور تعداد محاصل اور شمار فوج وغیرہ کی ایک کما کیفیت اور انکی عام اور کچھ لٹ کی نسبت گورنمنٹ انڈیہ کی سلطنت ہند۔	۱۶۲
۲۱۰	اُس زمانہ میں تعلیم کی کیا حالت تھی اور کیا ہے۔ اس حاشیہ میں ہندوستان کی موجودہ حالت تعلیم کا ایک مشرح بیان	۱۷۰	۳۷۷	سکندر کے معاصر راجہ پورس کا ذکر۔	۱۶۳
۲۱۷	کنٹری ہوس کس کو کہتے ہیں۔	۱۷۱	۳۷۹	ولایت زانگریزوں کی بنسبت مخلوط النسل اور ہندوستان زانگریزوں کی قدر و منزلت کم ہونیکا ایک بالمقابل اشارہ۔	۱۶۴
۲۱۷	پیگوداے جو بودھ مذہب کے پیروں اُن کے پیشوا برہمن نہیں ہوتے۔	۱۷۲	۳۸۱	مصنف کے زمانہ میں شاہ صفویہ فرما کر ایران کا سید ہونا اتفاقی بات تھی۔ مگر انکا امام یا خلیفہ ناجانا غلط ہے۔	۱۶۵
۲۲۰	مجموعوں کے تلوؤں پر قاضیوں کا چڑیں لگوانا۔ اس غیر متعارف طریق سزا کی حقیقت کا ایک دلچسپ بیان۔	۱۷۳	۳۸۲	امرا اور منصبداروں کو ہاتھی گھوڑے ادب خچر وغیرہ جسد ر رکھنے لازم تھے	۱۶۶
۲۲۲	میر جلد کی فوج کشی کوچ بہار اور آسام کے راجاؤں پر۔ یہ حاشیہ نہایت مفصل ہے جس سے وجہ جنگ۔ جانبین کی جنگی تدبیریں۔ دلچسپ ملکی حالات اور شرائط صلح وغیرہ کی ایک عمدہ کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ضمن میں راجہ جیم ناما کیس کیچ بہار کے راجہ اور اسکی ریاست کی حدود اور آمدنی سالانہ لکھ اسکے آؤٹ وغیرہ کا ذکر	۱۷۴	۳۸۵	انکی تعداد اور انکا سالانہ سوا جب۔	۱۶۷
۲۲۹	عہد سلطنت مغلیہ کی تحریروں میں لفظ املا کا	۱۷۵	۳۸۷	شاہ جہاں کے عہد میں امرا اور منصبداروں کی تعداد کل اور تشریح درجات مع تناسب و تعداد کل امرا و دلائی اور شیو کی۔	۱۶۸
				شاہ جہاں اور گورنمنٹ انگریزی کی فوج کی تعداد بالمقابل مع تشریح و تقسیم فوج	



صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون	صفحہ	ممبر	خلاصہ مضمون
۴۷۹	۱۸۰	پرنکیزوں کا ہندوستان میں آنا اور ان کا عروج و زوال	۴۳۲		اطلاق کیسے علاقوں پر کیا جاتا تھا۔
۴۸۰	۱۸۱	الفاظ نیمرون اور کالی کٹ کی تفسیر اور اس کی رباست ٹونس اور اس کے رئیس کا نام۔	۴۳۴		دینی دوسرا دنیاوی۔
۴۸۱	۱۸۲	اہل یورپ کے محاورہ میں تور کین	۴۳۷		کچ بہار کا مختصر حال جو اس وقت ہے۔
۴۸۲	۱۸۳	مسلمانوں کو کہتے ہیں۔	۴۳۸		اسمیں جگہ۔ لونا چاری اور کوم گنچا کے مندروں کا ذکر۔
		تمام شدہ	۴۳۹		آسام کی کثرت بارش اور وہاں کی بعض جتنی قوموں کے رسم و رواج وغیرہ کے عجیب غریب حالات زانہ حال کی تحریر کے عجیب۔

## صحت نامہ بلسا اول و قلیع سیر و سیاحت ڈاکٹر بریر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸	۱۲	شام	شاخ	۴۱	۱	حو	جو
۱۶	۵	سطح	جانیٹک	۴۲	۲	احتناط	احتیاط
۱۷	۱۹	قرب	فریب	۵۰	۱۱	ان پر چڑھائی	چڑھائی
۱۸	۶	سطح	لردہ	۵۶	۱۰	انہوں	انہوں نے
۱۹	۷	نشود	نشود	۵۷	۱۱	تھیل کے پیشکش	تھیل کے پیشکش
۲۲	۱۶	چھنا	چھنا	۵۷	۲	توا بھی	ابھی
۲۳	۱۷	پیرہ	بیڑہ	۶۳	۱	حجہ کی	حجہ کی ہیں
۲۴	۲	محاورے خلاف	محاورے کے خلاف	۶۴	۱۸	داراشکوہ کی	داراشکوہ کی
۲۴	۶	محفوظ	محفوظ	۶۶	۱۱	سلاطین	سلاطین
۳۲	۲	تعلق	تعلق	۷۰	۷	باقدر	باقدر
۳۵	۳	تھاگا	بھاگا	۷۳	۱۵	سپاہیوں کے	سپاہیوں کے ساتھ
۳۸	۶	باندھنے	باندھنے	۷۴	۴	کچھ کر کے	کچھ حرکت کر کے

صفحہ	سطر	فصل	صحیح	صفحہ	سطر	فصل	صحیح
۷۹	۱۰	بھنا	بھنا	۲۸۴	۱۵	ناہشباتی	ناہشباتی
۸۰	۱۲	طرح طرح	طرح طرح کی	۲۳۸	۹	سالت	حالت
۸۵	۷	دکھاؤ گے	دکھاؤ گے	۱۱	۷	گوا	گویا
۷	۷	نکلتی	نکلتی	۳۴۶	۱۵	کہلاتھا	کہلاتھا
۱۰	۱۰	با اختیار	با اختیار	۷	۲۱	بنے	اپنے
۹۹	۱۱	ہو جاتی	ہو جاتی	۳۶۱	۸	اُسوقت	اُسوقت
۱۰۰	۱۸	اگر بڑھے اور ایک تیر	اگر بڑھے اور ایک تیر	۳۶۵	۳	شاید	لایق فائز
۱۰۴	۴	خدا داد فتح پاکر اور	خدا داد فتح پاکر اور	۳۶۶	۳	شاید	شرف باریابی
۱۱۳	۵	مقابلہ	مقابلہ کو	۳۷۰	۱۸	احتاج	احتیاج
۱۱۶	۱	شاہ جہاں	شاہ جہاں کے	۳۷۶	۱۴	بجٹ	بجٹ
۱۲۵	۷	دورہ زندگی	دورہ زندگی	۳۸۰	۱۲	دولایت زایا	دولایت زایا
۱۵۰	۶	چاہتا	چاہتا تھا	۴۰۰	۱۱	نظام الملکی	نظام الملکی
۷	۷	عہدہ	عہدہ پر	۴۰۱	۶	کلائے	کلائے
۱۵۲	۱۴	دیگنی گئی تھی	دیگنی گئی تھی	۴۲۶	۱۲	تسمیہ	تسمیہ
۱۵۹	۵	نہنے تھے	نہنے تھے	۴۳۱	۹	مقدرت نامہ	مقدرت نامہ
۱۶۹	۵	ہنرمندی	ہنرمندی	۴۳۴	۱۱	دغدغہ	دغدغہ
۱۷۳	۴	توبوں کی	توبوں میں	۴۳۵	۱۷	باغچہ	باغچہ
۱۷۷	۱۸	گھٹے گھٹے	گھٹے گھٹے	۴۳۷	۵	نسق	نسق
۲۲۲	۱۰	ایک دفعہ	ایک دفعہ	۴۵۰	۱۴	تو پجنا	تو پجنا
۲۲۶	۱۷	مشکل سے	مشکل سے	۴۵۷	۸	کھیتیاں	کھیتیاں
۲۲۹	۱۵	آتی جاتی	آتی جاتی	۴۶۳	۵	طفانی	طفانی
۲۷۳	۱	غیر	غیر	۴۷۵	۷	ماہ مذکور کو	ماہ مذکور کو
۲۷۴	۱۶	غلانیہ	غلانیہ				
۲۷۵	۷	عباش الدین	عباش الدین				
۲۷۷	۷	بھی یا نہیں	بھی یا نہیں				

تمام شد

oriental diction is by no means an easy task ; hence the difficulty of satisfying critics as to style and mode of dealing with the original ; but as Colonel Holroyd has suggested another revision, my friend the Khalifa has willingly consented with the assistance of his learned worthy brother Wazir-ul-Doula Mudabbir-ul-Mulk Khalifa Syed Mohomed Hussan Khan Bahadur, Wazir or Prime Minister Patiala State to once more go over the work carefully.

My friend desires to make over the publication to the Anglo Oriental College at Allgghur as a donation in aid of its funds, trusting that on my representation Government will be induced to sanction the purchase of a certain number of copies for distribution to the different Educational Departments in the country, and is not disposed to reserve a claim on the copy right which we could do according to the copy right Act passed for India. The Khalifa considers the Act as a bar to the general diffusion of literature and the sciences in a country where the mass of the population is decidedly poor and can with difficulty be made to take an interest in literary matters ; when expense, however small is involved ; he has therefore suggested my reserving the right for myself alone.

Considering the time, trouble and expense to which my friend the Khalifa has been put, I have agreed to his proposal, and follow his beneficent example to make over the right to "Madrasatul oolum" on my part, at the same time let it be known that at the expiration of seven years from the date of first publication, publishers will be at liberty to reproduce the Book.

then Secretary to Government in the Foreign Department, verbally promised to take the matter into consideration, but for some reason or another, possibly for no reason at all nothing was ever done.

Having failed to attract attention in that quarter I addressed myself to the Director of Public Instruction Punjab, who promised to submit the work to the Senate of the Punjab University ; meanwhile I left India on a year's furlough and shortly after my return proceeded on field service to Egypt.

On my return I found nothing had been done, although Colonel Holroyd the D. P. I. was interesting himself in the matter, and gave me reason to hope something would be done before the end of the year.

Quite recently my esteemed and highly accomplished friend Khaliffa Syed Mohomed Hoosein, who had taken so much trouble to correct and revise the work ; became impatient for its publication, convinced as he appears to be, that the book would prove beneficial to his countrymen, and that by aiding in its publication he would be rendering an indirect service to Her Majesty's Indian Government ; he wrote to say he was prepared to bring out the translation at his own risk and expense.

I at once made known this public spirited and liberal offer to Colonel Holroyd and in consultation with him it was decided to make over the M. S. to the Khalifa.

Translating a book from a European into an Oriental language may seem a simple process enough, but to translate accurately so as to convey the same meanings, and possibly reflect the spirit that animated the author ; at the same time avoid too close a rendering of the original, and preserve the idiomatic elegance of

recommended to have this done by some wellknown scholar of the Delhi school of Oordu. Following this advice I made it over to a wellknown gentleman at Delhi of great reputation as an Oordu Scholar; he kept the M. S. for about a year and during that time only revised a few pages; the task was evidently beyond what his age and feeble health would allow him to undertake and the work was returned to me unrevised.

Sometime after I mentioned what I have stated above to my friend Khalifa Syed Mohomed Hoosein Foreign minister of the Patialla State, a gentleman well known for his literary acquirements as an Oordu, Arabic, Persian and English scholar, who has lately had the titles of Mooshir-oo-Dowla, Mumtazul Mulk conferred upon him by the British Government, when he most kindly undertook to revise the work himself, which he not only did thoroughly, but translated some of the philosophical disquisitions of the original author, what I had omitted, not thinking them likely to prove of interest to readers in this country, and put great many useful notes to make the book more interesting and explicit.

The work revised and corrected by the Khalifa, as above stated I requested Sir Fredrick Haines G. C. B., G. C. S. I. &c. then Commander-in-Chief in India, on whose personal staff I was serving, to submit my work to the Government of India with a view to receiving some assistance to enable me to bring out the work and remunerate the Moonshi who assisted me; at the same time disdaining any pecuniary advantage for myself.

His Excellency was good enough to forward my letter to the Government of India; and shortly after, the

# INTRODUCTION

---

IN 1875 I undertook to translate into Oordu the travels of Bernier in the Mogul Empire, with the idea that a work of this kind, conveying the impartial testimony of a total stranger and an eye witness to the actual state of the Government and people of India during the eventful reign of the Emperor Orangzeb, would be the means of dispelling many erroneous impressions as to the boundless liberality, love of justice, general prosperity, and happiness of the people of this country, which is supposed to have characterized the rule of the Moguls ; errors which contemporary historians, flatterers, court favorites and poets have been the means of perpetuating and obtain implicit credence to the present day among the great mass of the people of this country.

Bernier not being of the race of the present "paramount power"—his account of what actually occurred and came under his personal notice would be accepted with confidence by the chiefs and most of the educated classes in India, who I believe would peruse with much interest, a narrative coming from so impartial and disinterested a source ; and if this surmise is correct a comparison with the present order of things would not be without its good effect.

I was greatly assisted in the work of translation and am much indebted to the learned Moonshi Ahmed-oo-deen of Mooradabad who was then attached to the office of the Persian Interpreter to His Excellency the Commander-in-Chief in India as Moonshi.

When the translation was finished I sent the M. S. to the Director of Education N. W. P. where Oordu is mostly spoken and was informed that although the translation was a good one it wanted revision, and was

# ترجمہ

## دیباچہ و قایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر

مرقومہ

جناب گزٹل ہنٹرنی مٹور صاحب بہادر۔ سنی بی۔ و  
(سنی آئی ای)

ڈاکٹر برنیر کے وقایع سیر و سیاحت کا اردو ترجمہ سائنس اٹھارہ سو  
پچھتر عیسوی میں اس مراد سے سینے کیا تھا کہ بذریعہ اس کتاب کے  
جو ایک ناظر فدا را اور محض جنہی شخص کی عینی شہادت ہے شاید لوگوں کو  
معلوم ہو جائیگا کہ شہنشاہ اوزنگ زیب کے پرجواوٹ عہد میں سلطنت  
حکومت کا طرز اور رعایا کی حالت و کیفیت ٹھیک ٹھیک کس طرح پراور کیا  
تھی۔ اور مغلیہ سلطنت کی بحید فیاضی۔ انصاف پسندی اور رعایا کی عام خوشحالی  
اور فراغ البالی کی نسبت بہت سے غلط خیالات جو ملک میں پھیلے ہوئے  
ہیں وہ دور ہو جائیں گے۔ جنکو اُس وقت کے مؤرخوں اور شاعروں اور  
خوشامدیوں اور باوٹا ہوں کے مہربانی یافتہ لوگوں کی تحریروں نے اس  
ملک کی عامہ خلایق میں ایسی بقاء و دائمی کی حد کو پہنچا دیا ہے کہ آج تک بھی  
عوام الناس کے دلوں میں نہایت یقین کے ساتھ اس طرح قائم ہیں کہ

گویا یہ اوصاف محض اُسی سلطنت سے مختص تھے۔

ہم لوگ جو بالفعل ہندوستان پر تسلط ہیں ڈاکٹر بنیر چونکہ ہمارا ہمقوم تھا ایسے جو حالات کہ اُس نے اپنے چشم دیدہ کھے ہیں اُمید ہے کہ وہ اس زمانہ کے ہندوستانی روسا اور اکثر تعلیم یافتہ لوگوں کے نزدیک اعتماد کے لائق سمجھے جائینگے۔ کیونکہ خیال ہے کہ وہ اس قسم کے بیانات کو جو ایک ایسے ناظرِ فردا و بغیرِ غرض شخص کی طرف سے ہوں بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ اور اگر میرا یہ قیاس صحیح ہو تو ملک کی موجودہ حالت کا اُس زمانہ کی حالت سے مقابلہ کرنا ایک عمدہ تاثیر سے خالی نہوگا۔ منشی احمد الدین صاحب جو ایک ذی علم شخص ہیں اور اس کتاب کے ترجمہ کی بوقتِ نواب کمانڈر انچیف بہادر پہ سالار افواج ہند کے ترجمانِ فارسی کے دفتر میں آسموٹھے انہوں نے مجھے اس کام میں بہت مدد دی تھی اور میں اُنکا بہت مہربان ہوں۔ جب ترجمہ ہو چکا تو میں نے اُسکی ایک نقل صاحب ڈاکٹر سر شمس الدین اضلاع شمالی و مغربی کے پاس جہاں زبان اُردو زیادہ تر بولی جاتی ہے روانہ کی۔ مگر انہوں نے مجھے یہ کھٹاکہ اگرچہ ترجمہ اچھا ہے لیکن نظر ثانی کی ضرورت ہے ایسے مناسب ہے کہ کسی ایسے مستند اور زباں داں شخص کو دکھالیا جائے جو اُردو زبان کا ماہر ہو جسے اہلِ دہلی کی اُردو کہتے ہیں۔ سینے اس رائے پر عمل کیا اور کتاب کو دہلی کے ایک مشہور و معروف معزز شخص کے سپرد کر دیا جو اُردو کا مشہور زبان داں تھا۔ لیکن یہ کتاب اگرچہ ایک برس تک اُسکے پاس رہی۔ مگر اُس نے صرف چند ہی اوراق میں کچھ اصلاح کی اور پھر ویسی کی ویسی



میرے پاس بھیج دی۔ ظاہر یہ کام بسبب بڑے اور ضعیف القوی ہونیکے  
اُس شخص کی طاقت سے باہر تھا۔

کچھ دنوں بعد یہ تمام سرگزشت مینے اپنے دوست خلیفہ سید  
محمد حسین صاحب میرمنشی ریاست پٹیالہ سے بیان کی۔ جو  
اُردو۔ عربی۔ فارسی اور انگریزی زبان کے جاننے میں مشہور ہیں اور جنکے  
عرصہ ہوا کہ گورنمنٹ عالیہ قیصر پر کی حضور سے ”مَشِيرُ الدَّوْلَةِ مُمْتَازُ الْمُلُكِ“ کا  
خطاب مرحمت ہوا ہے۔ اُنہوں نے نہایت مہربانی سے اس کتاب پر دوبارہ  
لفظ ڈالنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اور نہ صرف اوّل سے آخر تک اُسکی  
اصلاح پر اکتفا کیا بلکہ جن بعض مقامات کا ترجمہ مینے مصنف کی فلسفیانہ تحقیقات  
سمجھ کر اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ ناظرین اہل ہند کے لیے شاید کچھ دلچسپ  
نہوں اُنکا بھی ترجمہ کر ڈالا۔ اور اس غرض سے کہ یہ کتاب زیادہ مَشْرُوح اور زیادہ  
دلچسپ ہو جائے بہت سے مفید حاشیے بھی اضافہ کر دیئے۔

جب خلیفہ صاحب موصوف جیسا کہ مینے بیان کیا ہے اس کتاب  
کی ترمیم اور اصلاح سے فارغ ہو چکے تو مینے هُنْدُ اَكْسِلِسِنِي سَرْفِ نِدْ رَكْ  
صاحب بہادر ”سجی۔ سی۔ بی۔“ ”سجی۔ سی۔ ایس۔ آئی“ وغیرہ سے  
جو اُسوقت هِنْدُ وِسْتَان کے ”کمانڈر انچیف“ تھے اور جنکے ”پَرَسَنَل سِنَا“  
میں مینے مامور تھا یہ درخواست کی کہ میری اس کتاب کو گورنمنٹ عالیہ ہند  
کے حضور میں اس مُراد سے بھیج دیں کہ مجھے اتنی مدد حاصل ہو جائے جس سے  
میں اسکو چھپوا سکوں اور منشی احمد الدین صاحب کو اُنکی مدد دہی کا صلہ

وہ سکوں۔ اور یہ بھی عرض کر دیا کہ اس میں میں اپنی ذات کے لئے کچھ روپیہ کی مفاد کا متمنی نہیں ہوں۔ چنانچہ نواب مدوح نے ازراہ کرم میری درخواست کو گورنمنٹ ہند کی خدمت میں بھیج دیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد صاحب فارن سکریٹری گورنمنٹ موصوف نے زبانی وعدہ فرمایا کہ اس معاملہ پر توجہ کی جائیگی۔ مگر کچھ دنوں میں نہ آیا جسکی شاید کوئی وجہ ہوگی اور غالب تو یہ ہے کہ کوئی بھی وجہ نہ ہو۔

جب یمن اس طرف سے آیا تو میں نے صاحب ڈاکٹر سر شمس الدین علیہ السلام کی خدمت میں تحریر کیا۔ اور صاحب موصوف نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس کتاب صاحبان سینٹ پٹناب یونیورسٹی کی خدمت میں پیش کریں گے۔ مگر میں اس اثناء میں برس روز کی رخصت لیکر ولایت چلا گیا۔ اور وہاں سے واپس آتے ہی مصر کی لڑائی پر بھیج دیا گیا۔ اور جب مصر سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ کتاب کے بارہ میں ابھی کچھ بھی ظہور میں نہیں آیا۔ حالانکہ کونسل اعلیٰ صاحب بہادر ڈاکٹر سر شمس الدین علیہ السلام نے ذاتی توجہ ظاہر فرماتے تھے جس سے ہر محمول مجبوراً امید ہوتی تھی کہ سال کے اختتام سے پہلے کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائیگا۔

مگر کچھ عرصہ نہیں گزرا کہ میرے عالیقدر اور نہایت صاحب فضل و کمال شیخ خلیفہ سید محمد حسین صاحب نے (جو اس کتاب کی تصحیح اور نظر ثانی میں بہت ہی تخیل اٹھا چکے تھے اور جنکو اس بات کا کامل یقین ہے کہ یہ ان کے ہونٹوں کے لئے مفید ثابت ہوگی اور اسکے الطباع میں مدوینے سے گویا وہ

ایک طرح سے سرکار عالیہ قیصریہ کی ایک خدمت بجالائیے، اسکے شیوع میں زیادہ تساہل اور تامل کو گوارا نہ فرما کر مجبوریہ لکھا کہ میں اس کتاب کو خاص اپنی فرائض اور اپنے ہی خرچ سے چھپوانے کے لئے آمادہ ہوں مجرور پھنچنے اس تحریر کے سینے انکی اس ہمت فیاضانہ اور ارادہ افادہ عام سے کوئی ہالرائڈ صاحب کو آگاہ کیا اور انکے مشورہ سے آخریہ قرار پایا کہ کتاب خلیفہ صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیج دی جائے۔

کسی یورپین زبان کی کتاب کا ایک مشرقی زبان میں ترجمہ کرنا شاید بعض لوگوں کو ایک آسان سا کام معلوم ہوتا ہو مگر ایسی صحت کے ساتھ ترجمہ کرنا کہ مطلب اور معنی تو ہو ہو وہی ادا ہو جائیں اور باہینہ ٹھیکہ لفظی ترجمہ بھی نہ ہو اور حتی الامکان وہ زور بھی قائم رہے جو مصنف کے اصل بیان میں پایا جاتا ہو اور مشرق کے طرز انشا کی خوبی و لطافت بھی اٹھ سے بجائے ہرگز آسان نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب کے ترجمہ میں طرز بیان اور اس قسم کے امور کی نسبت کہ ترجمہ کس ڈھنگ پر کرنا چاہیے۔ اور اس میں مصنف کے الفاظ کی پابندی وغیرہ کس حد تک کرنی یا کرنی چاہیے معترضین کو (جو اپنے اپنے مذاق کے موافق اعتراض کیا کرتے ہیں) مطمئن کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر بہر حال چونکہ کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر نے یہ کام سے دی کہ اس ترجمہ پر ایک دفعہ اور بھی نظر ڈال لیجائے تو بہتر ہے۔ ایلے میرے عنایت فرما جناب خلیفہ صاحب نے نہایت خوشی سے اسکو بھی منظور کر لیا ہے کہ وہ اپنے لائق مہربان اور صاحب علم و فضل بھائی جناب وزیر الدولت

مَدْبَرُ الْمَلِكِ خَلِيفَةُ سَيِّدِ مُحَمَّدٍ حَسَنِ خَانَ صَاحِبِ بَهَادَرِ  
 وَ زِيَرِ عَظَمِ رِيَا سَتِ پُتَالَاہ کی مدد سے ایک دفعہ اس کتاب کو پھر بغور دیکھ ڈالینگے۔  
 میرے دوست کا یہ منشا ہے کہ چھپ جانیکے بعد اس کتاب کی کل جلدیں  
 بغرض عانت سرمایہ علیگڈہ کے مَدْعُوسْتِ لُؤْم کو دیدیں۔ اور انکو امید  
 ہے کہ راقم کی سفارش سے کتاب مذکور کی کچھ جلدیں گورنمنٹ بھی مختلف ملازمین  
 ہِنْدُ وِسیٹان میں تقسیم کرنے کی غرض سے خرید لیگی اور اپنے لیے تو وہ  
 حق الطبع بھی محفوظ رکھنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ کاپی رائٹ ایکٹ کی رو سے جو  
 کل ہِنْدُ وِسیٹان کے لیے معمول رہے ہیں اور وہ دونوں محفوظ رکھ سکتے  
 ہیں خلیفہ صاحب موصوف کے نزدیک ایکٹ مذکور اس ملک میں کہ جہاں  
 کے لوگ فی الواقع ہنایت کم مقدور ہیں اور جنکو اگر تھوڑا سا خرچ بھی عاید ہوتا ہو تو  
 علمی باتوں کی طرف مائل کرنا مشکل ہے۔ علوم و فنون کی اشاعت عام کا مانع ہر  
 ایسے وہ چاہتے ہیں کہ حق کاپی رائٹ صرف اپنے ہی لیے محفوظ رکھے  
 چنانچہ میں اس خیال سے کہ میرے دوست خَلِيفَةُ مُحَمَّدٍ حَسَنِ صَاحِبِ کا  
 کفہ وقت اور محنت اور روپیہ اس کتاب پر صرف ہوا ہے انکی اس تجویز کو  
 منظور کرتا ہوں۔ مگر ان کے فیاضانہ نمونہ کی پیروی کے طور پر انہی طرف سے  
 یہ حق علیگڈہ کے مَدْعُوسْتِ لُؤْم کو بخشا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی ملان  
 کرتا ہوں کہ اس کتاب کے پہلی دفعہ شہر ہونیکے ساٹ برس بعد ہر شخص کے

چھاپنے کا اختیار ہوگا۔ فقط

راقم  
 ہندی موز

## دُبَاچِ کَتَبُ

جو کربل مورچہ کی طرف سے منشی احمد الدین جہا  
مرا و آبادی نے بطور برعت الاستہلال اور ریو تلو کے  
اس کتاب کے پہلے ترجمہ پر لکھا تھا۔

سزاوار حمد و ثنا وہ یگانہ ہے۔ جسکی قدرت و کیتائی پر دلیل یہی سارا  
زمانہ ہے۔ اور اُسکی بزرگی پر گواہ اس عالم کا سب کارخانہ۔ سبحان اللہ! ایسا  
صاحب جبروت کہ اپنے قیام سلطنت میں کسی امیر۔ وزیر۔ مشیر۔ ارکان دولت۔  
اور خدم و حشم۔ کا اصلاً محتاج نہیں۔ تعالیٰ اللہ وہ ذوالجلال جسکا نانی و مثل متنع جوہر  
اور نظیر و عدیل اسکا فضاے امکان سے نابود۔ آسمان بریں اُسکے حکم ناطق سے  
سرگرداں۔ اور چاند سورج رات دن اُسکی قدرت عجیب کے مشاہد سے  
حیراں۔ اور اس کیتائی اور رعنائی کو دیکھ کر چشم انجم نرگس و سرسبز نگران اُسکا  
خطبہ فاختہ اور قمری کو برزبان۔ اور اُسکا سکہ ورق زرین و سیمین مہر و ماہ نراز  
ماہ تاباں ہی رواں۔ اُسکے در دولت کا عام و خاص گرجی و عرش بریں ہے  
اور اُسکا پاس تخت خاص لامکاں و اعلیٰ علیتین۔ مُقربان و درگاہ اُسکے ملائے  
و ملاک مُقربین۔ تنہا در بار کو ماہی مراتب ماہ و مہر و انجم و عقد پرویں۔ سپاہ اُسکی  
انجم منیر۔ اور قدرت و سلطنت عظمت اور جلالت اُسکے امیر۔ دبیر۔ مشیر۔ وزیر۔

اُسکے دربار قدرت میں سوسن ترجمان - عطار و دقالب نگار اور قمری مسلمان - اُس  
بے نیاز کی بارگاہ میں صرف نذر عجز و نیاز ہی بار یاب ہوتی ہے - اویں پیش  
زرین و جواہریں کے عوض سلک مروارید عقد پر دیں دگوہر آبدار انجم کشتی ماہ  
دہر میں چنی ہوئی بہر نثار تیار رہتی ہے - اُسکے شبستان جلال و خلوت خانہ خاص  
میں قنادیل انجم و شمع ماہ روشن ہیں - اُسکی بارگاہ اقتدا میں فرش جبروت بچھا  
ہے - اور سندیں جلال کی لگی ہوئیں - مشجر سبز چرخ مینار نگ پائنداز ہے -  
اور شامیانہ فلک اطلس و عرشِ اعظم استادہ باندا - گرز برداری میں آفتاب سدا  
حاضر منصب داری میں ہلال سلج اور متعدد سراسر - ثوابت و سیارے سے  
پیدل ہزار و ہزار - شہاب ثاقب سے لاکھوں نیزہ بردار - مُرغان اولی الاجنہ  
سے بیشمار سوارانِ جہار حاضر و موجود ہیں - جنکی شمشیر برق و خشاں ہے - اور بچکا  
سپر دائرہ مہر تاباں - اُسکا خلوت خانہ مقامِ مہو ہے - اور اُسکے دربار خاص  
کی عجیب اور حیرت افزا گفتگو ہے - میر سامان و میر توڑک قضا و قدر - اوجین اکبر  
نور و شب قدر روح الامین و ساکن ملا برتر - سر و فقر و میرنشی لوح و قلم - فلک  
اطلس سرادقات - اور خوشبید علم - فردوس بریں میں جلوس شانہ طبقات  
ارض و سموات میں جاری ہر ایک کارخانہ - اُسکی قدرت و کیمائی پر اس عالم کی  
صفت ایک نمونہ ہے - ہر نگ مثال - اور اُسکی عظمت کے روبرو اس جہان کا  
کارخانہ ایسا ہے جیسے چہرہ پر خال - بھلا اُسکی حمد کیسے تو کیا کیجئے کہ یہاں عقل  
حیران ہے اور فہم سرگردان - بہتر یہ ہے کہ بشیر اظہار عجز و نیاز ہی کرے -  
یہاں اظہار نادانی عین دانائی ہے - اور عرض عجب نہ دلالت دانی عین توانائی -

الحمد للہ کہ صریحاً اس نواسے و مسازہے۔ اور فکر و درہن اس سنگ  
سے ہم آواز۔

بندہ ہماں بہ کہ نقصین خوش	عذر بدر گاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوارِ خداوندیش	کس نتواند کہ بجا آورد

بعد ازیں ان اوراق کا مترجم گزارش پروانہ ہے کہ علم تاریخ و سیر  
نہایت مفید اور کار آمد فن ہے۔ کثرت روایات و اتفاق تواریخ بغیر اسکی  
صحت پر وال۔ ہزاروں مفادِ معاش و معاود و تجارب و نصایح و وقایع عجیب  
و حوادث شگوف سے مالا مال۔ یہ علم ہر دل عزیز و دل چسپ و مرغوب خاطر  
ہے۔ اور اسکی مزاولت سے حصولِ حسنِ اسلاق و معاشرت و تزکیۂ نفس و سیات  
مدن سراسر۔ بالتخصیص اپنے ممالک و امصار و دیار کا حال جب کسی مفسدِ خلق جنبی  
کی زبان سے بیان ہو۔ علاوہ بریں کسی ملت و مذہب کو اُس سے رد و نکار  
نہیں۔ البتہ افراط و تفریط میں متوجہ بنام و بے اعتبار ہو جانا ہے۔ حد  
اعتدال کی روش ضرور ہے۔ فی الحقیقت حالات و بیانات سلف موجبِ یاری  
و تبصرہ خلف ہیں۔ بابریں اس فن شریف میں تالیف و تصنیف اندیشہ تضحیٰ اوقات  
اور بیفادہ مناظرہ مباحثہ کے خیالات سے بالکل محفوظ ہے۔ لہذا مترجم نے  
ان اجزا میں ترجمہ حکیم بوذیر فرانسسی کی تاریخ کا جو مضمون و اتفاقاتِ سلطنت  
مغلیہ تیموریہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ زبان اردو کے سلیس اور مروج میں  
کیا۔ اہل ہند ملاحظہ کریں کہ زمانہ شاہجہاں اور اودنگ ریب کے حالات اور  
واقعات واقعی (جنکو ایک محض اجنبی حکیم بغیر غیبت و تعصب سیاحت دوست

حق پند مقول میں نے بچشم خود مدت سالہا سال تک جسکا مذکور اس کتاب  
میں تفصیل ہوگا دیکھا) کس رنگ ڈھنگ پر تھے۔ اور اُس زمانہ میں اہل سیف  
قلم در عایا و برایا کا کیا حال تھا اور اُن سے کیا پرتاؤ ہوتا تھا۔ اہل نجوم و رمل کی  
کستہ صلاح و ہدایت مقدم و منظور تھی۔ اُمرا و تجار و حکام و مہاجن لوگوں کا  
امانت البیت۔ جائداد۔ جاگیر۔ اسباب۔ کس طرح سرکار شاہی میں خالصہ شریفیہ  
ہو کر لگ جاتا تھا۔ شکار شاہی کس طرز و انداز پر ہوتے تھے۔ سلاطین شاہزادگان  
کو کس قاعدہ پر نظر بند و مجبوس رکھتے تھے۔ سفیروں اور انچپیوں سے کیا سلوک  
ہوتا تھا۔ قلمہ مٹائی و مجلس میں بیگمات و قلمناقیوں و خواجہ سراؤں کا کیا اختیار  
اور ضابطہ تھا۔ دربار عام و خاص و غلئی و حجر و کہ درشن و ملاحظہ افواج و فیلیان و  
اسپان خاصہ کے کیا قاعدے و طریقے تھے۔ تحقیقات مقدمات نو بدار سیالی  
و ملکی کس آئین و ضابطہ پر ہوتی تھی۔ اور انکا انفصال کس بنیاد و رعایت و روش پر  
شاہزادوں۔ امیروں۔ ذیریوں۔ منصبداروں۔ راجوں۔ جاگیرداروں۔  
اور وزیرینہ دار۔ اور یگیوں۔ اور پنہارمی۔ اور ہفت ہزاری وغیرہ و سواریکہ سپہ  
و دواسپہ کا کیا دستور العمل تھا۔ جنگ غنیمت سے کیونکر ہوتی تھی۔ ضوابط و صفائی  
اور سلسلہ بندی فیلانی۔ شہر خانہ۔ توپخانہ و مورچہ و خندق وغیرہ کے کیونکر تھوڑے  
سراے قتل کیسے اونٹے اور نئے جرائم پر ہوتی تھی۔ داد و دہش وغیرات۔  
انعام و اکرام۔ نذر و نیاز و پیشکش شاہی کا بقریب جشن و جشن نوروز می عیدین  
اور دیگر رسوم مقررہ اہل سلام وغیرہ کا کیا رویہ اور طریقہ تھا۔ جانوروں کی لڑائی  
کیونکر ہوا کرتی تھی۔ فیلیان سنت انسانوں پر کیسے چھوڑ دیے جابا کرتے تھے۔



سفر قرب و جوار و دور و دراز کس توڑک و تچل سے ہوتا تھا۔ ارباب نشاط سے کیا سلوک کیا جاتا تھا۔ احکام شاہی کیسے ناطق گویا قضاے مبرم تھے محکم شاہی کو کوئی یلیم یا شانہ زوہ تک عدول نہ کر سکتا تھا۔ اسی عنوان کے واقعات و حالات عجیب جنکو حکیم موصوف نے سرایہ عبرت و ذخیرہ بصیرت سمجھا روزمرہ مثل روزنامہ بلاناغہ سفر و حضر میں مندرج و منضبط کرتا گیا۔ حالاتِ رزنیہ و بزنیہ بجائے خود نہایت صراحت سے قلمبند کیے ہیں۔ ازاںجا کہ حکیم مذکور اخبارِ سماعی کی نسبت اڑیس بدگمانی رکھتا تھا اسلئے از حد متلاشی و متجسس ہر امر کی حقیقت کا اور خواہشمند شاہد اور تجربہ کار رہتا تھا۔ اور ہر واقعہ پر پابندی وضع حکیمانہ و فیلسوفانہ معقولیت و حکمت سے غور کرتا تھا۔ اور جب تک کسی شے عجوبہ اور طلسم۔ اور ہند کی رسم مذہبی سے خوب واقف نہ ہو لیا اسکی تلاش اور تحقیقات سے باز نہ آیا اور اس امر میں اپنا روپیہ خرچ کرتا رہا۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے علماء و حکماء و اطباء و فقراء و عرفاء و ائمراء سے خصوصاً بیگمات کے ملازمین خاص و خواجہ سراؤں و خدم پرہ نشین وغیرہ سے تا بمقدور اڑیس حیرت افزا اور نہایت نامعلوم حالات کی تشریح اور اصلیت دریافت کرتا رہا۔ اور اس تحقیقات میں اخراط و تفریط سے برکنار رہا۔ اختلاف رائے جمہور و قولِ فصیل مذکور کر دیا۔ اور کہیں کہیں مبرا و اظہار متقابلہ اور ہنسنا سبب مقام اپنے ملک اور قوم کی راہ و رسم۔ وضع اور طرزِ عمارت عجیب و صواب۔ اور ہر قسم کے حالات بھی لکھ دیئے ہیں۔ اور طرز بیان ایسا مفید اور عمدہ اختیار کیا ہے کہ جمیع اقوام ہند۔ و حدود۔ و دریا۔ و جزائر و سمندر و علاقہ کے راہگان خارج از سرحد ہند۔ و حکام ہمسایہ و اقوام سابقہ و مازوں

ہند کے اکثر حالات سے آگاہی اور ناظرین کو کمال استعداد و تجرد ملکہ علم تاریخ پر حاصل ہوتا ہے۔ اور طرز وقایع نگاری ہاتھ آتی ہے۔ بیان حالات ہند اور طریقہ تعداد سپاہ و آمد و خرچ و اختیار صوبہ و حاکم و ناظم صوبجات خوب مفصل اور شافی مذکور کیا ہے۔ یہ حکیم معرکہ اورنگ زیب و داراشکوہ میں موجود تھا۔ اور بیشتر لطایف ان بچشم خود دیکھیں۔ اور بعض کی کیفیت کمال صحت دریافت کر کے لکھی۔ محل شاہی کی خاص خاص کیفیتیں ایسی مشکل جو کسی امیر و وزیر ارکان دولت کو معلوم ہونی ناممکن ہیں حرم سرا کے خدم و حشم سے حاصل کر کے تحریر کیں۔ علاوہ بریں حکیم مذکور پیشہ طبابت بھی رکھتا تھا اور اس وسیلہ سے محلات و بیگمات تک رسائی پائی۔ چنانچہ یہ امور خود اس نے اس کتاب میں مذکور کیے ہیں۔ جہاں محلات شاہی کے اندرونی تخیل و لوازمات بیان کیے ہیں۔ حکیم مذکور غیر ملکوں کے ایلیچوں سے ہمیشہ دن کی نادرات و عجائبات اور دریاؤں کے سرچشمے اور حالات وقت طلب جو کتب تواریخ و سیاحت میں مرقوم تھے دریافت کرنا۔ کشمیر کی وہ عجائب و غرائب کیفیات بچشم دیدہ جلو ملک کشمیر کے باشندے اور بہت سی لوگ داخل کرا مت کرتے تھے لکھیں۔ اور انکی ہلیت بھی دریافت کر لی۔ کہ حوصلہ بشر و سیاحاں ہند سے محال اور از قبیل خواب و خیال تھیں۔ کشمیر کے آبشار و آہار و اشجار و آثار و آثار و آثار و احبار غریب و بدیع کا بیان کمال بے غلطی سے مندرج کیا گیا ناظرین کتاب سیر کشمیر کر رہے ہیں۔ اسکی راہ ہمارے شہر اور گوار و گرم سیر و ایذا رسان و محسن مقاموں کا بیان بھی بڑی عمدگی سے کیا ہے۔ الحاصل وقایع حکیم تبیر ایک نادر و حیرت افزا مجموعہ ہے۔ اگرچہ ہمارے

کلام میں مبالغہ کو مطلقاً رسائی نہیں ہے۔ مگر جب تک ناظرین اس کتاب کا غلط اور سبز کرینگے ہمارے قول کی تصدیق مشکل ہے۔ حیرت اور کمال صحت کی بات ہے کہ اس مختصر میں کیا کیا عجائبات بھرے ہیں بلا تشعّی اس ردّ و نہ رعنایں رنگارنگ کے پھول کھلے ہیں۔ یہ حکیم ٹری منجیدگی اور احتیاط سے ہر واقعہ لکھتا اور بمقام شک صاف کہہ دیتا ہے کہ میں نے خود نہیں دیکھا ہے۔ فلاں پرتکلیز وغیرہ سے سنایا قافلہ تجار سے تحقیق کیا۔ یا ایک دوست کے خط یا فلاں کتاب سے اخذ کیا۔ الہا حکیم ندبور فن و قلیع نگاری و تاریخ نویسی میں مسلم اہل ولایت و عدیم النظر ہے۔ اسکی طرز تحریر سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے۔ جب کسی شہر۔ قلعہ۔ مکان۔ عمارت کا بیان کرتا ہے تو اس خوبی سے کہ گویا قاری اُس موقع کا نقشہ دیکھ رہا ہے۔ حکماء سے فرانسیس اور مورخان فرنگ اُسکو اس فن کا اُستاد جانتے ہیں مختصر نویسی اُسکی ممتاز و مرغوبِ قلوب ہے۔ اسی مجبورۃ کو ملاحظہ فرمائیے کہ گویا دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ اُسکو سیاحت کا بڑا شوق تھا اور جہاں گردی کا ذوق۔

اب ہم تھوڑا سا حال حکیم مرثیہ کی حقیقت اور اسکی سیاحت اور سوانح عمری کا (جس طرح سے کہ پاؤ دینی اژدنگ پوائن صاحب اس کتاب کے فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کرنے والے نے لکھا ہے۔ اور کچھ ایک اژدنگ کتاب سے اخذ کر کے) بہت ہی اختصار کے ساتھ برائے ملاحظہ ناظرین کتاب تحریر کرتے ہیں

قولہ ڈاکٹر فوائسنس بونیر ملک فرانس کے شہر انجس میں

پیدا ہوا تھا اگرچہ بقول دہلی ڈیر صاحب ڈاکٹر مذکور کی ولادت ۱۲۵۷ھ سولہ سو پچیس عیسوی میں ہوئی تھی۔ لیکن دراصل اسکی پیدائش کا سال محقق نہیں ہے۔ جب مقام مونٹ پے لیئر میں اُسے علم طب میں درجہ فضیلت حاصل کیا (یعنی ڈاکٹر آف فیزک کی ڈگری پاچکا) تو اُسے اپنے اُس دلی شوق کو جو وہ سیاحت کی نسبت ہمیشہ رکھتا تھا پورا کرنا چاہا۔ چنانچہ ۱۲۵۷ھ سولہ سو پچیس عیسوی میں وہ اقل ملک شام کو گیا اور جیسا کہ اُسے خود اپنی اس سفر نامہ میں لکھا ہے۔ وہاں سے مصر میں پہنچا اور شہر قاہرہ دارالسلطنت مصر میں ایک سال سے اُوپر قیام کر کے (جہاں کہ وہ طاعون کی دہائی مہلک میں بھی مبتلا ہو گیا تھا) ہندوستان میں آیا۔ اور اس ملک میں بارہ سال رہا۔ اُسے ۱۲۷۰ھ سال اورنگ زیب اور دانشمند خاں کی سرکار میں۔ جہاں وہ پیشہ طبابت کرتا رہا دانشمند خاں اورنگ زیب کا بڑا معزز اور صاحب اقتدار امیر تھا۔ علوم و فنون کا بڑا قدردان اور بڑا صاحب علم و دانش۔ اہل علم و ہنر کی امداد و دلداری میں سرگرم۔ اور کار آمد و ذی علم لوگوں کا جوہر شناس تھا۔ اُسے اس ہوشیار اور مفید اجنبی شخص کی وفاداری اور سرپرستی کی۔ چنانچہ جب دانشمند خاں سفر کشمیر میں اورنگ زیب کے ہمراہ چلا تو بربنڈ کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔

جب ڈاکٹر مذکور فرائض کو واپس گیا تو اُسے (۱۲۷۰ھ سولہ ستر) عیسوی میں اپنا سفر نامہ چھپوایا اور شہر کیا۔ وہ چیدہ اور برگزیدہ اشخاص جو باعتبار علم و فضل جامع کمالات اور حکیم و ادیب اور ناظم و ناظر بے مثل اور اُس زمانہ میں مغرور انسان گئے جاتے تھے اُسکی صحبت کو بہت پسند کرتے تھے۔ اور ان سے اُسکی

بہت بے تکلف دوستی تھی۔ سینٹ ایورمانٹ جو ابتدائے عمر میں ایک پادری تھا اور بڑی جدید الطبع اور عجیب غریب قابلیتوں کا نامور عالم و فاضل بھی تھا اور سپاہی بھی۔ اور خواہ کچھ سی ہو جائے ہجو کر دینے اور بھتی بازی سے کبھی نہیں رکتا تھا۔ برنیر کو "خوبصورت فلسفی" کہا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ بڑا ہی خوش رو۔ موزوں قد۔ خلیق۔ صاحب سلیقہ۔ پسندیدہ عادات۔ خوش تقریر اور بلیغ شخص تھا۔ وہ اپنے فلسفیانہ خیالات میں جبکہ فلسفہ کہنا گویا اس لفظ کو خراب کرنا ہے حکیم اپنی کیونسی یونانی کا پیر و تھا اور اپنے استاد گیسینڈی کا (جس سے اُسے فلسفہ کی تعلیم پائی تھی) نہایت معتقد تھا۔ اور ہمارے پاک اور مقدس مذہب عیسائی کے مسئلہ الہامیہ سے منکر ہو کر ان بیدین فلسفیوں کے تخیلاتِ لمحداء کا قایل ہو گیا تھا ہمارے زمانہ کے لوگوں کے لیے یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ اُسکے فیلسوفانہ رسالوں وغیرہ کی نسبت اب چنداں توجہ نہیں کی جاتی۔ مگر اُس کے اس سفرنامہ کی قدر اس قدر کیجاتی ہے جو پہلے زمانوں میں کبھی نہیں ہوئی اُسکا ایک معاصر فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ ڈاکٹر برنیر نے ۱۸۸۸ء سولہ اٹھاسی عیسوی میں اس غم سے انتقال کیا تھا کہ ڈی ہارے نے جو فرانس میں سب پہلا پریسیڈنٹ تھا ایک عام دعوت کے جلسہ میں اُسکی نسبت کوئی خست طعنے زنی کر دی تھی افسوس! کہ گیسینڈی کے تخیلات متعلقہ الہیات نے اُسکو کچھ قوت قلبی اور تسکین روحانی نہ بخشی۔ اور اس فلسفی نے ایسی حالت میں قضا کی جسکو شک نہ دلی کی موت کہنا چاہیے "انتہی

حکیم برنیر کا حافظہ یادداشت واقعات سلطنتِ مغلیہ کی بابت نہایت

بعد معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب سے امور مندرجہ ذیل کی بابت بہت اگاہی و فہم حاصل ہوتی ہے ملک کی خاص کیفیت اور شاہی حالات کی ماہیت اور دربار وغیرہ کی حقیقت۔ ہندو قوم کی چال ڈھال ریت رسم اور احوال اُن کے معبود دیوتاؤں وغیرہ اور اُن کی قربانی و تیرتھ جائز و نحوہ کشی وغیرہ کا۔ نقطہ

## الْتَامِسُ مُتْرَجِمٌ

دافع ہو کہ مترجم نے بعینہ مطالب کتاب حکیم بن ندیم کے ترجمہ کیئے ہیں اپنی طرف سے کچھ افراط و تفریط اصلاً نہیں کی ہے۔ اگر کوئی بات خلاف اپنی قوم۔ مذہب۔ ملت۔ رسم و رواج کے ملاحظہ کریں مترجم کو اُسکی نقل و ایراؤں معاف رکھیں۔ اور اظہارِ بخشش کریں۔ کیونکہ امور تواریخی مذکور ہوئے ہیں حسبِ ما و تجربہ حکیم مذکور اور اُس نے جو دیکھا اور سنا بلا ارادہ اندازِ بخشش اہل ہند کے لکھا ہے۔ اور امور سماعی میں حکیم بھی معذور ہے۔ العمدۃ علی الراوی۔

مقام دارالامارہ کلکتہ

۱۳۔ مارچ ۱۹۵۷ء

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ کتاب جس حالت اور حیثیت میں میرے پاس پہنچی تھی وہ میرے معزز دوست جناب کرنل ہنری مور صاحب بھادر نے اپنے انٹروڈکشن میں مشروح لکھی ہے۔ اور اُس دیباچہ سے جو کرنل صاحب موصوف کے مدکار ترجمہ مَنَشِیْ اَحْمَدُ الدِّیْنِ صاحب مُراد آبادی نے اسکے پہلے ترجمہ کے لئے لکھا تھا۔ اور اُن کرنل صاحب اور منشی صاحب کی خواہش کے موافق بیادگار اُس تعلق کے اس کتاب میں لگایا گیا ہے کیسقدر معلوم ہو سکتا ہے کہ سابقہ ترجمہ کی طرز عبارت وغیرہ اور طور کی تھی اور یہ ترجمہ جواز سر نو کیا گیا ہے اور طرح پر ہے۔ کرنل صاحب نے اصل کتاب کے بعض مضامین کا ترجمہ بھی نہیں کیا تھا کیونکہ مقصود خاص زیادہ تر انہیں مطالب کے ترجمہ سے تھا جو سلطنتِ خلیہ سے کچھ علاقہ رکھتے تھے۔ لیکن میرا خیال یہ تھا کہ جو مطالب ہندوستان سے متعلق ہیں وہ سب ترجمہ ہو جائیں ایسے ایسا ہی کیا گیا۔ البتہ ڈاکٹر بریلر کی ایک چٹھی کا جو اُسے شدید از سے اپنے ایک دوست کو لکھی تھی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اُس میں صرف سلسلہ جزائیمیزی کی فلسفیانہ اور عام بحث ہے جس کو ہندوستان سے کوئی خصوصیت نہ تھی۔ اور چونکہ نفس کتاب میں بعض مقامات قابل تصحیح تھے۔ یا روایات مسلمہ و مشہورہ عام کے برخلاف معلوم ہونے لگیں تھیں۔ معنف کا بیان تو ثقیں طلب تھا۔ یا ناظرین کی مزید و تحقیق اور بصیرت کے لیے کسی

تشریح تفصیل کی احتیاج تھی۔ یا مقابلہ کے لئے موجودہ زمانہ کی بعض حالتوں کو دیکھنا مفید تھا۔ ایسے معتبر کتابوں اور صحیح ماخذوں سے جہاں کہیں موقع تھا حاشیوں کا لکھنا مناسب سمجھا اور چونکہ زمانہ حال کے یورپین مصنفوں کے دستور کے موافق فقرہوں کے شروع میں مضمون کا خلاصہ اصل کتاب میں نتحاً نہ فہرست مطالب تھی جس سے کسی مضمون کی تلاش اور حوالہ دینے میں بڑی ہی دقت تھی لہذا اسکو بھی رفع کیا گیا۔ اور نظم و ترتیب کے لحاظ سے کچھ ایسے تغیرات بھی کئے گئے کہ بعض مضامین کو ایک جلد سے دوسری جلد میں منتقل کیا گیا۔ اگرچہ اُن اُمور کے مختصر حصّہ حاشیوں کے التزام سے محنت بہت ہی بڑھ گئی مگر الحمد للہ کہ یہ کام جناب اخ معظم وزیر اللہ ولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب بھادون دینیا عظم ریاست پٹنالا کی امانت سے باوجودیکہ مجھے اپنے منصب کی سبقت فرست کم تھی انجام کو پہنچ گیا۔ اور یہ دل چسپ کتاب جسکو اُس وقت کی طرز حکومت اور حالت ملک کی ایک صحیح اور بے نظیر تصویر کہنا چاہیے نہ صرف ترجمہ بلکہ ایک طور کی تالیف کی صورت میں چھپکرتیا ہو گئی۔ اسکی جلد ثانی اخیر ص ۷۷ عیسوی میں تیار ہو گئی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ جلد اول کے کام میں بسبب کم فرصتی اور فحاشیوں کے التزام کے خلاف توقع ایسی تاخیر ہوئی کہ اسوقت سے پہلے تیار نہ ہو سکی ایسے بعد تکمیل اب دونوں جلدیں ہیہ ناظرین کیجاتی ہیں۔

اس کتاب کے ترجمہ کرنے اور چھپوانے سے جو اُمور مجھکو مد نظر تھے انکابلان کرنل مؤد صاحب بہادر نے اپنے انڈر وڈکشن میں شروعاً لکھ دیا ہے مگر کو علاوہ میرا ایک اہم مطلب یہ بھی تھا کہ اس ذریعہ سے راقم اور جناب موصوف کی



خالص اور بغیر ض دوستی کی ایک دیرپا یادگار قائم رہے۔ اس موقع پر اگر کسی  
 کچھ مختصر حال اپنے معزز دوست کا بیان کر دے تو یقین ہے کہ سچیل ہو گا۔  
 پس واضح ہو کہ جناب ممدوح فنون سپاہ گری کے علاوہ بڑے حساب کا  
 زباں داں ہیں اور اُنکی لیاقت اور قابلیت اسی سے ظاہر ہے کہ اپنی انگریزی  
 زبان کے علاوہ فرانسیسی، اٹالین، زمانہ حال کی یونانی، ترکی، عربی، فارسی،  
 اردو، سندھی، مرہٹی، اور جندوستان کی اور مختلف چھوٹی چھوٹی بولیوں سے  
 جو علیحدہ زبانیں تصور نہیں کی جاتیں بخوبی واقف و ماہر ہیں۔ ماسوائے اسکے فن  
 نقاشی میں بھی عمدہ دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب کبھی فرصت پاتے ہیں تو  
 ظاہر قدرت کے نقشے بھی کھینچا کرتے ہیں۔ اور علاوہ اُوں جنگی کارگزاریوں کے  
 چونکہ جنگ ایران، حبش، افغانستان، اور مصر کے واقعات عظیم اور  
 مشہور میں وہ اپنی سلطنت کی عمدہ خدمات بجالائے ہیں اسلئے بیگانہ علیحدت  
 کا مظہر قیصر ہند سے کمپینین آف دِی مونسٹ گوئل آرڈر آف  
 دِی با تھہ۔ اور کمپینین آف دِی مونسٹ انجی نینٹ آرڈر  
 آف دِی انڈین امپائر کے خطابوں سے معزز و ممتاز ہیں۔

صاحب ممدوح کا اصل تعلق جمبئی پریزیڈنسی کی افواج سے ہے مگر بلحاظ  
 اپنی لیاقتوں اور کمال زباں دانی کے لارڈ نپیر آف مگلڈالا، اور فریڈرک  
 ہینس اور سر ڈانلڈ اسٹورٹ صاحبان کمانڈر انچیف بہادر افواج ہند  
 کے ایام حکومت میں متواتر پندرہ برس تک اُنکے پرنسٹنل سیٹاف میں  
 پرنسپل انڈر پریٹر کے عہدہ پر رہے ہیں۔ اور باوجودیکہ صاحب کمانڈر انچیف

کو پرنس شاف کے عہدہ داروں کی نسبت یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنے پنجاب الایام حکومت میں جب کو وہ افسران فوج میں سے چاہیں منتخب کر کے اپنے پاس اللہین مگر بلحاظ انکی مسلمہ قابلیت کے تینوں صاحبان موصوفہ صدر نے ان ہی کو پسند فرمایا اور اپنے پاس سے علیحدہ ہونے نہیں دیا۔

لقب پرنسپل انٹوپریٹ کے لفظی معنی ہیں "ترجمانِ فارسی" شروع سلطنت انگریزی میں جب کل کاروبار زبان فارسی میں ہوتا تھا اور اسقدر دواور انگریزی کا نزد تھا اور حکام انگریز اکثر بات چیت بھی زبان فارسی ہی میں کیا کرتے تھے۔ یہ لقب اسوقت کا مستقر کیا ہوا ہے۔ مگر دراصل یہ عہدہ دار بطور پراسویٹ اور پولیٹکل سکرٹری کے ہوتا ہے۔ اور اسکا کام یہ ہے کہ جو مراسلات کسی مشرقی زبان میں کسی دایہ ملک کی طرف سے یا جو عرضی پرچہ ہندوستانی فوج کے پاس بھجوا سرفاروں کی جانب سے صاحب کمانڈر انچیف کے پاس آتے ہیں اپنے دفتر سے انکا ترجمہ کر کر پیش کرنا اور انکا جواب وغیرہ بھجوانا۔ اور میسوں اور امیروں کی ملاقاتیں صاحب کمانڈر انچیف سے کرنا اور انکے مزاج مختلفہ کے موافق انکے مراسم تعظیم و تکریم کا بندوبست کرنا (جو ایک بڑا نازک کام ہے) اور مابین انکے اور صاحب کمانڈر انچیف کے جنگلے زبان ہندوستانی کا جاننا کوئی امر لازمی نہیں عند الملاقات ترجمانی کرنا صاحب ممدوح نہایت خوش اخلاق وسیع الملاقات خوش تقریر اور متواضع اور ہرے جھاکش تکرار دوست ہیں۔ اور ہندوستانی امراء و شرفاء سے بہت محبت و ارتباط رکھتے ہیں۔ اور بدل ان کے بھی خواہ ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ صاحب ممدوح نے علاوہ اپنے اس شوق و رغبت کے جو انکو مشرقی زبانوں سے ہے۔ ہندوستانی

کے والیان ملک اور اُمراء و شرفاء کے فائدہ کے لئے باوجود شغل کار سرکار  
اس کتاب کے ابتدائی ترجمہ کرنے کی تکلیف اپنے اوپر گوارا کی تھی۔ پس خدا کا  
شکر ہے کہ انکی اور ہماری برسوں کی محنت ٹھکانے لگی اب یہ دعا ہے کہ تیرے  
اہل وطن اور ہندوستانی والیان ملک عموماً جنکے لئے یہ کتاب گویا سرمایہ بصیرت  
ہے اسکے مطالعہ سے فائدہ پائیں۔ اور خصوصاً بندگان حضور فیضیہ نور ولی نعمی  
ہر افس قرزند خاص و ولک انگلشیہ منصور دَرماں دَمِیڈا لَمَیڈا  
مَہاراجہ دِہراج راجیشتر سہری مَہاراجہ رانجکاز راجیشتر  
مَہند رَہقادَر فرماندو اے ریاست پٹیالہ دام رقبہ لہم کی  
نظر اشرف سے گزرے جنکے خوان نعمت سے مینے اور میرے بزرگوں  
نے پرورش پائی ہے۔ اور جنکی قدیمی رعایا اور کنخوار ہونے کا مجھے فخر  
حاصل ہے۔ اور حضور مدوح الشان اسکی مورخانہ اور دلچسپ حکایات اور حکیمانہ اور  
عبرت خیز بیانات کے ملاحظہ سے محفوظ اور متمتع ہوں۔

خاتمہ پڑ ناظرین اہل زبان کی خدمت میں التماس ہے کہ چونکہ خاکسار  
نہ لکھنؤ کا رہنے والا ہے اور نہ دہلی کا۔ بلکہ پٹیالہ اور سا مانڈا میرا  
اور میرے بزرگوں کا مولد و مسکن ہے جہاں زبان اُردو صحیح طور سے بولی  
نہیں جاتی پس اگر کسی محاورہ میں کوئی غلطی معلوم ہو تو معذور تصور فرمائیں۔

اَلْعَدُوُّ عَصَاكَ دَامَ النَّاسُ مَقْبُولًا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
محمد حسین بیگ



جلد اول  
وقائع سیر و سیاحت الہدایہ

”بہشتی شاہجہاں و اورنگ زیب“

جسکو اول جناب کرنل مہری مور صاحب بہادر سبقتی  
دستی ایس آئی ترجمان ہزارہ کیلینسی کمانڈر انچیف  
صاحب بہادر نے ترجمہ کیا۔ اور پھر ان کی فرمائش سے جناب مشیر الدلہ  
ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب میٹھی ریاست  
پیارے نے اسنو ترجمہ فرما کر اضافہ مفید حاشیوں کے بعد نظر ثانی جناب ذیل الدلہ  
ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب میٹھی ریاست  
ذیل الدلہ واہنامہ کمدنیہ مجمل حسین مراد آبادی

ریاست مصوف کو چھپو کر بغرض فائدہ عام شہر کیا

بزرگوار واہنامہ کمدنیہ مجمل حسین مراد آبادی

۱۸۸۵ء

مطبع گلزار ابراہیم واقع مراد آبادی

حق کا بیلاشت سب شایعہ مند رہے و یہاں کرنل مور صاحب بہادر محفوظ ہے۔



# جلد اول

وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر بڑنی اربعہ شاہجہاں اورنگزیب

(یعنی)

ڈاکٹر موصوف کا ہندوستان میں آنا۔ مختصر حال شاہجہاں اور  
اسکی اولاد کا۔ اُسکے بیٹوں کی باہمی لڑائیاں۔ آخر کار اورنگزیب کا  
بادشاہ ہو جانا۔ اور اُردو دھچپ حالات

چونکہ دنیا کی سیر کا مجھے نہایت شوق تھا  
اسلئے ملک شام اور مصر کے دیکھ لینے  
کے بعد میں اپنے دل میں یہ پھر ایک اپنی اس

مصنف کا شام اور مصر کی سیر کے بعد  
بجراجم کی راہ سے جدہ جوتے ہوئے  
تخا میں بیٹھا اور وہاں سے بحال راہ  
چھوڑ کر ہندوستان میں آنا۔

سیاحت کو کچھ اور عہد دوں اور دریافت و تحقیق حالات کے لئے اس  
سرے سے اُس سرے تک بجراجم کا سفر کروں۔ چنانچہ اپنے اس ارادہ  
کے پورا کرنے کے لئے ملک مصر کے دارالسلطنت قاہرہ سے کہ جہاں میں

اس شہر کو ۱۵۵۷ء میں سولطان ہجری مطابق ۱۱۶۵ء نو سو اکتالیس عیسوی میں تعمیر کیا گیا  
خلیفہ فاطمی منبر بنی کے سپہ سالار جوہر نے (جنگ سلطنت پہلے پہل افریقہ کو شہر قیروان  
میں قایم ہوئی تھی اور جو اپنے خاندان میں تسلط رکھتا تھا) آباد کیا تھا۔ اور مصر کو غلبہ سے فتح  
کرنے کی وجہ سے قاہرہ نام رکھا تھا۔  
س م ح ۱۲

ایک برس سے زیادہ مقیم رہا تھا روانہ ہوا اور تین گھنٹے کے عرصہ میں (کاروں کے سفر کے حساب سے) شہر سٹوٹز میں آپہنچا اور یہاں سے ایک جہاز پر سوار ہو کر شہر دن میں بقیام جڈڈ جو مکہ (مغظہ) سے قریب دوپہر کے سفر کے ہے پہنچ گیا۔ یہاں پہنچا میری توقع کے برخلاف تھا۔ اور اُس وعدہ کے بھی مخالف تھا جو مجھے بحر اُمُر تر کی حاکم کی طرف سودیگیا تھا۔ پس مجبوری میں مسلمانوں کی اُس مقدس زمین پر جہاز سے اُترا جہاں کوئی عیسائی تاؤ فیکہ عالم نہو قدم رکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ الغرض ایسی حالت میں اُس جگہ پانچ ہفتے قیام کر کے میں ایک چھوٹے سے جہاز پر جو سواصل یمن کو جاتا تھا سوار ہو گیا اور پندرہ دن کے عرصہ میں بقیام تھا جو آبنائے باب المندب کو نزدیک ہے پہنچ گیا۔ یہاں پہنچا میرا یہ قصد تھا کہ مَصْوَغ اور آر کی کو کے جزیرے پر جو راستہ میں لینے گزرتا اور انکو دیکھتا بھالتا ہوا ملک حبش کے پاؤ تخت گوئڈا کو چلا جاؤں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ حبش میں روئے کیتھاک مذہب کے لوگوں کو (جسکے ہم فرانسیس پر وہیں) سخت خطر ہے۔ کیونکہ جب سوا بادشاہ حبش کی ماں کی کار ساز یوں سے اُس ملک میں پرتیکیز قتل ہو چکے ہیں اور باقیانہ فرقہ جینیو میٹ کے بڑے پادری سمیت جبکو وہ گوا سے اپنے ساتھ لا کر تھے

۱۔ اصل کتاب میں جینی آف دی ریڈ سئی ہے *Key of Red Sea* ص ۷

۲۔ جیوٹ کے معنی میں منسوب۔ جی ڈش یا جی شس جو فرنگی زبانوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے۔ یہ ایک شاخ فرقہ روئے کیتھاک کی جو جبکو ۱۵۵۰ء پندرہ سو پچیس عیسوی میں بستانہ

۳۔ گوا ہندوستان کے ساحل الہابا پر بمبئی سے جنوب کے رخ تقریباً دو سو میل کے فاصلہ پر ایک چٹیل



وہاں سے خارج کیے گئے اس ملک میں رومن کی تھلک محفوظ اور بے خطر نہیں  
 ہیں بلکہ مینے یہ بھی سنا کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ بمقام سولکن ایک بیچ پر نصیب  
 رومن کی تھلک درویش تک کا اس جرم میں سر کا لگایا ہے کہ اُس نے اس ملک  
 میں داخل ہونیکا ارادہ کیا تھا۔ ایسے یہ تدبیر مناسب اور کم خطر معلوم ہوئی کہ  
 میں ایک یونانی یا آرمینی کا بھیس بنالوں اور اس بھیس میں جب بادشاہ کو  
 یہ معلوم ہو جائیگا کہ میں اُس کے واسطے کچھ مفید اور کارآمد ہو سکتا ہوں تو غالب  
 ہے کہ وہ مجھے کچھ زمین دیدیگا اور بشرطیکہ مجھے اتقدر تقرر ہو کہ کچھ غلام خرید کر  
 میں اُسکا تردد کر اسکو لگا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ اس صورت میں  
 مجھے وہاں شادی بھی ضرور کرنی پڑیگی جیسے کہ ایک یوسپین راسب کا جس نے  
 اپنے کو ایک طبیب باشندہ یونان ظاہر کیا ہوا تھا جبراً بیاہ کر دیا گیا تھا۔ اور  
 پھر اس حالت میں مجھے اس ملک کے چھوڑنے کی اسیق قطع کرنی ہوگی۔

بچہ کے بنے دے اگلا تیسویں لکڑیلا نمبر ایک مشہور شخص نے جڑ لٹکا جو وہ ہوا کا رے  
 عیسوی میں پیدا ہوا اور لٹکا پندرہ سو چھیاسٹھ عیسوی میں مرا تھا قائم کیا تھا۔ س م ح ۱۱

جزیرہ ہے جو کئی سو برس سے مخمور سے علاقہ کے پرنکیزوں کے قبضہ میں ہوا اور جب کوکل انگیزی  
 اصطلاح میں پورچوگیز اڑیا یعنی ہندوستان مقبوضہ اہل بنگال کہتے ہیں۔ یہاں ایک ایک گورنر  
 رہتا ہے۔ اور انکی نسبت اسی کتاب کے ایک آذر مقام میں مفصل ذکر آیا۔ س م ح ۱۲

میر سے دوست کر ل ہنری تور صاحب بہادر جنہوں نے اس ملک کو دیکھا ہوا ہے میر خوام کی  
 ایک جٹھی میں مصنف کے اس امادہ کی نسبت اپنا خیال یوں لکھتے ہیں کہ اگرچہ جس کے نظریوں کو  
 کلیسا آرمی یا یونان سے کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ ہنسی کلیسا بندہ سو برس سے بجای خود علیحدہ جلا آتا ہے  
 مگر چونکہ آرمی عیسائی تجارت پیشہ ہو کر سب ملک مشرقی میں آتے ہیں مثلاً کھائی تو جو میں اور ازاد رائے گمان  
 رہا ہے نہ ہی نہ تو جو ہو کر کسی دنگستانی لباس کا پتہ نہیں ملتا بلکہ اس طرح کی جتنی مثالیں مشتبہ یا عجیب گنیز ہیں سو تو جو ۱۵

ان خیالات نے مع اوچند باتوں کے جنکا ذکر آگے کیا جائیگا مجھے ہر امر پر امل کیا کہ گو نڈار جانیکا ارادہ چھوڑ دوں اور ایلے ایک ہندوستانی جہاز پر سوار ہو کر آب نام سے باب المذنب کی راہ سے بائیس لسن میں مقام شورت جو ہندوستان کی ایک بندرگاہ سلطنت مغلیہ میں ہے آہنچا۔

شاہجہاں اور اسکا نسب یہاں پہنچا یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ وقت کا نام شاہجہاں

ہے جو تہا نگیر کا بیٹا اور اکبر کا پوتا اور بہاؤں کا پڑوتا ہے۔ اور بہاؤں سے اوپر اسکا سلسلہ نسب تیمور لنگ سے جالما ہے۔ جسکو ہم فرگشتہ فی عمر و عمر لنگ کہتے ہیں اس طرح ہر کہ شاہجہاں سلسلہ وار اس سے دلوں پشت میں ہے تیمور جبکی ملک گیری کے واقعات مشہور و معروف ہیں اُسے اپنی

یعنی شہباز الدین محمد شاہجہاں صاحبقران ثانی کا باب نور الدین محمد جہانگیر اسکا جلال الدین محمد اکبر اسکا نصیر الدین محمد ہمایوں اسکا ہمایوں محمد بابر اسکا عمر شیخ میرزا اسکا سلطان ابوسعید میرزا اسکا سلطان محمد میرزا اسکا جلال الدین میرزا شاہ میرزا اسکا امیر تیمور گورکان صاحبقران اول جو تیمور اور تیمر اور عمر لنگ مشہور ہے۔ اور جسکی وجہ کتاب عجائب المقدور فی احوال التیمور میں جو اسکی ایک سخت جو آئینہ تاریخ ہے یہ لکھی ہے کہ ابتدا سے حال میں کسی شخص کی کبری کی چوری کرتے ہوئے اُسکے تیر کے زخم سے ہلکی ایک ٹانگ لٹ گئی ہو گئی تھی۔ اور چونکہ اُسے ترکوں کے کفر خاندانوں میں اپنی مشاویاں کر لی تھیں ایلے اُسکے ہتھم اسکو گورکان کہنے لگ گئے تھے جو ترکی میں داماد کو کہتے ہیں۔ اور تمر کے معنی ہیں لوہ۔ اور صاحبقران کہلانے کی یہ وجہ تھی کہ اسکے بادشاہ ہو جانیکے بعد خوشامدیوں نے اسکا زینچہ طالع بنا کر اسمیں یہ لکھ دیا تھا کہ زہرہ و مشتری جو نجومیوں کے عقیدہ میں دُشترے سعد شمس ہیں قرآن کی حالت میں طالع میں پڑے ہیں۔

س م ح ۱۲

یت م ل سے ن

ہندوستان میں لفظ مثل کا  
صرف منکوں کے مخصوص ہونا اور  
بہر کاری عہدوں کے لئے  
میں انکی خصوصیت کا ہونا۔

ایک رشتہ دار عورت یعنی اس بادشاہ کی اکلوتی  
بیٹی سے شادی کر لی تھی جو اس وقت تئاریوں  
کی اس نامور قوم کا جن کو مثل کہتے تھے فرمان

تھا بلکہ اگر اب لفظ مثل ان سب غیر ملک کے رہنے والوں پر بولا جاتا ہے  
جو نئی زمانہ ہندوستان پر (جسکے معنی میں ہندوؤں یا ہندیوں کا ملک) حکومت  
کرتے ہیں۔ مگر یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ سلطنت مغلیہ میں بڑے بڑے معزز  
اور متمیز منصب صرف مغلوں ہی کو ملتے ہیں یا صرف یہی لوگ فوج میں عہد  
پاتے ہیں بلکہ یہ منصب اور عہدے مغلوں اور سب ولایتوں کے نووارد  
مسلمانوں کو بغیر کسی طرح کی خصوصیت کے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر تو

اس کتاب نظر نامہ میں جو تیمور کی ایک نہایت خوشام آئین تاریخ ہے اس کے عروج کا حال یوں لکھا ہے  
کہ ستر سال سے تینتیس میں یسودر آغلن کا بیٹا قرآن سلطان جو چغتائی خاں کی اولاد  
تھا ترکستان اور ماورائے نہر میں ایک ایسا جبار اور خوں ریز بادشاہ تھا کہ ہر لوگ دربار میں جا کر  
کنبد والوں کو جتیتیں کر کے رخصت ہو کر لے تھے۔ چنانچہ آخر کار امیر قزاقوں نے جو اس کے سرداروں  
میں ایک نہایت قابل اور دانشمند شخص تھا تنگ آ کر اس سے یعنی قبیلہ چغتائی کے امیروں وغیرہ سے  
اتفاق کر کے بغاوت کی اور ستر سال سے سو سینتالیس ہجری میں فتحیاب ہو کر اسے ماوراء النہر سلطنت  
کی یہ صورت رہی کہ اگرچہ حقیقتاً حکومت امیر قزاقوں اور اسکی اولاد کے قبضہ میں تھی۔ لیکن  
تاہم بادشاہی خاندان میں سے برائے نام کسی کو خان یعنی بادشاہ بنا سے رکھتے تھے مگر  
جب قزاقوں کے بیٹے عبد اللہ نے اپنا ایک طرف نام کے بادشاہ کو بیگانہ قتل کر ڈالا  
اور اسی علت میں خود بھی تباہ و برباد ہوا تو ملک میں کچھ عرصہ طوائف الملوکی کی صورت رہی۔ مگر امیر  
قزاقوں کا بڑا امیر حسین جو امیر مسند لا کا بیٹا تھا پھر ایک ذی اقتدار فرماں ردا ہو گیا۔ اور  
اپنی دار الحکومت شہر بلخ کے پاس ایک بڑے قلعہ کو جو قلعہ ہندواں کے نام سے مشہور تھا از سر نو تعمیر  
کر کے اس میں چنانچہ شروع کیا۔ اور چونکہ اسکی بہن کی شادی تیمور سے ہوئی تھی ابتدا سے حال میں

ایرانیوں کو اور بعض بعض عربوں کو اور کچھ ترکوں کو۔

مغلوں اور ہندوؤں کیوں جن لوگوں کو اکھل پاتھل کہا جاتا ہے انکی پہچان کیوں  
اور ہندوؤں کی پہچان یہ نشان کافی ہے کہ چہرہ کا رنگ گورا ہو اور مذہب

اسلام۔ اور یوژنٹ کے عیسائیوں کی جنگویہاں فرنگی کہتے ہیں یہ پہچان ہے  
کہ رنگ سفید ہو اور مذہب عیسائی۔ اور ہندوؤں کی یہ علامت ہے کہ رنگ  
گندمی ہو اور مذہب بت پرستی۔

شاہجہاں کی ضعیفی اور اس کے بیٹوں کا باہمی فساد۔  
اسوقت قریب شتریس کے ہے۔ اور اس کے

چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اور چند سال ہوئے کہ اُس نے چاروں بیٹوں کو اپنی  
نیابت اور قایم مقامی کے طور پر ہندوستان میں بڑے بڑے چار صوبے  
جنگو سلطنت کے حصے کہنا چاہئے دیدئے ہیں۔ اور یہ بھی دریافت ہوا کہ

اُسکا اوتیمہر کا نہایت اتحاد تھا اگر رشک وحد کے باعث آخر کار عداوت ہو گئی۔ اور چونکہ امیر حسین  
کی بہن بھی مرہٹی تھی تیور نے اپنی جاسے قیام کشن مروت پنہر تہہ سے جو ہر قند کے قریب اب  
ردیوں کے قبضہ میں ہے قلعہ بند واں پرفوج کشی کی اور امیر حسین سلطنت سات ہوا کہتہ جری میں گرفتار  
ہو کر تہ اپنے دو بیٹوں کے قتل ہوا۔ اور باقی دو بیٹے ہندوستان کو بھاگ آئے۔ اور تیور نے  
اسکی زوجہ سوامی ملک تھام دختر قران سلطان اور تہی آؤدیگیوں کو غالباً ذی وقت قبال ترک  
کی بیٹیاں سمجھ کر لکھنؤ میں ڈال لیا۔ اور اسکی بڑی بیگم کو اسکی بیٹیوں اور بیگموں کے انچوڑے  
بچے سرداروں میں تقسیم کر دیا اور قلعہ ہند واں اور اس کے محلات وغیرہ جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیے  
اور اس طرح پرامیر حسین کا نام و نشان شاکر خود بادشاہ بن گیا۔ اور آخر کار ایک ابا شخص ہو گیا کہ  
آٹھک اسکا نام عوام مشہور ہے فقط معلوم ہوتا ہے کہ برتیر نے اپنی تعمیر غلامی اسی سرکار کا نام

بادشاہ ایک سال کے عرصہ سے ایسا بیمار رہتا ہے کہ جس سے اسکی زندگی کا اندیشہ ہے۔ اور اسکی بیٹوں نے باپ کی یہ حالت دیکھ کر حصولِ سلطنت کے لیے منصوبے باندھنے اور چالیں چلنی شروع کر رکھی ہیں اور اُن کے باہم جنگ و جدال جاری ہے۔

مصنف کا نوکری اختیار کر لینا چونکہ میں اس ملک میں پہنچ کر غارتگروں کے ہاتھ سے مال و اسباب کے ٹٹ جانے اور پانچ ہفتہ کے سفر کے اخراجات کثیر کی وجہ سے جو سورت سے اگرہ اور دہلی تک پہنچنے میں مجھے پیش آئے تھے تنگدست ہو گیا تھا۔ اسلئے طبیبوں کی ذیل میں سینے سرکار شاہی میں نوکری اختیار کر لی تھی اور پھر تھوڑی مدت بعد دَانشنہ خان کی سرکار سے میرا تعلق ہو گیا جو اول بخیرشی کے عہدہ پر مامور تھا۔ اور نہایت فی قہل اور ممتاز ترین اُمراء سے دربار میں سے ہو گیا تھا۔ اور مالکِ آئینا میں ایک

زودہ سابق امیر حسین کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اسکو کتاب حبیب السیر میں خان زادہ بنی شاہزادی اور دخترِ قرآن سلطان لکھا ہے ورنہ تیمور کے اٹھارہ بیٹیوں اور بائیس لڑکیوں کی تفصیل میں جو بہت سے ترک اور مغل سرداروں کی بیٹیاں تھیں خان زادہ کا لفظ اور کسی کی نسبت نہیں لکھا۔ مگر بربر کی تحریر سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تیمور کی اس بیگم کا باپ تمام تماروں کا بادشاہ تھا۔ بلکہ مغل کہتے تھے۔ اُسوقت کی تاریخوں سے غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس زمانہ میں بلخ اور بخارا وغیرہ میں قرآن سلطان خان فرما رہا تھا اسی زمانہ میں تعلق تیمور خاں ترکوں اور مغلوں کی قوم جت میں علیحدہ بادشاہی کر رہا تھا۔ اور ایران میں سلطان ابوسعید

شاہجہاں اور اسکی اولاد کا مختصر حال

شاہجہاں اور اسکی اولاد کا مختصر حال ۷۵  
کمال لوگوں کی ہر سٹ میں لکھا ہوا ہے جو مہرقت اس سلطنت میں علم و فضل کے بڑے شہر تھے

بہت بڑا عالم فاضل تھا۔ چونکہ آٹھ برس تک کے تعلقات کے سبب سے جو دربار مغلیہ سے مجھے رہے تھے اس جنگ و جدال کے بعض اہم واقعات کو میں نے چشم خود دیکھا ہے اسلئے میں انکو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

شاہجہاں کے بڑے بیٹے کا نام داراشکوہ دوسرے کا سلطان شجاع تیسرے کا

شاہجہاں کی اولاد کے نام اور چوتھیہ

اورنگ زیب چوتھے کا مراد بخش اور دونوں بیٹوں میں سے بڑی کا نام بیگم صاحبہ اور چھوٹی کا روشن آرا بیگم تھا۔ اس ملک میں یہ دستور ہے کہ خاندان شاہی کے سلاطین اور بیگمات

ہمارے دریاں جو منلوں کے ابوالا جگیر خاں کی اولاد سے تھا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اور یہ اشارہ بھی غلط پایا جاتا ہے۔ کتیورنگ اس مذکورہ بالا رشتہ کے سبب سے منلوں کی قوم میں داخل ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ انوس خانی کی شاخ برلاس سے تھا جو اپنے تئیں سلسلہ نسب میں منلوں سے منسوب نہیں سمجھتے۔ مرم ج

بہت بڑا عالم فاضل تھا۔

یہ ایرانی عالم شہر کوئٹہ کا رہنے والا تھا اور کمال علمی کے باعث ملا شفیعی اسی بڑی کے نام سے مشہور تھا۔ اور ہندوستان میں تجارت کی تقریب سے آیا تھا۔ لکھا ہے کہ جب یہ اپنے وطن کو واپس جانے لگا تو شاہجہاں نے اس کے علم و فضل کا چرچا کر ازراہ قدر دانی بندر سورت سے واپس بلا کر امرائے دربار میں داخل کر لیا۔ اور تاج سلطنت اور ملک و تربیت ممتاز و مکرم ردا اور سندا ایک ہزار آشتی جبری میں مر گیا۔ یہ شخص فلسفہ، تھیٹ، اور ہندو سہ میں بے تحفہ مشہور تھا۔ اور ایسا عالم تھا کہ نعمت خان عالی سا شخص اسکا شاگرد تھا۔

بہت بڑا عالم فاضل تھا۔

\* عہد شاہجہاں کے مرنے والوں میں اسکا نام جہاں آرا بیگم تھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ بیگم صاحبہ لقب تھا جس م

کے نام ایسے رکھتے ہیں جو شان و شوکت سلطنت پر دلالت کریں۔ چنانچہ شاہجہاں کی بیگم جو حسن و جمال میں شہور تھی اسکا نام تاج محل تھا جسکا وہ عالیشان اور اعجازِ روزگار مقبرہ اگرہ میں ہے جسکے مقابلہ میں اہرام مصر جو منجملہ عجائبات دُنیا سمجھے جاتے ہیں محض اُن گھڑ پتھروں کے ڈھیر اور

۱۰ یہ نام نہ تھا بلکہ خطاب تھا جسکو مصنف نے عوام کے محاورہ کے موافق متنازع محل کی بجائے محل لکھ دیا ہے۔ اور نام اور عہدہ انونیکم غما۔ س۔ م۔ ح۔ ۱۲

۱۱ مصر کے مخدوم علی ناچو پہلے مینار اہرام کہلاتے ہیں۔ انپر جو کتبے ہیں وہ ایسے حروف میں ہیں جنکو اس زبان میں ہر شخص نہیں پڑھ سکتا۔ اور مصر کے قدیمی باشندے انکو اپنی مقدس چیزوں پر استعمال کرتے۔ یا اسرار الہی سمجھ کر چھپاتے تھے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ اگر اہرام ان میناروں کو بلحا فان کے نہایت دیرینہ سال اور پرانا ہونیکے اہرام کہتے ہیں جو ہر قسم سے مشفق ہے اور جسکے معنی بڑھاپے کے ہیں مگر محیط المحيط میں (جو لغت عربی کی ایک نوبت مستند کتاب ہے) لکھا کہ اہرام ہرم کی جمع ہے جو اصطلاح اہل مساحت و ہندسہ میں کسی ایسی مخدوم علی شکل کی عمارت کو کہتے ہیں جسکا قاعدہ مربع یا مثلث یا کثیر الاضلاع ہو۔ ان میں سے تین مینا بہت شہور ہیں جنہیں ایک چھڑا اور دو بڑے ہیں۔ دونوں بڑے مینا ایک عرب بے صیدہ عشقہ الہرکان کہتے ہیں جہی الہنس اور کیفرینس کے نام پر مشہور ہیں۔ اور جہی الہنس والا مینار تو ایسا عمدہ ہے کہ دنیا کی عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ عمارت ایک چوکھوٹے چوڑے پر بنی ہوئی ہے۔ جسکا ہر ایک ضلع سات سو توڑیٹھ فٹ لمبا اور چار فٹ آٹھ انچ اونچا ہے اور اسکے اوپر کچھ گھٹا کر ایک آؤر چوڑا ہے۔ اور ہر طرح دو سو تین چوڑے اور پتلے بنے ہوئے ہیں۔ یہ مینار ساڑھے سو لاکھ بیگز زمین میں اور اسکی بلندی چار سو بیس فٹ اور چوٹی دس گز مربع کا چوڑا ہے۔ مشہور برناتی مورخ ہیرودوٹس جس نے عیسوی سے چار سو برس پیشتر مصر کی سیر کو کیا تھا لکھا ہے کہ یہ مینار جہی الہنس بادشاہ کے عہد میں مینا برس کے عرصہ میں تیار ہوا تھا۔ اور اسپر ایک لاکھ آدمی کی مدد پیش لگی ہوتی تھی۔ اور اسپر مصری حروف میں لکھا ہوا ہے کہ کارنگروں کی حرف گہن پہاڑ کی چٹانی میں اٹھائی لاکھ روپے خرچ ہوا تھا۔ اہل میں یہ مینار مصری بادشاہوں کے مقبرے ہیں جنہیں انکی لاشیں

مہموزوں تو وہ اسے سنگ نظر آتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جہانگیر کی سلیم کا نام  
اول نور محل تھا۔ پھر نور جہاں سلیم ہوا جس نے مدت تک اپنی شوہر کی ایسی  
حالت میں کبچہ شراب خوری اور عیش پسندی کے اُس سب کا نوک و چوڑ رکھا  
تھا اُسور سلطنت اور ملکداری کو خود انجام دیا۔

ہندوستان میں جو یہ بڑے بڑے اور تیز  
نام اعیان خاندان شاہی اور اُمرا کے رکھتا

اُمرا سے سلطنت کا مالک زمین ہونا اور  
صرف شان و خطابوں سے لقب کیا جانا۔

ہاں فرنگستان کی طرح ایسے خطاب نہیں دیے جاتے جو شتم اور منسوب بالکبت

اب تک باہی جاتی ہیں۔ چنانچہ خلیفہ ماموں عباسی جب سنہ ۱۵۰ سات سو بیس عیسوی میں مصر میں آیا  
تو اُسکو اس جی اہلس واسے مینار کے اندر کی عمارت کے دیکھنے کا برا شوق ہوا اور اُس  
نولادی نامکیاں بنوا کر پھر کو کھدوایا۔ اور ایک راہ باہی اور جب اُس میں گئے تو ایک چوکنوٹی بادی میں  
جسکے چاروں طرف کی دیواروں میں کمرؤں کے دروازے تھے۔ اور ایک کمرہ میں بہت سی  
لاشیں کتاں میں خوشبوؤں سے لپی ہوئی جسے مومبیا کہتے ہیں رکھی ہوئی تھیں۔ پھر اور ایک  
کمرہ میں اسکے اوپر پتھر کے صندوق میں آدمی کی ایک صورت ملی جسکے سینہ پر جوار سے بڑا ہارونیکا  
سینہ بند رکھا تھا۔ اور سونیلے بڑے پر ایسے حروف کندہ تھے۔ جنکو کوئی نہ پڑھ سکا۔ بعض محققوں  
نے اس پڑے مینار کی پالیش کے وقت یہ بھی دریافت کیا کہ اس مینار کے چاروں پہلوں پر  
دالوں نے دنیا کی چاروں سمتوں کے ٹھیک مقابل چلے ہیں جس سے وہاں کا نصف النہار پڑتا  
صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا مینار جو کیفوٹس والا کہلاتا ہے اُسکے نیچے کے چوتروں کا  
ہر ایک ضلع چھ سو چار سو اسی فٹ لمبا اور بلندی چوٹی تک چار سو پچیس فٹ ہے۔ اس مینار پر چڑھ کر دیکھنے کو  
دن کی طرف دریا کی نیل اور اتر کی جانب پہاڑ اور ریگستان اور پچیم کے کن قیوں کا جنگل اور پربت  
کی سمت مقام جزیرہ اور فسطاط کے برج اور قہر قاہرہ کا مینار اور سلطان مملوح الدین کا قلعہ سب  
عجب لطف سے دکھائی دیتے ہیں۔ پڑانے زمانہ کے مورخوں نے اول الذکر مینار کے بانی کے  
نام اپنی لہجہ کے موافق مختلف لکھے ہیں جن میں سے ایک نام یہاں لکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ بادشاہ

اسکا نام مہر النسا سلیم تھا۔ اور نور محل اور نور جہاں سلطان تھے۔ سن ۴۰۰ م۔ راج ۱۲



اور قبضہ اراضیات و ممالک ہوں۔ اُس کا سبب یہ ہے کہ یہاں تمام مملکت کی زمینیں خالصہ شریفیہ یعنی ملک سرکار شاہی سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے فرنگستان کی طرح یہاں کوئی ازل یا مارکویٹش یا ڈیوٹن نہیں ہو سکتا کیونکہ اُمراء دربار کو خواہ جاگیر خواہ نقد جو کچھ دیا جاتا ہے وہ صرف بطور پنشن اور ذاتی مدد معاش کے دیا جاتا ہے جس کا مقرر کرنا صرف بادشاہ وقت کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور جب وہ چاہتا ہے اُس میں کمی یا بیشی کر دیتا ہے۔ خواہ ضبط کر لیتا ہے۔ اس لئے یہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ اُمراء صرف مذکورہ بالا طور کے ذیشان خطابوں سے مشرف و ممتاز کئے جائیں مثلاً۔ کوئی شیلر فلن خاں! کوئی صف شکر خاں! کوئی رعند انداز خاں! کوئی برق انداز خاں! اور علی ہذا القیاس دیانت خاں۔ وائشند خاں۔ فاضل خاں وغیرہ وغیرہ

داراشکوہ کے مزاج اور خصلت کا بیان۔  
 اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کی داراشکوہ میں کچھ کی نتھیج وہ گفتگو میں بہت شیریں زبان اور حاضر جوابی میں تیز اور نہایت خوش خلق اور بچہ فیاض اور دیاد دل تھا۔ مگر با اینہم بڑی خود پسند اور خود راے تھا اور اُس کو یہ گھنہ ٹھٹھا کہ میں اپنی عقل کی سیاحتی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بند و بست اور نظام

دو ہزار تین سو باؤل برس قبل مسیح علیہ السلام کے تھا۔ اور نہایت ہی خون ریزی اور سفاکی کے ساتھ پچائش برس تک حکمران رہا تھا۔ اور اسی طرح دوسرے مینار کے بانی کے نام بھی اسی طرح پر لکھے ہیں۔ اور اسکو بعض مورخوں نے پہلے مینار کے بانی کا بیٹا اور بعض نے بھائی اور جانشین بتایا ہے۔ اور یہ بھی ویسا ہی ظالم اور خون ریز تھا اور جس برس تک بادشاہ رہا تھا فقط ماخوذ از ترجمہ تاریخ اقوام قدیمہ صفحہ ۱۸۷۲ تا ۱۸۷۳

کر سکتا ہوں۔ اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو مجھے صلاح و مشورہ دے سکے۔ وہ اُن لوگوں سے جو اُسے ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت کر بیٹھتے تھے تحقیر اور امانت سے پیش آتا تھا۔ چنانچہ اس ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب سے اُسکے دلی خیر خواہ بھی اُسکے بھائیوں کی پوشیدہ اور مخفی بندشوں سے اُسے آگاہ نہ کر سکے! وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا۔ یہاں تک کہ بڑی بڑی اُمرا کو بُرا بھلا کہہ بیٹھتا اور اُنکا ہتک کر ڈالتا تھا۔ لیکن اسکا غصہ اور بد مزاجی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی تھی۔ یہ شہزادہ ازرو ولادتِ حیطح مسلمان پیدا ہوا تھا اگرچہ شعلہ زبیب اسلام کی بجا آوری کو مقننِ خیر ہمیشہ شریک رہتا تھا اور اُس حیطح پر گویا اس مذہب کے منبع اور پیر و ہونے کا علامہ اقرار کرتا تھا۔ لیکن اپنے اوقاتِ تخلیہ میں ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں میں عیسائی تھا۔ چنانچہ پنڈتوں اور ہندو سادھوؤں کو ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھتا تھا۔ اور اُن کے لئے بڑے بڑے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ ان حالات سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں ہی کے اثرِ صحبت سے اُسکے عقیدہ اسلام سے بوڑی ضعف آنے لگی تھی۔ لیکن اس مقدمہ میں ہم اپنی رائے اُس موقع پر بیان کریں گے جہاں ہندوؤں کے طریقِ عبادت اور پرستش کا ذکر لکھیں گے۔ علاوہ بریں کچھ دنوں تک پادری بوزی صاحب مقتدا سے فرقہ جیسویٹ کے مواعظِ دینیہ کو بھی بہت غبت سے سنتا رہا تھا اور اُن مواعظ کی خوبیوں اور صداقت پر کچھ اعتقاد بھی رکھنے لگا تھا۔ مگر بعض یوں کہتے ہیں کہ وہ حقیقت کسی مذہب کا بھی مقتدہ نہ تھا۔ اور یہ ظاہری حالات

اور خیالات محض دل لگی اور شوق تحقیقات کے لیے اُسے اختیار کر رکھے تھے ! اور بعض کی یہ رائے ہے کہ کبھی جو وہ عیسائی بن دکھاتا تھا تو انہیں یہ صلیب تھی کہ عیسائی لوگ جو اُس کے تو بچانہ میں بھرتی تھے اور جلی تعداد بھی ذرا زیادہ تھی اُس کو پسند کریں۔ اور ہندو بن ظاہر کرنے سے یہ غرض تھی کہ باج گزار ہندو راجاؤں کی تالیف قلوب کر کے اپنی محبت اُن کے دل میں پیدا کرے۔ اور حقیقت میں ذی اقتدار راجاؤں سے باخلاق و محبت پیش آئے اُس کے لیے ایک ضروری امر تھا تاکہ ضرورت کی وقت اُنکا اتفاق اور رفاقت حاصل کر سکے۔ لیکن عیسائیوں خواہ ہندوؤں کے مذاہب اور عقائد کی طرف میل کر نیکے یہ جھوٹے جیلے کسی طرح سے اُس کے منصوبوں کی کامیابی میں کچھ کا آمد اور ٹھیک نہ ہوئے۔ بلکہ برخلاف پڑے۔ چنانچہ اس تاریخ کے پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ اورنگ زیب نے جو اُسکا قتل جائز ٹھہرایا تھا تو اُسکی وجہ یہی ظاہر کی تھی کہ وہ کافر اور لاندہب ہو گیا ہے

شاہ جہاں کا دوسرا بیٹا سلطان شجاع اوضاع  
دعادات میں اکثر اپنے بھائی دارا شکوہ کے  
مشابہ تھا۔ لیکن یہ زیادہ فہیم اور اپنے عزم اور ارادوں میں زیادہ قائم  
و مستقل اور دارا شکوہ سے حسن تمیز اور ہوشیار سی اور ایسے اوضاع و طوار

سلطان شجاع کے خصال  
و شمائل کا بیان۔

عالمگیر نامہ میں جسکے مسودے بادشاہ کے ملاحظہ کے بعد صاف ہوتے تھے اور جس میں غلوں  
کے غیوہ کے برخلاف عالمگیر کے مخالفوں کا ذکر جا بجا نہایت ہی سخت کلامی کے ساتھ کیا گیا  
ہے دارا شکوہ کے مذہب کی نسبت جس طرح پر لکھا ہے اُنکو بہت سے نا ائم اور مکرر الفاظ

میں جو شاہزادوں کے لئے زیبا میں بڑھا ہوا تھا۔ سازشوں اور بندشوں کو  
بخوبی عمل میں لانا جانتا تھا۔ اور بذریعہ ایسے انعاموں کے جو بارہا مخفی اور  
پوشیدہ طور پر دیا کرتا تھا بڑے بڑے ذی قدرت امراے دربار اور خصوصاً  
بڑے بڑے ذی اقتدار راجاؤں مثل جسونت سنگھ وغیرہ سے دوستی

کو چھوڑ کر اس جگہ نقل کیا جاتا ہے قولہ از شایع اطوار آن برگشتہ روزگار (یعنی دارالحکومہ)  
کہ مغرب بہ وبال آن گرفتار آید و باعث التہاب نوایر قہر و انتقام این خدیو اسلام (یعنی داگم سنگھ)  
بیشتر ہاں شد ایں بود کہ در او از حال از برگشتہ بختی با نگاہ راتب اباحت و اسحاق کہ در طبع او مرکز  
بود و آن را قصوت نام سے نہاد اگفتانہ نمودہ بدین ہندواں مائل شدہ بود۔ ہمارہ با برہمنان و  
جوگیاں و سناسیاں محبت میداشت۔ دآن گروہ را مرشدان کامل و عارفان بحق و اہل سنیست  
و کتاب آہناراکہ بہیدہ موسوم بہ کتاب سمانی میدانست و مصحف قدیم منجواند و از کمال اعتقاد  
کہ بہیدہ میداشت بہجہاں و سناسیاں را از اطراف و اکناف پسمی ہائے بلخ در عایت و اعظم  
جمع آوردہ در عدد درجہ آن شد ہمارہ اوقاتش معروف ایں شغل نا صواب و تفکر و تدبیر  
در مضامین آن کتاب سے شد و بجائے آسائے حسنا ہی اسے ہندی کہ ہنود آن را پرہو  
سے نامند و ہم اعظم سے داند بخلا ہندی و یوگینہ یا جو اہر کہ سے پوشیدہ نقش کردہ بان ترک  
سے جسبت و چون متعقدش آن بود کہ تکلیف عبادات ناقصاں راست و عارف کامل را عبادت  
در کافیت و کریمہ و احمیدی و کتک حقی یا تیلک الیقین را بنسب ملاحظہ فرما گزشتہ دلیل  
این معنی سے ساخت و بنا بریں عقیدہ فاسدہ نماز و روزہ و سایر تکالیف شرعیہ را خیر باو گفتہ بود  
و ایں خدیو دین پرور پاک اعتقاد را ہمیشہ حمایت دین بین نصب العین ضمیر فیہرست از استماع ہا  
عتقاد پرور و اطوار باطلہ از اں بے سعادت عرف حجت دین بکوت سے آمد الم س م ح ۱۲

ہمارا جسونت سنگھ را منظور والی جو وہ پور مراو سے جسکوشاہجہاں کے عہد میں بادشاہ کی ہنسناں  
میں ہونے کی وجہ سے بڑا اقتدار و خطاب ہمارا جگہ حاصل ہو گیا تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں بھی  
یہ ریاست اسی خاندان میں قائم ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح مصنف کے زمانہ میں اس  
ریاست کے فواں راجا کا نام جسونت سنگھ تھا مگر ہم کے زمانہ کے فواں راجا کا نام بھی جسونت سنگھ

کا پیدا کرنا خوب جانتا تھا۔ مگر باوجود ان اوصاف کے نہایت عشرت پسند اور مغلوب العیش تھا اور جب اپنی ہشمار حرموں اور ارباب نشاط وغیرہ کے جلسہ میں ہوتا تو تمام دن اور رات رقص و سرود اور شراب نوشی میں بسر کرتا اور کوئی مصاحب جسکو اپنی خیریت درکار تھی ایسے اوقات میں اُسکو ان حرکات سے روکنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اسیدہ سے اُسکے امور سلطنت اکثر دہم دہم رہتے تھے اور اُسکی محبت رعایا کے دل میں اکثر کم تھی۔ اگرچہ اُسکا باپ اور بھائی ترکانِ روم یعنی اہل سنت و جماعت کا مذہب رکھتے تھے۔ مگر سلطان شمسِ ایرانیوں کے عقائد یعنی مذہب شیعہ کا علانیہ معتقد اور مقرر تھا۔ واضح ہو کہ دین اسلام میں بہت سے فرقے ہیں جیسا کہ کتاب گلستان کے نامور مصنف شیخ سعدی کے ایک شعر کے ترجمہ سے جو ذیل میں درج ہے دریافت ہوتا ہے۔ ترجمہ بیت ”میں ایک درویش بادہ نوش اور شخص نہ شرب ہوں اور بہتر فرتے مجھ کو خوب جانتے ہیں“ منجملہ ان فرقوں کے دو فرقے ایسے ہیں جنکا باہمی تعصب اس درجہ کو پہنچا ہوا ہے کہ دونوں آپس میں جانی دشمن ہیں۔ ایک اُن میں سے ترک یعنی رومی میں جسکو ایرانی لوگ عثمانی یعنی پیروان عثمان کہتے ہیں اور یہ عثمان کو سچا اور اصلی قائم مقام

یہ شعر باوجود طعش و ستیاب نہیں ہو سکا۔ س م ح

ہی ہے۔ اس ریاست کی خالص آمدنی سوائے جاگیروں اور مغانمات کے بہت کم کتاب تاریخ قبلہ قہری واقع دہلی مصنفہ غالباً سے دیکھ کر صاحبِ بیس لاکھ روپہ اور نقد بیس لاکھ روپہ سے پہلے مرچ اور آبادی بیس لاکھ آدمی کی ہے۔ س م ح ۱۲

اور خلیفہ اپنے پیغمبر کا سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خلیفہ یعنی سب اہل اسلام کا وفادار  
اعلیٰ جو تاویلات الفاظ قرآنی اور اجتہاد کر سکتا ہو اور فیصلہ قضا یا اور حبش  
اور تنازعات شرعیہ کا استحقاق رکھتا ہو صرف وہی ہے دوسرا فرقہ  
ایرانیوں کا ہے جسکو ترک لوگ رافضی یا شیعہ اور علی مروان کہتے ہیں  
ان لفظوں کے معنی ہیں ایک ایسا فرقہ جو عام فرقہ اہل اسلام سے خارج ہو یا  
بدعتی اور طرفداران علی۔ کیونکہ ایرانی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خلافت مامست  
صرف علی کا حق تھا جو پیغمبر کے داماد تھے۔ سلطان شجاع نے جو مذہب  
شیعہ قبول کر لیا تھا بحسب ظاہر اس میں یہ حکمت تھی کہ اس بات کو اپنے امور  
سلطنت کی مطلب برآری کا ذریعہ جانتا تھا کیونکہ شاہجہاں کی سلطنت میں  
ایرانی بڑے بڑے مقتدر عہدہ دار اور دربار میں بچید صاحب اختیار تھے  
اور شجاع کو یہ اُمید تھی کہ جب کبھی کوئی معرکہ انگریزوں اور موقع پیش آئیگا۔  
تو مجھے ان سے بحالت ضرورت ہر قسم کی مدد ملیگی اور فائدہ پہنچے گا۔

مصطفیٰ کی یہ معلومات جو اکثر غلط ہیں بعینہ ترجمہ کی گئی ہیں۔ ترکان روم کو عثمان پوچھا  
صرف اسوج سے کہا جاتا ہے کہ اس سلطنت کا فرماں روا خاندان سلطان عثمانیوں  
کی اولاد سے ہے جو دراصل ایک ملازم سلطان علاء الدین سلجوقی کا تھا۔ اور اپنی نسبت  
کیوجہ سے اول سپہ سالاری اور پھر اس بادشاہ کی دامادی کے درجہ تک پہنچا۔ اور آخر کار  
بہ سبب اس کے بے اولاد جانیکے سنا ۹۹۰ء سنوٹا نوے عیسوی مطابق سنہ ۹۹۰ء سنوٹا نوے ہجری  
میں رضامندی عام سے اسکا جانشین ہوا تھا۔ کتاب سنہ ۹۹۰ء میں لکھا کہ یہ بادشاہ  
ایسا کرم اور سپاہ بردار تھا کہ ایک جہانگیر پسند رکھتا تھا۔ اور جو اسکو ملتا تھا سپاہ خرچ کر دیتا تھا۔  
یہاں تک کہ اسکو مرنے کے بعد سوا ایک عثمان اور کرند اور تلوار کے کوئی شے دہرا دینا چاہنے والی غمزدگی  
فیس لکھو اس پر آئے تھے اور سنہ ۹۹۰ء میں اس کی عمر سنہ ۹۹۰ء سنوٹا نوے عیسوی مطابق سنہ ۹۹۰ء سنوٹا نوے ہجری میں تھا

اور گنے بیب کے مزاج  
اور عادات کا بیان

تیسرا بھائی اور نگ زیب اگرچہ اُس قدر خوش اخلاقی اور کشادہ روی اور فراخ مزاجی کی صفات سے جو داراشکوہ میں موجود تھیں موصوف تھا۔ لیکن اُسکی رائے ایسے معتمد اور دفا دار شخصوں کے انتخاب کرنے میں جو اُسکی خدمات کو نہ کم حلالی اور بیعت کے ساتھ بجالانے کی بہت زیادہ لیاقت رکھتے تھے بہت سلیم اور صائب تھی۔ اور اگرچہ انعام و اکرام یہ بھی کثرت سے دیا کرتا تھا لیکن موقع اور امتیاز سے اور صرف اُن لوگوں کو دیتا تھا جنکی ضامنندی اور تالیف و ترغیب کو ضروری سمجھتا تھا۔ وہ اپنے بھید کو نہایت چھپاے رکھتا تھا۔ اور مکاری اور ریاکاری کے فن میں تو کامل استاد تھا۔ چنانچہ جب اپنو باپ کے دُربار اور دار السلطنت میں حاضر و موجود ہوتا تو بناوٹ سے بلا باغہ لباسی عبادت بجالاتا اور دنیاوی حشمت و کمنت کی نسبت حقارت اور نفوت ظاہر کرتا۔ حالانکہ آئندہ کی شوکت اور سر بلندی کے لئے درپردہ راستہ نکالنے میں ہتھکام کے ساتھ سعی و کوشش کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ جن دنوں اُسکو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تب بھی اہل دربار کو یہی جھلکا تا رہا کہ اگر مجھے ترک دنیا اور درویشی کی اجازت ملجائی تو زیادہ خوش ہو تا کیونکہ میری دلی تمنا یہی تھی کہ باقی زندگی پارسائی اور عبادت ہی میں صرف کروں۔ اور انکار دنیاوی اور امور سلطنت کی ذمہ داری میں پڑنا مجھے نامرغوب اور ناپسند ہے۔ اگرچہ حقیقتاً اُسکی عمر فریبوں اور سازشوں اور منصوبوں ہی میں گزری۔ لیکن اس قریب کی چال کو اس عقلندی سے چلنا تھا کہ دربار میں سوا

اُسکے بھائی داراشکوہ کے ہر ایک نے اُسکے اس رویہ کے سمجھنے میں صو کا کھایا۔ شاہجہاں کے حسن ظن پر جو اُسکو اپنے اس چھوٹے بیٹے کی نسبت تھا داراشکوہ کو بہت حسد ہوتا تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی اپنے ہمدرد مصاحبوں کو کہا کرتا تھا کہ مجھے اپنے سب بھائیوں میں سے اگر شبہ اور خوف ہے تو انہیں حضرت دیندار اور مازی صاحب کا ہے۔

غیر ذرا مراد بخش  
کی میرت کا بیان

مراد بخش جو شاہجہاں کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اپنی بڑی بھائیوں سے دانائی اور ہوشمندی میں کم تھا۔ اور صرف خوش خوری اور شکاری کا اُسکو زیادہ شوق تھا۔ مگر ہر حال سخی اور خلق بھی تھا اور اکثر یوں شہنی بنگھارا کرتا تھا کہ ہیں بھید اور راز داریوں سے سروکار نہیں ہے وہ سازشوں اور تخیلیوں کو حقیر و خوار سمجھتا تھا۔ اور بات کا اعلان و شہار اُسکو منظور خاطر تھا کہ میں صرف اپنی تلوار اور قوت بازو پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور فی الواقع مراد بخش شجاعت اور دلیری کا پتلا تھا۔ اور شجاعت کے ساتھ اگر کسی قدر بیداری اور ہوشیاری بھی اُس میں ہوتی تو غالباً اپنے تینوں بھائیوں پر غالب آتا۔ اور خیالش ہند کا فرماں روا ہو جاتا۔ \*

\* اور نگ زینے اپنی اور اپنی بھائیوں کی خصلت کی نسبت جو کچھ خود لکھا ہے مناسب مقام کی وجہ سے بطور غلامہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سلطان محمد معظّم کو جو محمد سلطان کی وفات کے بعد تخت کے بیٹوں میں سب سے بڑا وہی تھا لکھا ہے ”ہمیں پر خائفانہ باد و سلامت نفس ختم ہو گیا راجہ ناخوش کر دیا، اور آیام پادشاہزادگی باقرا ہجہ سلوک میگردیم کہ ہم راخی بودند و حضور و غیبت بخوشی تعریف و توصیف میگردید بل باوصف اقتدار جلاور نامہ بیان (یعنی داراشکوہ) بعضے و تک رفاقت اور کردہ ملازمت ما اختیار کردند و جمہور کہ باشارہ برادر نامہ بیان حرکات الامام



شاہجہاں کی بڑی بیٹی  
بیگم صاحب کا ذکر

شاہجہاں کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ حیدر حسین اور  
خوش اندام اور باپ کی نہایت ہی پیاری تھی۔

ایسے غیر طبعی سیلاں کی افواہ کی نسبت اشارہ کرنا ایک بہت نامطبوع واقعہ  
ہے کہتے ہیں کہ وہ غدر بیگناہی و برائت جیسے شاہجہاں کے دل کو اس معاملہ  
میں اطمینان ہو گیا۔ مگر اوقیہ لوگوں کا وہ جھوٹا فتویٰ تھا جو اس تہید سے  
دیا گیا تھا کہ بادشاہ کو اس درخت کے میوہ سے مستحق ہونا جسکو اُسے خود لگایا

بقیہ حاشیہ ص ۱۹

کر دے حزن ہے بے ادبہ بربدان آوردند بہ تازیانہ اغراض و تحمل متنبہ شدہ از سر اغراض افسار  
بہ صاحب حوصلگی مگر ذرا ناقص ہر داری و بہادری با بر لوح خاطر اثر و اقدس اعظم حضرت  
(یعنی شاہجہاں) مرثیہ گشت و کار اسے دست بستہ بزرگوار سے اس موضوع صحت  
گرفت " ایک دوسرے رقم میں سلطان محمد اعظم کو لکھا ہے " فرزند عالیجاہ روزے  
اعظم حضرت و خلوت بدار کشمیرہ ارشاد نمودند کہ در حق امرا سے بادشاہی کج خلق و بدگمان بناد  
دہم را مشمول عواطف و لطافت دار و عرض غرض آمیز سخن سازان در حق این جاعت نشود کہ  
اس حرف و حقے بکار خواہ آمد از بسکہ دل سے سوز و حرف ناگفتنی میگویی فراق با مردم کار  
ضایع کار نیست " پھر ایک اور رقم میں محمد اعظم کو لکھا ہے " فرزند عالیجاہ اپنا نقل  
زبانی شخصے متبرک گزشت رسیدہ بود در وقتہ تحریر کشیدہ شد کہ بہوش آن فرزند ہم برسہ - نقد  
اعظم حضرت علی مردان خاں و سعد اللہ خاں را در خلوت خاص عزاء خصام بخشیدہ از زبان گوہر  
فشان فرمودند کہ بعضی اوقات اندیشہ بخاطر راہ سے یاد کہ ہمیں بوجہ خلافت (یعنی دارالعلوم)  
اگرچہ اسباب شان و شوکت و سامان مجمل و صولت ہمہ دار و لیکن عدو سے نیکو ان و دوست  
بیان واقع شدہ - شجاع غیر از میر شمس و صفی ندارد - و مرا در بخش مچھول الکفایت باکل در غرب  
ساختہ دایم انحرست مگر نفلانی یعنی این عاجز فانی ذی عزم و کمال اندیشہ نظر می آید -  
خلب کہ متحمل از خطر ریاست توانا شدہ " (ماخوذ از کتاب کلمات طلیات موقوف بہ رقاات عالمگیری) ۲۱۲

یہ افواہ خواہ اہل میں صحیح ہو یا غلط مگر جو لوگ اس ملک کی راہ و رسم سے واقف ہیں بخوبی جانتے  
ہیں کہ ایسے معاملہ میں کوئی بھیما سے سچا شخص بھی ایسا استغناء نہیں کر سکتا - س م ح

ہے جائز اور درست ہے۔! شاہجہاں کو اپنی اس منظور نظر فرزند پر سجدہ اعماد تھا اور وہ اُسکی سلامتی کی محافظ اور نگہبان تھی اور یہاں تک احتیاط رکھتی تھی کہ کسی قسم کا کھانا کیوں نہ ہو جب تک خاص اُسکے روبرو طیارہ نہ ہوتا تھا بادشاہ کے دسترخوان پر نہیں لگایا جاتا تھا۔ پس بیگم صاحب کو اُس شاہجہانی میں ہندو سجدہ اقدار اختیار کا حاصل ہونا اور بادشاہ کے مزاج کی باگ اُسکے ہاتھ میں ہونی اور سلطنت کے بڑے اور اہم معاملات میں اُسکی قدرت اور اختیارات کا ایسا کامل ہونا کوئی عجیب امر نہیں ہے۔

اس شاہزادی نے اپنے کثیر المقدار شاہی علوفوں اور وظیفوں جو اُسکے لئے مقرر تھے اور ان بے بہا پیشکشوں اور نذرانوں سے جو چاروں طرف سے بطور نذر اور شکرانہ درستی اُن بیشمار معاملات کے اُسکی ٹیڑھی آتے تھے جو صرف اُسی کی ماسے پر انتظام و انصرام پاتے تھے بہت کچھ دولت جمع کی تھی یہاں تک کہ اُسکو بھائی داراشکوہ کے معاملات کی کامیابی اور سرسبزی بھی اُسی کے وسیلہ سے تھی اور بادشاہ کی مہربانی اور نطر عنایت صرف اسوجہ سے اُسکو حاصل تھی کہ بیگم صاحب نے نہایت مستعدی اور گرمی سے اُسکی نفع رسانی اپنے ذمے لے لی تھی اور اپنے تئیں علانیہ اُسکا طرفدار ظاہر کرتی تھی اور دھروارا لکھوہ کے دلپر بھی بیگم صاحب کی رفاقت اور امداد کا نقش

۳ بیگم صاحب کا چچا اقتدار و اختیار اور اسکا شاہجہاں کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ عزیز ہونا اس خاندان کی فارسی زبان کی تاریخوں سے بھی ایا جاتا ہے چنانچہ اسکی نہایت ہی آمدنی کی جاگیر ہی ہو جو سن ۱۵۸۷ء میں اسکی بہن بختیاری نے اس سے سونپ دی۔

بخوبی جگیا تھا۔ چنانچہ اکثر لوگ یہ خیال کیا کرتے تھے کہ اسکے عوض میں اُسے  
 بیگم صاحب سے یہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ اپنی تخت نشینی کے وقت ایکونچ کرلیز  
 کی اجازت دیدونگا۔ داراشکوہ کا یہ وعدہ سلاطین ہندوستان کو آمین  
 کے برخلاف تھا جسکی رو سے شاہزادیوں کی شادی بالکل منع ہے۔ اس  
 مانعت کی وجہ اول تو یہ ہے کہ کوئی شخص بادشاہی خاندان کے رشتہ اور عزت  
 کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ دوسری یہ کہ یہ کھٹکارہتا ہے کہ کہیں شاہزادی کا  
 شوہر اس تقریب سے اقتدار پاکرتاج و تخت کی جستجو اور حرص نہ کر لے گا۔  
 میں اس جگہ دو داستانیں جو اس شاہزادی کی عشق بازی سے متعلق  
 ہیں بیان کرنی چاہتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ کوئی شخص میری نسبت یہ  
 گمان نہ کریگا کہ میں نے ان مضامین کو افسانہ طرازی اور اعجوبہ نگاری کی تناس  
 بیان کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ ایسے واقعات ہیں جو تاریخ  
 میں کارآمد ہیں۔ اور میرا خاص مدعا اور مطلب یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں  
 کے رسوم و عادات کے صحیح اور درست حالات بیان کروں۔

حرکات عشقیہ اگرچہ ہر ملک میں مذموم اور باعث جرائم ہیں مگر جس نسبت  
 سے مالک ایشیا میں خطرناک ہیں اُسقدر فرنگستان میں نہیں ہیں۔ چنانچہ  
 ہمارے ملک فرانس میں ایسی حرکتوں کے ذکر و مذکور اگرچہ چند روز کے

بالکل منع ہوتا تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اسی خاندان کی کئی شاہزادیوں کی شادی کا اس خاندان کے  
 بعض شاہزادوں اور بعض شاہخیزادوں کے ساتھ ہوا اس خاندان کی فارسی زبان کی تانچوں  
 میں مشہور و مروج ہے۔ مگر ان اکثر یہ حالت یہی تھی جو مصنف نے بیان کی ہے۔ س م ج

لئے لوگوں کو صرف ایک منہسی اور خوش طبعی کا ذریعہ رہتے ہیں جسکو تھوڑے عرصہ میں سب بھول بھال جاتے ہیں۔ لیکن مشرقی ملکوں میں ایسی صورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں کہ جن میں عشقیہ تعلقات سے بد انجام واقعات اور نہایت ہیبت ناک مصائب اور حرکات سرزد ہوتی ہوں۔

کہتے ہیں کہ بیگم صاحب اگرچہ مجلس میں حسب معمول مصور رہتی تھی۔ اور محل کی اور ستورات کی طرح اُسکی بھی نگہبانی ہوتی تھی۔ مگر کسی مخفی طور

بیگم صاحب کا ایک شخص سے عشق پیدا کرنا اور اُسکا تمام کی دیک میں جھلا یا جانا۔

سے ایکے پاس ایک نوجوان شخص کی آمد و رفت ہو گئی جو اگرچہ کوئی خاندانی آدمی نہ تھا مگر حسین بہت تھا۔ لیکن اُسکی کسی ایسی حرکت کا اُسکی جنم بس اور قہر کی محافظوں سے مخفی رہنا ممکن نہ تھا۔ اور جبکہ یہ عورتیں بیگم صاحب کے رشک و حسد سے پہلے ہی جل رہی تھیں تو یہ بھید کس طرح نہ کھل جاتا۔ الغرض شاہجہان بھی بیگم صاحب کی خطا و لغزش سے واقف ہو گیا۔ اور یہ ارادہ کر کے کہ خلاف معمول محل میں جا کر اس ماجرا کو دریافت کرنا چاہیے ناگہاں وہاں چلا گیا۔ اب چونکہ بادشاہ کے انیکی خبر بیگم صاحب کو ایسی جلد ہی نہ مل سکی کہ اُس شخص کو کسی مناسب جگہ چھپا دیتی اسیلئے بنا چاری اُسکے خوف زدہ جوان عاشق کو حمام کی ایک بڑی دیگ میں چھپا پڑا۔ اس واردات کے ملاحظہ سے بادشاہ کے چہرہ پر نہ تو کچھ تعجب ہی کے آثار ظاہر ہوئے اور نہ کچھ غصہ اور ناخوشی ہی معلوم ہوئی بلکہ بیٹی سے معمولی باتیں کرتا رہا۔ لیکن کسی قدر بات چیت کے بعد کہا کہ معلوم ہوتا ہے تیرے راج حسب معمول غسل نہیں کیا! حمام کرنا چاہیے۔ اور

خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ دیگ کے تلے آگ جلائیں۔ اور جب تک کہ انہوں نے اُسے یہ نہ جتلا دیا کہ اُسکا وہ قسمت کا مارا کشتہ رقابت جگہ خاک ہو گیا ہو وہاں سے نہ ہلا۔

چند مدت بعد بیگم صاحب نے ایک اور شغل پیدا کیا۔ جسکا نتیجہ اور انجام بھی ایسا ہی دردناک ظہور

بیگم صاحب کا ایک دوسرا شخص سے تعلق پیدا کرنا اور اُسکا انجام کار۔

میں آیا۔ یعنی آپ نے اپنی خانسا مانی کے عہدہ کی واسطے ناظر خاں یا نذیر خاں نامے ایک ایرانی نوجوان کو جو مشہور و معروف صاحب جمال اور نہایت قابل و دانشمند اور از بس شجاع و صاحب حوصلہ امیر تھا۔ اور جسکو تمام اہل دربار عزیز رکھتے تھے پسند فرمایا۔ چونکہ اور گزشتہ کاموں کی شایستہ خاں بھی اسکو بہت اچھا اور معقول شخص سمجھتا تھا اسلئے اُس نے اس جو کھوں میں بڑنیکی دلیری کر کے بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ شخص اس قابل ہے کہ بیگم صاحب کا عقد اس سے کیا جائے مگر شایستہ خاں کی اس تجویز کو شاہجہاں نے نہایت ناشائستہ اور ناپسندیدہ سمجھا اور چونکہ وہ پہلے ہی سے کس قدر کھٹکا ہوا تھا کہ اسکے اور شاہزادی کے باہم کسی قسم کا ناجائز تعلق ہو اس سے اُسکا یقین اور بھی بچتہ ہو گیا۔ اور یہ سنتے ہی اُس بیچارہ نوجوان کو اس دُنیا سے چلنا کر نیکیے لیے کسی بڑی تدبیر یا زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہ سمجھی اور فوراً اظہار مہربانی کے طور پر دربار عام میں اپنے ہاتھ سے ایک پان کا پیرہ اس صاف باطن جوان کو جسکے دل میں کس طرح

انگریزی رسم الخط میں ناظر خاں اور نذیر خاں ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے مگر غالباً نذیر خاں صحیح ہوگا کیونکہ ناظر خاں محاورے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ س م ح

کاشک و شبہ نہ تھا عنایت کیا۔! چونکہ اس سلطنت میں یہہ رسم ایک نہایت اعزاز و امتیاز کی علامت ہے۔ اسلئے وہ اس پان کو لیکر دستور کے موافق چبانے لگا۔ اور کم سخت نے ذرا بھی خیال نہ کیا کہ مجھے اتنی س گمہ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے زہر دیدیا ہے۔ بلکہ اس خیال اطل میں کہ غالباً باب بادشاہ کی نظراطاف سے میرے لئے روز افزوں ترقیاں ہونے والی ہیں سرور و محفوظ دربار سے رخصت ہو کر اپنی پاکی میں سوار ہوا۔ مگر نہ ہر کی تیزی اور عسرت اس درجہ تھی کہ وہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی دوسرے گھر پہنچ گیا۔

ہندوستان کے لوگ پان میں ایک چیز کے کچہ بار یک اور نازکے ورق اور تھوڑا سا چونہ جو کوڑیوں سے بنا ہے اور کچھ اور مصالحہ ملا کر تے ہیں۔ اور پان کھانے سے یہ مدعا ہے کہ موٹہ معطر اور خوشبودار اور لب منج ہو جائے۔ شاہجہاں کی چھوٹی بیٹی روشن آرا بیگم اگرچہ بہن سے حسن و جمال میں کم اور خوش فہمی میں بھی کچھ ایسی مشہور نہ تھی۔ مگر

روشن آرا بیگم کے مزاج اور عادت کا ذکر

باجود اسکے وہی زندہ دلی اسکے مزاج میں بھی موجود اور ویسی ہی عیش و شہادت تھی اور بقدر بیگم صاحب داراشکوہ کی طرفدار تھی اتنی ہی یہہ اور نگ زیب کی خالص جانب دار اور امان دونوں کی علانیہ دشمن تھی۔ اور یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے پاس نہ تو اتنی دولت ہی تھی اور نہ امور سلطنت ہی میں اس قدر اختیار اور دخل تھا۔ مگر پھر بھی چونکہ محل میں بود و باش کی شریک اور فن فریب میں کامل تھی جاسوسوں کی معرفت کام کی باتیں اور ضروری خبریں اور نگ زیب کے پاس پہنچاتی رہتی تھی۔

بچوں کی مفسد مزاجی سے شاہجہاں  
کا متوہم ہونا اور اُنکو دور دست مہولہ  
میں حاکم بنا کر بھیج دینا۔

ٹرائی سے چند سال پہلے شاہجہاں کا دل  
اپنے مفسد مزاج بیٹوں کی طرف سے خوف اور  
اضطراب میں تھا۔ اور اگرچہ وہ چاروں  
عاقل و بالغ اور صاحب اہل و عیال تھے لیکن برادرانہ سلوک اور  
ایسے مضبوط رشتہ کی رعایت کو بالائے طاق رکھ کر سلطنت کی  
ہوس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو رہے تھے یہاں تک کہ  
دربار میں اُن کے طرفداروں کے بھی جداجدا دھڑے بند ٹھکے تھے  
ان سبوں سے بادشاہ جو اپنی سلامتی ہی کے لئے لرزنا کا ہنپتا رہتا تھا  
جب ان کی ایسی ناگوار حرکتیں مشاہدہ کرتا (جنکے خمیازے آخر کار اُسکو  
خود اٹھانے پڑے) تو اپنے کو ایک عجیب طرح کے عذاب میں گرفتار سمجھ کر  
نہایت آرزو کے ساتھ یہ چاہتا تھا کہ ان کو گولیوار کے قلعہ میں جو بڑا مضبوط  
اور مستحکم اور ایک بلند اور گڑھب چٹان دار پہاڑی پر بنا ہوا ہے۔ اور  
جس کا فتح کرنا مشکل ہے۔ اور جس میں بادشاہی خاندان کے سلاطین وغیرہ  
اکثر مقتید اور نظر بند رہا کرتے ہیں قید کرے۔ لیکن اُس نے سوچ سمجھ کر آخر کار  
اپنے دل میں اس بات کو مان لیا تھا کہ حقیقت میں یہ اب ایسے زہرست  
ہو گئے ہیں کہ ان سے اس قسم کا سلوک کرنا ایک سرسری امر نہیں رہا۔  
اُسکو ان کی طرف سے رات دن یہی تردد اور تفکر لاحق رہتے تھے۔ کہ اگر  
یہ باہم جھڑ گئے تو یا اپنے لئے علحدہ علحدہ مستقل سلطنتیں قائم کر لینگے  
یا اپنے تخت کو میدان جنگ بنا کر خلق خدا کی خزیریری اور قتل و قمع کے بعد

اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ اُسے ان پیش آنے والی آفتوں اور قرضوں سے بچنے کے لیے یہ تجویز نکالی کہ چاروں کو چار دُور دست صوبوں کی حکومتیں دیکر الگ الگ کر دیا جائے۔ پس سلطان شجاع کو بنگالہ۔ اورنگ زیب کو دکن۔ مراد بخش کو گجرات۔ اور داراشکوہ کو ملتان اور کابل کا حاکم مقرر کیا ۵

داراشکوہ کے سوا یہ سب شاہزادے بلا توقف اپنے اپنے صوبوں کو چلے گئے۔ مگر وہاں پہنچتے ہی اپنی مفسد طبیعتوں کے سبب ان کے

داراشکوہ کے سوا تینوں بھائیوں کا اپنی اپنی جائے مقررہ کو چلے جانا اور انکی خود مراد کارروائیوں کا بیان۔

لگے اور خود سر بادشاہوں کی سی حکمرانیاں شروع کر دیں۔ چنانچہ ملک کی آمدنی اپنے ذاتی اُمور میں صرف کرنے لگے۔ اور ہر ایک نے بڑی بڑی مہیب فوجیں اس بہانے سے بھرتی کر لیں کہ پائے تخت کی گماں اور ملک میں اس امان قائم رکھنے اور حدودِ ممالک غیر پر عیب و داب کے لیے اسکی ضرورت ہے۔

لیکن داراشکوہ نے جو سب سے بڑا اور اسیوجہ سخت نشانی کا متوقع تھا پائے تخت کو بچھڑا اور اس سبب کے کرنا بچھا

داراشکوہ کا پائے تخت کو بچھڑنا اور باب بیٹے کا مٹا دینا

۵ میرھسکی۔ انصاف بہ مائل غاں جو اورنگ زیب کے مشہور امیروں میں سے تھا لکھا ہے کہ سلطانہ ایکڑار باسٹھ بجری میں جبکہ شاہجہاں کا دل میں تعظیم تھا اُسے دو مائش کی راہ

۶ فارسی زبان کی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہاں نے داراشکوہ کو حقیقتاً اپنا دہقہ مقرر کر کے شاہ بلند اقبال کا خطاب دیا ہوا تھا۔ اور صاحب میرالساخرین نے بعض وقائع مثلاً ایکڑار باسٹھ بجری لکھا ہے کہ اخیر میں اسکا سالانہ واجب دکر دوا دوا مائسات ہاکہ رویتہ مقرر ہو گیا تھا۔ س ۶۷

میں جنس کو دھام



نے بھی اُسکو احکام شاہی کے اجرا کے اختیارات سپرد کر دیئے تھے اور یہ بھی اجازت دیدی تھی کہ ایک چھوٹے تخت پر جو بادشاہی تخت سے نیچا ہو خود بادشاہ کے سامنے دربار میں جلوس کیا کرے۔

ایک ہی وقت میں دو مساوی الاختیار فرمانروا دربار میں جلوہ گزیر آنے لگے۔ ان باتوں سے اگرچہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بادشاہ ہی داراشکوہ کی امیدوں کی تائید کرتا تھا۔ لیکن اس بات کے باور کر لینے کی معقول وجہ موجود ہے کہ اگرچہ داراشکوہ باپ کے ساتھ ادب و محبت کے طریقوں سے پیش آتا تھا۔ مگر شاہجہاں ریاکاری اور دورنگی برتتا تھا۔ اور اس کٹھن سال بادشاہ کو برابر یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں مجھ کو ہرنہ دیدیا جائے اور ظن غالب ہے کہ بادشاہ کی پوشیدہ خط و کتابت اور رنگ زیب سے جاری رہتی تھی جس کی نسبت اُسکو ہمیشہ عداوت تھا کہ سلطنت اور ملکداری کے لئے یہ لڑکا بہت لائق و فائق ہے۔

اس کتاب کے اُن مطالب کی توضیح و تشریح کے لئے جگہ ذکر آئندہ آنے والا ہے یہ مختصر بیان شاہجہاں اور اُسکے بیٹوں کی باہمی لڑائی کا بطور تمہید لکھ دینا ضروری اور سہل طرح اُسکی دونوں بیٹیوں کا بھی کچھ حال درج کر دینا واجب تھا۔ کیونکہ یہ بھی ان درونماک واقعات میں ایک بڑی

ان شاہزادوں کو ان کے نامزد کئے ہوئے معروہوں کو چھٹ کیا اور کابل پر چل کر جب شجاع اور اورنگ زیب اگرہ میں پہنچے تو داراشکوہ کے فرار سے بچنے کے لئے آپس میں بڑے بڑے متحکم حینڈیاں کیے اور کہا کہ اگر ہم ہم بڑے ہیں تو داراشکوہ کے شر سے جو ہرے خون کا پیاسا ہے ہے۔ رہنے اور اس معاہدہ کے مزید استحکام کے لئے شجاع نے اپنی بیٹی اورنگ زیب کے بیٹے محمد سلطان سے منسوب کی اور اورنگ زیب نے چھٹی لڑکی کا شرف شجاع کے بیٹے سلطان زین العابدین کو کیا سہم

حصہ دار تھیں اور اسکے سوا ہندوستان اور قسطنطنیہ اور افریقیائی ملکوں میں بڑی بڑی سنگین اور اہم دار وائیں اکثر عورتوں کے اختیار و اقتدار کے باعث سرزد ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اکثر لوگ اُن کے وقوع کے پہلی سببوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اور اُن کا باعث بعض اور بانوں کو سمجھ لیا کرتے ہیں۔

میر محمد کا ذکر اب شاہجہاں کے بیٹوں کے جنگ و جدال کے واقعات لکھنے سے پہلے اگر اسی طرح کچھ حالات اور نگریب اور شاہ گول کنڈا اور اسکو وزیر میر حجاب کے بھی محل طور پر لکھ دیئے جائیں تو امید ہے کہ ناظرین کو مطالب کتاب کے سمجھنے میں زیادہ آسانی اور غالباً اُس شخص کی چالاکیوں اور فیصلہ سازی کی نسبت جو اس تمام تاریخی کارنامہ کا رستم اور ہندوستان کا آئندہ بادشاہ ہوتے ایک بصیرت حاصل ہو جائیگی۔

میر جگہ نے جن تدبیروں اور حکمتوں سے شاہجہاں کے فرزند ثالث کو اقتدار اور سلطنت کی بنیاد قائم کی اُسکی شرح اس طرح ہے۔

جس وقت اورنگ زیب کو دکن کی صوبہ داری سپرد کی گئی تھی میر جگہ

جس وقت کے ماشیہ اور بعض فارسی زبان کی نابالغوں میں اس نامور شخص کا حال یوں لکھا ہے کہ میر جگہ کا تینا اور ایران کا باشندہ تھا اور اردستان میں ہونواح منہان میں سے پیدا ہوا تھا۔ اسکے والدین اگرچہ خاندانی تھے مگر بہت ہی غریب تھے۔ بہر حال اپنے کسی طرح کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا اور ایک جوہری کے پاس جو تجارت کو لپکھ کر لکھنا اور ایا کرتا تھا گشت بگیا۔ اب بعضوں کا تو یہ قول ہے کہ ازلی جمہور کرکھ لکھنا کی سلطنت میں بطور تجارت کرنے لگ گیا تھا۔ اور بعضوں کا کہنے میں ہے کہ وہ سردار گرو تھا اور اپنا سب مال دولت اسی کو دیا تھا۔ نیز خواہ کوئی صورت ہو یہ میر جگہ

شاہ گول کنڈا کا وزیر اور اسکی تمام فوج کا سپہ سالار اور تمام ہندوستان میں ایک مشہور و معروف شخص تھا اور اگرچہ خاندانی اور پشتینی امیر نہ تھا لیکن بہت ہی قابل ذی لیاقت انسان تھا اور جیسا کہ سپاہ گری میں کامل تھا ویسا ہی معاملات تجارت کو بھی خوب سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی دولت جو بہت ہی تھی صرف گول کنڈا کی متمول سلطنت کی وزارت کے وسیلہ سے نہیں بلکہ اپنی وسیع تجارت کے ذریعہ سے جو اکثر ملکوں میں جاری تھی اور بیروں کی کانوں کے ٹھیکوں سے جو اور شخصوں کے ناموں سے بے رتھے تھے حاصل کی تھی۔ ان کانوں کی کھدائی اُن تھک محنت اور سرگرمی سے جاری رہتی تھی اور بیروں کی برآمد اس کثرت سے تھی کہ اُس کے ہاں نہیہ قاعدہ اور معمول تھا کہ اُن کا شمار کیا جاتا تھا۔ بلکہ بیروں سے بھرپوری ٹاٹ کی تھیلوں کو گنوالیا جاتا تھا۔ اور جب اس بات پر خیال کیا جائے کہ

شخص ہی تجارت کے ذریعہ سے نہایت الدار ہو گیا اور کچھ روپیہ خرچ کر کے سلاطین قطب شاہی کے دربار میں جو ملک تلنگانہ اور کلاں ترجمہ ملک گول کنڈا کے بادشاہ تھے ایک عہدہ حاصل کر لیا۔ اور اس عہدہ کے کلر بار کو ایسی خوبی سے انجام دیا کہ بادشاہ نے نہایت خوش ہو کر بڑی بڑی منصب فوج نامورہ تلنگانہ کا اسکو اعلیٰ افسر مقرر کر دیا اور آخر کار سلطان عبداللہ قطب شاہ دلی گول کنڈا کا وزیر مقرر ہو کر میر جلالی سہ دار کل کا خطاب پایا۔ س۔ م۔ س۔

منہجم اگر نری نے اس موقع پر بطور حاضیہ یہ لکھا ہے کہ ”میر سے زیادہ تر سلطنت گول کنڈا بیجا پور۔ بنگالہ۔ اور جزیرہ برہم پور میں دستیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک کان تو راول کنڈا میں ہے جو گول کنڈا سے پانچ منزل پر ہے۔ دوسری گاتی میں ہے گو نور بھی کہتے ہیں گول کنڈا سے مشرق کی طرف ساٹ منزل پر ہے۔ بنگالہ میں قصبہ سلیم پور کے نزدیک جو گول کنڈا سے ایک شہر ہے اُس کے بت میں سے بھی میر سے نکلے ہیں اور ایسے سلیم پور کی جگہ

منہجم اگر نری نے اس موقع پر بطور حاضیہ یہ لکھا ہے کہ

وہ صرف اپنے بادشاہ ہی کی فوج کا سپہ سالار نہ تھا بلکہ خاص اپنے خراج سے اپنی ایک جہاز فوج مع ایک توپخانہ کے جسمین اکثر عیسائی لوگ ملازم تھے ہمیشہ تیار رکھتا تھا تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اسکا پولیٹکل عرب و دواب اور اختیار و اقتدار کتنے بڑھا ہوا ہوگا۔ اور یہاں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ اسنے ٹمک کرناٹک کی فتح کا بہانہ بنا کر وہاں کے ہندوؤں کے تمام مندروں اور قدیمی عبادت خانوں کو لوٹ لیا تھا۔ اور اس طرح سے اپنی دولت و حشمت بے قیاس حد کو پہنچالی تھی۔

میر جلی کی اس طاقت و شوکت کو دیکھ کر شاہ گول کنڈا کے دل میں رشک و حسد کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا چنانچہ اسنے بڑی سرگرمی سے لیکن نہایت اخفا اور سکوت کے ساتھ اسکو قتل کرانے یا اپنے ہاں سے نکال دینے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں۔ کیونکہ بجائے ایک مطیع نوکر کے وہ اب اسکو ایک خطرناک قریب سمجھنے لگا تھا۔

میر جلی کی ان بن اس کے آقا  
بادشاہ گول کنڈا سے۔

اس کان کو گول دلی کہنا زیادہ مناسب ہو اور مزیدہ بورتیو میں مگان دیں سے میرے نکلے ہیں۔  
جو وہ بھی ایک ندی ہے اور اب سے ایک سو برس پہلے تک جو ہندوستان یا اس کے جزیروں کے اور کسی جگہ میرے کی کان معلوم نہیں ہوئی تھی۔ البتہ ایک کان شہداء ستروہ سوامیائیس میں ٹمک برازیل میں جو جزیری امریکہ میں ہے دریافت ہوئی ہے۔ اب ہمارے اس زمانہ کی کینٹ سنسے کو تبدیل کنندگی بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سوا ہندوستان میں ہرے کسی جگہ برائے نہیں ہوتے۔ اور وہاں بھی بہت کم اور بہت چھوٹے چھوٹے نکلے ہیں اور غیر ملکوں کا یہ حال ہے کہ انوفیہ کے ایک حصہ یعنی کپ آن گڈ ہوپ میں بھی چند سال سے میرے نکلے لگے ہیں اور بڑے بڑے اور بہت کثرت سے نکلے ہیں۔ مگر رنگ اکثر زردی مال ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی پُرانی کانوں کے سفید ہروں کے برابر خوشنما اور بیش قیمت نہیں سمجھے جاتے اور ترشے میں بھی جیسے

دیکھا جائے گا کہ اس کا نتیجہ

اور وزیر کے خیر خواہ اور جاں نثار لوگوں کی وجہ سے جو اُس کے گرد و پیش موجود رہتے تھے اپنے اس ارادہ کو احتیاطاً بہت مخفی رکھتا تھا لیکن ایک موقع پر جب کہ اول ہی دفعہ اُس کو یہ خبر ملی کہ میر حیلہ اور اُسکی والدہ کے باہم جو ہنوز صاحب حسن و جمال تھی ایک نامناسب تعلق ہے۔ وہ عداوت جو اُس کے دل میں پہلے سے تھی پوشیدہ نہ رہ سکی اور بے اختیار بول اُٹھا کہ اس زبردست مجرم سے اس حرکت کا انتقام لینا ضروریات سے ہے۔ اب اگرچہ یہ اس وقت کرنا ٹک میں تھا لیکن اس سبب سے کہ دربار کے سب بڑے بڑے عہدہ دار اس کے رشتہ دار تھے اس خطرناک واقعہ کی اس کو بہت جلد خبر پہنچ گئی اسیلئے اس چالاک اور حیلہ ساز وزیر نے پہلے تو یہ کام کیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے محمد امیر خاں کو جو بادشاہ کی محبت میں حاضر تھا اس مضمون کا خط لکھا کہ جس حیلہ اور بہانہ سے ممکن ہو اس

سخت نہیں ہیں۔ اور اگرچہ فریب کی خواص ادویات کی عربی اور فارسی زبان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جزیرہ قبرس (سائپرس) اور مقدونیہ میں بھی یہاں نکلتا تھا۔ مگر مشرقیوں نے شریعت پر بیش بہا کتاب سے جو خام جواہرات کے باب میں بہت عمدہ اور حکیمانہ تحقیق سے لکھی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہاں ہندوستان اور اسکے قریب کے جواہر سمٹاؤ اور بونڈو اور ملک برازیل واقع جنوبی افریقہ اور جزیرہ اسٹریلیا کے کوہستان پورال ہی میں نکلتا ہے۔ اور بقل ان کے صرف سفید اور زرد ہی نہیں ہوتا بلکہ سبز اور نیلا اور سرخی مائل اور دھندلا اور دھواں کے رنگ کا بھورا اور سفید اور غیر شفاف دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ س م ح ق ب ر ض + آسے ڈون سی ڈرے دکی ڈر + م آگ ڈا + عی نو ڈال

یہ بات ہندوستان کی کسی فارسی زبان کی تاریخ میں راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ س م ح ۱۴

صحیح نام محمد امین خان ہے اسیلئے آئندہ اس ترجمہ میں اسکو اسی نام سے لکھا جائیگا۔ س م ح ۱۵

ہم میں اپنے شریک ہونے کی ضرورت شدید ظاہر کر کے فوراً میر کو پاس چلے آؤ۔ اور جب اُسکے وہاں سے بچکر نکل آنے سے باعث اس سخت نگرانی کے جو بادشاہ کی طرف سے اُسپر تھی مایوس ہوا تو مستعدی کے ساتھ فوراً وہ بے بالی اختیار کی جسے شاہ گولکنڈہ کو بربادی اور تباہی کے کنارے پہنچا دیا۔ عقلمندوں نے سچ کہا ہے کہ ”جو بادشاہ اپنے بھید اور مشورے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا وہ اپنی سلطنت کو نہیں بچا سکتا“

میر جی نے اورنگ زیب کو جو دولت آباد میں تھا۔ اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ ”میں بادشاہ گولکنڈہ کی وہ بڑی بڑی خدمتیں کی ہیں کہ جنکو تمام زمانہ جانتا ہے۔ اور جنکے لئے اُسکو میرا بہت ہی ممنون ہونا چاہیے مگر اُسپر بھی وہ میری اور میرے خاندان کی بربادی اور بیخ کنی کی فکر میں ایسے میں آپ کی پناہ لینا اور آپ کے حضور میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ اور

میر جی کا اورنگ زیب کو عریضہ لکھنا اور پناہ دہی کے عوض میں گولکنڈہ کے فتح کر دینے کا وعدہ کرنا

\* اس کا قدیم نام دیو گڑھ تھا جسکو غلطی سے اکثر مسلمان مسخ مغوں نے دیو گڑھ لکھا ہے چنانچہ میر جی جو محمد شاہ قلی کے دربار کا ایک شہور شاعر تھا اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے ”شعرا تو دیو گڑھ کو انشک دولت آبادست + کہ چارطاق دروست بہشت باب جنان“ اور میرا تاخرین میں لکھا ہے کہ راجہ جیج کے زمانہ میں اسکا نام دھارا گڑھی تھا۔ بہر حال محمد شاہ قلی نے چھوٹے سات سو تیس ہجری میں ہندوستان کے تحت پریشا تھا، جب اسکو ہندوؤں سے فتح کیا تو دولت آباد نام رکھ دیا جسکے قریب گوداوری کے کنارے اورنگ زیب نے اپنی حکومت کن کے زبائین راجہ آباد کیا پنجب شہزاد اورنگ آباد کے نام سے سرکاری کاغذات میں لکھا جاتا تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں اگر دولت آباد کی نمونہ باقی ہے مگر حاکم جانشین تمام اورنگ آباد ہی ہے۔ جہاں ریاست حیدر آباد کی طرف سے ایک حاکم مدد تعلقہ دار کے لقب سے سورتا ہے۔ - س. م. ح. ۱۱

اس درخواست کی قبولیت کے شکرانہ میں کہ جسکی پذیرائی کی آپکی جانب سے کامل امید ہے ایک منصوبہ عرض کرتا ہوں کہ جسکے ذریعہ سے آپ آسانی اُس بادشاہ کو گرفتار کر کے اُسکے ملک پر قبضہ کر سکیں گے۔ آپ میرے اس وعدہ کی سچائی پر اعتبار اور بھروسہ فرمائیں۔ اور یہ ہمہ انشا اللہ تو کچھ مشکل ہی ہوگی اور نہ کچھ خطرناک ہی۔ یعنی آپ پانچ چار ہزار حیدہ سواروں کے ساتھ بہت جلد اور بلا توقف کوچ کرتے ہوئے گولکنڈا کی طرف چل آئیں جس میں صرف سولہ دن لگیں گے۔ اور یہ مشہور کر دیں کہ شاہجہاں کا سفیر شاہ گولکنڈا سے بعض ضروری معاملات میں گفتگو کرنے کو بھاگ لکھا جاتا ہے۔ اور یہ فوج اسکی اردلی میں ہے۔ اور چونکہ وہ ”دیز“ جسکے توسط سے ہمیشہ ایسے امور کی اطلاع بادشاہ کو ہوا کرتی ہے میرا قریبی رشتہ دار ہے اور اُس پر مجھے کامل بھروسہ ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک کہ ایسا حکم

صاحب تاریخ دیکھ لکھا ہو کہ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے جبکہ ایک ہزار کسبیاں ناچنے گانے کے لیے نوکر تعین اسکو سولہ سو پچاس جبری سے کچھ پہلے اپنی مشورۃ بھاگ لکھی کے نام پر جو انہیں میں سے ایک پاتو یعنی ہندو کسی بھی آباد کیا تھا۔ لیکن پھر کچھ پتیاں ہو کر بنا بدل دیا اور حیدر آباد نام رکھ دیا۔ مگر اب ہمارے اس زمانہ میں وہ پہلا نام بالکل محو ہو گیا ہے۔ اور صرف حیدر آباد ہی مشہور ہے اور گولکنڈا کا قلعہ بھی اب تک قائم ہے اور دونوں ریاست حیدر آباد وکن کے قبضہ میں جو ہوتے ہندوستانی ریاستوں میں سب سے بڑی اور سلطنت مغلیہ کو منظور نسق اور طور طریق کا لگ بھگ ایک نمونہ ہے اور بیکار قبہ بموجب بیان مسلمانوں کا وہیلو کہ صاحب مؤلف تاریخ جلسہ فیضی واقع دہلی تقریباً اٹھانوے ہزار میل مربع اور آبادی تقریباً نو لاکھ اور آمدنی میں کروڑ اکیس لاکھ ہے اور جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد سے نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر و عوبہ دار و دکن کی اولاد کے قبضہ میں چلی آتی ہے فقط س م ح ۱۲

جاری ہو جائیگا کہ جسکی وجہ سے بغیر پیدا ہونے کسی شک و شبہ کو کپ بھاگ نگر کے دروازہ پر پہنچ جائینگے اور گول کنڈا واے آپ کو سفیر کے موکوئی اور شخص سمجھینگے۔ پس جب بادشاہ معمول کے موافق فرمان کے استقبال کو جو سفیر کے پاس ہوا کرتا ہے۔ آئے۔ تو آپ اُسکو باسانی پکڑ کر جو کچھ مناسب جانیں اُسکی نسبت تجویز کر سکتے ہیں۔ معہذا اس مہم کا کل خرچہ میں آپکو دینا اور اسکے اختتام تک پچاس ہزار روپیہ روز دیتا رہو گا۔

اورنگ زیب جو ہمیشہ ایسے ہی منصوبوں میں لگا رہتا تھا میدجلہ کی استدعا کو موافق قرار تیار کر کے گول کنڈا کی طرف چل

میدجلہ کے گھمڑی کو موافق اورنگ زیب کا ایک فریب سے گول کنڈا کو کوچ کرنا اور پنجش بھاگ نگر پہنچ جانا۔ اور شاہ گول کنڈا کا بھاگ کر قلعہ میں پناہ لینا

کھڑا ہوا اور ایسی ہوشیاری سے اس تدبیر کو بجالایا کہ بھاگ نگر پہنچ گیا۔ اور کسی نے نہ جانا کہ یہ حبیب فوج سفیر کی ہمرکابی کے سوا کسی اور مقصد سے آئی ہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ اس دستور کے موافق جو ایسے سفیروں کے آنیکے موقع کے یو مقرر تھا اس مصنوعی ایچی کی ملاقات کی واسطے اپنے باغ کو سوار ہوا۔ مگر جبکہ وہ بلا واسطہ اپنے دغا باز دشمن کی طرف جارہا تھا اور فریب تھا کہ اس تدبیر کے بموجب جو پہلے سے گانٹھی ہوئی تھی اُسکو دس بارہ غلام گرفتار کر لیں اور اورنگ زیب کا منصوبہ چل جائے اُسکی خوش قسمتی سے ایک امیر نے جو اس ساز سے واقف اور اس میں شریک تھا ناگہاں شہزادہ اودیم کی وجہ سے چلا کر کہہ دیا کہ ”جہاں پناہ جھٹ پٹ نکل جائے وہ آپ پھنس جائینگے یہ اورنگ زیب ہے ایچی نہیں“ اس موقع پر بادشاہ کو جو چڑلی



اور پریشانی لاحق ہو چکی کیا کہنا! پس وہ ٹھوٹے پر سوار ہو کر گہرے قلعہ گولکنڈا کی طرف جو اسکی معمولی قیام گاہ بھاگلنگر سے صرف ایک فرسنگ کے قریب تھا بھاگا اور اس میں جا داخل ہوا۔ \*

\* عاقل خاں نے اس واقعہ کو یوں لکھا کہ جب میر جملہ نے اپنی افواہ کو نافرمان کیا تو اورنگ زیب سرمد و جاہی۔ اسے شاہجہاں کو اطلاع دی وہاں سے فوجیں صادر ہو کر حیدر آباد کے ایک حصہ قطب شاہ کے ہاتھ سے بھاگ کر جاہی بن بھدو۔ اس حکم کے آنے پر اورنگ زیب نے بھی بھاگنا اپنا ایک نشان (اُسوقت کی اصطلاح میں بادشاہ کی تحریر کو "فرمان" اور شاہزادوں کی تحریر کو "نشان" کہتے تھے) قطب شاہ کے نام لکھا کہ محمد سلطان اپنے چچا شجاع کے پاس اور قیس کی راہ سے بنگالہ کو جانا چاہتا ہے (کیونکہ بقول الفسٹن صاحب راجہ کیسیت یہ بھی کہ اورنگ آباد سے بنگالہ کو چھلی پٹن کے پاس اس طرح چل کر بھاگنا تھا کہ گولکنڈا کے جنگل راج میں بڑے محل میں کہ اورنگ زیب کی راہ گولکنڈا کی واسطت بھاگلنگر سے تھوڑے فاصلہ پر پہنچتی تھی) آپ خاطر داری سے اپنی ملک سے گزر کر اس آب و ہوا و چارہ تو اس بنام کو واقعی سمجھا کر ہزاری اور خاطر تواضع کی تیاری میں مصروف ہوا اور احمد شاہ سلطان لڑائی کے ساز و سامان سے خوب درست ہو کر کوچ کوچ روانہ ہوا اور اسکے پیچھے پیچھے فوجیں بھی چل پڑیں ہوئے اور قطب الملک کو اس قریب کی اُسوقت خبر ہوئی کہ جب محمد سلطان بھاگلنگر کے بہت قریب جا پہنچا اور وہ نہایت سرسبلی اور فطرب کی حالت میں بعد از عشاء جو کچھ جاہرات اور عمدہ چیزیں ساتھ لے سکا لیکر گریبا قلعہ حیدر آباد یعنی گولکنڈا میں جا داخل ہوا۔ اور یہ مصیبت ایسی ناگہانی تھی کہ اسے گھبراہٹ کے کئی بیگیں سجاری آباد ہو کر نکلے سر اور ننگے پاؤں بھاگ کر قلعہ میں پہنچیں۔ اور محمد سلطان نے اگر بھاگلنگر پر قبضہ کر لیا۔ اور بعض مورخوں نے صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ پہلے قاضی عارف کشمیری کو اورنگ نے بیٹے قطب شاہ کے پاس میر جملہ کے باعث و آبرو نصرت کروانے کے یوم فرما دیا تھا۔ اچھا تھا ابھی وہ پیچھے نہیں پایا تھا کہ قطب شاہ نے میر جملہ کے بیٹے محمد امین خاں کو قید کر کے اسکا مال ضبط کر لیا۔ اور اس سب سے شاہجہاں کی طرف سے اسکو نام ایک اور جنگی نیزہ

اورنگ زیب کا جھانگنگر کوٹ کر  
گول کڈا کو گھیر لیا اور محارہ اٹھائے  
کے پو شا جہاں کی طرف سوزان کا  
پہنچا اور اسکا سبوتہ ذکر ان شیعہوں کا جو  
اورنگ زیب گول کڈا کو بادشاہ بنائیں

اورنگ زیب اگرچہ اپنے شکار سے ناامید ہو لیکن  
خیال کیا کہ آب ڈرنے کا موقع نہیں ہے بلانوف  
و خطر اسکی گرفتاری کے واسطے کوشش اور تدبیر  
جاری رکھنی چاہیے۔ پس سب پہلو بہ کام کیا  
کہ جھانگنگر کے تمام شاہی محلوں کو ٹوٹ لیا۔ اور کل قیمتی ادبیش بہا  
اجناس و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ لیکن محل کی عورتوں کو مشرفی بادشاہوں

فرمان جاری ہوا اور آڈرننگے ٹیپ کے نام حکم صادر ہوا کہ اگر قطشیاہ ارشاد شاہی کی تمسین مقبول  
کرتے تو اسکو سزا دے اس حکم کے آنے پر آڈرننگے ٹیپ آگے آگے جھانگنگر سلطان کو روک کر کہے پھر سے  
خود بھی چل پڑا اور چونکہ قطشیاہ کے لوگوں کی طرف سے جھانگنگر سلطان کے بھاگنگر پہنچ جانے کے بعد  
کچھ حرکات شوجی تھو میں آئی تھیں اس سبب سے جھانگنگر سلطان اور آڈرننگے ٹیپ نے بھاگنگر  
کو ناخن و تاراج کر کے گول کڈا کو گھیر لیا تھا۔ نقطہ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں نے آڈرننگے  
کی ان دھوکے بازی کی جب لوگوں کا ذکر مینکا حال بڑنی ار اور عاقل خاں نے  
لکھا ہے دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ س م ح ۱۲

در تاج سیرت سیاح الکبریٰ فی ارد

۵ عاقل خاں اس لوٹ کی نسبت یہ لکھتا ہے "کرشنازادہ فیروز مند (جھانگنگر سلطان) در لیل  
و اعتلان بھاگنگر در آمدہ رایت اقتدار برافراشت و اکثر کارخانجات و بیوتات قطب الملک عزیز  
و غارت نمشت و کتب نفیسہ و جینی آلات و دیگر اشیاء و اجناس افراد و ائادارہ شمار و قیاس بر سر سلطنت  
ریدہ و از عقب بندگان حضرت جہاں پناہی (اورنگ زیب) بدولت و اقبال تشریف آوردہ  
ملقطہ عظمت جلال آنحضرت در زمین و زمان حبیہہ بسیار از اسباب و آلات غریبہ کہ از تحف  
روزگار بود از اموال قطب الملک ہر کار عالم را مضطرب شد۔ کثرت و افزونی ذخائر و اشیاء  
و اسباب مواد کثرت و ثروت آن دو ہمتند (قطب الملک) بہ تہہ بود کہ بعد از کوچ فرمودن چمنان خانہاد  
مغز ہنایا الال گریہ مستندہ اسلام حوس نے شد کہ دست کسی میں خزانہ و ذخائر رسیدہ باشد و نقشے  
در اس راہ یافتہ و حالانکہ انیس بہت دیر کا سلطنت سامان ثروت و سر انجام کنت پدید آمد" س م ح

کے دستور کے موافق بڑی احتیاط سے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ اور اگرچہ توپوں کے ہونیکے سبب سے ناچار تھا۔ مگر تاہم یہی ٹھان لیا کہ قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہیو کیونکہ اس صورت میں بادشاہ کو برد و غیرہ کے نہ پہنچنے کے سبب سے دیر تک بچاؤ کرنا مشکل ہوگا! لیکن محاصرہ سے دو مہینے بعد شاہجہاں کی طرف سے اس مضمون کا قطعی حکم پہنچا کہ ہم سے ہاتھ اٹھا کر بلا توقف دکن کو لوٹ جاؤ۔ اب اگرچہ اسکو سنجو بی معلوم تھا کہ یہ حکم داراشکوہ اور بیگم صاحب کی تحریک غیب سے صادر ہوا ہے (کیونکہ دور اندیشی اور عاقبت بینی سے انکو یہ خیال ہو گیا تھا کہ اگر اورنگ زیب کو بادشاہ گولکندہ کی نسبت اپنے منصوبوں کے عمل میں لانے کی اجازت لمجائیگی تو وہ بہت زبردست ہو جائیگا) اور اس وجہ سے دل ہی دل میں بہت سچ و تاب کھایا۔ لیکن نہایت درجہ اطاعت دکھانیکے غرض سے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا مگر محاصرہ اٹھانے سے پہلے فوج کشی کا اہتمام کا ایک بڑا معاوضہ اور حربانہ شاہ گولکندہ سے وصول کیا اور یہ عہد و پیمان ٹھہرایا کہ میزچھگڈ کو اپنے خاندان اور مال اسباب اور فوج سمیت صحیح سلامت چلے جائیکے اجازت و بجائے اور گولکندہ کے رویہ پر شاہجہاں کا سکہ لگا کر اسکے علاوہ محمد سلطان کی شادی بادشاہ کی بڑی بیٹی سے کر لی۔ اور جبراً یہ وعدہ بھی کر لیا کہ شاہزادہ موصوف اب سو سلطنت گولکندہ کا ولیعہد سمجھا جائیگا اور چہر میں راف گڈ کا قلعہ بھی مع اسکے تمام توابع اور متعلقات کے لے لیا۔

۱۔ اصل کتاب میں غلطی ہو جاوے اسکو سلطان محمود کر کے لکھا ہوا ہے اور صحیح نام محمد سلطان ہے۔ ہرم ۴  
۲۔ عاقل خاں اور بھائی خاں نے اس شرط اور سکہ جاری کرنیکی شرط کا ذکر نہیں لکھا۔ س ۴ ح

اورنگ زیب کا میٹر محمد کو ساتھ لیکر  
دولت آباد کو واپس جاتے ہوئے  
راستہ میں بدڑ کو مستح کر لیا

بیجا پور کے ملک میں ایک مستحلم جگہ ہے گھیر کر فتح کر لیا۔ اور پھر دونوں <sup>لے آباد</sup>  
پٹنچرا اتحاد اور محبت کے ساتھ رہنے اور آئندہ شوکت و عظمت کو یورو پڑے  
منصوبے باضنے لگے۔ چنانچہ ان کے اس اتفاق کو ہندوستان کی تاریخ  
میں ایک اہم اور قابل یادگار واقعہ سمجھا جاسکے۔ کیونکہ اورنگ زیب کو نہایت  
عظمت اور سلطنت جو کچھ حاصل ہوا وہ سب اسی اتفاق کی بدولت تھا۔

دولت آباد پہنچتے ہی میٹر محمد نے اپنی  
حسن تدبیر سے ایسے منصوبے دوڑائے  
کہ شاہجہاں کی طرف سے حاضر دربار ہونیکے

میٹر محمد کا حسب الطلب آگاہ اور  
شاہجہاں کو اپنی جاری پیشکش میں  
ایکے نظیر پر اندر کرنا اور گولکنڈا اور  
بیجا پور پر پڑائی کر نیکی ترغیب دینا۔

بے متواتر پیغام آگئے اور آخر کار وہ پائے تخت آگرہ میں جا پہنچا۔ اور بادشاہ  
کے لئے نہایت عجیب و غریب پیشکش اپنے ساتھ لایا۔ کیونکہ اسکو امید تھی  
کہ اس ذریعہ سے شاہجہاں کو گولکنڈا اور بیجا پور اور پٹنچرا کے سواڑی  
شروع کر دینے کی ترغیب دیکوں گا۔ چنانچہ جب دربار میں حاضر ہوا تو  
وہ الماس نذر کیا جو مقدار اور خوبصورتی میں عموماً بے نظیر سمجھا جاتا ہے اور گولکنڈا  
کی فتح کے بہت سے فوائد بیان کیے اور عرض کیا کہ گولکنڈا کے جواہرات  
قد ہزار کے پتھروں اور چٹانوں کی نسبت جب حصہ آسکے اہل مہم کرنا چاہتے

\* فاضل کتابوں میں اکثر اس قلعہ کا نام بنے ذرا پائے ذرا لکھا ہے۔ س م ح

ہیں یقیناً زیادہ لحاظ اور شان و توجہ کے قابل ہیں۔ اور یہ بھی گزارش کیا کہ حضور کو گولکھڈا کی سمت میں اپنی جنگی تدبیریں اسوقت تک کہ تمام ملک راسُ کما آجی تک فتح ہو جائے برابر جاری رکھنی چائیں \*۔

کچھ عیب نہیں کہ پیروں کے لالچ نے شاہجہاں کے دل پر یہ تاثیر کی ہو کہ اُس نے میدجملہ کی تجویزوں کو قبول کر لیا۔ لیکن اکثر لوگوں کی رائے

پیروں اور اوز جہاںات کے لالچ یا داراشکوہ کے دھمکانے ڈرائیکی غرض سے میدجملہ کی تجویز کا منظور ہونا اور اسی کو پلار بنایا جا کر بھیجا جانا۔

یہ ہے کہ اصل میں شاہجہاں نے داراشکوہ کی روز افزوں بے ادبیوں کے روکنے کی غرض سے اس مہم کو نئی فوج بھرتی کر لینے کے لئے ایک معتول بہانہ سمجھ کر میدجملہ کی صلاح کو مان لیا تھا۔ بہر حال شاہجہاں کا کچھ ہی غلبہ تھا ہو مگر اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ دکن کی طرف ایک فوج پہ مالاری میدجملہ بھیجی جائے۔

ان دنوں داراشکوہ کی نسبت شاہجہاں کی ارضی بھجائی کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے خود سر اور مختار مطلق بن جانے کے لئے

اندنوں بعض غلامانہ کوششیں کی تھیں بلکہ ایک ایسی حرکت ہو گئی تھی کہ حکو باعث شاہجہاں کو اُس سے سخت نفرت اور خوف ہو گیا تھا۔ اور اُسکی اس خطا کے معاف کرنے پر مائل نہ تھا۔ یعنی سَعَدُ اللہ خاں کو جسے شاہجہاں

تمام ممالک ایشیا میں ایک بڑا ہی قابل اور لائق وزیر سمجھتا تھا اور جس سے اس قدر الفت رکھتا تھا کہ تمام دربار میں اُسکی محبت ضرب المثل ہو گئی تھی مراد لا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا جرم تھا جس کے سبب سے داراشکوہ نے

یہ گولکنڈہ اور بجا پور سکھ بادشاہوں کا حال اس کتاب کے خاتمہ کے قریب من اور مان میں دیکھا ہے اور من

اُسے واجب القتل تصور کیا۔ شاید یہ سمجھا ہو گا کہ شاہجہاں کے گزر جانیکی حالت میں اپنے اقتدار کی وجہ سے یہ امر اُسکے اختیار میں ہو گا کہ جسے چاہے تخت پر بٹھا دے۔ یا بادشاہت کا تاج سلطانِ شجاع کے سر پر رکھ دے۔ کیونکہ وہ اُسکا حامی اور پردازِ معلوم ہوا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُسکے دلیں لوگوں کی بغضِ فواہوں نے جو سعّد اللہ خان کے ارادوں کی نسبت مشہور تھیں اثر کیا ہو۔ مگر اُسکے ساتھ یہ امر بھی غور کے قابل ہے سعّد اللہ تھا جو نسل کے اعتبار سے ایک ہندوئی الاصل شخص تھا اُس سے ایرانی اُمرا

※ سعّد اللہ خان کو عبد شاہجہاں کے مورخوں میں سے بعض نے لاہور اور بعض نے چن بوٹ کا رہنے والا بیان کیا ہے جو پنجاب کے ضلع جھنگ میں ایک پُرانا قصبہ ہے۔ لیکن میرے ایک دوست جو جھنگ کے اکثر اسٹیشن میں تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ اصل میں یہ پٹنہ گڑھی کا ہے والا تھا۔ جو چن بوٹ سے پانچ کوس شمال کی طرف ایک موضع جو۔ مگر انجرامارت میں اُسے چن بوٹ کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ اور اگرچہ اُس ملک میں اب اسکی اولاد کا کوئی شخص نہ رہا ہے۔ مگر اسکی نامی ہوئی ایک بہت عالیشان مسجد اور اُسکے محلوں کے کھنڈر چن بوٹ میں موجود ہیں۔ اُسکے زمانے کے مورخوں نے اُسکی قومیت کا کچھ ذکر نہیں لکھا۔ البتہ خانی خا نے اُسکو شیخِ سعّد اللہ کر کے لکھا ہے۔ جو ہندوستان میں اکثر نو مسلم لوگوں کو بھی لکھا اور بولا جاتا ہے۔ مگر اُسکے وطن داروں کا یہ بیان ہے کہ وہ تہذیب تھا جو ایک ایسی قوم ہے کہ وہیں کی مسجدوں اور کتبوں کے قلم اکثر اسی ذات کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ میرے نزدیک تو ظن غالب یہی ہے کہ کوئی ہندوئی الاصل قوم ہے۔ مگر چونکہ اُسکے صیلا یعنی اولاد کے سلسلہ نسب میں کچھ عجیب غریب نام بیان کر کے پھرا سکے کچھ نام کہ عرب تک پہنچاتے ہیں ایسے میرے ایک اور دوست جو بالفعل خاص چن بوٹ کی نصفی کے عہدِ مامور میں اور جنہوں نے براہِ مہربانی تکلیف فرما کر میری حواش کے موافق اسکی تحقیق کی تھی یہ خیال کرتے ہیں کہ "شاید یہ لفظ تمیم کی خرابی ہو جو عرب کے مشہور قبیلہ بنی تمیم کا نام

کو بڑا حسد تھا چنانچہ اُن افواہوں میں سے جو اسکی نسبت اڑا دی گئی تھیں ایک افواہ یہ تھی کہ اُس نے یہ منصوبہ باندھ رکھا ہے کہ شاہجہاں کی وفات کے بعد لاد تسمیر کو تخت سے محروم کر کے یا تو پٹھانوں کے شاہی خاندان کو پھر قائم کرے یا خود تخت نشین ہو جائیگا یا اپنے بیٹے کو بادشاہ بنائیگا۔ اور اس افواہ کی تائید کے لیے یہ قرینہ تھا کہ سعد اللہ خاں کی بیوی قوم کن بٹھانی تھی اور ایک یہ بات بھی گھڑی گئی تھی کہ اُس نے پٹھانوں کے کسی مستعد دستے اپنے منصوبہ کی تائید کے واسطے متفرق مقامات میں لگا رکھے ہیں ۱۱

ایک جزدجو۔ اور ان گزداروں نے اپنی جہالت اور بے علمی کی وجہ سے جو فی زمانہ اُن اضلاع میں عمر ما ہے بگاڑ کر اور اُس میں سے ایک لفظ حذف کر کے "سعد اللہ خاں جو لاد میں تحصیل علوم کر نیکی سبب سے لاد سعد اللہ لادوری کے نام سے معروف تھا۔ نہ الکنز بکاچر نشہا پوری میں شاہجہاں کے جلوس کے چودھویں سال کے شروع میں سید موسیٰ خاں صدر یعنی وزیر اوقاف کی سفارش سے بادشاہ کی حضور میں پہنچا تھا۔ مگر چار ہی برس کے اندر اپنی ریافت اور کمال کی وجہ سے ہندوستان کا وزیر اعظم بن گیا۔ اور ساتویں برس نہایت ہزاری کے منصب پر جس سے بڑا کوئی اُس وقت تک منصب نہ تھا فائز ہوا۔ اور شاہجہاں کے مزاج میں یہاں تک دخل پایا اور اعتماد حاصل کیا کہ کوئی جھوٹا یا بڑا کام اُسکی رائے بغیر ہونا دشوار تھا اور مرتے دم تک اسی اعتماد اور اقتدار کے ساتھ اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ ۱۲ س م ح

۱۱ شیر شاہ کا خاندان مراد پور جسے شاہجہاں کے پردادا ہمایوں کو ہندوستان سے مایک کال لایا تھا اور خود بادشاہ بن چکا تھا۔ س م ح

۱۲ ان افواہوں اور داراشکوہ کے سعد اللہ خاں کو مرداؤا لے کا ذکر اور نگ زیب کے طردار مورخوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا حالانکہ داراشکوہ کی کسی بُرائی کا چھپا اُنکے دعا کے خلاف تھا بلکہ یہ سیدھے اور صاف طور سے اُسکا مرنا قوتلج کے مرض سے بیان کیا ہے جسیدہ کسی مینے تک مبتلا کر نہ الکنز چھپا سٹھ ہجری میں سینا لیس برس کی عمر میں رہا تھا

نشاہت افروسی اور لاد کا متعلق

اورنگ زیب کی طاقت بڑھ جانے کے اندیشہ دار شکوہ کا اس ہم کی کارروائی کے متعلق بادشاہ سے چند خطیں مقرر کرانا۔

چونکہ دارا شکوہ خوب جانتا تھا کہ یہ بڑی فوج جو دکن کو بھیجی جاتی ہے اس سے اورنگ زیب کے زور و طاقت کو تقویت ہو جائیگی۔

اسلئے اُس نے اس معاملہ میں بہت کچھ بحث مباحثہ کیا۔ اور ہر حکمت اور حیلہ سے جو اُس سے بن سکا اس منصوبہ کو روکنا چاہا لیکن جب دیکھا کہ بادشاہ کو اس سے باز رکھنا ناممکن ہے تو آخر کار کچھ سمجھا بوجھا کر یہ شرطیں مقرر کر دیں۔

اول یہ کہ اورنگ زیب اس معرکہ میں کسی قسم کا دخل نہ دے۔

دوسری یہ کہ وہ اپنا قیام بالکل دولت آباد میں رکھے۔

تیسری یہ کہ جو ملک اُس کے سپرد ہے اُس کے نظم و نسق کے سوا اورنگ زیب کو اس مہم سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔

چوتھی یہ کہ فوج کی سب سے سالاری و حکومت اور جزو کل اختیار صرف میر جملہ کے ہاتھ میں رہے مگر وہ تمام اپنے اہل و عیال کو اپنی

اور حکیم داؤد مخاطب تقریباً شاہجہاں کا طبیعت کا سماج تھا اور لکھا ہے کہ خود بادشاہ کوئی بار اس کی عبادت کو لگایا تھا۔ اور خانی خاں نے اگرچہ اس کی نسبت دارا شکوہ کے نہایت دہیہ رنگ حداد و بیجا کاوشوں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ صاف لکھا ہے کہ باوجود قربان بعدی اور انتہائی سلطنت کے سعد اللہ غاں کے مرتے دم تک اس کی جان یا ارد کو ضرر نہیں پہنچا سکا معلوم ہوتا ہے کہ طرح کے اکثر فریبی اہل دربار کی عادت ہو کہ کسی اپنی ناجائز غرض کو کسی بڑے آدمی کی موت کا اکثر ذریعہ ہوسکتا ہے اگر وہ اس طرح بہ شہرت ہو گئی ہوگی جس کو بڑی آواز نے ابھری ہوئے اور اس ملک کی لوگوں کی عادت سے بخوبی واقف نہ ہوئی ہوگی۔

میر جملہ کا لکھنا اور ناہیا یہی وجہ ہوگی کہ غرضت صاحب اپنی تاریخ ہندوستان میں باوجود کہ جاگیر برنی کی غیر یکسوئی اور اثرات سے مدح کی اس لکھی اس عادت کا ذکر نہیں کیا۔ م ۱۷



دفا داری کی کفالت کے طور پر دربار میں چھوڑ جاے۔

یہ بچھلی بات اگرچہ میر جگہ کو نہایت ناگوار تھی لیکن شاہجہاں نے یہ سمجھا کر راضی کر لیا کہ یہ صرف داراشکوہ کی خوشی خاطر اور رفع وسواس کے لئے ہے۔ اور بخوبی مطمئن کر دیا کہ تمہارے اہل عیال عنقریب منسو آئیں گے۔

الغرض میر جگہ اس جبرار فوج کا سپہ سالار بنکر دکن کی طرف روانہ ہوا۔ اوٹوں سے بلا توقف کوچ کر کے بیجاپور کے ملک میں جادخل ہوا۔ اور کلبانی کا محاصرہ شروع کر دیا جو ایک بڑی مضبوط اور مستحکم جگہ ہے۔ \*

\* ان واقعات کو ماقبل خاں اور خانی خاں نے جس طرح پر بیان کیا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ میر جگہ اورنگ زیب کے پاس بیچلیا تو شاہجہاں نے اسکو دین منظم خاں کا خطاب اور چیمبراری کا منصب اور ایک بڑا بھاری خلعت عطا فرما کر حضور میں طلب فرمایا اور سنہ ۱۶۲۷ء ہجری ۱۰۳۷ء بمقام شاہجہاں آباد حاضر ہوا تو اسمدخان بخشی استقبال کر کے حضور میں لایا اور اسے ایک خوان اشرفیوں کا اور دو خوان جواہرات کے اور اور عمدہ عمدہ چیزیں نذر گزاراں اور جو کہ سعد اللہ خاں کے انہیں دنوں میں انتقال کر جانیکے سبب سے وزارت خالی تھی ایسے اس عہدہ کا مصع قلمدان چیمبراری چھنزار سوار کا منصب اور "خلعت خاص باشمیر مصع" اور شاہی گھوڑوں اور ہاتھیوں میں سے دو سو گھوڑے اور ایک ہاتھی اور ایک مہنتی مع سونے چاندی کے ساز کے اور پانچ لاکھ روپیہ عنایت ہوا اور بقول صاحب سیر المناخرین خطاب میں لفظ عہدہ الملک بھی بڑا لایا گیا۔ مگر چونکہ اس دکن میں نشوونما پائی تھی اور وٹوں کی آب و ہوا کا غور تھا اور اسکے اور اورنگ زیب کے باہم آئندہ کے منصوبوں کی نسبت بھی کئی طرح کے مخفی عہدہ بیان تھے ایسے ہمیشہ دہرے جانے کی تدبیریں سوچنا رہتا تھا۔ اب حسن اتفاق سے جو بیجاپور کے بادشاہ علی عادل شاہ نے لاؤلفضا کی اور اورنگ زیب نے باپ کو اطلاق دی کہ لوگوں نے سکند زماں ایک مجبورال نسب بٹکے کو جسکو عادل شاہ نے فرزند کے طور پر بالائے تخت پر بٹھا دیا ہے۔

ایسے نازک اوقات میں عیاشی کی افراط سے شاہجہاں کا تخت برباد ہوا۔ اس وقت جبکہ سلطنت کا بیفت تھا اور شاہجہاں کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی تھی وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس کی حقیقت کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ایک ایسی عمر کے آدمی کو بہت نازیبا ہے کہ اعتدال کے ساتھ حفاظت کر کے عوض اپنی طبیعت کی باقی ماندہ طاقت اور توانائی کو بھی برباد اور تلف کر دے۔

بادشاہ کی اس بیماری سے تمام قلمروں میں ایک سخت پریشانی اور تہلکہ مچ گیا۔ چنانچہ دہلی اور آگرہ میں جو پانچ تخت سلطنت میں دارا شکوہ نے ایک بڑی زبردست فوج جمع کی اور بنگالہ میں شجاع نے

چاروں شہزادوں کا حصول سلطنت کے ارادہ سے فوجیں جمع کرنا اور طرح طرح کی جالیں پھیلنا —

اور شاہجہاں نے بھی اورنگ زیب کو بیجا پور پر فوج کشی کا حکم دیدیا اور اس کے ہم سفر ہونے تک شہزادہ خاں کو دولت آباد میں بچا کر صوبہ داری کا کام کرنے کی ہدایت ہوئی تو میر جہا نے موقع دیکھ کر ایک بڑا بھاری پیشکش (جس کی کل قیمت پندرہ لاکھ روپیہ جا بجا گئی تھی) اور حسین دوسو سو روپیہ وزن اور دو لاکھ سولہ ہزار روپیہ قیمت کا ایک ہیرا اور چار ہتھیلیاں ساڑھے پانچ ہونے کے سارے اور سولہ ہتھیلیاں چاندی کے ساز کی تھیں پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ بیجا پور کیا بلکہ دکن کا تمام ملک آسانی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے۔ اور اس کا وہ میں دیتا ہوں۔ اور اس طرح پرمعہ مہابت خاں اور داد ستر سال و شاہنواز خاں و نجابت خاں وغیرہ "مالکی" افسروں کے "فیصلہ اور راجہ پرتیہ" میں ہزار فوج کا یہ سالار بنا کر نصرت ہوا کہ وہ دکن گیا۔

۵۴ شہزادہ انگریزی نے حاشیہ میں بحوالہ تحریر کر لیا کہ دو صاحب یہ لکھا ہے کہ "شاہجہاں کی وفات دکن میں سبب افراط و بے ہنگام شوق عیاشی کے نہایت خلل آگیا تھا چنانچہ اسی سبب سے شہزادوں نے شہزادہ سلیمان کو سنا دیا کہ وہ آگیا اور اس کے ساتھ

فیصلہ حاشیہ میں لکھا ہے کہ



اس سبب سے کھانے پینے میں بہت ہی احتیاط برتنا تھا۔ بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُسے اورنگ زیب سے بھی کچھ خط و کتابت کی تھی جسکی خبر پارک اورطیش میں اگر داراشکوہ نے باپ کو بہت سادھم کایا تھا۔

اس عرصہ میں بادشاہ کی عملات اسقدر بڑھ گئی کہ اُسکے مرنے کی افواہ اُٹ گئی۔ اور تمام دربار و رجم و برہم ہو گیا۔ اور اگرہ میں یہاں تک خوف

بادشاہ کا زیادہ ہمار ہو جانا اور اُسکے مرنے کی فواہ اُٹ جانکی وجہ سے شہزادہ دربار میں ایک ہونٹ اٹھلی پڑ جانا۔

دختر بیچا کہ بازاروں میں کئی روز تک ہڑتال رہی اور چاروں شاہزادے علانیہ کھل کھیلے۔ اور صاف کہہ دیا کہ اب ہمتقدمہ کا فیصلہ صرف تلوار ہی سے ہوگا اور واقعی انکو اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی تھا کیونکہ قحطیابی کی حالت میں تو تخت کی امید تھی اور شکست کی صوت میں جان کسے جانیکا یقین نہ تھی اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں یا موت یا سلطنت۔ اور جس طرح شاہجہاں خاص اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ بھر کر تخت نشین ہوا

۱۵ جب شاہجہاں تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے سے وابستہ تھے ہوئے جہانگیر کا انتقال ہو گیا اور نورجہاں بیگم نے جہانگیر کے بیٹے سلطان شہریار کو جس سے نورجہاں کی بیٹی جو اُسکے پہلے خاوند سے تھی بیاہی ہوئی تھی اور جو بیاہی کے سبب کورخصت لیکر پہلے ہی لاہور میں بیٹھ گیا تھا سلطنت کے لیے اُبھارا اور نورجہاں کے بھائی آصف خاں وزیر نے اپنے داماد شاہجہاں کو تیسری نامے اپنی ایک نہایت ہنرمند و قاصد کی معرفت جیکو ضرورت کی وجہ سے غرضیت کی جگہ اپنی مہر جو ارکروی تھی غرضیت پیغام بھیج کر بلایا۔ اور نورجہاں کی سازشوں کی روک تھام کے لیے شاہجہاں کے دکن سے اگرہ میں پہنچے تک جہاں وہ باپ سے باغی بنا پھر رہا تھا جہانگیر کے پوتے سلطان داؤد خورشید مرزا بلقانی خلف سلطان خسرو کو جو ارادت خاں کے سپرد تھا بارے نام بادشاہ بنا کر لاہور کی طرف کوچ کیا۔ اور نورجہاں کو اپنے خیمہ میں لا کر قابو میں کر لیا۔ اور لاہور پہنچ کر شہریار کو جو بادشاہ

تھا اسی طرح انکو یقین و اتق تھا کہ اگر ہم اپنی اسیدوں میں نامکامیاب رہیں گے تو غالب اور فتحیاب حریفِ حسد کے مارے ہمو ضرور قتل کرادینگا۔

پس سب سے پہلے سلطان شجاع (جس نے کچھ تو

بعض راجاؤں کو برباد کر کے اور کچھ اڈر لوگوں

کو لوٹ کھسوٹ کر اپنے صندوق بھریئے تھے اور اس سبب سے ایک

فوج کثیر کا جمع کر لینا اسکو کچھ مشکل تھا اسکے علاوہ اپنے ہم مذہب ایرانی

اُمراے دربار کی اعانت اور امداد پر بھی اُسے پورا بھروسہ تھا) فوج لشکر

جمع کر کے نہایت سرعت کے ساتھ آگرہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اور یہ

اشتہار دیا کہ ”چونکہ بادشاہ کو دارا شکوہ نے زہر دیکر مار ڈالا ہے اسلئے

ہم اس خونِ ناحق اور حرکتِ ناشایستہ کا انتقام لینے اور تختِ سلطنت پر

جو خالی ہے جلوس کریں گے“ اور اگرچہ شاہجہاں نے دارا شکوہ کی صلاح

سے بہت جلد اس افواہ کی جو اسکی موت کی نسبت مشہور ہو گئی تھی تردید

کی برس میں لاہور کے بادشاہی خزانہ کا بیچتر لاکھ روپیہ خراب کر کے پندرہ ہزار فوج کی جمعیت

سے صرف راوی تک مقابلہ کو آیا تھا اگر خزانہ کے قتل و لالچ میں قید کر دیا اور داؤد خٹک کو تخت

پر بٹھا دیا تو شاہجہاں کا خام اُسکے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ حکم آصف خاں کے پاس بھیجا کہ

مناسب اور مصلحت وقت یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو داؤد خٹک کو اور اُسکے عسائی گزشتہ سب

اور مرزا دانیال کے تینوں بیٹوں شہر یار اور جہوریش اور بہتنگ کو اندھا کر کے ہمارے

پاس لے آؤ۔ ورنہ پانچوں کے پانچوں کو جلا کر دو۔ تو آصف خاں نے با اتفاق ارادت خاں اور

خواجہ ابو الحسن وغیرہ کے سکے و خطبہ شاہجہاں کے نام کا جاری کر دیا۔ اور ان بیچارے پانچوں گینا ہوں کو

رات کی وقت دنیا سے رخصت کیا۔ اور اُدھر اُنھوں نے جادی لاشیٰ شہنشاہ اکبر اپنے شیریں جوی

کو شاہجہاں نے آگرہ پہنچ کر تختِ سلطنت پر جلوس کیا۔

کی اور صاف لکھا کہ علاج و معالجہ سے بیماری کو افاقہ ہوتا جاتا ہے اور تاکیدی حکم دیا کہ تم اپنے صوبہ کو فوراً لوٹ جاؤ۔ لیکن اس سبب سے کہ اُسکے ہوا خواہ برابر یہ خبریں بھیجتے تھے کہ بادشاہ کی بیماری لا علاج ہے اگرہ کی طرف بدستور بڑھ چلا آیا۔ اور یہ حیلہ بنایا کہ مجھے بندگان والا کی سلامتی کی خبر یقین نہیں آتا۔ اور بالفرض اگر وہ زندہ اور سلامت ہیں تو قدیموی حاصل کرنی اور ارشاد و احکام سے سرفراز ہونے کی مجھ بڑی تمنا ہے۔

اوزنگ زیب نے بھی اسی طرح اپنے اشتہار جاری کئے اور فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور ٹھیک انہیں دنوں میں جبکہ سلطان شجاع نے کوچ

اوزنگ زیب کا اگرہ کی طرف کوچ کرنا اور سلطان ادریش اور میر علی کو ایک عجیب طور سے اپنا اثر نکالنا۔

کیا تھا اسنے بھی اگرہ کی طرف بڑھنے کا عزم کیا اور اگرچہ اسکو بھی دہلی تناعی احکام بادشاہ اور داراشکوہ کی طرف سے پہنچے۔ اور داراشکوہ نے تونیکا لکھدیا تھا کہ اگر تم دکن سے حرکت کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ مگر شجاع کی طرح سزا بھی وہی حیلہ بنا کر اُسی عذر سے جواب روانہ کیا اور چونکہ اسکی آمدنی بہت زیادہ نہ تھی اور فوج بھی نسبت اوروں کے کم تھی اسیلئے اسنے چالاکی سے اُس چیز کا حاصل کرنا چاہا جو صرف اسکی تلوار اور قوت بازو سے غیر ممکن تھی۔ اور چونکہ مراد بخش اور میر علی ہی دو ایسے شخص تھے جو آسانی کے ساتھ اسکے دم میں آسکتے تھے۔ اسیلئے اسنے مراد بخش کو اس مضمون کا خط لکھا کہ بھائی تمکو

لہ غافل غاں نے کھجور کہ موت اوزنگ زیب کے پاس تیسٹس ہمارا مہاجر تھے۔ س م ح ۱۲

اس بات کے یاد دلانے کی کچھ حاجت نہیں کہ اُسور سلطنت کی محنت اٹھانی میرے اصلی مزاج اور طبیعت کے کس قدر مخالف ہے اور اس وقت میں جبکہ دارا شکوہ اور شجاع نہایت سرگرمی سے حصول سلطنت کے لیے کوشش اور سعی کر رہے ہیں تو میں صرف ایک جان زار ہی کی حفاظت اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے میں مشغول ہوں۔ اور اگرچہ سلطنت کے حق حقوق اور دعوؤں سے میں بالکل دست بردار ہوں۔ مگر تاہم اسے میرے قدیمی اور نہایت گرامی عزیز میں تم کو اس رائے اور خیالات سے مطلع کرنا واجب جانتا ہوں کہ یہی نہیں کہ دارا شکوہ فرماں روائی کے اوصاف سے خالی ہے۔ بلکہ لامذہب اور کافر ہونے کی وجہ سے بالکل تاج و تخت کے لائق نہیں اور بڑے بڑے امراء سلطنت اور ارکان دولت سب اُس سے متنفر ہیں اور علیٰ ہذا القیاس شجاع بھی سلطنت کے قابل نہیں کیونکہ رافضی مذہب اور ہندوستان کا دشمن ہے۔ پس اس صورت میں اس عظیم الشان سلطنت کی فرماں روائی کے لائق صرف آپ ہی ہیں۔ اور یہ رائے صرف میری ہی نہیں۔ بلکہ اس میں پائے تخت کے مشیر اور امیر جو آپ کے بے بدل شجاع ہونے کے بدل قابل و معترف ہیں سب متفق الراء اور ہم زبان اور دار الخلافہ میں آپ کی رونق بخشی کے منتظر ہیں اور میری بابت تو یہ تصور کر لیجئے کہ اگر آپ کی طرف سے موثق اور محکم طور پر مجھے یہ وعدہ مل جائیگا کہ جب بفضل خدا آپ بادشاہ ہو جائینگے تو مجھے اپنی قلمروں کوئی خلوت کے موقع کا گوشہ غایت باطمینان خاطر عبادت الہی بجالانے کو عنایت فرما دیجیگا تو میں فوراً آپ کی طرفداری میں خدمت

بجالانے کو آمادہ اور تیار ہوں۔ اور صلاح و مشورہ سے! اپنے دوستوں اور رفیقوں سے! اپنی تمام فوج آپ کے تحت حکم کر دینے سے! غرض کسی قسم کی مدد دینے سے بھی! مجھے دریغ نہیں ہے! اسکے علاوہ بالفعل آپ کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ بھیجتا ہوں اور امید وار ہوں کہ آپ اسکو بطور زہد قبول فرمائیں کہ باعث میری ترقی اخلاص اور خوشی کا ہوگا۔ اور اب ہنر آزمائی اور جوہری کا وقت ہے۔ پس آپ ایک لمحہ بھی ضایع نہ کیجئے اور موقع کو غنیمت سمجھو اور جلدی سے سوڑ کے قلعہ پر جہاں مجھے خوب معلوم ہے کہ بہت سے بادشاہی و فاین و خزائن مدفون و مخزون ہیں قبضہ کر لیجئے ۱۱

۱۲ فارسی زبان کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ اسوقت شاہجہاں کی بڑی مٹی ہو چکے۔  
بگم صاحب کی جاگیر میں تھی۔  
س م ح ۱۲

۱۳ اورنگ زیبی جالوں اور پٹھنڈوں پر خیال کرنے سے تو ظاہر اکثر بزدلی آرہی کا لکھنا صحیح پایا جاتا ہے کہ مراد بخش نے جو کچھ کیا وہ اورنگ زیب کی شجرت کی ترغیب سے کیا مگر اسوقت کی فارسی تاریخوں سے بالاتفاق یوں معلوم ہوتا ہے کہ مراد بخش نے جب باب کو سخت بیمار ہونے کی خبر پائی تو اسکا مر جانافرض کر کے خود بخود شورش کی۔ اور صوبہ گجرات کے بادشاہی دیوان سید علی نقی کو جو اسکی خرابیوں کی اطلاع کے لئے مامور تھا اپنا چڑاہ سمجھ کر بے جرم و خطا خود اپنے اٹھ سے قتل کر ڈالا اور بادشاہ بکرتخت پر پہنچا۔ اور پھر خاندان کے موافق اپنا شانہ و لقب راجہ الدین مقرر کر کے سکھ اور غلبہ بھی جاری کر دیا۔ اور ساز و سامان کی درستی کے لئے نہ صرف شاہی خزانہ پر تصرف کر لیا بلکہ گجرات کو سوا گروں اور آذر و بلندوں سے بھی بہت سارے جہاز وصول کیا۔ اورنگ زیب ان حالات کو دیکھ رہا تھا مگر ارادہ اعتبار ایک برس کے قریب تک خاموش تھا۔ مگر جب شجاع نے بھی ہنگام سے کوچ کر دیا تو زیادہ توقف و کھٹک اسنے بھی اُن پر پڑا ہی کرنے کی تھان لی۔ اور بقول عاقل خاص جسکے بیان اکثر ناظران ارادہ و رفاقت میں یہ خیال کر کے کہ مراد بخش جو



اور نگ زیب کے دم میں آکر  
مراد بخش کا آمادہ ہو جانا۔ اور  
نشاہی خزانہ لوٹ لینے کے قصد  
سے قلعہ موت پر فوج بھیج دینا۔

مراد بخش کی دولت اور قوت نسبت  
اُوروں کے کم تھی بھائی کی اس درخواست  
سے جسکے ساتھ ایک ایسی بڑی رقم بھی آئی  
تھی بہت ہی خوش ہوا اور اسکی اُمیدوں کو ایک بڑی تقویت حاصل  
ہوئی۔ چنانچہ اس اُمید سے کہ جوان اور سپاہی پیشہ لوگ اسکے مضمون  
سے واقف ہو کر فوج میں بھرتی ہونے پر زیادہ راغب اور آمادہ ہونگے  
اور اس خبر کو سنا کر لوگ زیادہ رضامندی سے وہ بڑی بڑی رقمیں قرض

تحت نشین ہونے کی بھی حرکت کر چکا ہے ایسے با حوصلہ شخص کا دار الحکومت  
دکن سے اگرہ کی طرف میرے پہلے جانے کی حالت میں ایسے قریب مقام میں  
رہنا مناسب نہیں ہے ایسے سخت سخت قسموں کے ساتھ مراد بخش سے یہ  
مسامحہ کیا۔ کہ تم متفق ہو کر اگرہ پر حملہ کریں۔ اور بصورت فتح کل مال غنیمت  
میں سے ایک ثلث تمہارا اور دو ثلث میرے۔ اور سلطنت میں سے کابل اور  
کشمیر اور سندھ اور ملک پنجاب تمہارے تصرف میں آئیگا۔ اور اُس میں سکہ  
و خطبہ اور حکومت شامانہ تمہاری رہیگی۔

اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ سلطنت اور مال و دولت کی تقسیم  
بالماصفہ ٹھہری تھی۔

اور منشی محمود کا اللہ صاحب دہلوی سلمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب تاریخ ہند میں مکتوبات  
عالمگیری سے اس عہد نامہ کا خلاصہ یہ لکھتے ہیں کہ بہار دوست آپکا دوست اور ہمارا  
دشمن آپکا دشمن اور بعد انفصال تمام جھگڑوں کے صوبہ لاکھنؤ۔ کشمیر کابل۔ ملتان  
ٹھٹھہ جھکڑ۔ اور تمام اضلاع خلیج عمان تک تلمود دیئے جائینگے۔ س م ح ۱۲

دینے پر مائل ہو جائینگے۔ جو ان سے وہ سختی طلب کرتا تھا۔ یہ خط بجا بجا دیکھا گیا۔ اور اب اسنے سچ مع سارے کردار اور شان و ترک شانہ بنائے اور لوگوں کو بڑے بڑے انعام و اکرام کا متوقع کیا۔ اور حسن اتفاق سے ان سب باتوں میں اسکی تدبیریں اور منصوبے ایسے بن چکے کہ بہت جلد ایک خاص فوج جمع ہو گئی جس میں سب کاموں سے پہلے تین ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ زیر حکومت شاہ عباس خواجہ سراجو بڑا بہادر اور سپاہی منش تھا فلاحی سورت کے محاصرہ کی واسطے بھیج دیا گیا۔

جب مراد بخش کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو ان کے نے اپنا بڑا بیٹا محمد سلطان (جسکی شادی شاہی ہو گئی) کی بیٹی سے ہونے والی تھی) میر حیلہ کے پاس بھیجا کہ بڑی ضروری کام ہے۔ آپ فوراً یہاں آکر ذرا مجھے مل جائیں، لیکن میر حیلہ اپنی سورت

اسکے بعد ازنگ نرب کا یہ جلد کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے بڑے بیٹے کو اسکے پاس بھیجنا اور اسکا آنے سے انکار کرنا۔

عاقلاً غافل نے غلط کاموں میں بیان نہیں کیا مگر الغنڈن صاحب نے اپنی تاریخ ہندوستان میں غافل کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ ”میں تمہارا غیر خواہ اور برادر مخلص ہوں اور سخت نشین تکو بیک ہوتی ہر اتو یہ ارادہ ہو کہ میں تم کو جاؤں اور کین عزت میں ٹھکر خدا کی یاد کروں اور دنیا کو چھوڑ دوں اور صاف اسکے اندر بے آزار شکوہ کے مقابلہ پر تیار ہوں اور اتنا کہ ہمارا باب جیتا جاگتا ہو تو ہم کو چاہیے کہ اسکی خدمت میں حاضر ہوں۔ اگر وہ ہے نہایت پیش آؤ تو اسکو غفلت سے داب سے بچائیں جو آزار شکوہ نے اس پر ڈال رکھا ہو اور اسکی غلط فہمی کی صفائی جائیں۔ اور اب اسی غصہ میں ہو کہ یہ مناسب ہو کہ ہم اپنی فوجیں اکٹھی کریں اور کافر صوبت شکوہ کو بھلا پیش آئیں جو ہمارے روکنے کے لئے روانہ کیا گیا ہے۔“

س م ح ۱۲

عاقلاً غافل کی تاریخ سے صحیح نام شہباز خان معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ شخص پنج ہزاری کے منصب کا ایک امیر تھا اور آئندہ اس ترجمہ میں شہباز غافل ہی لکھا جائیگا۔

س م ح ۱۲

سے اس ضروری کام کو فوراً مٹا دیا اور جواب دیا کہ کلیانی کا محاصرہ چھوڑ کر اور  
فوج سے علیحدہ ہو کر میرادولت آباد آنا نہیں ہو سکتا اور آپ یقین فرمائیں کہ  
میں نے اگرہ سے ابھی تازہ خبر پائی ہے کہ شاہجہاں ہنوز زندہ ہے۔ انکو  
علامہ یہ بات ہے کہ جب تک میرے اہل عیال داراشکوہ کے قابو میں ہیں  
میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا بلکہ میرا اصل منشا تو یہ ہے کہ میں اس  
ہنگامہ میں کسی کا بھی طرفدار نہ بنوں۔

جب محمد سلطان نے دیکھا کہ میرجلہ میرے  
ساتھ جانا نہیں چاہتا تو وہ نہایت ناراض  
ہو کر دولت آباد کو چلا گیا۔ لیکن اس نا کامیابی  
ہے اورنگ زیب کی طرح نا اُمید نہ ہوا اور اپنے دوسرے بیٹے سلطان عظیم

اورنگ زیب کا اُس کے پاس  
سلطان عظیم کو مکرر پیغام  
دیکر بھیجنا اور اُس کا چلے آنا  
اور قید ہو جانا۔

کو پھرا کے پاس بھیجا اور اپنی پہلی خواہش کا اعادہ کیا۔ اس شانہ راہ نے  
اپنے پیام و سلام کو اس خوبی سے ادا کیا اور سابقہ محبت و اتحاد کو اس قابلیت  
سے جُتایا کہ میرجلہ اسکی موکد درخواستوں سے انکار نہ کر سکا اور اُس نے کلیانی کے  
محاصرہ کو اس قدر سخت اور تنگ پکڑا کہ مخالفوں نے ناچار ہو کر آخر کار قلعہ  
خالی کر دیا۔ اور بعد اس فتح کے یہ اپنی چیدہ فوج ساتھ لیکر نہایت عجلت  
کے ساتھ دولت آباد کو چلا آیا۔ چنانچہ بوقت ملاقات اورنگ زیب بہت  
مہربانی اور گرمجوشی سے پیش آیا اور گفتگو میں آیا اور بابا جی وغیرہ بہت بڑے  
بڑے تعظیمی الفاظ کے ساتھ اُس سے مخاطب ہوا اور اُس مبارک مہمان کو  
کئی بار گلے لگایا اور پھر خلوت میں لیجا کر یہ کہہ لگا کہ ”مجھے معلوم ہے کہ آپ نے

جو محمد سلطان سے انکار کیا تھا وہ مجبوری کے باعث سے تھا اور بیشک میرے سب فہمیدہ اور دور اندیش اہل دربار کی بھی یہی رائے ہے کہ جب تک آپ کے اہل عیال دار اٹکلوہ کے قابو میں ہیں آپکو علانیہ اور بر ملا کوئی ایسی حرکت ہرگز نہ کرنی چاہیے جو بظاہر ہمارے حق میں مفید نظر آتی ہو۔ لیکن آپ جیسے عقیل شخص کو سمجھانے کی کیا حاجت ہو کہ دنیا میں ہر شکل کام کی آخر ایک تدبیر ہے۔ چنانچہ ایک منصوبہ میرے خیال میں گزرا ہے جس سے بظاہر اگرچہ آپ حیران ہوں گے۔ لیکن جب اُسکے نشیب و فراز پر بخوبی غور کریں گے تو بے شبہ آپ کے اہل عیال کی سلامتی کے لئے ایک یقینی ذریعہ ہو گا۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ بظاہر قید ہو جائیں گوارا کر لیں اس تمام جہان کو میری آپکی دشمنی کا یقین کا مال ہو جائیگا اور اس حکمت سے ہم اپنی تمام خواہشوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ کوئی شخص ہرگز ایسا گمان بھی نہ کرے گا کہ آپ جیسے رتبہ کا کوئی آدمی اس طرح اپنی خوشی سے قید ہو جائے۔ اور اسکے ساتھ ہی میں آپکی فوج کا ایک حصہ جس وضع اور حیثیت سے آپکو پسند اور مناسب معلوم ہو نوکر رکھ لوں گا اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ بطرح پہلے آپ بارہا مجھے وعدے کرتے رہے ہیں اسوقت کچھ روپیہ دینے سے بھی انکار نہ کریں گے۔ کیونکہ روپیہ کی بہت ضرورت ہے اور آپ کے اس روپیہ اور لشکر سے میں اپنی نجات آزمائی کر دوں گا۔ پس اجازت ہو تو میں آپکو ایسے وقت قلعہ دولت آباد میں پہنچا دوں۔ اور اس جگہ یہ ایک بیٹا اچھا لکڑاں حال رہیگا اور بعد اسکے ہم اور آپ اس مہم

کی دوستی کی تدبیروں کی نسبت باہم غور و فکر کر سکنگے اور اس صورت میں ہرگز میرے خیال اور قیاس میں نہیں آتا کہ داراشکوہ کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوا اور وہ ایسے شخص کے اہل خیال سے کوئی بدسلوکی کرے جو بظاہر میرا اس قدر دشمن ہو۔

اس امر کی تحقیق کبیر جلد حقیقتاً مجبور ہو کر قید ہو گیا تھا یا یہ صرف ایک حیلہ اور بناوٹ تھی۔

ہم متعبر سند سے بیان کر سکتے ہیں کہ اورنگ زیب کی تقریر کا مدعا یہی تھا۔ اور اگرچہ وہ خیالات اور حالات جنگ و سوج بھگدو تیر جملہ نے ان خواہشوں کا جواب دیا ہو گا بخوبی معلوم نہیں ہیں۔ لیکن یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اُس نے ان سب باتوں کو قبول کر لیا تھا یعنی وہ اس پر بھی رضی ہو گیا تھا کہ اپنی فوج کو اورنگ زیب کے زیر حکومت کر دے۔ اور پتہ کا دینا بھی قبول کر لیا۔ اور ب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ اُسکی مرضی کے موافق سچ مچ قید ہو کر قلعہ دولت آباد میں جلا گیا !!

اب اس معاملہ کی نسبت بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ تیر جملہ کو اورنگ زیب نے سمجھا بوجھا کر فی الواقع اس بات کا یقین کرا دیا تھا کہ آپکے رضامندی قید ہو جانے سے بہت فائدہ ہونگے۔ اور چونکہ پہلے سے آپس میں دوستی اور اتحاد تھا۔ اسوجہ سے اورنگ زیب نے اُسے قید ہو جانے پر حقیقتاً راضی کر لیا تھا۔ اور بعض کی یہ رائے ہے (جو غالباً زیادہ معقول اور قرین قیاس ہے) کہ اُس نے صرف ڈر کے ارے ان باتوں کو قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ اورنگ زیب کے دو جوان بیٹے اک سلطانِ معظ دوسرا میر سلطان

اس ملاقات اور سوال جواب کے وقت سر پر کھڑے تھے اور اگرچہ سلطان معظم کا مسلح ہونا بھی زبان حال سے گویا یہی کہہ رہا تھا کہ انکار کی حالت میں بہت ہی بُرا ہو گا مگر محمد سلطان تو سچ مچ تلوار بیٹے ہوئے موچھوں کو اس طرح تاؤ دے رہا تھا کہ بس ماہر ہی ڈالیکا۔ اور چونکہ اسی ملاقات کے معاملہ میں جملہ کی طرف سے اسکی شان و عزت کی تحارت ہو چکی تھی کیونکہ اُسکا چھوٹا بھائی اپنی سفارت میں سرخرو اور کامیاب ہوا تھا۔ اسلئے اُسکو اپنی بخشش پوشیدہ کرنے کی کچھ پروا بھی نہ تھی۔ \*

✽ فارسی زبان کی تاریخوں سے اسکی گرفتاری کے واقعہ کی تفصیل و تشریح یوں پائی جاتی ہے کہ جب مہابت خاں و میر جلد وغیرہ بادشاہی امیروں نے جو بیجا پور کی مہم میں اورنگ زیب کے ماتحت کام کر رہے تھے اول قلعہ بیدر (بدر) اور پھر کلپانی کے بھی نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ کو سخت مقابلہ کے بعد بیجا پور یوں سے چھین لیا۔ اور شاہجہاں نے اورنگ زیب کی عریض فتح کو لحاظ فرما کر تیدر کا مفتوحہ ملک مع قلعہ رام گڑھ اورنگ زیب کو حسن عہدت کے صلہ میں بخش دیا اور اسکی تنخواہ بارہ کروڑ دام یعنی ایک کروڑ سالانہ علاوہ اور عطیوں کے مقرر کر دی اور معظم خاں - شہنواز خاں - مہابت خاں - نجابت خاں وغیرہ امیروں کو بھی جنہوں نے اس مہم میں نمایاں کام کیے تھے اضافہ مناصب اور عطا کی خلعت وغیرہ سے سرفراز کیا گیا۔ اور دلاور بخشی قلعہ دار کلپانی قلعہ چھوڑ کر جب بیجا پور پہنچا۔ اور بیجا پور داروں کو یقین ہو گیا کہ اب بغیر اطاعت کے چارہ نہیں انہوں اپنا ایک شاہزادہ اورنگ زیب کے پاس بھیج کر امان چاہی۔ اور آخر الامر یہ ٹھہر گیا کہ ایک ایسا بھاری شیکش داخل کریں جو جواہرات اور ہاتھی اور نقدی وغیرہ ملا کر ڈیڑھ کروڑ روپے کی تعداد سے کم نہ ہو۔ اور پریندا مع مضافات اور ملک کوکن کے تمام قلعے اور کچھ اُذر محلات بھی بادشاہی عہدہ داروں کے حوالہ کریں۔ اور جب یہ سب حال اورنگ زیب نے بادشاہ کو لکھا اور اُس نے بیجا پوریوں پر رحم کر کے پیشکش کو تعداد میں پنجاس لاکھ کی تخفیف کر دی اور شاہزادہ کے نام فرما کر لکھا گیا کہ قاضی نظام کو تحصیل کے پیشکش

اورنگ زیب کا تہجد کے فقیروں اور  
انکی فوج کو پھسلا کر اپنا رشتہ بنانا۔  
انکے ساتھ آیا تھا بڑے زور سے کہا کہ ہمارے سردار کو چھوڑ دینا چاہیے اور اگر  
اورنگ زیب اپنی حکمت علیٰ سہ فوراً انکی تسلی نشینی نہ کر دیتا تو بے شبہ وہ اپنے  
سردار کو چھوڑا لیتے۔ چنانچہ اورنگ زیب ان کے بڑے بڑے سرداروں کو  
تو یہ سمجھا کر کہ وہ بالکل اپنی خوشی اور مرضی سے نظر بند ہوا ہے اپنا رفیق بنا لیا۔  
اور ان کے دہن نشین کر دیا کہ یہ محض ایک حکمت اور منصوبہ ہے جو اہل میں  
ہماری اور امیر کی باہمی صلاح ہی سے تجویز ہوا ہے۔ اور سب کو خوب دل  
کھول کر انعام و اکرام دیئے یعنی سرداروں سے تو آئندہ ترقی کے صرف بڑے  
بڑے وعدے ہی کیے گئے گریباہیوں کی خواہ حقیقتاً بڑھادی بلکہ بطور ثبوت

کے لئے مامور کر کے خود دولت آباد کو چلا جاے۔ اور منظم خان جب ملک مغنوم کے  
قلعوں کے قرار دانی بند و بست سے فارغ ہو جاے تو بجا پور کا بیشکش جو قاضی نظام  
لیکڑاے اسکو ساتھ لیکر حضور میں حاضر ہو جاے۔ تو بھی ان شرطوں کی تعمیل نہیں مئی تھی  
اور اورنگ زیب قلعہ گلبرگہ کو گھیرے ہوئے تھا کہ اسی اثناء میں بادشاہ بیمار ہو گیا۔ اور  
دارالحکومت نے ایسے بڑے امیروں کا اورنگ زیب کے پاس اس وقت موجود رہنا اپنے  
حق میں بہتر سمجھ کر مہابت خاں۔ راؤ مہتر سال وغیرہ کے نام بادشاہی فرمان جاری کر دیئے  
کہ انکی اجازت اور عدم اجازت کی مطلق پروا نہ کر کے بلا توقف اگر وہ کو چلے آئیں۔ چنانچہ  
سوائے مہابت خاں اور شاہنواز خاں اور تیرہ عہدے کے سب چلے آئے۔ بلکہ میر جلد کو تو  
عہدہ وزارت سے معزول کر کے حاضر دربار ہونیکا حکم بھیجا گیا۔ (کیونکہ اورنگ زیب کا  
موسل خاص سمجھا جاتا تھا) اور محلّا میں خاں کو جواب کی جگہ مہابت خاں وزارت کرتا تھا کام  
سے عہدہ کیا گیا۔ اور اسے راجا دیوان رکھنا تھہ سرانجام کار کے لئے قائم مقام  
طور پر مامور ہوئے۔ دارالحکومت نے ان امیروں کے واپس بلانیکے لئے یہ بہانہ بنایا تھا

اورنگ زیب کا تہجد و فقیروں کو کاٹھنا

صداقت اپنے وعدوں اور اظہار حیرت بخشی کے فوراً قیمن بیٹھنے کی تنخواہ بطور پیشگی دیدی اور اس تدبیر سے میرجلد کی فوج اُس مہم میں شریک ہوئی کہ لڑائی ہو گئی جو اورنگ زیب کو مد نظر تھی اور اب اُسکے پاس لڑنے بھر نیکے لائق اچھی خاصی جمعیت ہو گئی۔

کہ شجاع نے بنگالہ سے بارادہ فاسد کوچ کر دیا ہے۔ اسلئے ان کا مع انکی فوجوں کو انچوت میں حاضر ہو جانا مناسب ہو۔ ان امیروں کے چلے آنے سے اورنگ زیب کو نہایت دقت پیش آئی۔ کیونکہ اول تو بادشاہ کی سخت بیاری ہی کی خبریں سن کر سچا پور لوگوں کے دل بہت بڑھ گئے تھے۔ اور اسپر ایسے نامور اور صاحب فوج امرا کے چلے جانے سے انکو اور بھی زیادہ دلیری ہو گئی۔ اور اورنگ زیب کے لشکر میں جو ہنوز گلبرگہ کو گھیرے ہوئے تھا بہت اتاری اور کمزوری پھیل گئی۔ مگر وہ اپنی معمولی ثابت قدمی اور استقلال طبع سے نہایت متانت اور وقار کے ساتھ جسطرح بن پربند و بست مناسب کر کے عزت اور یگانگی کے ساتھ دولت آباد میں داخل آگیا۔ اور جب اُسکو مٹا کر میرجلد بھی جواباً پیشکش کی تھیں اور مفتوحہ قلعوں کے نظم و نسق سے فارغ نہیں ہوا تھا۔ مہابت خاں اور ستر سال کی طرح اگر کو جانے والا ہے۔ تو اُسے یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر ایسا دوامند بادبیر صاحب فوج و لشکر امیر ایسے وقت میں دارالشکوہ کے پاس جا بیٹھا تو میری ساری امیدیں خاک میں مل جائیں گی۔ پس اُسکے چھانٹنے کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ اُسکے پاس یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ ہم آپکو اپنا دلی ہوا خواہ اور غیر اندیش جانتے ہیں اگر آپ ہم سے ملکر اور خدمت ہو کر اگر کو جائیں تو مناسب ہے۔ اور جب اُسنے آنے سے پہلو تہی کی اور کھاناکھانے سے نام فرمان آچکا ہوا اسلئے مجبور ہوں۔ تو اورنگ زیب نے اُسکے قابو میں لانیکے لئے اس مرتبہ اپنے طرے بیٹھے محمد سلطان کو بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ چونکہ آپ حضور میں حاضر ہونے کو جاتے ہیں اسلئے بعض مزدوری باتیں تخلید میں آپ سے کہنی سنتی واجبات سے ہیں اور اس صورت میں آپکا ہم سے ملکر جانا ہماری نہایت ہی خوشی کا باعث ہوگا۔ اور محمد سلطان نے باپ کی نہایت سے موافق ایسی حکمتی چٹائی باتیں بنائیں اور ایسا مطمئن کیا کہ وہ بلا مدعہ نہ خوش خوش لئے کو چلا آیا۔ اب چونکہ یہاں پہلے ہی سے سب تیاری کی ہوئی تھی اور

کہ شجاع نے بنگالہ سے بارادہ فاسد کوچ کر دیا ہے۔ اسلئے ان کا مع انکی فوجوں کو انچوت میں حاضر ہو جانا مناسب ہو۔ ان امیروں کے چلے آنے سے اورنگ زیب کو نہایت دقت پیش آئی۔ کیونکہ اول تو بادشاہ کی سخت بیاری ہی کی خبریں سن کر سچا پور لوگوں کے دل بہت بڑھ گئے تھے۔ اور اسپر ایسے نامور اور صاحب فوج امرا کے چلے جانے سے انکو اور بھی زیادہ دلیری ہو گئی۔ اور اورنگ زیب کے لشکر میں جو ہنوز گلبرگہ کو گھیرے ہوئے تھا بہت اتاری اور کمزوری پھیل گئی۔ مگر وہ اپنی معمولی ثابت قدمی اور استقلال طبع سے نہایت متانت اور وقار کے ساتھ جسطرح بن پربند و بست مناسب کر کے عزت اور یگانگی کے ساتھ دولت آباد میں داخل آگیا۔ اور جب اُسکو مٹا کر میرجلد بھیجا جواباً پیشکش کی تھیں اور مفتوحہ قلعوں کے نظم و نسق سے فارغ نہیں ہوا تھا۔ مہابت خاں اور ستر سال کی طرح اگر کو جانے والا ہے۔ تو اُسے یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر ایسا دوامند بادبیر صاحب فوج و لشکر امیر ایسے وقت میں دارالشکوہ کے پاس جا بیٹھا تو میری ساری امیدیں خاک میں مل جائیں گی۔ پس اُسکے چھانٹنے کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ اُسکے پاس یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ ہم آپکو اپنا دلی ہوا خواہ اور غیر اندیش جانتے ہیں اگر آپ ہم سے ملکر اور خدمت ہو کر اگر کو جائیں تو مناسب ہے۔ اور جب اُسنے آنے سے پہلو تہی کی اور کھاناکھانے سے نام فرمان آچکا ہوا اسلئے مجبور ہوں۔ تو اورنگ زیب نے اُسکے قابو میں لانیکے لئے اس مرتبہ اپنے طرے بیٹھے محمد سلطان کو بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ چونکہ آپ حضور میں حاضر ہونے کو جاتے ہیں اسلئے بعض مزدوری باتیں تخلید میں آپ سے کہنی سنتی واجبات سے ہیں اور اس صورت میں آپکا ہم سے ملکر جانا ہماری نہایت ہی خوشی کا باعث ہوگا۔ اور محمد سلطان نے باپ کی نہایت سے موافق ایسی حکمتی چٹائی باتیں بنائیں اور ایسا مطمئن کیا کہ وہ بلا مدعہ نہ خوش خوش لئے کو چلا آیا۔ اب چونکہ یہاں پہلے ہی سے سب تیاری کی ہوئی تھی اور



اورنگ زیب کا مراد بخش کی امداد کو سورت کی طرف کوچ کرنا اور قلعہ سورت کو فتح ہو جانے کی خبر پا کر اسے بالائے آفاق اگرہ کی طرف کوچ کر لینے کا ارادہ کیا۔

اسکے بعد اورنگ زیب نے سورت کی طرف کوچ کیا کیونکہ اہل قلعہ خلاف توقع اہل مراد بخش کی فوج سے مغلوب نہ ہوئے تھے اور اورنگ زیب کا مدعا یہ تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہ قلعہ فتح ہو جائے۔ لیکن اسے کوچ سے چند روز بعد یہ خبر پائی کہ وہ فتح ہو گیا۔ پس اسے مبارکباد کا خط مراد بخش کو تحریک اور انہیں اُن واقعات و حالات سے جو اسکو اور میر جلد کے باہم گزرے تھے بدین مضمون اطلاع دی کہ ”میں نے ایک جرار فوج جمع کر لی ہے اور خزانہ بھی باخراط موجود ہے اور عمائد و اُمراء دربار شاہی سے بھی سب طرح پخت و پز ہو چکی ہے اور برہم پور اور اگرہ کی طرف چل نہیں

یا لوگ تواضع کے لیے منتظر تھے جو اسے خلوت خانہ میں قدم رکھا جناب امارت آب نورا گرفتار کر لیے گئے۔ اور اس کے عمر بھر کے جمع کئے ہوئے خزانے اور مال و اسباب و سامان ثروت و شہمت سب قابو کر لیا گیا۔ اور اس کے نوکر جا کر اور فوج اپنی نوکر کر لی گئی۔ اور ان خزانوں اور مال اور سپاہ کے ہاتھ آ جانے سے اورنگ زیب اس بڑی مہم کے انجام دینے کے بخوبی قابل ہو گیا۔ اور چونکہ اسے اہلک پرہ نہیں اٹھا ڈالا تھا باپ کو یہ لکھ بھیجا کہ فدوی کو منظم خاں کے اذرع و اطوار سے بیوفائی اور مدگردانی کی ہو آتی تھی اسلئے میں نے اسکو کمر قید کر دیا ہے اور اگر ایسا نہ کرتا تو بے شبہ وہ بھاگ کر بھگدکن کے سرداروں سے جاملتا۔ (ماخوذ از سیر المتاخرین و تاریخ عاقل خاں) س م ج ۱۲

☆ اصل کتاب میں جا جا برہم پور لکھا ہے مگر صحیح نام برہان پور ہے۔ اسلئے آئندہ اس ترجمہ میں برہان پور ہی لکھا جائیگا۔ ہر شہر و سورت صوبہ غاندیس کا دار الحکومت تھا اور دکن کا دروازہ سمجھا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں تالپوں کی چوٹ کشتری میں ضلع تالپوں کے متعلق ایک تحصیل کا مقام ہے یہ درپہ تالپوں کے کنارے آباد ہے۔ اور قریب تیس ہزار آدمی کے اس شہر میں ۱۱۴۰



اس فتح سے مراد بخش کی ناموری اس فتح سے مراد بخش کا بڑا نام ہو گیا اور جو آپس  
 اسکے پیش نہاد و خاطر تھیں اب انکی درستی میں ایک بڑی آسانی ہو گئی اور  
 چونکہ سترنگ لگانے کی تدبیر سے یہاں کے لوگ بخوبی واقف تھے اسلئے  
 مراد بخش کی اس نئی حکمت نے لوگوں کے دلوں پر بہت ہی عجیب اثر کیا۔  
 اسکے علاوہ یہ بات علی العموم مشہور ہو گئی کہ سورت کا بہت سا دھنیزہ مراد بخش  
 کے ہاتھ لگیا ہے۔

لیکن باوجود اس تمام شہرت اور ناموری کے  
 جو اس فتح سے حاصل ہوئی تھی اور باوجود انکے  
 کے بہت سے خوشامد آمیز اور ابلہ فریب و عدوس

شہباز خواجہ کا مراد بخش کو  
 اورنگ زیب کی شہریت سے  
 منع کرنا اور اس کا نامنا۔

کے شہباز خواجہ کا مراد بخش کو یہی سمجھانا کہ آپ بھائی صاحب کی فضول  
 باتوں پر ہرگز بھروسہ اور اعتبار نہ کریں اور جلد بازی کر کے ان کے قابو  
 میں نہ آجائیں اور اس خیر خواہ خواجہ ہر انے صاف کہہ دیا کہ آپ اب بھی  
 میری صلاح مان لیں اور اگر آپکی ایسی ہی مرضی ہے تو خیر اورنگ زیب  
 کو چکنی چپڑی بانوں میں پھلسا رکھیں لیکن فوج اور لشکر سمیت اس سے  
 جا کر شامل ہو جائیگا ارادہ ہرگز نفرا میں اور بالفصل اگر وہ کی طرف اسکو اکیلا ہی  
 جانے دیں رفتہ رفتہ جب ہکو بادشاہ کی صحت اور مرض کی پختہ خبریں اور صحیح  
 حالات معلوم ہو جائینگے تو اسوقت جو صحت معلوم ہوگا اسپر عمل کیا جائیگا اور اس  
 عرصہ میں آپ قلعہ سورت کا استحکام کر لیں جو اس طرف میں سب سے زیادہ کارآمد  
 مقام ہے۔ اور اس جگہ کے قابو کر لینے سے ایک وسیع سیر حاصل اور

زرخیز ملک کی حکومت آپ کے ہاتھ آجائے گی اور پھر ٹھوڑی سی تدبیر سے شہر بران پور بھی جو صوبہ دکن کا دروازہ اور نہایت کارآمد مقام ہے آپ کے قبضہ میں آجائے گا۔ مگر چونکہ مراد بخش کے پاس اورنگ زیب کے خطوط برابر چلے آتے تھے اُسے اپنے غم اور کوشش کو سُست نہ کیا اور بیچارے شہباز کی صلاح نہ مانی۔ یہ دانا اور دور اندیش امیر نہایت ہی سچا ناصح اپنے آقا کا دلی خیر خواہ تھا۔ پس اس جوان شاہزادہ کے حق میں بہت ہی بہتر ہوتا اگر اُس کی معقول صلاح کو مان لیتا۔ لیکن اول تو بادشاہ بچانے کے عجز و شوق ہی میں مراد بخش اندھا ہو رہا تھا۔ اور اس پر اُس کے مکار بھائی کے خط جو جانفشانی اور موافقاہی کے وعدوں کے اظہار میں روزمرہ چلے آتے تھے بہت بڑے محرک اس کے ارادوں کے تھے۔ علاوہ بریں اُسے یہ بھی سوچا کہ یہ ہم جس بادشاہی اور سلطنت حاصل ہو جانے کی امید ہے مجھے اکیلے انجام نہ ہو سکیگی۔ اسلئے احمد آباد سے جہاں ڈیرے ڈاٹے پڑا تھا کوچ کر دیا۔ اور گجرات سے روانہ ہو کر چاروں اور جنگلوں کا سیدھا راستہ اختیار کیا تاکہ جلدی سے اُس جگہ پہنچ سکے جہاں اورنگ زیب چند روز پہلے سے اُس کی نظر میں ٹھہرا ہوا تھا۔

القصة جب دونوں لشکر مل گئے تو بڑی خوشیاں اور جشن منائے گئے۔ اور اورنگ زیب نے اپنی

دونوں بھائیوں کا فوجوں سمیت  
لجنا اور اورنگ زیب کی نکاریاں

محبت کے پادار اور مستحکم اقوار از سر نو تازہ کیئے اور اپنی کمان بغیر مینی اور  
لے فاسی زبان کی، بچوں میں لکھا ہو کر شاہجہاں کی بیاری کو شروع ہو گیا۔ جس بدیم جادی لاؤں ملنا

بے طمع کا اظہار کیا۔ اور دونوں بھائی کبھی ایک دوسرے سے جڑا نہ ہوتے تھے۔ اور اورنگ زیب بار بار یہی جنت تھا کہ بادشاہی سلطنت کی تو مجھے ذرا بھی ہوس نہیں اور یہ فوج کشی مینے صرف اس واسطے کی ہو کہ جطرح بن پڑے داراشکوہ سے جو میرا اور آپکا مشہور جانی دشمن ہے لڑ بھڑ کر آپکو تخت سلطنت پر جو خالی پڑا ہے بٹھا دوں۔ جس زمانہ میں دونوں فوجیں پائے تخت کی طرف جارہی تھیں اورنگ زیب ہمیشہ حاضر و غائب خاص و عام کے روبرو جطرح پر کہ یہاں کی رعایا کو لوگ بادشاہ کو حضرت کہہ کر بولتے ہیں مراد بخش کو یہی لفظ کہہ کر بولتا تھا۔ اور بے موقعوں پر بڑی تعظیم اور تکریم سے پیش آتا تھا۔ اور فی الواقع یہ بات نہایت عجیب ہے کہ مراد بخش نے اورنگ زیب کے خلوص نیت پر کچھ بھی شبہ نہ کیا اور وہ علانیہ و غامضی جو گو لگندہ کے معاملہ میں وہ ابھی کر چکا تھا ایسی صریح بات سے بھی اُسکے دل پر ذرا اثر نہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ یہ شانہ زادہ اپنی خیالی سلطنت کی ہوس میں ایسا اندھا ہوا تھا اور عقل پر لیا پروہ پڑ گیا تھا کہ اتنی موٹی بات بھی اُسکی سمجھ میں نہ آئی کہ جو شخص کل اس قدر بے ایمانی کے ساتھ ایک سلطنت کے چھین لینے کے لئے کوشش کر چکا ہے

ابنزار ارٹھ جوی کو اورنگ زیب نے باپ کی عیادت کے بہانہ سے دولت آباد سے برآن پور کی طرف کوچ کیا تھا اور مراد بخش کو ساتھ لینے کی نسبت یہ جلیلہ بن گیا کہ سکہ اور خطبہ وغیرہ جاری کرنے کی بے ادبی جو اُس سے ہو گئی ہے اسلئے اُس کو خطا صاف کرانے کی خاطر اپنے ساتھ لیجا نا چاہتا ہوں۔ اور یہ دونوں شانہ زادوں کا مآلاب دہلی پر آئین سے تقریباً بیس دن تک کو فاصلہ پر ملائی ہوئے تھے۔ س م ح

آج کسطح ممکن ہے کہ اُسکے خیالات ایسے بدل گئے ہوں کہ بجز فقیرانہ گزیران کرنے کے اُسکی کچھ اور آرزو ہی نہیں ہے۔

اب ان متفقہ فوجوں نے ایک بڑی شان و شوکت پیدا کی اور اُن کے کوچ کی خبریں سنکر پاسے تخت میں ایک

اگرہ میں ان خبروں کے  
پہنچنے سے ہلکے پڑ جانا۔

تہلکہ مچ گیا۔ اور داراشکوہ تو استعداد ششوش اور مضطرب ہوا کہ جسکی انتہا نہیں۔

اور انجام کار پر نظر کر کے شاہجہاں بھی ڈر گیا۔ اور اگرچہ اپنے خیال میں اس فساد کے حالیہ نتائج کی نسبت اُسنے کچھ ہی اندازہ کیا ہو۔ لیکن ہمیں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ اورنگ زیب کی قابلیت اور دانائی اور مراد بخش کی تہور اور شجاعت کے متفق ہو جائیسے ایسا کوئی امر نہیں ہے کہ جو ناممکن الوقوع ہو۔

شاہجہاں نے ہر چند اُن کے پاس قاصد پر قاصد باوجود مانتی حکام کے ان شاہزادوں کا اگرچہ بڑے انا۔

یہ پیغام دیکر روانہ کیئے کہ مبادولت کو اب آرام اور افادہ ہے۔ اور اگر تم اپنے صوبوں کو لوٹ جاؤ گے تو تمہاری اس حرکت سے چشم پوشی کی جائیگی اور داخل نافرمانی نہ سمجھا جائیگا۔ لیکن یہ سب تحریریں اور اور احکام بیگانہ تھے اور متفقہ فوجیں برابر بڑھی چلی آتی تھیں۔ اور چونکہ بادشاہ کی علالت واقعی مہلک سمجھی جاتی تھی۔ اسلئے یہ اپنے وہی عند اور بہانے کیئے جانتے اور یہ کہتے تھے کہ جو خط و خطا شاہی ہر اس لگ کر آتے ہیں وہ جعلی اور بالکل داراشکوہ بناوٹ اور ایجاد ہیں۔ اور حضرت "یا تو مر چکے یا تو مر لمرک ہیں۔ اور بالضرر اگر ہماری خوش نصیبی سے وہ زندہ ہیں تو ہم اُنکی تدبیر کے

شفاق ہیں۔ اور داراشکوہ نے جو انہیں ہر طرح سے بے بس اور سلب اختیار کر رکھا ہے اس حالت سے بھی ہم انکو نکالنا چاہتے ہیں۔

شاہجہاں کی مجبورانہ اور پرانہ حالت [ان دنوں شاہجہاں کافی الواقع بہت تزلزل حال تھا۔ اور علادہ شدید اور تکالیف مرض کے وہ حقیقتاً داراشکوہ کے پنجہ سرکشی میں پھنسا ہوا تھا۔ اور ادھر تو داراشکوہ کے دل میں قہر و غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اور لڑائی کے سوا کچھ خیال ہی نہ تھا اور مستعدی کے ساتھ تیار ہی کر رہا تھا۔ اور ادھر شاہجہاں کے دوسرے بیٹے باپ کے تاکید اور متواتر احکام پر مطلقاً لحاظ اور اتفاقات نہ کر کے برابر اگرہ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ اور ایک طرف بیچارے بادشاہ کو یہ فکری تھی کہ اگر میرے جمع کئے ہوئے دینے اور خزانے ان نوجوان شاہزادوں کے ہاتھ آجائیں گے تو خدا جانے کس کس طرح اڑا کر برباد اور تلف کرینگے۔]

مجبور ہو کر بادشاہ کا بعض امداد کو لڑائی کے لیے نامور کرنا تو اسنے مجبور ہو کر اپنے دفا دار جنگ آزمودہ اور کالگا

سرداروں کو اپنے پاس طلب کیا۔ اگرچہ یہ امداد داراشکوہ سے اکثر ناموافق تھے اور بادشاہ کو بھی اسکی نسبت اپنے تینوں حملہ آور بیٹوں سے زیادہ محبت تھی مگر پھر بھی اسکو اسکے کاموں کی درستی مد نظر تھی اور انہیں امیروں سے جو اکثر اس سے ناراض تھے سرانجام ہم کام لینا اور انکو اپنے باغی بیٹوں کے مقابلہ پر سر لشکر بنا کر بھیجنا امر ضروری تھا۔ چنانچہ اس بات کا لحاظ کر کے کہ جدھر سے شجاعت بڑھا چلا آتا تھا اُدھر کا زیادہ اندیشہ تھا۔ ایک فوج تو فوراً

اُسکے مقابلہ کیواسطے روانہ کی گئی اور ایک دوسری فوج اس غرض سے تیار اور جمع کی گئی کہ بشرط ضرورت اور ننگ زریب اور مراد بخش کی متفقہ فوج سے جنگ کرے۔ چنانچہ داراشکوہ کا بڑا بیٹا سلیمان شکوہ اُس فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا جو شجاع کے مقابلہ کیواسطے بھیجی گئی تھی۔ اسکی عمر قریب پچیس برس کے تھی اور بڑا خوبصورت اور وجیہ اور سخی شاہزادہ تھا۔ سب لوگ اسے پسند کرتے تھے اور قابلیت و لیاقت میں بھی بہت خاصہ تھا۔ شاہجہاں کو بھی اپنے اس پوتے سے بہت محبت تھی اور اُسنے کئی بار اسکو بہت سامان دولت دیا تھا بلکہ یہ ارادہ تھا کہ داراشکوہ پر اسکو ترجیح دے اور اپنا ولیعہد مقرر کرے۔

چونکہ شاہجہاں کا اصل مطلب یہ تھا کہ اس غیر طبعی اور ناحق کے فساد میں حتی الامکان

بادشاہ کی مخفی ہدایتیں جسے سنگو گمر  
روای کا ذیل سننا اور شجاع کی شکست

خونریزی نہ ہونے پائے اسیلئے اُسنے ایک مُسن راجہ کو جسکا نام جرسنگہ ہے اور جو اسوقت کے راجاؤں میں سب سے زیادہ دولت مند اور غالباً ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ قابل شخص ہے بطور شہر خاص اپنے پوتے کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اسکو پوشیدہ یہ ہدایت کی کہ حتی الامکان

راجہ جے سنگھ کچھو اریس جی پور مرادہر جسکو نظر راجہ کے علاوہ شاہی خاندان کے شاہزادوں کی طرح بڑا کاموز خطاب بھی ملا ہوا تھا واضح ہو کہ جیسو کی ریاست ہمارے زمانہ میں بھی کچھو انوم ہی کے راجہ پٹ خاندان میں قائم ہو اور غالباً اسی اس ریاست کی سرآبادیوں اور مسافیات کو سناتا ہے لاکھ سے کچھ زیادہ ہے اور کچھیس ہزار دوسو بادل میل مربع فیہر جس میں تقریباً بیس لاکھ آدمی بستے ہیں



جنگ نہونے دینا اور شجاع کو اس امر کی فہمائش میں کہ وہ اپنے متعلقہ صوبہ کو لوٹ جاے کوئی دقیقہ اٹھانے کا بلکہ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اُس سے کہہ دینا کہ ارشاد شاہی کے موافق واپس چلے جانا تہہ صرف فرض واجب ہی نہیں بلکہ فن حکومت و سلطنت کی رو سے بھی یہ امر نہایت ضروری ہے کہ تم سر دست اپنی زور و طاقت کا اظہار نہ کرو اور جب تک کہ ایک ٹھیک اور مناسب موقع اس کام کا نہ آجائے یعنی تا وقتیکہ ہماری بیماری منجر بہ ہلاکت نہ ہو جائے یا اورنگ زیب اور مراد بخش کی متفقہ فوجوں کا کچھ انجام نہ معلوم ہو چکے ایسی جلد بازی تمہارے لیے مصلحت نہیں ہے۔

لیکن جسے شک کی کوششیں انداد جنگ کے باب میں سبے بسود رہیں۔ کیونکہ ادھر تو سلیماں شکوہ بند جو صعلگی اور نوجوانی کے نشہ میں جنگ جوئی کی آئنگ اور ناموری کے شوق سے بیتاب ہو رہا تھا۔ ادھر شجاع کو یہ خیال تھا کہ اگر کوچ میں دیر کر دوں گا تو اغلب یہ کہ اورنگ زیب داراشکوہ کو مغلوب کر کے دارالسلطنت آگرہ اور دہلی پر قابض ہو جائے پس جو میں دونوں فوجیں ایک دوسرے کو دیکھائی دینے لگیں فوراً دونوں طرف سے دُنادن گولہ اندازی شروع ہو گئی۔

لیکن میں اس مقام پر ضرورت نہیں سمجھتا کہ اس لڑائی کے حالات تفصیل بیان کروں۔ کیونکہ اُس دوسری لڑائی کے واقعات جو اس سے زیادہ اہم ہیں بیان کرنے ہیں اور ناظرین کے لیے یہاں پر صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ دونوں طرف سے بڑی سختی اور سرگرمی سے حملے ہوئے اور ایک

بڑی کوشش کے بعد سلطان شجاع کو ایسا منکوب ہوا پڑا کہ آخر کار سرسید ہو کر بھاگ نکلا۔ اور یقین ہے کہ اگر جے سنگھ اور اسکا دلی دوست دیر خاں \* پٹھان جو بڑا بہادر سپاہی تھا قصداً پیچھے نہ ہٹے رہتے تو فوج مخالف بالکل تباہ ہو جاتی بلکہ خود شجاع بھی گرفتار ہو جاتا۔ لیکن راجہ نے ازراہ دانائی سنا۔ نہ جانا کہ شاہی خاندان کے شانہ و اسے اور اپنے آقا کے بیٹے پر اتھ ڈالے اور یہ بھی ہے کہ اسنے شجاع کو بھاگ جانکی مہلت دینے میں بادشاہ کی ہدایتوں پر عمل کیا۔ اس شکست میں اگرچہ شجاع کا کچھ زیادہ نقصان نہ ہوا تھا۔ لیکن چونکہ حکمت سلیمان شکوہ کے ہاتھ رہا اور پسند تو میں بھی اس کے قبضہ میں لگئی تھیں اسلئے دربار شاہی میں یہ خبر عام ہو گئی کہ سلیمان شکوہ نے کامل فتح پائی اور اس سے سلیمان شکوہ کی نیکامی اور شجاع کی بڑی بدنامی ہوئی اور ان ایرانی اُمراء سے دربار کی سرگرمی اور دلنوری بھی جو شجاع کی طرف داری کرتے تھے بہت ٹھنڈی پڑ گئی۔

سلیمان شکوہ ابھی شجاع کے تعاقب میں کسکتا تھا کہ خبر ملی کہ اورنگ زیب اور لگا ہوا تھا کہ خبر ملی کہ اورنگ زیب اور

اورنگ زیب اور مراد بخش کی بڑائی کی خبر سیکرستیاں شکوہ کا ارادہ مراجعت کرنا

مراد بخش بڑی مستعدی اور استقلال سے اگرہ کی طرف بڑھے آتے ہیں اب چونکہ اسکو اپنے باپ کی عقل و دانش کا اندازہ بخوبی معلوم تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے گرد و پیش پوشیدہ دشمن جمع ہیں اسلئے کمال دُوراندیشی سے

\* فارسی زبان کی تاریخوں میں جے سنگھ کے ساتھ دوسرے امیر کا نام بہادر خاں لکھا ہوا ہے دیر خاں تو مرصع قلم ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیر خاں کی جگہ فعلی سے دیر خاں چھپ گیا ہے کیونکہ انگریزی میں حرف لام اور تے کی شکل قریب قریب ہے۔ میرزا محمد کاظم مصنف عالمگیر نامہ لکھتا ہے کہ بالی بیگ المتعاط بہادر خاں جو دارا شکوہ کے عہد نوکروں میں سے تھا اسکو معہ میں

اگرہ کو واپس آئیگا ارادہ کیا۔ کیونکہ ظن غالب یہی تھا کہ دارالسلطنت کو اس پاس ہی کہیں کہیں داراشکوہ اُن سے لڑیگا۔ سب لوگ متفق الرائے ہیں کہ سلیمان شکوہ کی یہ تجویز بہت ہی دانائی اور ہوشیاری کی تھی اور اگر یہ نوجوان شہزادہ اپنی فوج سمیت برقت پینچ جاتا تو اورنگ زیب الٰہی ایسی بڑی فوجوں سے ٹکر لینے میں کبھی کامیاب نہ ہوتا بلکہ شاید مقابلہ ہی نہ کرتا۔

باوجود اس کامیابی کے جو سلیمان شکوہ کی سپاہ کو بمقام الہ آباد (جہاں جناب اورنگ زیب باہم ملتی ہیں) حاصل ہو چکی تھی یہاں اگرہ کی طرف معاملات کی کچھ اور ہی

اورنگ زیب اور اردو بخش کی ماہر دکن کے یو قاسم خاں اور ہمارا جوبت سنگھ کا مسور ہونا۔

صورت تھی۔ یعنی جب دارالسلطنت میں یہ خبر پہنچی کہ اورنگ زیب برہان پور

داراشکوہ نے سلیمان شکوہ کے ساتھ بطور تابع کے بیٹھا تھا۔ اور اپنی مکمل فوج کی سرداری بھی اُسکے حوالہ کی تھی۔ اور اسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ دلیر خاں بھی ایک امیر نجد اُن کا مسور ہونا کے تھا جو اس ہم میں سلیمان شکوہ کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ س م ج - ۱۲

عالمگیر نامہ میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے اور اُترتوت کی اذیتوں سے بھی اسی کی تائید ملتی ہے کہ سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ کچھ ادا جو شجاع کے مقابلہ کو جو تھی ریح الاول شہنشاہ اکبردار ارٹھ ہجری کو اگرہ سے روانہ ہوئے تھے انہوں نے کوچ کوچ بہادر پور میں پہنچ کر جو بارہا سے دُعا کی کوس ٹنگے لگا کے کنارہ پر ایک گانوی شجاع کے لشکر سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر ڈیرہ کیا تھا۔ جو بنگالہ کے نواڑے یعنی کشتیوں کے بڑے کوسا تہ لہو ہوئے دریا کے کنارے ٹھہر رہا تھا اور فوج کو ذرا آرام دے لینے کے بعد دھوکا دینے کی غرض سے یہ مشہور کر کے کہ لشکر کی جا سے قیام بدلنا چاہئے میں اکیسویں عبادی الاول کو علی الصبح شجاع کے لشکر پر ناگہان حملہ کر دیا اور چونکہ اُس نے غفلت کر سب سے اپنی فوج کی صف بندی بھی نہ کی تھی خفیف سے مقابلہ کے بعد فرار ہو گیا۔ اور نواڑے میں بیٹھ کر تیجے کو بھاگا اور تمام مال و اسباب لٹ گیا۔ اور ان کے بعد سلیمان شکوہ نے اول فتح اور پھر منوگیر سے نکال دیا اور وہ مجبور ہو کر

کے پاس دریا کے دار اتر آیا ہے۔ اور اُن دشوار گزار پہاڑوں کی گھاٹیوں کو بھی بڑوسٹ کر چکا ہے جن پر طرح سے مزاحمت اور سچاؤ کا بہت بڑا بھروسہ تھا تو دربار میں بڑی گھبراہٹ اور حیرانی پیدا ہوئی اور فوج کی تیاریاں شروع ہوئیں مگر بڑی جلد بازی کے ساتھ سب سے پہلے فوراً ایک دستہ اس مُراد سے اُجین کو بھیجا گیا کہ بلدی سے پہنچ کر دریا کے گھاٹ کو روک لیں اور مخالفوں کو پار اترنے سے روکیں اور اس پیش رو دستہ کی سرداری کیواسطے دو امیر جو نہایت باقدار اور لائق و فائق تھے انتخاب کیے گئے۔ ان میں سے ایک کا نام قاسم خاں تھا جو بڑا ہی مشہور و معروف سپاہی اور شاہجہاں کا دلی خیر خواہ تھا۔ لیکن یہ چونکہ داراشکوہ سے متنفر اور بیزار تھا اسلئے اسنو یہ سرداری بخوشی اختیار نہیں کی تھی۔ بلکہ محض شاہجہاں کے حکم کی تعمیل تھی۔ دوسرا سردار راجہ جیوت سنگھ تھا جو درجہ اور اقتدار میں بے شک بے کم تھا۔ یہ راجہ اس زبردست رانا کا داماد تھا جو اکبر کے زمانہ میں سب راجاؤں کا مہاراجہ گنا جاتا تھا۔ داراشکوہ نے ان دونوں سرداروں سے نہایت تعلق اور شیریں زبانی سے گفتگو کی اور جب وہ لشکر میں جانے لگے تو

ایزہلی موبہینی بھگاد کو چلا گیا۔ اور منوگیر سے بڈنک داراشکوہ کو بغض ہو گیا۔ لکھا کہ کہ ان لڑائیوں میں تباہی کو کہیں میں جو لوگ قید ہو گئے تھے داراشکوہ نے انکو اگرہ میں منگو کر اوتل شہر وغیرہ سے بیزن کیا اور پھر اُن کے اتھ قلم کر دیئے جسکی باعث کہنے ہی بچکار اپنی جانوں سے بھی اتھ دھو بیٹھے۔

۱۲ اس دریا سے شینیکر اتدی مراد ہے جسکا اصل شکرت زبان کا نام کشیدوا ہے۔ س م ح ۱۲

۱۳ اودے پور کا رانا مراد ہے۔ س م ح ۱۳

بڑے بڑے بہاری خلعت انکو دیئے مگر شاہجہاں نے جوہا تیں شجاع کے بارہ  
میں راجہ جے سنگھ اور دولیر خاں کو کی تھیں ویسے ہی احتیاط سے کام کرنے کی  
بابت انکو بھی کہیں۔

لیکن جبکہ اس طرف سے اس قسم کے تامل و تدبیر  
ہو رہے تھے۔ اورنگ زیب کی جانب کمال  
مستعدی کے ساتھ لڑائی کی پوری تیاری تھی

قاسم خاں اور مہاراجہ جسونت سنگھ کو  
اورنگ زیب کو یکایک پنجپوتہ کی خبر ملنا  
اور ان کا دریا کے گھاٹ کو روکنا۔

چنانچہ بادشاہ کی نصیحت اور ہدایت کے موافق جو قاصد متواتر یہ پیام دیکر انکو  
پاس بھیجے جاتے رہے کہ انکو دکن کو لوٹ جانا چاہیئے انہیں سے کوئی بھی واپس  
آنے نہ پایا۔ بلکہ واپسی کی جگہ انکی فوج یکایک ایک بلند ٹیلہ پر جو دریائے  
تھوڑے فاصلہ پر تھا آنودار ہوئی۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا اور سخت دھوپ  
پڑتی تھی اور اسوجہ سے دریا پایاب ہو رہا تھا۔ قاسم خاں اور راجہ نے یہ خیال  
کر کے کہ اورنگ زیب پار اترنا چاہتا ہے لڑائی کی تیاری کر دی۔ لیکن واقع  
میں اورنگ زیب کی پوری فوج ابھی پیچھے تھی۔ اور اس تھوڑی سی سپاہ  
کو آگے بھیج دینا بالکل ایک دھوکا تھا۔ کیونکہ اورنگ زیب کو یہ اندیشہ تھا کہ کبیر  
بادشاہی فوج دریا کے پار نہ اتر آئے جس سے ہمارا پانی بند ہو جائے اور وہ  
ہماری تھکی ماندی فوج پر حملہ کر دے اور اس طرح پر جنگ کا مفید موقع ہمارے  
ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور اسکا یہ اندیشہ حقیقت میں درست تھا۔ کیونکہ اسوقت

۱۷ صف نے دریا کا نام نہیں لکھا مگر مترجم انگریزی نے حاشیہ میں لکھا کہ یہ جو صریح غلط ہے کہ کبیر  
کے پاس تو وہی شعبہ پڑی ہے۔ جسکا ذکر ہم ابھی ایک حاشیہ میں کر چکے ہیں۔ س م ح ۱۲  
یعنی غائب نا

اسکی فوج مقابلہ کے لائق تھی اور اگر قاسم خاں اور راجہ حملہ کر دیتے تو آباسانی غالب ہو سکتے تھے۔

میں اس موقع پر بذات خود موجود تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اس لڑائی کو دیکھا ہے خصوصاً وہ فرانسیسی افسر جو اورنگ زیب کے توپخانہ میں ملازم تھے ان سب کی یہی رائے ہے۔ مگر یہ سردار ایسا کس طرح کرتے کیونکہ بادشاہ کے مخفی احکام کے باعث صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ دریا کے وار اپنا مورچہ جائیں اور اگر اورنگ نے یہ دریا سے زبرد آترنا چاہے تو رد کریں۔

القسم جب اورنگ زیب کی فوج نے دہلیں روز دم لے لیا تو دریا سے زبرد آتر نیکی تیار کر دی۔ چنانچہ پہلے تو اُس نے اپنا

اورنگ زیب کی فتح۔ قاسم خاں کی نسبت و غازی کاٹھ اور جنوت نگہ کا شکست کیا کہ اپنی ریاست گاہ جودہ پور کو چلا جانا۔

توپخانہ ایک بلند جگہ پر قائم کیا۔ اور پھر فوج کو حکم دیا کہ توپوں کی پناہ میں آگے بڑھے۔ مگر ان کی پیش قدمی روکنے لئے اسطوف سے بھی توپیں چلنی شروع ہوئیں۔ اور اگرچہ ابتدا میں سخت جوش و خروش اور سرگرمی سے مزاحمت کی گئی۔ اور جنوت نگہ نہایت ہی شجاعت اور دانائی کے ساتھ حملہ آوروں کو ہر قدم پر روکتا رہا مگر قاسم خاں نے باوجودیکہ اسکی سپاہگرمی اور بہادری میں کچھ کلام نہیں اس موقع پر نہ تو کچھ بہادری ہی دکھائی اور نہ کچھ سپاہیانہ دانائی ہی ظاہر کی بلکہ اُس پر دغا بازی اور سازش کا شبہ ہے۔ کیونکہ اُس نے لڑائی سے پہلے ہی رات کی وقت اپنا بہت سا باروت گولہ ریت میں چھپا دیا تھا جسکے سبب

\* خانی خاں کے بیان سے بھی اسکی ناہید ہوتی ہے۔ - س۔ م۔ ج۔ ۱۲

سے صرف چند باڑیں چلا نیکیے بعد فوج کے پاس یہ سامان نہ رہا۔ خیر اسکی اصل خواہ کچھ ہی ہو مگر لڑائی بہر حال بہت سخت ہوئی اور گھاٹ کے رکنوں میں سپاہ نے بڑی شجاعت دکھائی۔ اُدھر اورنگ زیب کی فوج کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے پتھروں کی وجہ سے جو دریا کے پاٹ میں تھے اُسکو سخت تکلیف پہنچی اور کناروں کی گدھب بلندی کے باعث سو اوپر چڑھنا سخت مشکل تھا۔ مگر مراد بخش کی تیزی اور شجاعت ان دشمنوں پر غالب آئی۔ اور وہ اپنی خاص فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر آیا اور ہزار باقی سپاہ بھی پیچھے سے بہت جلد آ پہنچی۔ اسوقت قاسم خاں بڑی ہزیمت کے ساتھ میدان سے بھاگ نکلا۔ اور حبیب نگر کو صبح جان جو کھوں میں چھوڑ گیا۔ اب اگرچہ اس بہادر راجہ پر چاروں طرف سے دشمن کی فوج ٹوٹ پڑی۔ مگر اُسکے شجاع اور بہادر راجہوں نے اپنی جانیں لڑا کر بچا لیا۔ اور ایسی جان توڑ کر لڑے کہ آٹھ ہزار میں سے لڑائی کے خاتمہ پر صرف پانسو کے قریب باقی رہ گئے۔

اس واقعہ کے بعد راجہ نے اگرہ جانا مناسب نہ جانا اور ان بچے کھچے دفا دار سپاہیوں کے سیدھا اپنی ریاست گاہ کو چلا گیا۔ \*

✽ ہندوستانی مورخوں نے ان واقعات کو یوں بیان کیا ہے کہ جب مراد بخش کے بادشاہ بن بیٹھنے کی خبر اگرہ میں پہنچی تو اُسکو گجرات کی صوبہ داری سے معزول کیے جانے اور ملک بدر میں جو پہلے سے اورنگ زیب کی جاگیر میں تھا (غالباً دونوں کے بھڑانے کی خاطر) جاگیر لیکر صرف اُسپر قیامت کرنا حکم دیا کہ وہ نے بادشاہ سے دلوادیا تھا۔ اور اُسکے ساتھ ہی غلام میر آتش اُسکی جاگیر گجرات کی صوبہ داری پر نامزد کیا گیا تھا۔ اور چونکہ مائوہ کا صوبہ دار شایستہ تھا

راجپوتوں کی سپاہگری کے متعلق انکی بعض عادتوں اور رسموں کا اور انکی عجا کے بعض مسلمان بادشاہوں کے نزدیک انکے محل اعتماد ہونے کا ذکر —

لفظ راجپوت کے معنی ہیں راجہ کا بیٹا۔ یہ لوگ پشت پشت سے سپاہی پیشہ میں اور ابتدا سے ہی تعلیم پاتے ہیں اور ان کے راجہ معاش کے لئے اس شرط پر انکو جاگیریں دیا کرتے ہیں کہ جنگی ضرورت کی وقت اپنے آقا کی خدمت کے لئے حاضر ہو جائیں لارڈ وغیرہ موروثی اُمرائے فرنگستان کی طرح ان راجپوت ٹھاکروں کو بھی اس ملک کے خاندانی سردار کہا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ انکی جاگیر میں ناقابل ضبطی اور موروثی ہوں۔ یہ لوگ ابتدا سے عمر سے افیون کھانیکے عادی ہوتے ہیں۔ چنانچہ انکو افیون کے

(دی جوان چاروں شانہ زادوں کا حقیقی ماموں تھا) اورنگ زیب کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا تھا اسکا بھی اُچھین میں دکن کے رات پر رہنا سہنا سب جگہ انکی جگہ اپنے دلی خیر خواہ ہمارا جتنی ہوئے راٹھور جو دھور والہ کو اس امر سے مجبور کیا تھا کہ اورنگ زیب جو مسرت تک نظام خاموش تھا اگر دیکھا (جیسے کہ داراشکوہ کو اس سے ترقی تھی) کچھ کرے تو راجہ قاسم خاں کی مدد سے اسکا مدد راہ ہو۔ اور اگر بدستور خاموش رہے تو قاسم خاں مرا د بخش کو گجرات سے بڑا کیڑا نکال دے اور جنت بگم بشرط ضرورت انکی مدد کرے۔ چنانچہ ان دونوں کو اتنا ہی خبر تھی کہ مرا د بخش گجرات سے والوہ کے رات اگرہ کی طرف بڑھا آ رہا ہے اور اس خیال میں اُچھین سے بالنٹل بڑے کے رات روانہ ہو کر مقام کاچرودہ پر عزم خود اسکا رات رد کے پڑے تھو۔ اور اگر یہ اورنگ زیب خاندان کی دار الحکومت بُرائن پور سے بھی جھکے اور اکبر پور کے گھاٹ زبدا سے پایاب اُتر کر والوہ میں داخل ہو گیا۔ اور دیالپور کے قریب مرا د بخش بھی اُس سے آلا مگر راستوں اور گھاٹوں کو جو اسنے نہایت ہوشیاری سے روک رکھا تھا ایسے انکو مطلقاً اسکے لیے نزدیک پہنچ جانے کی خبر تک نہ ہوئی۔ بلکہ اُسنے بادشاہی سپاہ کی کثرت کے اندیشہ سے جو مرا د بخش کو یہ لکھ بھیجا تھا کہ میرے آنے تک جلدی کر کے بسنے بھڑنا جانا۔ اور وہ اسوجہ سے کچھ روک رہے

† بان بارلہ ++ کہ اچرودہ



بڑے بڑے انٹے کھاتے دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ اور لڑائی کے دن تو یہ معمول سے دو گنی افیون کھا کر ایسے دہوش سے ہو جاتے ہیں کہ بیفکرو اندیشہ اپنے آپ کو ہر ایک جان جو کھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر کوئی راجہ خود بھی بہادر ہو تو اس کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ میرے راجپوت کبھی کسی مشکل میں میرا ساتھ چھوڑ دینگے۔ لڑائی کی وقت یہ لوگ شاید اتنی بات کے تو محتاج ہیں کہ کوئی انکا پیش رو اور لڑانے والا ہو۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اپنے رئیس کے سامنے جان دینا اپنا فخر سمجھتے ہیں اور اسکو دشمن کے ہاتھ میں کبھی نہیں چھوڑ دیتے۔ میدان جنگ میں جانیسے پہلے جب

صرف اٹھارہ کوس کے فاصلہ پر پہنچ جانیکے بعد پیچھے کو ہٹ کر دیال پور کی طرف چلا گیا تھا تو انہوں نے اپنے خیال میں اسکو اس کے بھال جانے پر معمول کر کے بادشاہ کو مبارکباد کی عرضی کر دی تھی اور بادشاہ بھی کس قدر مطمئن ہو کر اٹھا رہا تھا جب سنہ ایکہزار اڑھتر ہجری کو مع دارا شکوہ تبدیل آب و ہوا اور اگرہ کی گرمی سے بچنے کے لیے اپنے طبیبوں کی صلاح کے موافق دکن (دکن) کی مرضی کے برخلاف دہلی کو چلا گیا تھا۔ مگر جب یہ دونوں لشکر آکر باہم ملے اور راجہ شیو رام گورڈ نے جو قلعہ مانڈو میں تھا اور دارا شکوہ کے ان نوکروں نے جو دھار کے قلعہ سے اورنگ زیب کے نزدیک آ پہنچے سے خوف زدہ ہو کر مباراجہ کے لشکر میں ہلاک آئے تھے۔ جسوقت سنہ ۱۰۸۰ کو اطلاع دی تو اسوقت اسکی آنکھیں کھلیں اور کاجرودہ سے پیچھے ہٹ کر دھرمات پور کے قلعہ جو اُجین سے سات کوس کے قریب ہوا اورنگ زیب کے لشکر سے ایک کوس کے فاصلہ پر اسکا راستہ اردکا۔ اب چونکہ اورنگ زیب کا اصل مقصد یہ تھا کہ اگر ہو سکے تو راجہ کو بھی اپنے ساتھ ملاے۔ اور پیغام سلام کے جیلہ سے اپنے ٹھکے ماندے لشکر کو ذرا آرام دے لے۔ اپنے گب راسے کو جو ایک ہوشیار اور فہم برہمن تھا اس کے پاس بھیج کر پیغام سلام شروع کیے اور وہی معمولی جیلہ کہ ہم بادشاہ کی خدمت میں صرف عیادت

یہ افیون کے نشہ میں جھومتے ہوئے مرنیکے یقین سے ایک دوسرے سے بغلیگر ہو کر خصلت ہو کر گئے ہیں تو یہ تماشائیں عجیبے لچسپ اور قابل دید ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں محل تعجب نہیں ہے کہ یہ مغل بادشاہ اگرچہ مسلمان اور بت پرستوں کے مخالف مذہب میں۔ لیکن بہت سے راجاؤں کو ہمیشہ اپنی ملازمت میں اور اکثر اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ دیے ہی سلوک کرتے ہیں جیسے کہ اپنے مسلمان امیروں اور سرداروں کے ساتھ ! اور مسلمان امیروں کی مانند انکو بھی فوج کی حکومتوں اور سرداریوں پر مقرر اور مامور کرتے ہیں۔

اور دعویٰ ملازمت کی خاطر جاتے ہیں اور ظاہر کیا کہ اول تو مناسب یہ ہو کہ تم ہمارے پاس حاضر نہ ہاؤ۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو رات چھوڑ کر اپنے وطن جو دھپور کو چلے جاؤ۔ مگر جب راجہ نے کوئی بات کہی۔ انہی اور لڑنے بھی ڈرا دم لے لیا تو بائیسوں میں جب ستلہ ایکٹرا اسٹھ بجی طابانی اپریل ۱۸۵۷ء سولہ سو چھپن عیسوی کو لڑائی کے قصد سے جڑو آیا اور سخت لڑائی ہوئی جس میں اس شمار کے موافق جو اورنگ زیب نے فتح کے بعد کر لیا تھا قریب چھ ہزار کے سپاہی جو زیادہ تر راجپوت ہی تھے کام آئے اور بہت سے بڑے بڑے نامی راجپوت سردار مارے گئے اور جس وقت سنگد خود بھی زخمی ہوا بلکہ لکھا ہے کہ کچھ خیف زخم قاسم خاں کے بھی آیا۔ مگر ان مورخوں نے جو دور راجپوتوں کی بہادری کی تعریف و توصیف کر کے اس شکست کو زیادہ تر راجہ کی سوتے تدبیری اور نااہلیت فوجی سے منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے اپنے لشکر کو ایسی اونچی نیچی جگہ میں قائم کیا تھا۔ اور مٹی سے کچھ پانی کاٹ کر لشکر کے ارد گرد کچھ کر دی تھی جس سے اسکی سوار فوج ڈرائی ہو گئی اور اچھی طرح کام نہ دیکھی۔

خانی خاں نے اس لڑائی کا ہونا شہیدانہ مٹی کے کنارے بیان کیا ہے اور جزا فیہ کے نقشوں میں بھی اس مٹی کا نام شہیدانہ ہی لکھا ہے۔ مگر عالمگیر کے خاص مورخ میرزا فتح علی کاظم نے عالمگیر نامہ میں اسکا نام نالہ چورنوا لکھا ہے۔ فقط اس میں

بیت کاغذیہ صفحہ ۱۸۵۷ء

گھر پہنچے پر جنوت سنگہ کے ساتھ اسکی رانی کا ایک عجیب غریب ٹھکانا

اس موقع پر جسونت سنگہ کی رانی جس لوک سے اپنے شوہر کے ساتھ پیش آئی وہ بھی سُنتے کے لائق ہے۔ یعنی رانی نے جب سنا کہ راجہ پانسو سپاہیوں کے ساتھ معرکہ سے جان بچا کر نکل آیا ہے تو اُس نے بجائے اس کے کہ اس آفت سے بچنے کی مبارکباد دیتی اور تسلی کرتی فوراً حکم دیا کہ ”قلعہ کے دروازے بند کر دو ایسے بیخیت نامرد سے کو میں قلعہ میں ہرگز نہ آنے دوں گی! ایرا شخص اور میرا شوہر! میرے باپ کا داماد اور ایسا بیخیت! میں ہرگز اسکا مونہہ دیکھنا نہیں چاہتی! جو شخص ایسے نامور رانا کا رشتہ دار ہو چاہیے کہ اسکی شجاعت اور نیکنمی کی تقلید اور پیروی کرے۔ اور اگر فتح نہ پاسکے تو بہادری سے جان دیدے“ اور اس سے تھوڑی دیر بعد اُس کے دل میں کچھ اور خیالات گزرے اور کہا کہ میرے لئے ابھی چٹا تیار کرو مجھے دھوکا ہوا۔ میرا شوہر حقیقت میں مارا گیا۔ اور یہی سچ ہے پس اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتی! اور تھوڑے عرصہ بعد پھر غصہ میں آکر بدستور لعن طعن کرنے لگی اور اسی حالت میں اُسکو آٹھ دن گزر گئے اور شوہر کا مونہہ نہ دیکھا۔ لیکن آخر جب اُسکی ماں اُس کے پاس آئی تب کچھ تسلی بخشی کر کے سمجھایا کہ گھبراؤ نہیں راجہ ذرا دم لیکر اور از سر نو فوج جمع کر کے اورنگ زیب پر پھر حملہ کریگا۔ اور اپنی شجاعت اور بہادری کو نام کو بدستور قائم رکھیں گے

اس حکایت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک کی عورتوں کے دل میں حفظ

ہندوستان کی باغی عورتوں کی نسبت مصنف کی رائے

ننگ داموس اور عزت کا کس قدر خیال ہے۔ چنانچہ میں اس قسم کی مثالیں  
اُور بھی بیان کر سکتا ہوں کیونکہ مینے بہت سی بیبیوں کو اپنے خاوندوں  
کی لاش کے ساتھ جلتے ہوئے بچشم خود دیکھا ہے۔ لیکن اُن واقعات کو  
میں کسی اُور مقام پر لکھوں گا جہاں بیان کروں گا کہ انسان کے دل پر اپنی اُمید  
اور کثرت رائے اور کسی عام عقیدے اور عزت و حرمت کے خیالات کا کیسا  
زبردست اور قوی اثر ہوتا ہے۔

حبوت داراشکوہ اُجین کی اس نامبارک  
اور غمناک واردات سے مُقطع ہوا تو غیظ و غضب  
کے مارے یہ حالت تھی کہ اگر نصیحت اور فہمائش

نکست کی خبر سنا کر شہر لوگوں کی  
حوت داراشکوہ کا پیش میں آنا  
اور بادشاہ کا سمجھا بوجھ کر اسکو ٹھنڈا کرنا

سے شاہجہاں ذرا ٹھنڈا نکرتا تو خدا جانے اس وحشت اور جلد بازی  
میں کیا کر بیٹھا اور کچھ تنگ نہیں ہے کہ اگر قاسم خاں اُسکے قابو میں  
آجاتا تو اُسکا سر ضرور کٹوا دیا جاتا اور چونکہ میر خلیہ کی نسبت بھی اُسکو یہ کمان تھا کہ

فارسی تاریخوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ داراشکوہ میر جلد کا سخت مخالف تھا۔

مگر شاہجہاں کو اُسکے حال پر توجہ تھی۔ چنانچہ پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ شاہجہاں کے شروع  
مرض کے دنوں میں جب داراشکوہ نے مہابت خاں اور راد ستر سالہ وغیرہ اُور  
کو بیجا پور کی مہم سے اُورہ میں واپس بلایا تو میر جلد کو بھی اور رنگ زیب کر ساتھ  
سازش کھنے کے شب میں عہدہ وزارت سے معزول کر لے کر دکن سے طلب کیا تھا۔ اور اسکی بیٹے  
محمد امین خاں کو بھی ممانعت کر دی تھی کہ باپ کی جگہ کام نہ کرے اور اول یہ رایاں راجہ  
دھندا تھا تاہم خاتم وزیر مقرر ہو کر بعد ازاں جعفر خاں مستقل وزیر مقرر ہو گیا تھا۔ مگر شاہجہاں  
نے پھر بھی محمد امین خاں کو دلاشمند خاں کی جگہ جسے میر بخشی کے نہایت بڑے  
عہدہ سے انہیں دنوں ہٹا دیا تھا مقرر کر دیا تھا اور جب جیسونٹ سنگھ کی نکست

اورنگ زیب کو اپنی فوج اور روپیہ دیکر وہی صلہ وصول اور بانی مہمانی اس کام  
فتنہ و فساد کا ہوا ہے اسلئے قریب تھا کہ اُسکے بیٹے محمد امین خاں  
کو بھی مرداڈالے اور اُسکی بیوی اور بیٹی کو بازاری عورتوں کے چمکے میں بھیجے  
مگر بادشاہ کی فہمائش بلینج کے باعث آخر کار اُسکا جوش غضب فرو ہوا اور میر جملہ  
کے اہل و عیال کی عزت اور جان بچگئی۔ یعنی بادشاہ نے اُسکو سمجھایا کہ اگر میر گز  
ملن نہیں ہے کہ میر جملہ اورنگ زیب سے سازش رکھتا ہو اور یہ کہ کیونکر ہو سکتا  
ہے کہ ایسا دور اندیش اور دانا آدمی ایسے شخص کے فائدہ کیوے سٹے جس سے  
وہ کچھ الفت و محبت نہیں رکھتا اپنے اہل و عیال کو ایسے شدید خطرہ میں لے کر  
بلکہ برخلاف اُسکے یہ امر ظاہر ہے کہ وہ خود اورنگ زیب کے دام قریب  
میں بھنسا ہوا ہے۔

فتح کے بعد اورنگ زیب اور  
مراد بخش کی چال ڈھال

اور ہر حملہ آوروں کا یہ حال تھا کہ خوشی کے  
مارے پھولے نہ سہانے تھے اور یہ گھمنڈ  
ہو گیا تھا کہ ہم کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اور کوئی ایسا مشکل کام نہیں  
جسکو ہم انجام نہ دیں گے اور فوج کی تہمت و جرات بڑھانے کو اورنگ زیب  
علانیہ کہتا تھا کہ داراشکوہ کی فوج میں تیس ہزار منزل ہمارے بیٹے اپنی جانیں  
لڑا دینے کو تیار ہیں۔ اور اُسکی یہ لاف زنی چنداں بے صلہ بھی تھی کیونکہ

کی خبر اُسکو پہنچی تو محمد امین خاں کو اپنے مکان پر بلا کر قید کر لیا۔ اور اگرچہ دو چار روز کے  
بعد شاہجہاں کے سچا بیٹے سے چھوڑ دیا۔ مگر یہ بخشی کے عہدہ پر نہ رہنے دیا۔ چنانچہ داراشکوہ  
اور اورنگ زیب کی لڑائی کے وقت باؤٹ ہی فوج کا یہ بخشی عمدة الملک خلیل السعید تھا۔

نظر میں کتاب جلد معلوم کر لینگے کہ داراشکوہ سے فی الواقع بعض اُمرانے  
دغا بازی کی۔ اب مراد بخش اگرچہ تیز مزاجی سے قیام کا متحمل تھا۔ اور  
اُسکا شوق یہی چاہتا تھا کہ آگے بڑھے چلیے۔ لیکن اورنگ زیب نے روکا  
اور کہا کہ اس خوشنودریا (نربدا) کی کناری ٹھہر کر ذرا دم لینا اور آرام کرنا ضروری  
ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہیکو اپنے دوستوں اور خیر خواہوں سے خط و کتابت  
کر کے دارالسلطنت کے حالات جانچنے اور معلوم کر نیکاً موقع ملے گا۔ غرض کہ اب  
ان کا کوچ آہستہ آہستہ ہوتا تھا۔ اور اگر وہ سے جو خبریں آتی تھیں اُنہیں اُنہی  
خور کر کے آگے کو بڑھتے تھے۔

شاہجہاں کی مجبوری اور داراشکوہ کی خود رانی  
اس وقت شاہجہاں ایک عجیب نا اُسیدی اور غم میں مبتلا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ دیکھتا تھا کہ اب یہ دونوں  
کی طرح دارالسلطنت میں داخل ہوئے بغیر نہ لینگے۔ دوسری جانب داراشکوہ  
کو لڑائی کی بڑی بڑی تیاریاں کرتے دیکھ کر اُسے سخت اضطراب ہوتا تھا۔  
کیونکہ خوب جانتا تھا کہ جن آفتوں کو وہ طرح طرح تدبیروں سے ٹالنا چاہتا تھا  
اب اس خاندان پر آنے والی ہیں۔ مگر داراشکوہ کی خواہشوں کو روک بھی  
نہیں سکتا تھا کیونکہ اول تو بیماری کی سختیوں ہی سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا تھا  
اسکے علاوہ داراشکوہ کی مہذبہ زوریوں سے مجبور ہو کر فرج اور ملک کے  
کام سے ہٹے اٹھا بیٹھا تھا اور اُمر اور وزیر کو کہہ چکا تھا کہ اُسکی اطاعت اور  
فرمانبرداری کریں۔ غرض کہ ان دنوں اُسکی یہ حالت تھی کہ گویا داراشکوہ

۱۱ اگر تیری زبان تیرا ہی لکھا ہے مگر یہ ترجمہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے جبکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسے میں ۱۱

تو بادشاہ اور حاکم تھا اور وہ نوکر اور محکوم۔

داراشکوہ نے فوج جمع کی تھی اسکی تعداد۔

ایسے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ داداشکوہ نے تباہی بستی فوج جمع کر لی جو ہندوستان میں کسی لڑائی کے موقع پر شاہی کبھی ہوئی ہو چنانچہ ایک لاکھ سوار اور بتیس ہزار پیدل اور اسی توپیں اور بے انتہا نوکر چاکر اور بیٹے بقال اور مردور اور خال جو سردر سانی اور اور کاموں اور خدمتوں کے یو صلح ہوا جنگ بہر حال درکار ہوتے ہیں جمع ہو گئے۔ پس اکثر سوخ جو یہ لکھیا کرتے ہیں کہ فلاں جگہ تین چار لاکھ آدمی کا لشکر تھا مجھے شک ہے کہ وہ غلطی سے بہیر کے لوگوں کو بھی لانے والے سپاہیوں کے شمار میں داخل کرتی ہوئے

باجو کثرت فوج کے داراشکوہ کی ناکامیابی کے آثار نمایاں ہونے

اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ داداشکوہ کی فوج اسقدر زیادہ تھی کہ حسب ظاہر شکست

کی سی دو تین فوجوں پر غالب آسکتی تھی (کیونکہ اول تو اسکی سب قسم کی فوج چالیس ہزار سے کسی طرح زیادہ تھی۔ اور پھر تیز و صوب اور گرمی میں کڑے گرمی کو چلے آئیے اکثر تھکی ماندی تھی) مگر سپر بھی لیکو اسکی کامیابی کا یقین نہ تھا ایسے کہ جن سپاہیوں اور سرداروں کی نسبت یہ بھروسہ ہو سکتا تھا کہ ملک حلال اور وفادار رہینگے وہ صرف وہ لوگ تھے جو سلیمان شکوہ کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ اور دربار کے جتنے بڑے

عقل خاں لکھتا ہے کہ "قرب صد ہزار سوار کرار از امرائے نامدار و دیگر بندگان"

سرکار عالم مدار و ملازمان سرکار خویش فراہم اور وہ "س م ع ۱۲"

بڑے امیر تھے انکی طرف سے ایسے آثار ظاہر تھے کہ لگنہ تو کچھ اُس سے محبت  
ہی ہے اور نہ کچھ اُس کا فائدہ ہی چاہتے ہیں۔

۱۔ پہلے اُسکے خالص خیر خواہوں نے نہایت

اور سماجت سے یہ صلاح دی کہ آپ اس  
خطرناک لڑائی کی سلسلہ جنبانی نہ کریں اور خود

داراشکوہ کے خیر خواہوں  
اور خود بادشاہ کا اُسکو لڑائی سے  
منع کرنا اور اُس کا نہ ماننا۔

شاہجہاں کی بھی نہایت مضبوطی کے ساتھ یہی رائے تھی بلکہ باوجود ضعف  
نہایت کے اُس نے یہاں تک کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اورنگ زیب کو مقابلہ  
کو بذات خود جاؤں اور فی الواقع یہ تدبیر نہایت ہی عمدہ اور معقول تھی  
اور ضرور لڑائی ٹل جاتی اور اورنگ زیب جو نہایت ہی مغرور ہو رہا تھا  
اس طریق سے اُسکی کامیابی بیشک رک جاتی اور اول تو اورنگ زیب اور  
مراد بخش باپ کے ساتھ غالباً مقابلہ سے پیش ہی نہ آتے۔ اور اگر  
ایسی حرکت کر بھی بیٹھے تو یقیناً تباہ اور برباد ہو جاتے۔ کیونکہ اورنگ زیب  
اور مراد بخش کے سب سردار اہل فوج بادشاہ سے بدلہ ویدہ تھو  
اور جب اُس نے کسی طرح سے بھی ان کی اس صلاح کو ماننا تو بناچار ٹل نہ ہو  
نے یہ سمجھایا کہ سلیمان شکوہ جو آپ کی امداد کے لیے بہت جلد چلا آ رہا  
ہے اُسکے آجانے تک توقف کیجئے۔ اور فی الواقع یہ بھی ایک اچھی  
اور مفید صلاح تھی کیونکہ اس نوجوان شاہزادہ سے اکثر لوگ انصاف تھے اور  
محبت رکھتے تھے اور وہ اپنے ساتھ ایک ایسی فوج لے آتا تھا جس میں  
اکثر داراشکوہ کے ذاتی ملازم تھے اور سلطان شجاع پر ابھی فتح چلی تھی



لیکن اسکو بھی نانا کیونکہ اُس نے بی ایک بات ٹھان لی تھی کہ اپنے اس ارادہ پر قائم رہ کر جس طرح بن پڑے اورنگ زیب سے سبقت لی جانا چاہیے۔ اگر داراشکوہ خوش نصیب ہوتا اور موقع شناسی سے کام کرتا تو غالباً بازی لی جاتا۔ ۱۷

داراشکوہ نے جن خیالات سے ان شوروں کو نانا کی تشدد سے

جن خیالوں سے اُس نے ان تجویزوں کو نانا اور علی

سے بھر جانا ہی پسند کیا انہیں سے ایک تو یہ تھا کہ اُس نے سوچا کہ اس وقت بادشاہ یہاں تک میرے قابو میں ہے کہ اسکی ذات خاص پر بھی مجھے اختیار کئی حاصل ہے۔ دوسرا یہ کہ بادشاہی خزانہ میرے قبضہ میں ہے۔ تیسرا یہ کہ کل بادشاہی فوج میرے تحت حکومت ہے۔ چوتھا یہ کہ سلطان شجاع نے ایسی شکست کھائی ہے کہ گویا تباہ ہی ہو چکا ہے اور اورنگ زیب اور مراد بخش جو ایک کمزور اور تھکی ہوئی فوج لیکر آئے ہیں گویا ”بپاے خود بگور آمد“ کا مصداق بننے کو آتے ہیں اور اس حالت میں اگر انکو ایک بار شکست مل جائیگی تو پھر کہیں انکا ٹھور ٹھکانا

عاقلاً خاں لکھتا ہے کہ چونکہ داراشکوہ نا تجربہ کاری کی وجہ سے لڑائی بڑی کے کام کی بالکل لیاقت نہ تھی اور اسکی اکثر تدبیریں نامناسب اور غلط عقل ہوتی تھیں ایسے اس خاندان کے غیر خواہموں نے ہر چند عرض کیا کہ یہ آگ جو بھڑکی ہے اب تدبیر کے بغیر بجھنی مشکل ہے اور حضرت (بادشاہ) کو ایک فریق بنا نامناسب نہیں اورنگ زیب اور مراد بخش کو نے دینا چاہیے اور جب حضرت کے ارشاد سے بادشاہی امرا ان سے علیحدہ ہو جائینگے تو ان میں خود ہی مقابلہ کی طاقت نرسکی اور جو کچھ حضور فرمائینگے اورنگ زیب کو اسکی مخالفت ناممکن ہوگی۔ مگر جب تک بادشاہی امرا انکی یافت میں ہیں کوئی تدبیر پیش نہیں جاسکتی۔ چنانچہ بادشاہ نے بھی اس سے کوئی بہت بند کیا۔ گو داراشکوہ نے راؤ ستل سال اور رام سنگھ کے اعوا سے منظور کیا کہ

زیگا اور اس طرح سے روز روز کا تھک ایک ہی دفعہ پاک ہو کر بلاشریک سیم  
سلطنت کا مالک اور بادشاہ بن جاؤنگا۔ اور یہ بھی خیال کیا کہ اگر خود بادشاہ  
کو مقابلہ کے لئے جانے دوں گا تو ضرور صلح ہو جائیگی اور سب بھائی اپنا اپنے  
صوبوں کو واپس چلے جائیگے۔ اور بادشاہ جو پہلے کی نسبت تندرست ہوتا  
جاتا ہے عنانِ حکومت پھر اپنے ہاتھ میں لے لیگا۔ اور اُس سلطنت جس  
صورت پر پہلے تھے اُسی شکل پر پھر ہو جائیگے اور سلیمان شکوہ کے انتظار  
کرنے کی نسبت آسنے یہ سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسکے آنے تک بادشاہ میری  
خرابی کے لئے کوئی منصوبہ باندھ لے یا اور نگذیب ہی سے کوئی ایسا عہد  
پیمان کر لے جو میرے حق میں مضر ہو اور یہ بھی خیال کیا کہ اگر اُسکے آنے تک  
مصر کیا جائے اور بغرض اسکے کہ اُس وقت لڑائی ہو کر فتح ہو جائے تو لوگ اُسکو  
سلیمان شکوہ ہی سے منسوب کریں گے جسکی بہادری کی پہلے ہی بہت کچھ  
دھماک پڑ گئی ہے اور اس حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس دل چلے  
اور نوجوان لڑکے کی طبیعت پر لوگوں کی تعریف و توصیف سے کس قسم کا  
اثر پیدا ہوگا۔ اور جبکہ خاص دادا اور اُمرا سے دربارِ تحسین و آفرین کریں گے تو  
کیا معلوم ہے کہ اُسکے خیالات کہاں تک بلند پروازی کریں اور باپ کی محبت  
اور ادب کا کچھ لحاظ باقی رہے یا نہ ہے۔

نفاق بر معمول کر کے علانیہ کہہ اٹھا کہ ”من غریب این کو تہ پانچو مارا یعنی شرعی  
پانچوں واسے سلطان امیروں کو) در جلیب (اردو) ستوصال خواہم دو انید“ اور اس  
کے منہ سے سب اُمرا کیا توڑائی اور کیا ترقی پائی ہو کر پردہ عروسی کے چاہ دیا ہو گئے۔ سہ ماہ



اورنگ زیب کا دادا شکوہ  
کو دھوکے میں رکھ کر ایک  
غیر معروف گھاٹ آگرہ کو ڈیر پینا

لیکن وہ تیز نظر اور چالاک فقیرؒ جس نے ہر گمہ  
جاسوس اور مخبر نگار کھو تھے اس بات کو  
خوب سمجھے ہوئے تھا کہ اس قدر مخالف فوج کی

موجودگی میں دریا سے اترنا کس قدر دشوار ہے۔ مگر بہر حال اُس نے اپنے  
ڈیرے خیمے اُس پار آن لگائے۔ اور عملاً ایسے نزدیک قائم کیے کہ  
دادا شکوہ اُن کو دیکھ سکے اور اسکے ساتھ ہی یہ تدبیر کی کہ چمپٹ نامے  
ایک راجہ کو کچھ انعام و اکرام اور وعدے وعید دیکر یہ بند و بست کر لیا کہ  
فوج اُس کے علاقہ میں سے گزر کر فوراً اُس گھاٹ کو جائے جو پایاب تھا۔ اور  
اس راجہ نے اُس بن اور کوہستان کے مشکل راستہ سے جسکی نسبت دادا شکوہ  
کو شاید یہ گمان تھا کہ اس طرف سے اورنگ زیب نہ آسکیگا خود ساتھ ہو کر  
عبور کر دینے کا ذمہ کر لیا۔ اور اس تجویز کے موافق مخالفوں کو دھوکا دینے

۱۵ چونکہ شانہ ادگی کے زمانہ میں اورنگ زیب ریاکاری سے اپنی نسبت اکثر فقیر کا لفظ استعمال  
کیا کرتا تھا اس لیے مصنف کہیں کہیں طنزاً اس لفظ کا اعادہ کرتا ہے۔  
س م ح ۱۲

۱۶ یہ بھد اور کاراجہ تھا جو باشندوں کی قوم کے نام کی مناسبت سے آگرہ کے قریب چیل  
کے دونوں طرف کے اُس قطعہ ملک کو کہتے ہیں جس میں بھد دریاہ کوت کے راجہوں کی  
آبادی ہے۔ اس خاندان میں ریاست کی صورت کیس قدر اہمک بھی قائم ہے اور گورنٹ  
عالیہ قیصر کی طرف سے کچھ تو کاغذی معائنات میں اور کئی ہزار روپیہ نقد غنایت ہوتا ہے جو مل جل کر  
قریب ایک لاکھ روپیہ سال کے آمدنی ہو جاتی ہے۔ اور موضع پنجوڑا جسکو عمر گھاٹ کا گانو  
سمتے ہیں اچھل ٹھار ریاست تمام وجود دیا ہے تبنا کے کنارے پر گنہ باہ بناھٹ ضلع آگرہ میں  
واقع ہے۔ اور اگرچہ اختیار زما زدا ہی حاصل نہیں ہے مگر رئیس کو مہاراجہ کا خطاب ہے اور عزت  
و آبرو اب بھی بہت مہمی ہے۔ چنانچہ ایک ٹبرجی دربار میں جو ممبر ضلع انوارہ سے تھا ایک عہد پر

کے لیے ڈیرت خیمے بدستور کھڑے چھوڑ دیے اور خود مع فوج چل دیا۔ اور دشمن کو خبر ہونے سے پہلے چنبیل سے اُتر آیا \*

میں لارڈ لارڈ صاحب بہادر میرا سے وگور جنرل کشنہند نے بمقام اگرہ نہایت شان و شوکت سے کیا تھا اور جس میں خود بھی موجود تھا ہمارا جہ بھلا اور کی کرسی سینکڑی جھپور۔ جو دھپور وغیرہ بڑے چھوٹے جوئیں فرما زور دیسیوں اور بچہ خلیفہ ملان کے شاہزادوں۔ اور ہمارا جہ و زیانگام (رئیس بے اختیار متعلقہ احاطہ مدراس) اور ہمارا جہ بلرام پور آدہ کے تعلقہ دارا علی کے بتدقیق سو تیس نمبر اور بہت سی دختیہ راجاؤں اور سرداروں سے اوپر تھے۔ اورنگ زیب چنبیل کے جس گھاٹ سے پایاب اُترا تھا۔ باوجود کوشش کے اُسکا پتہ نہیں لگ سکا مگر عاقل خاں کی تاریخ اور عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھلا اور کے راجہ نے فوج گوالیار میں حاضر ہو کر اس خدمت کے بجالاتیکا ذمہ کر لیا تھا اور اورنگ زیب نے کارخانجات شاہی کو گوالیار کی سرائے میں چھوڑ کر اُس ملک کے پچھیل کوس کی مسافت کو دو مہینوں میں طے کر کے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ سنہ ۱۰۷۰ھ تک ایک ہزار اڑسٹھ ہجری کو ایک نمبر شہر گھاٹ سے جو گوالیار سے دھوپور کی طرف آتے ہوئے دہشتہ تھا۔ جو کس کا نام

\* اس موقع پر بیگم صاحبہ نے خط اورنگ زیب کو لکھا تھا (جسکو نو شاہجہاں کی طرف سے بھیجا گیا) اور اُس کے جواب میں جو عریضہ اُس نے باپ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ دیکھ کر سبھی کے دل میں یہاں نقل کیے جاتے ہیں ”مدائحہ والمشت کہ ذات مقدس شاہنشاہ مسند لت پروردہ وقیعہ رس اعلیٰ حضرت ظل سبحانی منظور انظار عیالات ربانی صاحبقران ثانی از سایہ عوارض امیرین جسانی کہ لازمہ نشاۃ بشریت وطبیعت انسانی است منزہ و مہر است و توجہ عالم آرا و باب فائیت براباکہ دوایع دایع الہی اندوایت ملک بہ وجہ اتم مبدول بہ مقتضای طبع نصف آگین اشرف بیچ قنفیہ رانچر ہند کہ مسند حرکتہ و ظہار سے کہ مستلزم ہے جمیتی خلائیہ و شخص ضرر و غیر طوائف نام ہاشد گرد و خاشہ از فرزندان نامدار دنیا کو کامگار بناد و ایام کہ خاطر مقدس بتدارک و تلافی نہیں و غور سے کہ سبب بیاری ہی آن برگزیدہ النفس و آفاق بحال کا خبر یاد عامہ رعایا راہ یافتہ باقصی غایت

داداشکوہ کا چنبل کے کنارے  
سو مورچ اٹھا کر ادھنگ ذیب کی فوج  
کے مقابل میں لشکر لاؤ لٹا اور بادشاہ کی  
راہ کے بے وفائے ٹرائی میں غلبہ کیا  
اب داداشکوہ کو بھی مجبوراً اپنے مورچ چھوڑ  
کر اسکا تعاقب کرنا پڑا جو چنبل سے اتر کر  
بڑی سرعت کے ساتھ جہا کے کنارے پہنچ گیا  
اور فوج کو آرام دینے کی غرض سے مورچے جھائے دیکھ رہا تھا کہ داداشکوہ

متوجہ نہ تھی بہت انتہا پر نافرقت و فساد و شتم و آتش کین و عناد و کور و دیرانی بلاد و خرابی  
عبادت معاذ اللہ موجب مزید آزار خاطر ہایوں و سبب کثرت حزن و ملال طبع مقدس  
بود و بتجسس ظہور این نشان پندیدہ و وقوع این امر نامرغوب از آن برادر ہوشمند بیدار  
کہ آراستہ بزیار سے لطیف و اخلاق کریمہ و صاحب آداب حمیدہ و طبع سلیمیت نہایت  
و نازبنا۔ لاجرم بنا بر ضرورتی این حینہ کلمہ کہ بر آئینہ متعین فوائد عظیمہ و موجب تنزیہ و تقدیس  
ساحت باطن و تصفیہ طریق معاد از خس و فاشاک امور دنیہ و شیون ذمیمہ بہت حسن نگارش  
بیرفت اگر غرض آن برادر والا گہرازیں توجہ تیج غبار و عناد و انتہا پر نافرقت و فساد  
خود انصاف فرمایند کہ در برابر مرشد و قہدہ حقیقی کہ رضا سے او موجب خوشنودی و عداوت و جل  
در فرمانی رسول است۔ ہنگامہ جنگ جدال و حرب و قتال آراستن و بر تنگ و کجے گمان  
ہمت گماشتن بر سر آنحضرت تبر و تفنگ انداختن بیکہ با نشانان بہت و غمرہ آن درین  
جز بزمی و در آن نشان غیر دیر انجامی بہت و اگر آراستن ہنگامہ خاصہ و مقابلہ از ہشاہ و قتال  
(داداشکوہ) بہت نیز در آئین دین و خود مواب گراہین پندیدہ باشد زیرا کہ برادر بزرگ  
شرعاً و عرفاً حکم بد دارد و این معنی را با مرفیات خاطر مقدس حضرت ظل الہی و بتنیات طبع  
والا سے شہنشاہی میلانت تمامہ متحقق بہت۔ باجملا انبغات غبار سجا و ایقا و نوایر و غا و ترتیب  
اسباب رزم و غریزی و تقسیم غزیت و حرب و فتہ انگیزی از آن برادر ہوشمند والا گہرا کہ مجاہد  
اوضاع و محاسن اطوار و مکام و ملاقا و موصوف و معروف جہاں گشتہ پیوستہ در استر فاسے  
خاطر اقدس خاقان غمبہ منتظر و شاہنشاہ فرستہ سیر میکوشند و ہیج وجہ و باہج کس سندیہ  
نہست بہ توقع چند روزہ دیر و ابے نجات و قرار و مستلزمات ابتر فزاید این سر و دستار  
کہ بہت ارتعاب جنس امر مذکور و نا پندیدہ باشد موجب ملاکت نشان ابد و طراز آست سیر

کب آتا ہے (بید جگہ جہاں اُس نے اپنی مورچے قائم کیے تھے اگر وہ سے  
قریب پندرہ میل کے ہو اور اس کا نام پہلے سمو گلا تھا اور اب ہو  
سے کہ اورنگ زیب نے یہاں فتح پائی تھی فتح آباد کہا جاتا ہے) پس  
وہ بھی جھٹ پٹ آن پہنچا اور اورنگ زیب کے لشکر اور اگر وہ کے امین

مخلدیت ۶ کن کن کن کہ نکو گوہراں جنیں نکند۔ مناسب آنت کہ آں برادر  
نامدار ازیں امور ردیہ و افعال شنیعہ کہ منتج سوئی خاست و شمر و خاست عاقبت ست  
اجتناب لازم شمرده در استرغای خاطر قدسی مناظر شاہنشاہ دیں پرور و خاقان  
معدلت گستر تا مکن و مقدر سعی نماید و خوشنودی آنحضرت را از سوجان و کسودت و این  
ذکر گرفته از اراۃ دہم متابعان حضرت خاتم النبیین در ماہ مبارک رمضان مختبر باشد و حکام  
مرشد دولی نعمت و دوالی سلطنت را بجان و دل اشتال نماید کہ فی الحقیقت بمقتضای  
اولی الامر منکم اشتال امر شاہنشاہ حقیقی ست و قدم در راہ خلاف خلیفہ الصلی  
سپردن مخالفت فرمان مالک الملک نمودن ست و اگر سطلے و غرض غیر ازیں  
مرکز خاطر عزیز بودہ باشد پس پسندیدہ عالم خود آنت کہ در سر زمینہ کہ مغرب خیام  
شدہ باشد توقف اغیار نمودہ ہر سطلے کہ کمزور خاطر گرامی ست مرقوم گردانند تا  
بعض اقدس و ارفع رسانیدہ مطابق ابتغای خاطر عزیز و متناسط طبع گرامی سر انجام  
دادہ آید و در اسات و انجم مقاصد و تارب آن قرۃ بصرہ سلطنت و چہان بانی  
سمی و اجتہاد و انی بہ تقدیم رسانیدہ شود۔“

اورنگ زیب نے کسی مصلحت سے بہن کو تو اسکا جواب نہ لکھا مگر خود  
باپ کے نام مندرجہ ذیل عرضی بگرم صاحب کے بخشی محمد فاروق کو جو یہ خط  
لایا تھا دیدی اور اگر وہ کی جانب کوچ کر دیا۔

”دریں ایام زیام ہمام سلطنت و دارائی و عنان امور ملکی و مالی از قبضہ  
حضرت بیرون رفتہ و اعلام تغلب و اقتدار شاہزادہ کلاں (داراشکوہ) در قبضہ  
بطا نور سلطنت و فرماں دہی بنایم و ارتقاء پذیرفتہ کہ اندازہ آن جو صمد فقیر و تحریر کیا

تقدیم خانہ صفحہ ۸۹

جہنم کے کنارے ڈیرے آن لگائے۔ مگر تین چار روز تک دونوں لشکر آٹے سانے ہی طرح چپ چاپ پڑے رہے اور اس عرصہ میں اگرچہ شاہجہاں نے خطر پر خط بھیجے اور لکھا کہ سلیمان شکوہ قریب پہنچ گیا ہے خبردار سوئے تدبیری سے بے موقع جلدی نہ کر بیٹھنا بلکہ

داؤد بن بقرت و کنت خویش بہت با شہمال نہال جو داؤد خواں تصور گردانیدہ روز بروز سہمی و انتہا دش دریں باب سمت تزیادے پزیرد۔ چنانچہ سلیمان شکوہ را با فوج گران بر سر شاہ شجاع کہ پسر شہیدان حضرت بہت تعین کردہ ناموس دنام سہی کو دو سالہ (کیونکہ یہ واقعہ شاہجہاں کے بیستویں سال جلوس میں ہوا تھا) بباد فنا دادہ و انتخاب (شاہ شجاع) چہ بایہ ذلت و خفت از نواسہ پر وزیر شاہجہاں کے ایک سوتیلے بھائی کا نام تھا جسکی بیٹی سلیمان شکوہ کی ماں تھی کشیدہ و پیش اہل جہاں شہر سار و خجل گردیدہ و ہمچنین سچے نفع خواہش طبع خویش بنا کر برآں نہادہ پیوستہ و بعضی تحقیق احوال و تضحیح و تحریب مہام این نیاز مند بذل چہ بینامید و ہمیشہ کار نامہ بنامین دین و ملت کہ مستلزم فساد امور بلاد و عباد باشند و بطور میرسد و ابواب مانع و داخل بر سر و در و کار این خیر خواہ مسدود گردانیدہ انواع نقصت و اقسام مفرت رسانیدہ در ایامے کہ حلاشاہ اقدس بروایت بیجا پور لشکر کشیدہ بہ تسخیر بعضی از قلاع اس ولایت سے پرداخت و امداد سپاہ بہ محاصرہ اشتغال و زریہ داؤد جانفشانی سپہ داؤد و مخالفان از اطراف و جوار ہجوم آوردہ در صدد مخالفت و مرافقت بودند و اخبار خوشہ یاری ذات مقدس شیوع یافتہ باعث تحیر و تفکر اولیاء و خیرگی و شوقی اعدا شدہ بود و محصوران گلابوگ کہ جانا نازان موکب اقبال بعد از تسخیر قلعہ بیدار و کلیانی بمحاصرہ بلدہ مذکور پرداختہ بودند و خیر محاصرہ و جنگ نیز غنیمت شدہ کار ہاں قریب گشتہ بود کہ صورت افتتاح رونماید و مستلک بیجا پور از مرکز بہادر اس اقلیم ستان بہتو آمدہ در فکر آن فرو افتادہ بود کہ پیشکش لائق سر انجام دادہ ولایت خود را از مذنبہ سپاہ فیروزی و شگاہ مضمون گردانند و التامین داشت کہ دلاوران موکب اقبال اورا عنقریب مناسل ناحقہ و لا یشمل باخیر مالک

بہار شاہجہاں



مناسب یہ ہے کہ اگر ہ سے کسی قدر اور قریب ہو جاؤ اور سلیمان شکوہ کے آجانے تک لشکر کو کسی مناسب جگہ ٹھہرا کر ارد گرد خندق کھدوا لو اور مورچے باندھ لو مگر اُسے انکے جواب میں صرف اتنا ہی لکھ بھیجا کہ حضور کچھ اندیشہ نفرت میں انشا اللہ تین دن گزرنے نہ پائینگے کہ اورنگ زیب اور مرہٹوں

فیصلہ حاشیہ صفحہ ۹۰

محمود سے گرداندہ در خلال اس حال شہزادہ کلاں ملازمان خود را بطلب اسرا بادشاہی و ستلی دستالت حاکم بیجا پور تعین نمود۔ انہا پٹیا ہما سے غایت آئین و مہربانی انگیزہ والی بیجا پور رسیدہ اور اردوادی بھاج و غنا و منبت باہیں خرید و ترساعتند و سرداران شاہی را بمبالغہ و اہتمام تام از ہر امون بلکہ گلیوگہ کہ کارشن نزدیک کشائش رسیدہ ہو و ہر ہشتہ در رواں کردن و بردن انہا بجا غایت مراتب تاکید و اجتناد بطور سائیدہ کہ فرصت و مجال و دواغ یافتہ و اس خیر خواہ را ندیدہ بر جناح استعجال غانم در گاہ جہاں پناہ شدہ ازین ہمت قافیہ وقت بریں نیامد بغایت تنگ گشتہ بورطہ تخیر و تفکر و افتاد و حکم ضرورت کار و مرث یافتہ و باسجام رسیدہ را بہم زدہ محض بہم زدہ سے اقبال بے زوال خود را از اس سہ چال خطر بردارہ و ہزاراں جزئیات و اصابت و امیر از میان انہو غنیمت برآمدہ سالما باسنے رسیدہ عیادہ اللہ اگر چشم زخمی سے رسیدہ رکناٹ و اطراف جہاں شہرت یافتہ کہ بدنامی و خال خفت و مذلت سالک در از بروز دولت پادارے ماند و بر جہاں روزگار ثبت سے گروید و پیدا است کہ تدارکے ظانی آن ہوا سہ عدم و درین دنا عاقبت اندیشی شہزادہ کلاں کہ محض روای کار خویش مطلع نظر داشتہ اگر عالمی را آب فرو بردن سے خار و از دائرہ اسکان و حق قدرت بندای بادشاہی بیرون ہو و اس مرید از بس عارست در امر جاننازی و ہمارت و کار نبرد و پیکار و آشنائی باشیوہ شہزہ وراں این دیار از ہجوم و ازدحام اعدا حسابی نگرفتہ بچقا ق جلاوت فرق مخالفان کوفتہ استہوار اقبال شکوہ از اس گرداب شورش و فساد و در زمان سلامت بیرون آورد و غریب تر آنکہ باہیں بے مددی و حمايت و کارکنی و نحوہ کہ در ایران و توران ہتھوار پذیرفتہ اکتفا کردہ محال ہزار را رہی ہزار جونی زمان را ریاست خمد تا باد کن کا ایک جزو مگر گورنٹ انگیزی کے زیر انتظام ہے بے سابقہ تعمیر کو کہ ایاز جاگیر اس خیر خواہ رضا طلب کہ جزا را وٹ و شہاد امر سے دیگر باجلاطرا

کو تھ پانوباند حکمران کر دو گنا اسوقت حضور کو اختیار ہے کہ جو مناسب ہو انکو نرا ایک اور یہ جواب روانہ کر کے لڑائی کی تیاری کر دی \*

داداشکوہ کی صف آرائی چنانچہ سب سے آگے تو تو سچانہ قائم کیا اور آہنی زنجیروں سے توپوں کو اس طرح باہم جکڑ دیا کہ دشمن کے سواروں کو حملہ کر کے گھس آنی کی

نماوہ تعمیر کردہ آنچنان ناخلفی زیادہ سے ( مراد مجنوں ) کہ باز حدیروں نہادہ مرکب الخراج گتانی و صدقہ تعمیرات عظیم گشت و کو اے اعتدالی و افادہ در عرصہ لغی و عداد ہر گوشہ تنخواہ بود و کیفیت حال داعی را بواسطہ خواہش نفس خویش بخلاف واقع برض اشرف رسانیدہ و جھن پناہ و افراتزال حال این خیر اندیش را بخوار و جراثیم دلویت آموزد تا نام و نامود و با محی تمام جہتوں مشک را بالکل گراں بر سر این داعی گماشت و مطلع نظر انداشت کہ دریں ضمن ولایتی متعذر دینی و بداری و کن ( کہ از پیشگاہ مخالفت و اشفاق حضرت بایں مرید محبت شدہ بہر بہانہ کہ میرا یہ انترخ غایدر این ندوی را آوارہ خیانی میکسی و غربت و آسیدہ بر مواسے محن و کربت گرداند و لیک از را و دیدہ و دستان در خارج اقدس تصرف کردہ حضرت قول اورا تصدیق فرمودہ سائر فرزندان اہل طریقت را و دشمن دولت فراگزندہ در حق این سرگردانان سراب کاہریت ہرچہ او تجویز سے نہایت ناکمل حکم سے فرایند و قطعاً نفس تعیش حال این بے گناہان توجہ و غور و امور ملکی دمالی فرمودہ زمام رتی و فتح بہم جبری و ملکی کف اختیار و قبضہ اقتدارش باز گردا ہشتہ اند و او خود بے غلہ شک شبانہ زیب نشہ خون این بگناہان ست - چون کار بایں صدر سیدہ و صورت حال بدین احوال انجامیدہ خفا جان و پاس ناموس خود از ستمات عالم عقل و ستمات نشا فردا ستہ عازم اسلام سہ سہ و نہر لست پہر زت نام گردیدہ صورت حال بیچج و برابرین مقولہ در خدمت عاکفان پائے ادبگ جہان بابی

ستار جہان نے جو حتمی الامکان لڑائی کو روکنا چاہا تھا باوجود ضعف و ناتاہت اور سخت گرمی کے موسم کے یہ چاہا تھا کہ خود جا کر دونوں لشکروں کے امین از پرے یہاں تک پہنچے بھی بھیج دیا تھا - اور بیماری و کمزوری کی وجہ سے سواری کشتی موقع فساد پر پہنچا تھا - مگر اسوقت کے مورخوں نے لکھا ہے کہ داداشکوہ نے اس تجویز کو اپنے مدعا کے برخلاف سمجھ کر عل میں نہ آنے دیا -

گنجایش نہ رہی اور اُسکے پیچھے زہور خانہ کے رسالوں کا پراچایا جکے اوٹوں کی پیٹھ پر زہورک جو بہاری جہازی جزائروں سے مشابہ ہیں کسے ہوئی ہوئی ہیں اور یہ لوگ اُنکو اڈٹ پر چڑھے چڑھائے آسانی بھر کر چلا سکتے ہیں اور ان کے پیچھے بہت سی صفیں پیدل بند و قیچوں کی تھیں اور باقی فوج سواروں

کشت گردانہ فوج عدل سلطان گر نیر سدھال مظلومان عشق، گوشت گیران راز آرائش طبع بابرید۔ چوں ایں خیر خواہ قطع مسافت نمودہ بھولی آجین فایز گردید جسوقت سنگا اٹھا شاہزادہ کلاں پایا و آزار ایں خیر خواہ مامور بود بہ سلسلہ جنابی چل نہادانی سنگ راہ گشت بہ قدم تہ پیش آمد بے ملاحظہ آداب و حقوق ولایت حکم نمود چند کلمہ دم ہر نغمہ نغمندان زستادہ بنواں مقول آن چہل را بارادہ خود آگاہی بخشد و تقریر نمود کہ محرز سعادت حضور فاضل النور و محمد طواف کربلائی و آمل بندگان نزدیک و دورست چہ مانع سعادت مینود۔ آن نا عاقبت اندیش اصلاعت آشنا شدہ بہ تکلیف جہالت و غرور بیشتر در مراتب سع افزود لا جرم نہ چہل و بندار ہوج از گوش ہر خبر او دور کردن و آن ظلم چہل را از پیش راہ برداشتن حکم فرورد بردہ بہت عقیدت نہمت جبہ گردید و اگر غیر از تحصیل سعادت زمین ہوس اشرف و اعلیٰ است دیگر مکر کوز خاطر سے بود و ضمیر خرید تنویر ہاویں روشن و ہویا است کہ اسیر کردن او در نقاشی کہ جنین شکست فاش یافتہ بجا مسکرمہ سیمہ گرد وادی انہزام گشتہ بود و چند چندان تغذیر نہداشت و اکنوں کہ شاہزادہ کلاں خود با سپاہ گران تا دھولپور تشریف آوردہ معابر چنبیل و مسالک راہ مسدود ساختہ و جابجا مردم خود گماشتہ با اعتقاد خویش با راہ عبور بریں خیر اندیش بستہ بودند۔ چوں ایں بد را غیر از ارادک دولت حضور پر نور با بیج کس سر مقابلہ و پیکار نہ بود نیست۔ از راہ ہلال و د از آب چنبیل عبور نمودہ عازم زمین بوتس افندہ ش گشت و جنین شنیدہ میشود کہ آنجناب (داداشکوا) حرمان ایں ارادت سرشت اخلاص کش از سعادت خاک بوتس ہایلہ خواستہ نقد اشتعالی لڑہ قتال بیج پیش نہاد بہت دارند۔ چوں آنجناب را با چون من مرید ارادت بہت بتقابلہ و مخالفت پیش آمدن و ہنگامہ حرب و مصاف آراستن عقلا و نقل سنجیدہ میزان استخوان نیست لازم کہ از سلوک مسلک عائد و اعتساف انحراف نمودہ از اقدام بر امر سر کہ

کی تھی جنکے پاس یا تو تلواریں اور برچھیاں تھیں یا تلواریں اور تیر کمان۔ چنانچہ برچھیاں اور چوٹوں کا ہتھیار ہے۔ اور تیر و کمان عموماً منلوں کا۔ اور یہ بات میں پہلی نگاہ ہی چکا ہوں کہ اجل ہندوستان میں گورے رنگ کو سب نوادر و مسلمانوں کو خواہ عرب ہوں خواہ رومی۔ ایرانی ہوں خواہ تورانی منغل ہی کہتے ہیں۔

اسکے بعد داراشکوہ نے فوج کے تین حصے قرار دیئے چنانچہ دہلی پرے کا سردار خلیل اللہ خاں کو بنایا جسکے تحت میں تین ہزار منغل تھے اور بامیں پرے کی سرداری رستم خاں دکنی کو جو بڑا شجاع اور نامور سردار تھا تفویض ہوئی اور راوسترسال (ہاڈہ) اور رام سنگھ (راٹھور معروف راجپوت) کو اس کے شامل کر دیا۔ خلیل اللہ خاں کو دانشمند خاں کی جگہ (جسکی کچھ ذہن بعد میں ملازمت اختیار کر لی تھی) سواروں کی فوج کا بخشی یعنی سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ اور اسکی یہ وجہ تھی کہ دانشمند خاں کو یہ بات ہرگز گوارا تھی کہ کوئی شخص شاہجہاں کے شاہانہ اختیارات میں مداخلت کرے اور چونکہ یہ امر داراشکوہ کی ناراضی کا باعث تھا اسلئے اُس نے اپنے منصب سے استعفا دیدیا تھا۔

نتیجہ تمام احوال غلامی شدہ جناب اضرار مانیدہ اگر بنا بر تو غل در بوجہ غرور و استکبار و نظر بر کثرت عمان و بسیاری الفضا خواہ نمواہ با فرود خن آتش کا زار و گرم نمودن بازار یکا بہت گماندہ۔ ندوی عقیدت گیند نیز حکیم الضرورت تیج المخطوط مزہ خواہ کہ ہندو یہ عالم سوا بآست کہ بزرگی را کار فرمودہ بسا اکثر فرود و دباغعلن سوب ولایت پنجاب کہ در جاگیر آستانہ مقر بہت شائفہ چند عرصت حضور جاپوں را بایں نیز خواہ سرا با مقاد و اگر اند بوزان ہر بہ در مرآت سے اچھا آرا جلوہ نمود فراید شرف بزور خواہ یافت



تیاریاں ہو چکیں تو یہاں کے دستور کے موافق اول گولہ چلنا شروع ہوا اور پھر تیسرا اس کثرت سے برسنے لگے کہ گویا بادل چھا گیا مگر لڑائی کی گواہی میں یکایک مینہ کا ایک ایسا چھینٹا ہوا کہ لڑائی جو خوب سرگرمی سے ہو رہی تھی تھوڑی دیر کے لیے ذرا ٹھنڈی پڑ گئی۔ مگر بارش کے رکتی ہی پھر تو میں چلنے لگیں اور داداشکوہ اسوقت سسٹانڈنٹ کے ایک خوبصورت ہاتھی پر سوار ہو کر نکلا اور سب طرف سے دھاوا کر نیکا حکم دیتا ہوا بذات خود سواروں کی ایک فوج کے ساتھ دشمن کی تو میں چھین لینے کو بڑی جرات سے بڑھا۔ مگر مخالفوں نے ایسی مستعدی اور استقلال سے مقابلہ کیا کہ داداشکوہ کے ارد گرد آن کی آن میں کشتوں کے پستے لگا دیئے اور نہ صرف وہ فوج جو اسکے ساتھ تھی بلکہ بہت سی اور بھی جو پیچھے سے آن ملی تھی سب تتر بتر کر دی لیکن داداشکوہ ایک عجیب استقلال کے ساتھ میدان میں قائم اور ہاتھی پر بیٹھا چاروں طرف بڑی دلیری اور بیباکی سے برابر نظر ڈالتا ہوا لڑائی کی درستی میں مصروف تھا۔ چنانچہ اسکی دیکھا دیکھی اہل فوج بھی دلیر ہو گئے اور نامستقل مزاج اور ٹھنڈے سپاہی جو جگہ چھوڑ گئے تھے پھر اپنا پر موقع پر آن جمے اور داداشکوہ نے اگرچہ پھر کئی متواتر حملے کئے مگر اذیت نہ پہنچ سکا کیونکہ دشمن کے تو پھانہ نے اسقدر نقصان پہنچایا اور ایسا زور بازو کا کہ بعض سپاہیوں کے دل چھوٹ گئے بلکہ کچھ بھاگ بھی نکلے لیکن داداشکوہ کی شجاعت و دلیری نے ایسا اثر کیا کہ اکثر سپاہیوں نے منہ نہ موڑا اور اپنے بہادر سپہ سالار کی رکاب میں اس تیزی سے بڑھے کہ

آخر کار تو پوں تک جا ہی پہنچے اور انکی زنجیریں کھول ڈالیں اور دشمن کی خیمہ گاہ میں جا گھسے اور زنبور خانہ کے رسالوں اور پیادوں کی فوج کو مار کر بالکل بھگا دیا۔ مگر اسوقت سواروں کی فوجوں کے باہم نہایت ہی زور شور سے لڑائی ہوئی اور اس کثرت سے تیر برسے کہ آسمان کا دیکھائی دینا دشوار ہو گیا یہاں تک کہ خود دادا شکوہ اپنا ترکش خالی کر ڈالا۔ مگر ان تیروں سے فریقین کا چننا نقصان نہیں ہوا کیونکہ دشمن میں سے نو تیر یا تو شاہ تک پہنچتے ہی تھے یا ادھر ادھر جا گرتے تھے جب ترکش خالی ہو چکے تو تلواروں کی نوبت آئی اور فریقین اس شدت سے لڑے کہ جس قدر سپاہی مارے جاتے تھے اُس قدر جوش بڑھتا جاتا تھا اور دادا شکوہ بڑی شجاعت سے کچا کچا کر اہل فوج کو برابر تسلی اور بڑھاوے دیئے جاتا اور حملہ پر حملہ کیئے جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار دشمن کے سواروں کو بھی بھگا دیا اور رنگ زین نے جو ہاتھی پر سوار اور نزدیک ہی تھا چند سپاہ کے قائم رکھنے میں بہت کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا اور اگرچہ اپنے خاص الخاص سواروں سے بھی چاہا کہ دادا شکوہ کو روکیں لیکن انکو بھی میدان جنگ سے نہایت ابتری کے ساتھ بھاگنا ہی پڑا۔ مگر واہ کے اورنگ زیب میری دلاوری! جب دیکھا کہ تمام فوج بھاگ گئی اور جو لوگ اب تک صحیح و سالم اور حاضر رکاب ہیں وہ بھی ایک ہزار سے زیادہ نہیں! (بلکہ مینے سنا ہے کہ قریب پانسو ہی کے تھے) اور اس حالت پر بھی غور کی کہ بلا لحاظ زمین گئی ناہمواری اور شیبہ نواز کے (جو دونوں لشکروں میں

مائل تھی، داداشکوہ اب ہماری اس تھوڑی سی باقی ماندہ فوج پر ضرور حملہ کریگا تو ذرا بھی نہیں ڈرا بلکہ اپنے سرداروں کو نام لے لیکر کارا کہادو خدا پر نظر رکھو! بھاگنے سے کیا ہوگا! خدا سب جگہ ہے! کیا تم نہیں جانتے کہ ملک و کن کس قدر دُور ہے!

اور اپنا یہ غم جتانے کو کہ خواہ کچھ ہی ہو میدان سے ہرگز نہ ٹوگنا یہ عجیب حکم دیا کہ ہماری تھی کے پانوں میں زنجیر ڈال دو، حقیقت یہ ہے کہ

اورنگ زیب کا بیڑا تھی کے پانوں میں زنجیر ڈال دینے کا حکم دینا اور بیڑوں کے نہایت سخت حملوں میں اُسکا اور خراب و بخش کا بہت فائدہ رہتا۔

اگر اُسکے حاضر رکاب رفقا اور جاں نثار سردار اس نازک وقت میں فداوی اور ہمت میں کچھ کمی کرتے تو تھی کے پانوں میں ضرور زنجیر ڈال دی جاتی مگر ان لوگوں نے بالاتفاق اپنی جان نثاری اور وفاداری کے مضبوط وعدوں سے اورنگ زیب کو ایسا کرنے دیا اور داداشکوہ نے اگرچہ نہایت کوشش کی کہ جطیح ممکن ہو اورنگ زیب کو جائے۔ لیکن زمین کے شیب و فرازا اور دشمن کے شکست یافتہ سواروں کی وجہ سے جو اب تک میدان میں اڑیلوں پر اودھڑا دھڑ موجود تھے (گو بے ترتیب طور پر پھر رہے تھے) اُن کا بیچ سکا داداشکوہ کا یہ خیال شک و شبہ تھا کہ اورنگ زیب کے مارے پاؤں سے جابجائے بغیر فتح ناقص ہے اور چونکہ اورنگ زیب اب مقابلہ کے قابل نہ رہا تھا اسلئے اُسکو فی الواقع ایسا ہی کرنا واجب تھا۔ فوراً حملہ کر کے اپنا اس خوفناک قیام

۱۲ ہندوستان کے بہادر سردار کیسے وقت میں بھاگنے کی نسبت جان دینے کو بہتر سمجھا۔ ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ س م ح ۱۲



کو آسانی پا مال کر دیتا۔ لیکن بعض واقعات کے سبب سے جنگا ذکر میں بھی کرتا ہوں۔ داراشکوہ کا خیال ایک طرف رجوع ہو گیا اور اورنگ زیب جو کھوپ سے بچ گیا۔ یعنی داراشکوہ کو اس خطرناک موقع پر اپنی فوج کے ہائیں پر میں بڑی ہل چل نظر آئی۔ اور اسکا ایک مصاحبہ خبر لایا کہ دستمخاں اور ستر سال کام آئے اور رام سنگھ روٹھلہ جو بڑی شجاعت کو ساتھ دھاوا کر کے دشمن کی فوج میں جا گھسا تھا گھر گیا ہے۔ پس اورنگ زیب پردھاوا کرنے کا ارادہ چھوڑ کر اسے اپنے ہائیں پر سے کی مدد کو نہایت جلدی کے ساتھ جانا پڑا اور داراشکوہ کے ہات خود پہنچ جانکی وجہ سے ایک سخت چاقوش کے بعد لڑائی کا رنگ پھر بدل گیا۔ اور چاروں طرف سے فوج مخالف کو پیچھے ہٹا دیا گیا۔ لیکن انہوں نے بھی ایسی شکست نہیں کھائی تھی کہ داراشکوہ کو بالکل بے فکری ہو جاتی۔ اس ار دھاوا میں رام سنگھ روٹھلہ نے ایک بے نظیر شجاعت کے ساتھ مراد بخش کو جازخی کیا اور کمال دہری سے اسکی عمارتی کے چند رستوں کو کاٹ ڈالا اور قریب تھا کہ حریف کو ہتھی سے گرا لے۔ مگر مراد بخش کی پھرتی اور شجاعت کے باعث ناکامیاب

✽ رام سنگھ کا مراد بخش پر حملہ کرنا اور مراد بخش کے تیر سے اسکا مارا جانا تو صحیح مگر اسکے ہاتھی کے کچھابند کو کاٹنے کے لیے کوشش کرنا درست نہیں کیونکہ تاریخی تاریخوں سے بالاتفاق ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیرانہ حملہ خود اورنگ زیب کے ہاتھی پر ہوا تھا اور جسے یہ حملہ کیا تھا وہ ہمارا جہ جسونت سنگھ جو دھپورہ کا چچرا بھائی لہو پد سنگھ داٹھور تھا۔ جو اورنگ زیب کے منہ کرتے کرتے جو اسکی اس میںل بہادری کو جو ہر اسکو بچانا چاہتا تھا لڑائی کو بڑبڑنگ میں اورنگ زیب کے سپاہیوں کے ہاتھ سو میں مار گیا۔ سن ۱۶۷۷

مراد بخش اگرچہ زخمی اور راجپوتوں کے نرغہ میں تھا لیکن ڈھال سے اپنی ساٹ برس کے بچے کو جو پہلو میں بیٹھا ہوا تھا بچائے ہوئے بڑے استقلال سے بدستور لٹاتا اور تاک کر ایسا تیرا کہ یہ بہادر راجہ وہیں کھیت ہا داراشکوہ کو اگرچہ اس خبر سے بہت رنج ہوا۔ مگر چونکہ اُس نے سنا کہ اپنے مالک کے مارے جانے کی وجہ سے راجپوتوں نے نہایت غیظ و غضب کے ساتھ مراد بخش کو گھیرا ہوا ہے۔ اسلئے باوجود چند طرحی مشکلوں کے اُس نے یہی سہا سبھا کہ مراد بخش پر حملہ کیا جائے۔ اور اس صورت میں اگرچہ اورنگ زیب گرفتاری سے بچ جاتا تھا۔ اور یہ ایک غلطی تھی مگر مراد بخش کے ہاتھ آجاکو بھی وہ اورنگ زیب کے کپڑے جانیسے کچھ نہیں سمجھتا تھا۔

خلیل اللہ خاں کی دغا بازی  
اور داراشکوہ کی شکست

لیکن خلیل اللہ خاں کے دغا دینے سے باری بگڑ گئی اور یہ دغا بازی ایسی عجیب تھی کہ ایک آن کی آن میں داراشکوہ کی دایمی بربادی کا سبب ہو گئی۔ یہ شخص دایں پرے کا سردار تھا جس میں تین ہزار منل تھے۔ اور یہ ایسی اچھی فوج تھی کہ اورنگ زیب کی تمام سپاہ کے شکست دینے کو صرف یہی کافی تھی۔ مگر جبکہ داراشکوہ بذات خود دایں پرے کی فوج کو برسی شجاعت اور کامیابی سے لڑا رہا تھا یہ طعنا اسکا شریک نہوا۔ اور یہ بہانہ بنا کر رکھا کہ ہماری فوج کے لئے تو یہ حکم ہے کہ بطور کمک اپنی جگہ قائم رہے۔ اور جب تک کوئی شہید نہ ہو تو پیش نہ آئے اب تک مگر اکیڑم اور ایک تہم کے چلانے کا حکم نہیں ہے۔ یہ دس کے زخم سو نہ پر گئے تھے۔ س م ح

مگر اسلحہ ہے کہ اُسکا اسطر جہر الگ تھلک رہنا پرے سرے کی بڑا یامانی  
 اور دغا بازی پر مبنی تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اب سے چند سال پیشتر داراشکوہ  
 نے اُسکی کچھ بے عزتی کر ڈالی تھی۔ اور اس کینہ کی آگ اُسکے دل کو جلا  
 رکھتی تھی۔ پس اُسنے خیال کیا کہ بلا لینے کا اب وقت ہے۔ مگر داراشکوہ  
 کا جو نقصان اسنے اپنے الگ رہنے میں سوچا تھا وہ ہوا۔ کیونکہ دائیں پرے  
 والوں کی مدد کے بغیر ہی وہ دشمن پر غالب آگیا تھا۔ مگر اس دغا باز نے  
 اب ایک اور چال چلی یعنی جبکہ داراشکوہ مراد بخش کے دبا سے کواہی  
 سپاہ کی امداد کے لئے جارہا تھا یہ مکار! مع اپنے چند رفیقوں کو گھوڑا  
 دوڑا سے آیا۔ اور دُور سے پکار کر کہا ”مبارک باد حضرت سلامت! الحمد للہ!  
 الحمد للہ! حضور کو بخیر و سلامتی بادشاہی اور فتح مبارک ہو! لیکن حضور یہ تو  
 فرمائیں کہ ایسے خطرناک موقع میں جگہ عماری کے ساہبان سے کئی گولیاں اور  
 تیر پار ہو چکے ہیں اتنے بڑے ہاتھی پر کیوں سوار ہیں۔ اگر خدا نخواستہ ان میٹھا  
 تیروں اور گولیوں میں سے کوئی جسم مقدس کو چھو جائے تو ہم لوگوں کا کہاں  
 ٹھکانا ہے! خدا کی واسطے جلد اتریں اور گھوڑے پر سوار ہو لیجئے! اور اب  
 کیا رہ گیا ہے! صرف اتنی ہی بات باقی ہے کہ ان چند بھگلوڑوں کا زیادہ تر  
 جستی اور استعدادی سے تعاقب کیا جائے! اور میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اب  
 حضور انکو استعداد مہلت نہ دیں کہ بھاگ سکیں“ اگر داراشکوہ ہاتھی پرے  
 اُترنے کو نقصان سمجھتا اور یہ سوچتا کہ اس ہاتھی ہی کی بدولت آج میں کیسے  
 کیسے کام کر سکا ہوں اور فوج کو میرے دکھائی دیتے رہنے سے کیسا کچھ

فائدہ ہوا ہے تو وہی تمام بادشاہت کا مالک ہوتا۔ لیکن زود اعتقاد اور  
سادہ دل شاہزادہ فریب میں آگیا۔ اور ہاتھی سے اتر کر گھوڑی پر سوار  
ہو گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسکو شک ہوا۔ اور پوچھا کہ خلیل اللہ خاں  
کہاں ہے۔ گمزدہ اب کہاں تھا۔ اور کب اُسکے ہاتھ آتا تھا۔ اور خارا شکوہ  
اگرچہ اسکو بہت برا بھلا کہتا رہا اور یہ بھی کہا کہ میں اُسے زندہ بچھوڑوں گا۔ لیکن اسکا  
یہ عقہہ اور دھکیاں سب بیکار اور بیفائدہ تھیں! کیونکہ سپاہ نے جب دیکھا کہ  
ہمارا مالک ہاتھی پر نہیں ہے تو فوراً اُسکے مارے جانے کی افواہ اُڑ گئی!  
اور تمام فوج اس دھوکے میں پڑ کر حواس باختہ ہو گئی۔ اور عام ہلکے پڑ گیا۔ اور  
سب کو اورنگ زیب کے فہر و غضب کے اندیشہ سے اپنی اپنی جان کی پڑ گئی!  
اور چند لمحہ میں تمام فوج تتر بتر ہو گئی۔ اور عجب انقلاب ہوا کہ غالب مغلوب اور  
مغلوب غالب ہو گیا۔ اور عجیب ماجرا ہے کہ اورنگ زیب نے صرف پاؤں پٹو  
ہاتھی پر سوار رہنے سے یہ نتیجہ پایا کہ تمام ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا۔ اور خارا شکوہ  
کو چند لمحہ قبل از وقت اپنے ہاتھی پر سے اترنے کا یہ پھل ملا کہ ہاتھی سے  
کیا اتر اگویا اوج سلطنت سے گر گیا۔ اور بدبخت بادشاہوں اور شہزادوں کی  
فہرست میں داخل ہو گیا! دیکھئے انسان کیا کونہ اندیش ہے۔ اور ایک چھوٹی  
سی بات سے اس دنیا میں کیسے کیسے بڑے نتیجے پیدا ہو جاتے ہیں!

اگرچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے لشکروں سے  
بڑے بڑے نمایاں کام بن پڑتے ہیں۔ لیکن  
فوج کی کثرت میں یہ بڑی خرابی ہے کہ ایک بار اتر ہو جا

اگرچہ کی نسبت فوج کے خلیل مگر  
بقاعدہ چوکا فائدہ اور ہندوستانی  
اور اسی فوج کی حالت کا مقابلہ

تو پھر اُسکو حالت سابقہ پر لانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور جیسے کوئی بڑا دریا اچھل کر کناروں سے باہر بہہ نکلتا اور اُسکا پانی پھیل جاتا ہے۔ اسی طرح اتری کے بعد بڑے لشکروں کو قابو میں لانا ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ میں جب ان بے نظام فوجوں کو دیکھتا تھا کہ حیوانوں کے گلوں کی مانند چلتی ہیں تو ہمیشہ یہ خیال آتا تھا کہ ہمارے صرف پچیس ہزار کاراز مودہ سپاہی زیر حکم پرنس کانڈی یا مارشل تودین ہندوستان کی فوج پر جو کتنی ہی کیوں نہ ہو غالب آسکتی ہیں اور جب میں کتابوں میں پڑھتا ہوں کہ یونانیوں کی دس ہزار سپاہ نے کیا کچھ کر دکھایا تھا۔ اور مقدونیہ کے پچاس ہزار سپاہیوں نے جو سیکندرز کے ساتھ تھے ایوان کے بادشاہ دارا کے چھ سات لاکھ آدمیوں کے لشکر کو شکست دی تھی (بشرطیکہ یہ بات سچ بھی ہو کہ دارا کی فوج بہر کے سوانی الواقع اتنی ہی تھی) تو باقاعدہ اور بے قاعدہ فوجوں کی حالت پر سحاط کرنے کے بعد مجھے ان روایتوں کی صحت پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ اور میری دانش میں فرانسیسی سپاہ دشمن کے حملے کو اپنے معمولی استقلال سے روکر کے ہر ایک ہندوستانی فوج کو سخت تہلکہ میں ڈال سکتی یا سیکندرز کی طرح دشمن کی صف کے ایک خاص حصہ پر اپنا تمام زور ڈال کر باقی سپاہ میں اپنا سخت خوف اور عام لفظی اور اشتہار پھیلا سکتی ہے۔

بَرِن مں کَ اُن دُئی . مَ اَرشَل - تُو وِہی ن

Marchal Turenne.

Prince Conde.

اورنگ زیب جو اپنی مطلب براری کے واسطے  
ہر ایک کمینہ حرکت اور فن و فریب کو ارتکاب  
کے لئے ہمیشہ ہی تیار رہتا تھا۔ یہ غیر مترقب اور

فتح کے بعد اس سلطنت کے ساتھ  
اورنگ زیب کے توڑ جوڑ اور سب سے  
پہلو خلیل اللہ خاں کا اس کی پاس حاضر رہنا  
اور اورنگ زیب کو دل بخش کو بھٹکا کھنا

خدا و فتح لاؤ یہ سمجھ کر کہ میرے معمولی ہتکھنڈوں کے کام میں آئیں گے اب موقع ہر  
اپنی مکاری کی چالوں اور توڑ جوڑوں میں مصروف ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے  
دغا باز خلیل اللہ خاں آن موجود ہوا اور تسلیم کیا کہ عرض کیا کہ سچا اور سی خدا کا  
لئے حاضر ہوں۔ اور جب قدر فوج سر دست اس طرف سے پھٹ کر میرے ساتھ آسکی  
ہے وہ بھی حاضر ہے چنانچہ شہزادہ (اورنگ زیب) نے بعد اظہار غایت کیا اور  
بڑے بڑے وعدے دیئے۔ مگر احتیاطاً سب وعدے مراد بخش کی طرف  
سے کرتا رہا۔ اور اُس کے پاس لیگیا۔ اور موقع وقت کے موافق اُس نے بھی بہت  
ہی کچھ آؤ بھگت اور خاطر داری کی اور اورنگ زیب اگرچہ بظاہر مراد بخش کو  
برابر شاہ ہندوستان کہہ کر گفتگو کرتا رہا اور خلیل اللہ سے کہا کہ صرف حضرت  
ہی تخت نشینی کے لائق ہیں۔ اور یہ فتح محض انہیں کی قابلیت اور شجاعت  
سے حاصل ہوئی ہے۔ مگر باطن کا یہ حال تھا کہ شب و روز اُمرائے سلطنت کو  
تھویریں بھیج بھیج کر تدریج اپنی طرف متوجہ اور رجوع کرتا جاتا تھا۔

اندلوں اورنگ زیب کا ماموں شایستہ خاں  
بھی اپنے اس بھانجے کے حق میں بہت

شایستہ خاں کی کوششوں کو  
اورنگ زیب کو منع کشیدہ نہیں۔

کچھ کوشش کرتا تھا۔ اور فی الحقیقت اُسکی مدد سے اورنگ زیب کو فائدہ بھی  
بہت ہی پہنچا۔ کیونکہ شایستہ خاں ایک چست و چالاک اور نہایت مہربان

ذی اقتدار امیر تھا اور تمام ہندوستان میں اُسکے یہہ اوصاف مشہور تھے کہ صُنِ تقریر اور خوبیِ انش و تحریر و فصاحتِ بیانی اور شیریںِ زبانی سب بڑے کامِ نکال سکتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ باعثِ کسیِ مہلی یا خیالیِ تخمیر کے جو دارالاشکوہ کی طرف سے اُسکی نسبت ظہور میں آئی تھی یہہ اُس سے نہایت نفرت رکھتا تھا اور اسی وجہ سے دارالاشکوہ کی بربادی کے لیے اِس موقع کو اُس نے فہمی سمیت سمجھ لیا تھا۔ \*

اورنگ زیب کا بظاہر یہہ کہنے کے بنا کہ  
 یں تو ایک فقیر ہوں اور مراد بخش بادشاہ

بیہ مرضی اور خلوصِ نیت کے لباس میں حصولِ سلطنت کے منصوبہ کو پوشیدہ کر کے ہونے لگے اور جو کچھ پیامِ وسلام اور وعدے و وعید اور کاروائیاں کجانی تھیں وہ سب محاذِ بخشش کے نام سے ہوتی تھیں۔ اور اُسکو بادشاہ بنا رکھا تھا اور اپنے تئیں مرث اُسکا نائب اور ایک فرمانبردارِ غیر خواہ بیان کرتا اور اسی باتیں بناتا تھا کہ سلطنت کی شان و شوکت اور کروڑوں گویا اُسے مرغوب ہی نہیں بلکہ فقیرانہ گزان کرنا اور حالتِ فقر میں ہی میں مرجانا اُسکی دلی مراد اور عینِ تمنا تھی۔

دارالاشکوہ کی ناامیدی اور بادشاہ کی  
 تسلی و تسنی کے پیمانہ اور اسکا دھلی کو بھاگ جانا

۱۰۔ اورنگ زیب سے سازش رکھ کر فرہیں مالوہ کی موبہ داری سے توبہ پیلہ کی محفل ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ایک حاشیہ میں ہم لکھ آئے ہیں۔ مگر اسکے بعد باہر بھی ضبط ہو گئی تھی۔ بلکہ دو چار روز قید رہنے کی معافی کا بھی مدد اٹھا چکا تھا۔

فرار آگے چلا آیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ الفاظ اُسکویاوتھے جو شاہجہاں فرطاً ہی  
 پر جاتے کو کہتے تھے۔ اسلئے بادشاہ کے سامنے ہنسکا مگر شاہجہاں  
 نے ہر حال ایک وفادار خواجہ سرا کی زبانی اس بے نصیب شہزادہ کی تسلی اور تسکین  
 کے لئے یہ کہلا بھیجا کہ میں اب بھی تمکو ویسا ہی چاہتا ہوں اور تمہاری اس  
 مصیبت کا مجھے بہت رنج ہے! بلکہ یہ بھی کہہ بھیجا کہ ابھی سُلیمان شکوہ  
 کی فوج اور لشکر سب صبح سلامت ہونا امید ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اور  
 ہماری صلاح یہ ہے کہ بالغفل تم دہلی کو چلے جاؤ صوبہ دار کو حکم بھیج دیا گیا  
 ہے وہ تمکو بادشاہی صہبیل میں سے ایک ہزار گھوڑا اور خزانہ اور ہاتھی دیگا۔  
 اور آگے سے دور نجا جایا ہے۔ بلکہ ایک ایسے معقول فاصلہ پر ٹھہرنا  
 مناسب ہے کہ جہاں ہماری تحریریں تمکو آسانی ملتی ہیں۔ اور تمکو تنگ  
 یہ امید ہے کہ ہم آڈرنگ زینت کو قابو میں لاسکیں بلکہ نیرا دیکھنے لگے۔ مگر  
 داراشکوہ ایسا شکستہ خاطر اور اسقدر غمگین تھا کہ ان محبت آمیز باتوں کا  
 کچھ جواب نہ دیکھا بلکہ معقول طور پر اتنا بھی نہ کہہ سکا کہ آپ کا پیغام میرے پاس  
 پہنچ گیا۔ اور اسکے بعد بیگم صاحب کے پاس چند پیغام بھیج کر ادھی رات کو  
 مع اپنی بیگم اور بیٹیوں اور اپنے فرزند سپہ مشکوہ اور قریب میں چاروں  
 آدمیوں کے دھیلی کی طرف چل دیا۔

اب ہم داراشکوہ کے دھیلی جا کر  
 احوال کو کہہ وہ کس غمگینی اور شکستہ دلی

آڈرنگ زینت کا سُلیمان شکوہ کے ہمراہی  
 سرداروں کو اپنی طرف کر لینے کی کوشش کرنا

سے روانہ ہوا یہیں چھوڑنے میں۔ اور آڈرنگ زینت کے اُن توڑ پھوڑوں



کا حال لکھتے ہیں جو اُسے بڑی دیرماندہ نشی اور حسن تدبیر سے آگاہ پہنچا کر  
 کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ تدبیر کی کہ سلیمان شکوہ کے  
 لشکر میں اتفاقی کا بیج بویا بلکہ بعض سرداروں کو اپنی طرف کر بھی لیا۔  
 اور اس تدبیر سے داراشکوہ کی امیدوں کا بالکل خاتمہ کر دیا یعنی  
 راجہ جیسنگہ اور دلیر خاں جو سلیمان شکوہ کے لشکر کے  
 سب سے بڑے سردار تھے۔ انکو لکھا کہ داراشکوہ بالکل تباہ اور وہ  
 بڑا لشکر جب پُر سکوا سفد گھنٹہ تھا شکست فاش لکھا کہ ہمارا مطیع ہو گیا ہے  
 اور وہ ایسی بے سرو سامانی سے بھاگا جاتا ہے کہ سواروں کا ایک سالہ  
 تک ساتھ نہیں۔ اور امید ہے کہ ہم بہت جلد اُسکو گرفتار کر لینگے۔ اور حضرت  
 (رشا جہان) اس قدر علیل ہیں کہ صرف چند روز کے مہمان اور چراغ سحری  
 ہیں پس اس حالت میں اگر تم ہم سے مقابلہ کرو گے تو نتیجہ بجز خرابی اور  
 ہلاکت کے کچھ نہوگا۔ اور داراشکوہ کی اس ابتر حالت میں اُسکی طرفداری کرنا  
 نہایت ہی نادانی ہے۔ اور تمہارے حق میں اب یہی بہتر ہے کہ ہماری پاس  
 حاضر ہو جاؤ۔ اور سلیمان شکوہ کو جو آب و سانی گرفتار ہو سکتا ہے پکڑ کر ساتھ لے آؤ

جیسنگہ اور دلیر خاں اگرچہ چند  
 متاثر اور متر و در ہے۔ کیونکہ اب تک  
 شاہجہاں اور داراشکوہ سے دُرتے

داعی جیسنگہ اور دلیر خاں کا سلیمان شکوہ  
 سے برگشتہ ہو جانا اور جیسنگہ کا اُسکو سحری  
 کے راجہ کے پاس چل جانے کی صلاح دینا۔

تھے اور شاہزادہ پراتھ ڈالنے سے بھی اسوجہ سے خوف کرتے تھے کہ ایسی  
 حرکت بالفعل یا قیامندہ کسی دن ہمارے حق میں مضر اور موجب سزا ہو سکتی ہے

اور عجب نہیں کہ خود اور دنگ زیب ہی کے ہاتھ سے سزا ملجائے۔ اور یہ بھی خوب معلوم تھا کہ سلیمان شکوہ کیسا عالی دماغ و غیر اور بلند حوصلہ و دلیر شاہزادہ ہے اور بیشک جان دیدگا مگر قید کبھی نہوگا۔ مگر آخر کار دونوں نے یہ ٹھہرایا کہ راجہ جیسنگہ سلیمان شکوہ کے خیمہ میں جائے اور اڈنگ زیب کی تحریریں دکھا کر اپنی رائے سے اسکو مفصل اور پوست کندہ مطلع کر دے۔ چنانچہ راجہ نے شاہزادہ سے جا کر کہا کہ جس خطرناک حالت میں آپ پڑے ہوئے ہیں سناہ نہیں کہ میں اسکو آپ سے پوشیدہ رکھوں۔ اور معاملات کی حالت ایسی ہی گئی ہے کہ اب آپکو نہ تو دیل خواں ہی پر اعتماد کرنا چاہیے اور نہ داؤد خاک اور اپنی فوج ہی پر۔ اور اگر آپ اپنے باپ کی امداد کے ارادہ سے ذرا بھی آگے بڑھیں گے تو بیشک تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔ پس مناسب یہ ہے کہ آپ جیسنگہ کے پہاڑوں کو چلے جائیں۔ وہاں کا راجہ یقیناً آپکو بہت خاطر داری سے رکھیں گے اور ملک کے دشوار گزار مہینے باعث اڈنگ زیب سے اسکو کچھ ڈر نہیں ہے۔ اور اس محفوظ جگہ میں کچھ دنوں ٹھہر کر آپ حالات اور واقعات پر نظر کریں اور جب موقع معلوم ہو تو آسانی وہاں سے نیچے اگر مقتضائے وقت کے موافق عمل کر سکتے ہیں۔

شاہزادہ یہ گفتگو سنتے ہی سمجھ گیا کہ اب تو جیسنگہ ہی اپنا ہے اور نہ لشکر ہی اور سب برگشتہ ہیں۔ اور یہاں ٹھہرنا جان جو کھوں میں پڑنا ہی پس ناچار فوج و لشکر کو وہیں چھوڑ کر اپنے چند ملک حلال اور فاضل فقیوں کے ساتھ

سلیمان شکوہ کا سرچنگلو کو روانہ ہونا اور جیسنگہ اور دیل خواں کا اسکو مال اسباب کو لوٹ لینا اور اس کے فقیوں کی تباہی مگر شاہزادہ کا سیرینی ننگر پہنچ جانا۔

جو اکثر منصبدار اور ذات کے سید تھے۔ اور جنہوں نے انکی رفاقت کا ترک کرنا خلاف شرافت سمجھا کوہستان کی طرف چل دیا۔ مگر جیسٹنگلہ اور دیلورخاں ایسے کینے نکلے کہ کچھ سپاہی بھیج کر اس بیچارہ کا مال و اسباب لوٹ لگایا۔ جس میں انصرفیوں سے لدا ہوا ایک ہاتھی بھی تھا۔ اور انکی اس نالایق حرکت کے باعث سلیماں شلوہ کے بہت سے ہمراہی شک نہ خاطر ہو کر اُس سے جدا ہو گئے۔ اور جو باقی رہے انکو اکثر دیہاتی گنواروں نے لوٹ کھسوٹ کر تباہ کر دیا بلکہ ان کے ہاتھوں سے بہتر سے مارے بھی گئے مگر جسطح بن پڑا یہ مڑتا بھرتا اپنی بیگم اور اہل و عیال کو ساتھ لیے ہوئے سیرنگس گنج پور اور وہاں کا راجہ اُسکے رتبہ کے لائق تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور نسلی کی کہ جب تک آپ اس ملک میں ہیں میری تمام سپاہ آپکی مدد کے لیے حاضر ہے اور آپ کو کچھ خوف و خطر نہیں ہے۔ \*

✽ عالمگیر نام میں سلیماں شلوہ کے میر غیاثنگر جاسینکے حالات کو بہت طوالت سے لکھا ہے مگر ہم اسکا خلاصہ یہاں لکھتے ہیں کہ جب سلیماں شلوہ الہ آباد سے تین منزل اس طرف آ پہنچا۔ تو لڑائی کے چوتھے دن باپ کی شکست کی خبر ملی۔ اور اس تشویش کی حالت میں جو راجہ جیسٹنگلہ سے صلح پوچھی تو اُسے یہ مشورہ دیا کہ اول تو جسطح بنے دہلی پہنچ کر اپنے باپ کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو سٹ کر الہ آباد جا ٹھہریے اور موقع وقت کا انتظار کیجئے۔ اور جب وہ الہ آباد پہنچا تو تیار ہوا تو رفاقت سے جواب دیدیا۔ بلکہ عین دعاگوئی کی قوت اپنے دوست دیلورخاں کو بھی افینچ بیچ سمجھا کر ساتھ جانے سے روک لیا۔ اور اس حالت کو دیکھ کر اور سرداروں نے بھی ایسی پیروی کی۔ اور اگرچہ شہزادہ کی ذاتی رائے دہلی سننے کی تھی مگر اسکا اتالیق بہادر رخاں اُسکو الہ آباد لے گیا۔ کیونکہ یہاں کا مستحکم قلعہ دارا شلوہ

اورنگ زیب کا آگرو میں آنا  
اور باپ بیٹے کے باہم منافقا  
سلام و سلام اور آغوش  
شاہجہاں کا قید ہو جانا۔

اب ہم ان واقعات کا ذکر بھر شروع کرتے  
ہیں جو آگرہ کی طرف وقوع میں ہو سوا گدہ  
کی لڑائی کے تین چار روز بعد دونوں شاہزادوں

نے ایک باغ میں جو آگرہ کے سامنے قریب تین میل کے ہے ڈیرے  
آن لگائے اور ایک خواجہ سرکوب جو اورنگ زیب کا نہایت معتمد علیہ اور جلالی

کے ایک ستم لازم سید قاسم عن سید کاسو بارہ وال کے قبضہ  
میں تھا اور چند روز ٹھہر کر لکھنؤ کی راہ سے قصبہ نیگینہ کی طرف (جہاں آگرہ  
کی بڑی ہیں مروت بیگم صاحب کی جاگیر میں تھا اور جسکو اس کتاب میں ندینہ  
چاند پور کر کے لکھا ہے) روانہ ہوا تاکہ گنگا کے کسی گھاٹ سے اتر کر اور پھر  
سہارنپور کے قریب بوڑیہ کے گھاٹ سے دریا سے جہنا کو عبور کر کے  
پنجاب کو باپ کے پاس چلا جائے۔ مگر جب دشمن کے مقرریں ہوئے سرداروں  
کی فراموشی کے باعث اس وقت سے گنگا کو عبور نہ کر سکا تو مراد آباد کی نواح  
سے ہوتے ہوئے ہر دروازے کے قریب وہاں کے راجاؤں خصوصاً راجہ میر سنگھ  
کی مدد سے اس دریا سے اترنا چاہا۔ اور اس ارادہ سے بھگت چاند بھی پہنچ کر جسکو  
صاحب عالمگیر نامہ نے "معاذی ہر دوار و متعل ولایت سری نگر" لکھا ہے بھونچا تھا  
نامے اپنے دیوان "ہونام" کو جو پہلے بھی داراشکوہ کا بیجا ہواؤں ہوا تھا کچھ نکالیں  
دیکر میری نگہ کے راجہ کے پاس کشمیریوں کے ہم پہنچانے میں مدد کرنے کی بھیجا مگر  
اتنے میں جو امیر الامرا شاہیستہ خاں اور فدائی خاں بہت سی فوج کے ساتھ  
آمرجود ہوئے اور بجز سری نگر جانے کے کچھ چارہ نہ مانو چاندھی سے اٹھ کر بھگت  
کا ناما مال جو میری نگر کی حد میں داخل تھا جاڑہ کیا۔ اور یہاں سے راجہ کے ہاتھ  
پہاڑ پر لیگے اور جاہ و منزل راجہ خود آگے آیا اور میری نگر لیگیا۔ اور کہا کہ آپ مختصر طور پر  
یہاں ٹھہر رہے کئے ہیں۔ مگر ان نامی گھوڑوں اور فوج و لشکر کی میرے اس پہاڑی اور  
چھوٹے سے ٹک میں گنجائش نہیں۔ اب بھاڑ خاں تو ملن الموت کے سبب اجازت

مطلع حسرتیہ کا ذکر مثنوی از

وعیاری میں گویا خود اوزنگ زیب ہی تھا شاہجہاں کے حضور میں پہچا اور کسے  
اس بڑے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اواسے تسلیمات کے بعد اپنے  
آقا کی طرف سے سجد ادب و تعظیم اور محبت و فرمانبرداری کا اظہار کیا اور عرض  
کی کہ یہ جو کچھ گزرا صرف داراشکوہ کی کج رائی اور بیجا جاہ طلبی کے خیالات  
کے باعث ہوا۔ اوزنگ زیب نے حضور کی خدمت میں حصول صحت کی مبارکباد

لیکر شہزادہ سے کیا بلکہ پہاڑ سے اُترنے ہی دنیا سے رخصت ہوا۔ اور بانیادہ سردار جو  
ناما امید یوں کے باعث ادھر ادھر کھسک جانا چاہتے تھے مگر شہزادہ کی مرضی اور راہ  
کے ملازموں کی رہنمائی کے بغیر اس پہاڑی ملک میں سے نکل نہیں سکتے تھے انہوں نے  
کچھ جھوٹے بیچ بول کر اسکو پھر الد آباد جانے کے لئے آمادہ کیا تاکہ شجاع کے ساتھ شامل  
ہر جاے (کیونکہ اپنی شکست کے بعد داراشکوہ نے بذریعہ خط و کتابت مصالحوں کے  
اسکو آگاہ پر حاکم کرنے کی ترغیب دی تھی) الغرض شہزادہ ماجہ کا شکر یہ ادا کر کے اور  
کچھ تحفے تحائف دیکر رخصت ہوا۔ مگر نگینہ میں واپس پہنچنے ہی بہہ دغا باز اور خود غرض خرم خواہ  
اسکو چھوڑ کر ادھر ادھر چل دیے۔ اور بنا چاری پھر سری نگر کی طرف لوٹنا پڑا۔ اور اب  
سوائے سنیۃ احمدی کے جسکا بھائی سنیۃ قاسم اب تک فائدہ آباد کو تھامی  
ہوئے تھا۔ اور اُن کے کوکے چھٹا شاہ اور دو تین اور سرداروں اور بیچارے  
بیکم اور چند اور عورتوں اور سترہ نوکر چاکروں اور ہمراہیوں کے اُس تمام فوج و لشکر  
سے کوئی بھی ساتھ نہ رہا۔ اور چونکہ اسکے پہاڑ سے اُترنے کی خبر سنکر اوزنگ زیب کے  
بعض سردار پھر اسکا راستہ روکنے کے لئے آہٹیں تھے۔ ایسے بہ خوف زدہ شہزادہ  
گھبراہٹ میں بمقدور اجرات اور اثرفیاں ساتھ لے سکا لیکر راتوں رات نگینہ سے  
چل کھڑا ہوا اور خوف کے سبب معمولی رستہ چھوڑ کر راہ کے آویں کی رہنمائی ہو ایک  
اور رستہ سری نگر کو چلا گیا جہاں شہر سے نیچے آکر راہ اُسے اپنیوں نے گیا۔

راجع ہو کر شہر سری نگر میں اُن پہاڑی مسلمانوں کے ایک حصہ کثیر کے جو وفات  
مکائیوں اور سری نگر کے راجاؤں کی خود مروتوں میں تھے۔ اس زمانہ میں گورنٹ

عرض کی ہے۔ اور ان واقعات کے وقوع میں آپ کا اسکو نہایت ہی رنج و افسوس ہے۔ اور اسکا اگرہ نامحض اس غرض سے ہے کہ جو کچھ ارشاد ہو وہ بسر و چشم اسکی تعمیل کرے جسکے جواب میں شاہجہاں نے بھی اپنی فرزند سعادتمند کے طور و طریق کی نسبت ایسی ہی ظاہر واری اور تعلق کے ساتھ اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ اسکی سعادتمندی اور ایسی فرمانبرداری

انگلشیہ کے تحت اور کشتری کا یوں کا جسکا صدر مقام الموڑہ ہے ایک جز اور ان کہنی بنستانی نالوں میں سے جو کہ ہستان ہمارے نکلنے کے بدو دیارے لنگا کہلاتے ہیں الگ ہندو نامے ایک نالہ کے کنارہ سطح سندھ سے سترہ سو انچاس فٹ بلند اور ایک یورپ اسٹنٹ گنٹر کا جاے قیام ہے۔ اس عیسوی صدی کے شروع میں جو کہ ہستان نیپال کے رہنے والے گورکھا لوگ ہندوستان کے مغربی اور شمالی پہاڑوں پر بہت دور تک قابض ہو گئے تھے۔ تو انہوں نے یہاں کے راج کو بھی حکومت سے خارج کر دیا تھا۔ مگر جب سرکار انگریزی نے ان کو ان سب پہاڑوں سے نکال دیا تو شاہ اسماعیل اٹھارہ سو پندرہ میں وہاں کے خارج شدہ راجہ سودرشن شاہ کو گٹر حوالا کا علاقہ دیکر رہائش پر مجبور کر دیا۔ لیکن اس کے قدیمی ملک میں سے وہ حقہ جو الگ ہندو اور ہندوستانی کے تمام اقطاع سے اوپر کی جانب شرق کی طرف تمام علاقہ دیوہ دون اور پرگنہ رام گدھ کے انچرفہ میں رہنے دیا۔ چنانچہ رہائش مذکور کا مدد مقام اب ٹیہری نامے ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جو تقریباً دو جے ٹیہری واقع ہے عرض شمالی اور اٹھتر درجے اٹھاسی دقیقہ طول شرقی پر سمندر سے دو ہزار فٹ بلند لنگا کی ایک شاخ بھاگیرخی نامے کے بائیں کنارے سمرا نگر کے سامنے قریب دو منزل کے فاصلہ پر آباد ہے اور راجہ سوہم دھنی راجپوت خاندان کے قوم سے ہے۔ اور اس کے نام کے اخیر میں نیپال کے نواسہ راجا خاندان کے راجاؤں کی طرح شاہ کا لفظ لگایا جاتا ہے۔ مثلاً رئیس مال جسکا نام برتھاب شاہ ہے بھوالتشاہ کا بیٹا اور سودرشن شاہ کا پوتا ہے

سے ہم نہایت راضی اور خوش ہیں“ اگرچہ شاہجہاں اورنگ زیب کی  
مکاری اور شوق چانداری سے بخوبی واقف تھا۔ اور اُسکی این ظاہری باتوں  
پر اُسکو ہرگز غما نہ تھا۔ مگر باوجود اُسکے اُسنے صفائی کے ساتھ معاملہ کو یکسو کیا  
یعنی اگرچہ یہ واجب تھا کہ دربار میں امرا اور ارکان دولت کو جمع کر کے خود  
اُسکے مقابلہ تک اور سطح خلافت کی نظر میں اُسکو علانیہ باغی ثابت کرتا حالانکہ  
اُمور کے لئے اب تک موقع تھا۔ مگر کچھ نہ کیا اور اُسکے عوض صرف چالاکی اور دہائی  
سے اورنگ زیب جیسے شخص پر جو ایسی باتوں میں دنیا بھر کے مکاروں کا  
استاد ہے غالب آنا چاہا۔ پس اُسکا خود اُس جال میں پھنس جانا جو بیٹے کے

اور بقول مسٹر البائے ڈھنگر مؤلف تاریخ جن جن قیدی ۵۰ قیدی واقع ہوئے تھے  
رقبہ چار ہزار ایک سو سی میل مربع اور آمدنی انہی ہزار اور آبادی ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی ہے۔ اُس  
راجہ کا نام جسے سلیمان شکوہ کو پناہ دی تھی فارسی زبان کی تاریخوں میں پرتھی سنگ اور  
پرتھی پت لکھا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کا لفظ سلطان بنید کے اب کے شافی  
سمجھ لفظ سنگھ اور پت کے ساتھ دانستہ بدل دیا ہے۔ جیسا کہ گولکنڈا اور بیجاپور  
کے بادشاہوں کو بجائے قطب شاہ قطب الملک اور بجائے عادل شاہ حلوان لکھا  
لکھتے تھے۔ اور ناظرین تاریخ کے لئے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سلاطین علیہ کے زمانہ میں جو  
مقامات ایسے دستور گزار اور گڈ بھب سمجھے جاتے تھے کہ ان کے دشمن اور باغی وہاں کے  
آزاد مطلق راجاؤں کے پاس جا کر بے تکلف پناہ بیٹھتے سرکار عالیہ انگریزی کی کوششوں  
سے وہی مقامات بلکائن سے بھی بہت آگے اور دور تک عمدہ مٹرکوں اور پہلوں کے  
کے بن جانے کی وجہ سے ایسے ہلے عبور ہو گئے ہیں کہ ہندوستان کے ہر ایک  
نقطہ سے ہر سال ہزاروں جاہزی مرد اور عورت بدھری نادارین وغیرہ تیر خوں  
کے درشن کو جو ہمالہ کے برافانی اور سرسنگ پہاڑوں میں واقع ہیں اسی سرسنگ  
اور ٹیہری کے راستہ سے بہت آرام کے ساتھ آنے جاتے ہیں۔ س م ح

لئے سچا یا تھا کچھ تعجب کی بات نہیں اور اسکی تفصیل اس طرح پر ہے کہ شاہجہاں نے ایک معتبر خواجہ سرا کو اورنگ زیب کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ بیشک داراشکوہ نے جو کچھ کیا وہ سب نامناسب تھا اور اسکی بے سمجھی اور نالائقی کی باتیں یاد دلا کر کہا کہ تمیر تو ہم ابتدا ہی سے دلی شفقت رکھتے ہیں پر تمکو ہمارے پاس جلد مانا چاہیئے تاکہ تمہارے مشورہ سے اُن امور کا انتظام کیا جائے جو اس افراطی کے باعث خراب اور ابتر پڑے ہوئے ہیں۔ مگر اس محتاط شہزادہ نے بگمانی سے بادشاہ پر اعتماد کر کے قلعہ میں چلے جانے کی دیر نہ کی کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ بیگم صاحبہ کی قوت بادشاہ سے جدا نہیں ہوتی اور اُسکے مزاج پر اقتدار حاوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی ہوتا ہے۔ اور یہ پیغام اُسیکا ایک پیکر ہے۔ اور اُسنے قلعہ میں سے جو مجلس میں چوکی پر دے کے کام پر متعین تھیں ان میں کچھ قوی شکل اور مضبوط اور مسلح عورتیں اس قصد سے لگا رکھی ہیں کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہوتی فوراً اُسپر آن پڑیں۔ اور اگرچہ اُسنے بارہا اپنی ساضری کی تانیں اور دن معین کئے لیکن کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹالتا ہی رہا۔ اور بادشاہ اپنی معمولی کارروائیاں کرتا رہا یہاں تک کہ اکثر بڑے بڑے ذی اقتدار امیروں کا غمخیز دریافت کر لیا۔ اور جب سب بند و بست ہو گیا تو یکایک اُسکا بیٹا محمد سلطان آکر قلعہ قابض ہو گیا جس سے سب لوگ تکتے تکتے رہ گئے۔ اس جانباز اور عالی ہمت

✽ اس کتاب میں تاریخی عزمیں ہرگز نہ دے دیں کہ وہ ترک قوم کی عورتیں جو محل کے چوکی پر ہر کام ذی نہیں اُن کو قلعہ قندیں کہتے تھے اور عزمیں وہی لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قلعہ قند بھی ایک تاریخی قوم ہے۔ تمام



جوان نے کچھ سپاہی پہلے سے قلعہ کے آس پاس لگا رکھے تھے۔ پس اس بہانہ سے کہ بادشاہ کی خدمت میں کچھ پیغام لے کر جاتا ہوں یکایک اُن سپاہیوں پر آپڑا جو قلعہ کے دروازہ پر متعین تھے اور جو سپاہی ادھر ادھر گھات میں لگائے ہوئے تھے جھٹ پٹ آپہنچے اور اہل قلعہ کو منسوب کر کے جنگ اور اسکا کچھ وہم و گمان بھی تھا قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اسوقت شاہجہاں کو جھدر خوف و خطر اب ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے جس بس شخص کے پکڑ لینے کے لئے وہ اتنے دنوں سے گھاتیں لگا رہا تھا اب خود ہی اسکا قیدی بن گیا۔

کہتے ہیں کہ اس بذصیب بادشاہ فریب ہوتے ہی محمد سلطان کو یہ پیغام بھیجا کہ میں تم سے تخت کی قسم کرتا ہوں اور

شاہجہاں کا چھڑ سلطان کو سلطنت کی ترغیب دینا اور زورنگے بیب اور شاہجہاں اور محمد سلطان کی تدبیروں کی نسبت مصنف اور اُردو لوگوں کی رائیں۔

قرآن مجید میرے تمہارے درمیان ہے کہ اگر تم اسوقت مجھ سے پناہ مانگا کرے تو تو میں تمہیں کو بادشاہ بنا دیتا ہوں۔ اور اس موقع کو غنیمت جان کر اُٹھتا ہے۔ سزا اور فوراً چلے آؤ اور داد کو قید سے چھڑاؤ اور یاد رکھو کہ اس سے تم کو ثواب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ایک دائمی نیکنامی حاصل ہو سکتی۔

\* اصل کتاب میں تاج کا لفظ ہر جگہ جگہ ہندوستان کے محاورہ کے بموجب تخت کا لفظ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ سکھ یاد ہے کہ دہلی کے خاندان شاہی کے اکثر لوگ غدر و بغاوت بھی (جس میں اس خاندان کا نام و نشان ہی مٹ گیا) بات بات پر تخت ہی کی قسم لکھا کرتے تھے۔ حالانکہ کچھ تخت ہی رہا تھا نہ تاج۔ مطلب یہ کہ تخت کی قسم اس خاندان میں بہت ہی متوکلہ اور مقدس سمجھی جاتی تھی۔ سہ

لوگوں کا قول ہے کہ اگر محمدؐ سلطانِ ذرا جرات کر کے شاہجہاں کہنے کو مان لیتا تو غالباً وہی سب کچھ ہو جاتا۔ کیونکہ اب تک بھی لوگوں کے دل میں شاہجہاں کا ادب اور محاظ بہت کچھ باقی تھا۔ اور اگر یہ شہزادہ اُسے قلعہ سے نکلنے دیتا اور یہ بڑھا بادشاہ کچھ فوج لیکر بذاتِ خود اورنگ زیب پر حملہ کرتا تو غالباً کل فوج اُسکی فرمانبرداری کرتی اور ذی اقتدار امیر بھگتالی اور وفاداری سے پیش آتے۔ اور اس بات پر بھی سب لوگ متفق الہے ہیں کہ اس موقع پر محمدؐ سلطان سے ویسی ہی غلطی سرزد ہوئی جیسی کہ سیدہ کی لڑائی کے بعد شاہجہاں سے ہوئی تھی۔

اب چونکہ اس جگہ بادشاہ کی غلطی اُسے کا پھر ذکر آگیا ہے تو انصاف یہ چاہتا ہے کہ میں اسکی نسبت یہ بھی ظاہر کر دوں کہ تمام حالات پر نظر کر کے بہت سے ذی رتبہ مدبر لوگوں کی بالاتفاق یہ رائے تھی کہ داراشکوہ کی شکست کے بعد اس بوڑھے بادشاہ کو قلعہ ہی میں رہنا اور اورنگ زیب کو فریب ہی سے گرفتار کرنا مناسب تھا۔ اور اُن کا قول تھا کہ خلائق کا یہ قاعدہ ہی ہے کہ نتیجہ کے ظہور کے بعد کسی تدبیر کو بُرا یا بھلا بتلایا کرتے ہیں اور اکثر اوقات جبکہ نہایت ہی کچھ منصوبے چل جاتے ہیں تو لوگ اُنکی بھی تعریف و توثیق کیا کرتے ہیں۔ پس شاہجہاں کا الفت و محبت اور صفائے نیت جفا کر اورنگ زیب کو گرفتار کر لینا کچھ ناممکن نہ تھا اور اس صورت میں اس کے فہم و فراست کی ویسی ہی تعریف اور ناموری ہو جاتی جیسے کہ اب سب بُرا کہتے اور یہ الزام لگانے میں کہ یہ عقل سے خارج بڑھا ایک ایسی عورت (یعنی گستاخ)

کے کہنے پر چلنے سے اس حال کو پہنچا جو صرف کینہ اور عداوت کے جوش سے  
اندھی ہو رہی تھی اور عقلی سے یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ وہ سیانہ کو !  
(اورنگ زیب) قلعہ میں ہمسے ملنے کو آئیگا اور اس جانور کی طرح جو خود بخود  
پنجرہ میں آن پھسے گرفتار ہو جائیگا۔

اب محمد سلطان کی نیئے۔ اسکی نسبت عموماً اس ملک کے  
مدبر لوگ یہ کہتے ہیں کہ تاج شاہی اسکو مفت ہتھ آتا تھا۔ مگر اس سے  
لیا نہ گیا حالانکہ ہمیں بموجب قول شہور ”ہم خرم و ہم ثواب“ سلطنت اور دوا  
کے قید سے چھڑا دینے کی نیکنامی دونوں حاصل ہوتی تھیں۔ پس اگر وہ  
ایسا کرتا تو اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یہ نوجوان شہزادہ بجائے اسکے کہ قلعہ  
گوآلیار میں بیٹن زندگی کے دن گنا کرتا ہے کل امور سلطنت کا وہی مالک و متدار  
ہو جاتا۔ اور اگرچہ چند شخص یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ اسنے باپ کی اطاعت  
اور حق پداری پر نظر کر کے بادشاہ کی درخواست کو قبول نہ کیا۔ مگر ظن غالب  
یہ ہے کہ اسکو شاہجہاں کے عہد و پیمان پر پتھائی کا بھروسہ ہوا اور اسنے  
یہ بھی سوچا کہ ایسے عقلمند اور شجاع شخص سے جیسا کہ اورنگ زیب ہے لڑائی  
خریدنا محض بیگانہ اور سراسر خطرناک ہے۔ بہر حال شہزادہ کا خیال خواہ  
کچھ ہی ہو مگر خلاصہ یہ ہے کہ اسنے اس بلیغ بادشاہ کی تجویز نہ مانی بلکہ  
پاس جانے سے بھی یہ عذر پیش کر کے انکار کر دیا کہ مجھے اورنگ زیب کی  
طرف سے حضور میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ تاکید حکم یہ ہے  
کہ یہ محمد سلطان کے قید میں ڈالے جانے پر اشارہ کر دیا کہ آئیگا۔ س م ح

کہ قلعہ کے گل دروازوں کی گنجیاں خود اپنی سپردگی میں لیکر میں یہاں سے  
نہایت جلد واپس جاؤں کیونکہ وہ حضور کی قدبوسی کے ازبک شائق  
ہو رہے ہیں اور صرف اتنی ہی دیر ہے کہ اس امر سے اطمینان ہو جائے  
تو فوراً حاضر ہو جائیں۔

شاہجہاں کا چچا سلطان کو  
قلعہ کی گنجیاں حاکم کر دینا۔  
اب دو دن تک تو شاہجہاں گنجیوں کے  
دینے میں بھر مچ کر رہا۔ لیکن جب دیکھ لیا

کہ سب لوگ اُسے چھوڑے جاتے ہیں خصوصاً یہ مسئلہ کہ تھوڑی سی فوج  
جو درجہ خاص کی محافظ تھی وہ بھی چل دی۔ اور اب بچاؤ کی کوئی امید باقی  
نہیں نا چار قلعہ کی گنجیاں حاکم کر دیں اور بتا کیہ کہلا بھیجا کہ اورنگ زیب  
کو اب تو آنا ہی چاہیے۔ اور لازماً دانائی یہی ہے کہ وہ جلد سے ملے گا  
آئے۔ کیونکہ سلطنت کے بعض ضروری اسرار ہم اُسکو سمجھا نا چاہتے ہیں۔

۲ اعتبار خاں خواجہ سرا کا قلعہ راگڑہ  
مقرر ہوا اور بادشاہ کی سخت قید۔  
لیکن ”وہ مکار فقیر“ اب بھی بدستور شاہی  
اور اپنی چال سے چوکنے والا نہ تھا۔ چنانچہ

بجائے اس کے کہ اس ارشاد کی تعمیل کرے فوراً اعتبار خاں نامے  
اپنے ایک مہتمم خواجہ کو قلعہ راگڑہ کر دیا جسے پہنچتے ہی سب گیموں  
اور بیگم صاحب اور خود شاہجہاں کو قید کر دیا۔ بلکہ قلعہ کے اکثر دروازے  
آگ چنوا دیئے۔ اور بادشاہ اور اُس کے خیر خواہوں کے باہم آمد و رفت نوکسی

مالگیرانہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتبار خاں ہفت دکن میں تھا۔ اور کنبہ  
باید الفکار خاں کو قلعہ راگڑہ کر دیا گیا تھا۔ س م ح ۱۲

خط کتابت اور سلام پیام کے ذریعے بھی سب مسدود کر دیئے ! اور شاہجہاں کو اتنی بھی اجازت نہ ہی کہ قلعہ دار کی اطلاع کے بغیر اپنے کمرے سے باہر نکل سکے۔

اب اورنگ زیب نے باپ کو ایک عریضہ لکھا  
 قید کر نیئے عذریں اورنگ زیب کا  
 باپ کی خدمت میں عریضہ بھیجا۔  
 جو روانہ کرنے سے پہلے قصد اُس لوگوں کو

سُنا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”یہ بے ادبی مجھے اسیلے سرزد ہوئی ہے کہ حضور ظاہر امیری نسبت اظہار الفت و مہربانی فرماتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ ہم دارا شکوہ کے طور و طریق سے سخت ناراض ہیں مگر مجھے بختہ خبر ملی ہے کہ حضور نے اشرفیوں سے لدے ہوئے دو ماٹھی اُسکے پاس بھیجے ہیں۔ جسے وہ نئی فوج تیار کر لیگا۔ اور اس خوں ریز لڑائی کو طوالت دیگا۔ پس حضور ہی غور فرمائیں کہ یہ حرکتیں جو فرزندوں کی ستموئی طریق کے برخلاف اور سخت معلوم ہوتی ہیں مجھ سے ان کے سرزد ہوجانے کا باعث کیا صرف دارا شکوہ کی خود سری اور عناد ہی نہیں ہے ؟ بلکہ فی الواقع حضور کی اسیری اور اتنی دیر تک شرف قدمبوسی سے میری محرومی اور حضور کے خلاف توقع فرزندانہ خدمات کی بجا آوری میں اس قدر دنگ کا باعث محض وہی ہے۔ اور میں حضور سے کمال معذرت یہ التجا کرتا ہوں کہ میری اس حرکت کی تعجب الکثیر ظاہری صورت پر بحفاظت فرما کر اس زوال آزادی کو جو صرف چند روز کے لئے ہے تحمل کے ساتھ گوارا فرمائیں اور جب دارا شکوہ امن و امان میں خسل انداز ہونے اور حضور کو اور مجھ کو ایذا دینے کے قابل نہ رہے گا

تو میں فوراً قلعہ کی طرف از خود دوڑا چلا آؤں گا اور حاضر ہو کر دست بستہ عرض کروں گا کہ اب کچھ روک ٹوک نہیں ہے۔

اگرچہ میں نے سنا ہے کہ شاہجہاں نے فی الواقع یہ اشرفیاں اُسی رات کو داراشکوہ کے

اورنگ زیب نے باپ کی نسبت جو الزام لگایا تھا اسکی تحقیق

پاس بھی نہیں جبکہ وہ پنجاب کی طرف روانہ ہوا تھا اور اسکی خبر دشنایا گیا ہے اورنگ زیب کو پہنچائی تھی اور یہ خبر بھی اُسی نے دی تھی کہ قلعہ میں آؤ گے تو قلعہ داراں تہرہ حملہ کرینگے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شاہجہاں کے کئی خط جو اُسے داراشکوہ کے نام روانہ کیے تھے اورنگ زیب کے ہاتھ آگئے تھے۔ مگر اکثر دانشمند اور فہمیدہ لوگ ان باتوں کی صحت سے انکار کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ وہ کاغذ جو سرعام سنا گیا تھا محض بے اصل اور صرف لوگوں کے دعو کا دینے اور شاہجہاں کے خیر خواہوں اور طرفداروں کی طفل تسلی اور زباں بندی کے لئے تھا جو بطور واجب اورنگ زیب کی اس ناشائستہ حرکت کا چرچا کرتے تھے۔

خیر یہ باتیں صحیح ہوں یا غلط لیکن یہ بات بالکل سچ ہے کہ جب بادشاہ ایسے سخت طور سے قید ہو گیا تو قریباً تمام امرا اورنگ زیب

بادشاہ کے قید ہوجانے کے بعد چند لوگوں کے سوا کُل امرا کا اورنگ زیب اور مراد بخش کو جاسلام کرنا اور ان کے اس رویہ کی نسبت معذرت کی راہ۔

اور مراد بخش کے دربار میں تلبیات کے لئے جا حاضر ہوئے۔ اور میں جب یہ سوچتا ہوں کہ اس بیچارے بڑے اور مظلوم بادشاہ کی حمایت میں کسی امیر نے ذرا بھی ماتھے پانوں نہ ہلائے۔ اور کسی کے چھوٹے موٹے سو

بات تک بھی نہ نکلی! تو مجھے نہایت ہی رنج ہوتا اور غصہ آتا ہے! افسوس! یہ لوگ ان ظالموں کے آگے سر جھکانے کو جاتے تھے جنہوں نے ان کے آقا اور مالک پر ایسی سختی کی۔ حالانکہ ان کے موجودہ مرتبے اور درجے اور دولت و حشمت سب کچھ صرف اُسی کی مہربانی کا نتیجہ تھا۔ اور اس دربار کی رسم کے موافق اُسے اُنکو اونے اونے درجوں سے مراتب اعلیٰ پہنچایا تھا۔ یہاں تک کہ بہت سے ان میں سے ایسے تھے جو غلامی کی حالت سے امارت کے درجہ کو پہنچے تھے۔ گریباں جیہ شخص ایسے بھی تھے مثلاً <sup>علی</sup> <sup>ہ</sup> <sup>بن</sup> <sup>موسیٰ</sup> <sup>بن</sup> <sup>موسیٰ</sup> جنہوں نے کسی کی بھی جانب داری اختیار نہیں کی تھی۔ لیکن ان کے سوا اور سب کا عموماً یہ حال تھا کہ اب اورنگ زیب ہی کا دم بھرتے تھے مگر ان اُمرا کی خاص طور کی حالت چرب میں خیال کرتا ہوں تو ان کے اس کفران نعمت اور احسان فراموشی کی نسبت میرا لعن طعن کرنے کا جوش کچھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے یعنی ہندوستان کے اُمرا چونکہ فرائض وغیرہ ممالک یورپ کے اُمرا کی طرح مستقل ملک کسی جاہل و زمینداری وغیرہ کے نہیں ہیں۔ اسوجہ سے ان کی آدمیوں کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ جسکو بادشاہ وقت سے کچھ تعلق ہو۔ بلکہ عیسا میں پہلے کلمہ چکا ہوں انکی آمدنیاں صرف وہ روزینے ہوتے ہیں جنکا تقریر محض بادشاہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور ان کا جاری کھانا

۱۔ داداشکوہ کی مخالفت کے باعث میر جعفی کے عہدہ سے ہتفا دکر اس وقت تک یہ دہلی ہی میں ٹھہر رہے تھے اور عالمگیر سے ملنا ہوتا ہے کہ جب اورنگ زیب داداشکوہ کو قید میں آکر سے دہلی کے قریب پہنچا تو یہ خطر آباد کو مقام (مور پٹی دلی) سے پس تھا انکی زمین میں ماضی ہوا تھا۔ اس میں

یا بند کرنا صرف اُسی کے اختیار میں ہے اور جب یہ وظایف بند ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ بالکل تب ہی میں آجاتے ہیں یہاں تک کہ تھوڑا سا قرض بھی کہیں سے اکٹو نہیں مل سکتا۔ \*

باب بیٹے کی منافقانہ کارروائیاں۔ اُمرا کا اورنگ زیب کے پاس حاضر ہو جانا۔ اور آخر کار شاہجہاں کا قید ہونا۔ ان سب واقعات کو عالمگیر نامہ تاریخ عاقلِ خاں۔ عملِ صالح۔ اور سیرالساخرین میں جس تفصیل و ترتیب سے لکھا ہے اُسکا خلاصہ مع پوری نقل اس طرح و کتابت کے جو باب بیٹے کے باہم ہوتی رہی مفید اور دل چسپ سمجھ کر اُسی ترتیب سے سن لیں کہ درج کیا جائے اس خط و کتابت کی نقلیں جو علی صالح اور تاریخ عاقلِ خاں میں درج ہیں اُنکے الفاظ مختلف اور طلبِ واحد ہے۔ مگر عاقلِ خاں جو اورنگ زیب کے خاص امیروں میں سے تھا اُسکی تحریروں کو زیادہ سندی سمجھ کر سب نقلیں اُسی کتاب سے لی گئی ہیں بجز ایک عرضی کے جو امیں دتھی اور علی صالح سے لی گئی۔

اگرچہ اورنگ زیب کی وہ تحریر جو بونہو نے نقل کیا ہے ان دونوں کتابوں میں نہیں ہے مگر عالمگیر نامہ میں (جسکے مستوداتِ نوہ اورنگ زیب کے لفظ کے بعد منسلک ہوتے تھے) داراشکوہ پر فتح پور اس سے دوسرے دن مقامِ عماد پور عزت مستوگڑھ اورنگ زیب کے ڈیرہ کرنے کا ذکر لکھ کر یہ عبارت تحریر کی ہے کہ ”در روز مجتہد مندرت نامہ منسلک بمصرتِ حال۔ واعتقاد وقوع مصفا آراہی و قتال کہ باعث وادی آن داراشکوہ بے فرد منور و بود۔ و نمود منور حکمِ شرع و قوائے عقل در اقدام بر آن منور۔ گاشته کا کباب ادب دانی ساخته بخدمت اعلیٰ حضرت فرستادند“ اور آراہی سے تیسرے دن شہرِ اگڑہ کے قریب جب باغِ نور منزلِ معروف باغِ دھڑ میں ڈیرہ ہوا تو اُنکے اس مندرت نامہ کے جواب میں شاہجہاں نے جو شہادت اپنے تمام خاص سے لکھا تھا اُسکا خلاصہ بقول عاقلِ خاں یہ ہے

”چون بمقتضاِ شہادتِ جیوئی و میان آن شہرہ با سرہ سلطنت و جہان بینی غرہ ناسیہ غفلت و کامرانی و شاہِ بلند اقبالِ محبت بہ کورت و مالِ بنامید و انچہ در پردہ غیب و حجاب تقدیر متوہود و پرستو بروز افاد و از انجا کہ در زبانِ قضاوت قد۔ و ادا و تِ خالقِ تمسید و شہر



چون و چرا کے بشر راہ نئے نیست اغراض عین ازاں از منہات نشا و خود نشا سنی صلا دانی  
 دانستہ انظار امر سے کہ کنوں انشراح خاطر و انبساط طبع اقدس جان تعلق و موطا آمدہ بذل  
 توجہ والا انگریز شرف و توقیع پذیرفت و غرض از تبیین ایں مقولہ انکہ نقائص باطنی ہوتا  
 خاطر بہ تماشا سے جمال انعامی فرحت اتما سے آن فرزند ہوشمند بیدار خود کہ چراغ ضیاء بخش  
 فروغ افزا سے ایں دو دہان دولت و اقبال است بنیادی است کہ حوصلہ تقریر و بیان نماؤ  
 آن را بر نیت بد خاصہ کہ آن درۃ الکج خلافت و واراہی و عین فریدہ تربیت افزا سے  
 اکلیل فیضان روائی را بنا بر ارادت لم نری پس از روزگار در از زمان طویل با ایں بہ قرب  
 مکان و محل قریب اتفاق نزول افتادہ و مارا پس ازاں جہاں امراض متضادہ شہیدہ کہ  
 رشتہ امید توقف دریں نشا اہل سوز حوادث اندوز قطعاً مقصور و منقطع بود از شفا خانہ  
 حکیم علی الاطلاق شہرت گوارا سحت کرامت وصول پذیرفتہ فی الحقیقت حیات تازہ و زندگی  
 در بارہ عطا گردید التہاب نیران شوق و نواہ شہنشاہ باقتضی نہایت رسیدہ یعنی کج خوشتر  
 قابی آرزوی باطنی آن فرزند یک اختر والا کہ نیز دریں باب از باب غلیان نشا محبت و  
 کیفیت طلب عزیز معر لقا سے بزرگ کناس خواہد بود چون زیادہ برس حوصلہ طاقت با نظر  
 را بر نمی تابید پدیدہ عالم استحسان آہستہ کہ اس اوب دان خود و رسم شناس نقل نزد ہی ہم  
 تہمتہ مرہم راحت بر راحت تر صد نہادہ خاطر اقدس را بہ شاہدہ جمال انعامی بخت افزا خود فرحت  
 آگین و مسرت آمود سازد ہم زود آ و دل تنگ مرا مونس جاں باش

اس شفق کے پہنچنے پر اورنگ زیب نے تعلق کی راہ سے نہایت ہی اوجہ  
 فرمان برداری کا اظہار کیا اور فاضل خاں میر سامان اور مسیحیڈ ھذا یت اللہ  
 صدد یعنی منتظم اوقات کو جہ بہ شفقہ اور الفت و محبت اور شوق ملاقات کے پیغام مافی  
 لیکر آئے تھے بڑے بھاری خدمت عنایت کیئے اور جواب میں یہ غرضی حوالہ کر کے بہت  
 خاطر و طرات کے ساتھ نصرت کیا۔

وہ ماسمجہ و سلام دلوازم انظیم و کریم بجا آوردہ برض میر سامان کہ فرمان فرزندہ  
 عنوان مشتمل بر کیفیت آرزو مندی خاطر فیض مظاہرہ زود رسیدن ایں پردہ نصرت  
 بہ آوردہ نہایت بڑی ہیں بعض مضمونائیں النور شرف صدر و عرو و بانہ۔ از دیانت  
 مضمون اشفاق شہور آن جریدہ فیض کہ ہر کلامش سراپا وہ انوار برکات و ہر فقرہ اش

پیرایہ پیرائے حیات بود سراسر صفو خاطر زینت جمیعت و طراز شگفتگی یافتہ روشنی رخسار نگین تاب  
گرد بود و فروغ این آیات رحمت و شمعیں سما سے عاطفت از سر نو بر تو برام و طارم و مانع گزیدہ  
سرمشارشے مسرت و طراوت ساخت۔ شکر این غلیات آزارہ و مرحمت۔ بے اندازہ کہ از غروب  
طاقت تحریر و تقریر بدست از نگینی و سنگا و لفظ و معنی چگونہ مقرر بر زبان کر زمر بیان رستہ آید  
۶ ہم مگر لطف شہادت پیش نہد گانے چند۔ الحمد للہ و المنة کہ خاصیت صدق ارادت حضرت  
و خلوص عقیدت کمون و ضمیر میران حضرت کار خود کردہ تازگی فروغ نلہم از زبان کردہ باطن  
بر رویے بروز انداخت و سلسلہ بیانی اقبال آسانی و فیض خوشحسی و جانی مغفور کمال غلیات  
حضرت ظل سبحانی سسیدہ گلشن آمد و مراد و اسگفتہ و خند اس ساخت انوں کار از انہا طوطی  
بسی مرا تہم ظاہری گزشتہ بگویش حقیقت سید و راجحہ التفات معنوی بشام آرز و فایز گشت۔  
باعثہ مزید حیانت گردیدہ امیدوار است کہ اسباب موہبت این دور آفتادہ در وقت مسعود  
و سعادت رسالت آموذہ دستہ ہم دہد و از فیض قدس ہوس مبارک آن حضرت کہ فی الحقیقت برکت  
روزگار و آیت دوست برد و روزگار زند و روزگار ان انتظار این وقت و آرزو سے روزی شدن این  
روز داشت ہر دو اونی تقریر و گزشتہ از تجوی و پادشای فیض الاذہر روزی منظر دیدہ و را روکش در چوکی  
شرق مہر نورس زد۔ زیادہ ازین دراز نفسی گوئہ المذہب جہاد

اگرچہ اور رنگ زیب کے شکر بوں سے بہ گمان ہوتا ہے کہ تعلق وقت مسعود و سعادت  
سعادت آموذہ کا انہار اس دید و نوشت میں اپنے بندہ بستانوں کے پورا کرنے کے لئے بخش ایک حیلہ  
تھا کہ چونکہ اس عرصہ میں ہوشاہن سرور اور امیر و زور و زور اسکے پاس حاضر ہونے جاتے تھے اور  
اس حالت میں بادشاہ کے پاس جانے سے بجز نذر کے کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ اور قبول حکم  
سیر الماخرین حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کرنے کی وجہ صرف اتنی ہی تھی کہ لوگوں کی زبان طعن  
فرماندہ رہے۔ مگر عاقل خاں اور صاحب علی صاحب کے بیان سے زہر اور رنگ زیب  
کے خوشامدی مومخ نہیں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسکا ارادہ فی الحقیقت باب کی خدمت میں حاضر  
ہونے کا تھا۔ مگر فاضل خاں کے پنے ہانیکے بعد بعض امرانے اسے خوب بہتا یا اور شاہجہاں  
کے پاس جانے سے ڈرا دیا۔ چنانچہ فاضل خاں جب اسکے روز اس عہد میں کہ باب بیٹے کی ملاقات  
اب جلد ہونے والی ہے خوش خوش پھرا آیا اور بادشاہ کی طرف سے بطور رعایت اسکی نیامندی اور  
خوشنودی کے بعض عمدہ تحائف مع ایک شہر تلواری کے جسکا نام عالمگیر تھا اور (جسکی نسبت توقع

بقیہ حاشیہ  
صفحہ گزشتہ

سکتے ہیں کہ اوردنگ زیب اور آنگے فقیوں نے اسے ایک ایسی فال مبارک سمجھا تھا کہ آخر کا بجٹ تین تین کے وقت اس لفظ کو اپنے القاب شاہی کا اس نے ایک مجرب بنایا لایا اگرچہ اوردنگ زیب نے اب اور اعانت کی ظاہری باتیں تو اب بھی بہت سی بنائیں مگر شاہجہاں کے پاس حاضر ہونے کی اس بات پر نہ آیا۔ بلکہ فاضل خاں نے بھی تاویلیا اور بادشاہ سے جا کر صاف کہہ دیا۔ ناچار شاہجہاں نے دوسرے روز پھر ایک رقعہ لکھا بلکہ اوردنگ زیب کی برگمانی رفع کر کے خیال سے خلیل اللہ <sup>رحمہ</sup> کو بھی فاضل خاں کے ساتھ بھیجا اور وہ یہ تھا۔ نقل شفق ثانی

» با وجود حقوق پرورش بنادر و تعلیم و تقنین و بنوازشات یکبار و عنایت  
بے پایاں اختصاص کشیدن و بنام صاحب امتیاز و مراتب ارجمند غازی گردانیدن و با این همه حقوق و امتیازات  
داد و الا امری که بفرمان شاهنشاه علی الاطلاق اطاعت و امتثال حکم لازم و واجب است و کلام ثانی  
در کتاب آسانی بیان مطلق - از این فرزند سعادت مندا که از امت مزایای حسن اعتقاد و مجموعه دانش  
و پیشکش خدا واد است و پیوسته عمر گرگرمی را بر بنما جوئی و نیکامی و حسن شناسی و خدا وانی صفت کرده  
سیا را بیدمی نماید که در مهر بانی ورتبه شوق و خوشش خاطر آدمی را بدریافت ویدار فرحت آنا پیشتر  
نداشتند بابر اغوا و اختلال صاحب اغراض فاسد چند بحیثیت دو و شوند ارد باغی رسند و  
با شوند اری بخوانی رسند و از احراز سعادت حضور ازل است و بوا اسط و دست کامی مشی و ابر  
بدیعت ارا دشمن کام پسند و خفتب اراد در فرمان فرما این جهان و اهل روزگار بخور کرده از دست  
عاقبت نمیند و براس دوره زندگی این سرسرا و دنیا شتر ساری و فحالت ابد و پیشکش خدا و رسول  
بر خود گوراد آسان گیر و - زنده را سے فرزند بکار سے جرات مندا که اخر منتهی ندامت و پشیمانی گردد -  
و ندامت سودمند -

ایک

اسے خلف ازراہ مخالف بتاب  
گر زخود این نفس گشتی بہت  
دور بد آموز شد این رہ پید  
گر جو کئی دعویٰ دانش و لیک  
جس تو شب و روز ہوا بنزد کنی  
گرچہ حولی ہی ہر فرا نگلی ہست

تین بیگلر کہ منہم آفتاب  
سو سے خدایم و مشو خود بہرست  
گفتیہ بآموز نباید شنید  
نیک با ختم کہ ندانی تو نیک  
بے ادبی با جو منے چوں گئی  
ایں نجوانی ہست کہ دیوانگی ہست

اسے پیرا چہ بسری درخوری      لیک کن باہر اس سروری  
بر سر خوان آئے کہ ہم تو ش      یاد تک کن کہ سب گروشے  
نون شنی و دل سن مہر جوت      جوشش بسیار کن زیر پوست

چنانچہ جب یہ دونوں امیر اورنگ زیب کی ڈیوڑھی پر پہنچے تو صرف خلیل اللہ خاں  
جو پہلے سے کھڑا تھا اندر بلا لیا گیا جسے جا کر یہ کہہ دیا کہ آپ ہرگز بجا ہے وہاں انکی نسبت  
ارادہ ہوا ہے۔ بلکہ بادشاہ کو تیر گریٹھ کی صلاح دیکر اور رفع بذامی کے لیے خود اپنی زنجیر  
سے نجات نظر بند ہو کر وہیں رہ گیا۔ اور اورنگ زیب نے فاضل خاں کی زبانی بادشاہ کو  
کہا اچھا کہ مجھے وہاں جانے میں کئی طرح کا خوف اور اندیشہ ہے اس لیے بالفعل حاضر ہونے  
سے معذور ہوں۔ بادشاہ نے جب فاضل خاں سے یہ سب اجازت مانا اور دیکھا کہ میرے  
ہی امرا اُسے ہکا تے ہیں تو اس اندیشہ سے کہ ایسا ہو کہ یکایک مجھ سے کچھ اور سلوک  
کر بیٹھیں قلعہ کے دروازے بند کر دیئے جسکی خبر پہنچے ہی ذوالفقار خاں اور  
مہاراجا خاں۔ اورنگ زیب کے سرداروں نے انکو قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اگرچہ  
انہوں نے رات کو قلعہ کی فیصل کے نزدیک پہنچ کر بقول عاقل خاں بہت سا گروہ ڈھکیلا  
مگر یہ سب ایسا تھا کہ وہ ایسی آسانی سے اس پر قابض ہو جاتے اس باعث سے اورنگ زیب  
کے سردار اور سپاہی قلعہ کے نزدیک کے مکانوں اور درختوں اور دیواروں کی آڑ میں اتر  
پڑے اور دونوں طرف سے توپ اور ہندو کی ٹٹائی شروع ہو گئی۔ اگرچہ بادشاہ کی  
طرف سے بعض چھوٹے سردار اور ہندوئی پیادے تک حملائی اور بہاؤری سے بخوبی مقابلہ  
اور مدافعت کرتے رہے۔ مگر اکثر بڑے امرا اور منصب دار پہلے ہی رد رہے یہ جان کر حیرت  
ہوئے کہ دیکھ کسے راستہ دریا سے پانی لانے والوں کی مدد کو جاتے ہیں۔

چونکہ اگر دیو کی حقیقت زندگی کی وجہ سے قلعہ میں نہ تو شہر گاہ ہی لگ سکتی تھی اور نہ  
بلکہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس لیے اہل قلعہ کو پیارا دار کھانا و کھیت قصہ سے دو سبکوں اور اورنگ زیب  
کے لوگ فراہم کر کے کھڑی دروازہ تک جا پہنچے اور قلعہ میں پانی پہنچنے کا بہتہ بند  
کر دیا۔ وہ لوگ کاموسم اور آگ کا کی سخت گرمی سچا ہے اہل قلعہ لاچار ہو گئے جس میں  
بیمار اور بوڑھے بادشاہ نے یہ عاوند دیکھ کر بخیر مشروط اہل قلعہ کے (جسکو ان فاسی نایگوں  
میں سمجھا دیا تھا ہے) اور کوئی صورت نہ دیکھی اور جہاں اپنے کسی دلی خیر خواہ یہ چارے

فاضل خان کو فرزند بلند اقبال کی خدمت میں ایک اور تحریر دیکر روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا  
 ” مالک الملک قاضی شاہ کہ مملکتش از تغیر و زوال معصوم است کوکب اقبال فرزند برومند  
 قوی طالع راجوں کوکب جہاں فروز فرخ بخش شہستان دولت و ضیاء اوقات سلامت جہاں  
 دارد۔ از کج بازی سپہر نیلگ ساز و ساز سازی روزگار شعبہ ہا ہرام کہ اسلا بحیطہ قصور و مین  
 تعقل در نمی آمد بعین یقین شاہدہ فتاد۔ آن فرزند اقبال مند طالع بلند یکبارگی مہر فرزند ہی  
 بریدہ بر آتش شوق کہ در کانون دروں آتش سیمت انتہا پذیرتہ نظر سے نیکنہ چشم از ہون  
 آہوت و تربیت عمر سے پوشیدہ مار دشمن کام پسندیدہ و ایذا و آزار مارا کہ موجب پندامی دنیا و دوش  
 ناہامی حق ہے سہل آسان انکاشتہ از باز پرس روز شمار غافل و خیر افادہ اما دیوم یقیم کہا“

ازیں جزات و ارتکاب حق شکنی چہ جواب خواہ داد نظم

پیش کہ گویم ز خودت شرم باد	کز پے خون خودم اندر رفت و
بندہ کہ ہیشہ بود کینت جو	خلق چہ گویند تو ہم خود بگو
در ز تو در قلب من آمد غبار	ہم تو شوی در رخ خود شہر سار
باش بکامم کہ بکام تو ام	زندہ و نازندہ بنام تو ام
بہر خدا صورت خویشم نما	روئے گردان و تبرس از نما

لائق آنت کہ آن ترہ باصرہ دولت و دارائی بر صفت شکنی و کشور کئی خود فرو بخود نمک  
 و اعتماد بر سازگاری زمانہ و رفافت روزگار کنند کہ ایں چرخ پر نیزنگ و جہاں دورنگ اصلا  
 اعتماد را نشاید و ازیں بیان شکن بد عہدہ قطعاً و فانیاید و دریں صورت شناسیستہ خرد آنت  
 کہ کار سے کہ موجب دہن و قور ایں دودان عالیشان گرد و از ارتکاب آن اجتناب حبیب  
 شمرده و حفظ امان سسلطت چندیں سالہ کہ طنظہ عظمت و شکوہ کنت و اقتدار ایں دولت در  
 ساحت زمین و زمان پیچیدہ و سائر فرماں روا بیان روئے زمین ازان شمار سے بر میگرفتہ  
 کوشیدہ آنچه از فرزندان قابل توقع باشد بظہور آرد کہ نام نیک و ہم قابلیت آن نواہد  
 گلشن جاہ و جلال در صفحہ روزگار و صفحہ لیل و نہار ثابت و پایدار باند۔“  
 جسکے جواب میں اود رنگ زیب سے یہہ عرضہ لکھا۔

و الحمد للہ المنتہ کہ ایں نیاز مند و گاہ شاہنشاہ بے مثل و مانند از بد و اہتر از ر و باغ غفل  
 تمیز الی الان باندازہ امکان بشری و طاقت انسانی و تمہید قواعد ارادت و اعتقاد

چند جہاں

و تشہید بمانی صدق و سہ ادخود را مقدر ساخته و در ضبط سر شہد اشرف نامی خاطر بہاویوں  
کوشیدہ از مراحم مستقیم مہودیت و جانفشانی انحراف جائز نہ داشتہ و نمی دارد و در راہ  
بندگی و عقیدت ثابت و راسخ بہست۔ لیکن از فخر ظہور این مقدمات کہ بنابر اداوت ازلی و  
ششیت لم یزلی در میان آمدہ بہ مقتضای طبیعت بشری مغلوب و امید و ہراس گشتہ جرات  
آن نامزدہ کہ بالظہان قلب بہ حقیقت باطن عازم احراز سعادت حضور پر نور تواند شد و الا آری  
خاطر فائز این مستند بہ را بارادت و اخلاص بنیل دولت اسلام شدہ بہم التیام زیادہ  
از است کہ حوصلہ تقریر و تبیین آن را بر تابہ زبان از شکر عنایات سرشار و مراحم دانشقان  
بے شمار اقدس فاضل۔ اگر آئین مرید نوازی مرغی فرمودہ حکم و الا بشرف نفاذ رساند کہ  
بہنہ از مردم این مرید بخشیت بقاعدہ بار یافتہ بجاست جسے از ملازمان سرکار عالم دار کہ بظلمات  
داخل محتاج امور مذکور آگیزہ و از پیشگاہ عنایت خسروانی بخواست ابواب قلعہ اقتیاز و تحضات  
یابند این نذہی جان سپار بخاطر منع و سکون باطن و الظہان دل بچھو اقدس رسیدہ سعادت  
زین بوس اشرف حاصل نہایہ در بان عقیدت بیان بعد از تصحیبات مکشایہ غایت مرید نوازی  
خواہد بود۔“

اس کا نذ کے پیچھے پر شاہجہاں نے ناچار یہ حکم بھی دیدیا کہ سب بادشاہی  
لازم قلعہ سے باہر نہ جائیں اور قلعہ کے دروازے کھل دیئے اور شاہزادہ محمد سلطان  
مع ذوالفقار خاں اور شیخ میلہ اور بہادر خاں اور اسلام خاں کے روز  
جمعہ گیا آجوس رمضان شہادت لے۔ ایک ہزار اوشٹہ تجوی کو داخل قلعہ ہو گئے۔ اور جب سب جگہ  
آپنا بندوبست کر چکے اوقت محمد سلطان اسلام خاں کے ساتھ کورنش کے بیٹے  
دادا جان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اگرچہ اب بیچارہ بادشاہ قلعہ بھی حوالہ کر چکا۔ مگر جیسا کہ  
میں حضرت اورنگ زیب ملاقات کو نہ تھے تو اگلے روز شاہجہاں کی بڑی بیٹی مرشد  
بیگم صاحبہ اب بکھڑ سے ملاقات وغیرہ کے پیغام بیکر اورنگ زیب کے ملکر کو خود  
گئی۔ مگر اس وقت سے اس کے اعزاز و احترام کے سہولتی دستور کے برخلاف ہنگام استقبال عمود  
کنا گیا۔ اور یہ کہ کلا بھیجا کہ آپ مجلس میں چلیں میرا میں آتا ہوں۔ اور جب وہ مجلس میں  
پہنچ گئی تو اورنگ زیب نے کیسے اعزاز و اکرام سے ملاقات کی۔ بیگم صاحبہ نے  
پہلے تو باپ کی طرف سے اپنے محمد بھائی کی نسبت اظہار عنایت اور شوق دیدار بیان کیا

بعد اسکے یہ بموقع پیام دیا کہ حضرت غل سبجانی کی شاہ زمری اسطرح ہے کہ ملک پنجاب  
 ح اسطوف کے اور اضلاع کے داراشکوہ کو عنایت فرمائیں اور شجرات پر ہوا بخش  
 اور بنگالہ پر شجاع کا بدشورت صرف رہے اور ملک دکن محمد سلطان کو عطا ہو  
 اور شاہ بلند اقبال کا خطاب اور باقی کل ممالک محروسہ کی ولیعہدی کا منصب عالی اکو  
 مبارک ہو۔ پس آپ قبول کیجئے۔ اور غرضند لوگوں کی باتوں پر نہ مائیے۔ بغیر غرض  
 اور دوسو اس کے حضرت کی خدمت میں چکر اپنے دیدار سے انکی خاطر شافی کو سرور کیجئے  
 اور نگ زیب نے اسکے جواب میں داراشکوہ کی خدمت کی سخت نکاتیں کہ  
 ان باتوں کی قبولیت سے انکار کیا اور صاف کہہ دیا کہ داراشکوہ کا سارا کیسو ہونے کی  
 حضور میں حاضر ہونے کی جرات نہیں کر سکتا۔ بیگم صاحب یہ جواب نیکر نہایت رنج و  
 انوس کے ساتھ واپس ہوئیں۔ اور سب اندوہناک اجرا بادشاہ سے عرض کیا۔ اسکے  
 بعد پیراسی طرح پیام و سلام ہوتے رہے۔ اور جب آخر کار بہت سی گفت و شنید کے بعد  
 اور نگ زیب تیسرے دن شاہجہماں کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر کے بے  
 نور منزل سے سوا یکم کر چل پڑا تو یکایک شایستہ خاں اور شلیچ میٹرنے  
 سامنے سے آکر عرض کیا کہ ”حضور کہاں جاتے ہیں! یہ ارادہ عقل اور درایتی  
 کے برخلاف ہے۔ خدا کی واسطے اس سے انحراف فرمائیے۔ اور جب خدا کے فضل سے  
 قلید میں حضور کا عقل و فعل خاطر خواہ ہو چکا ہے اور اعلیٰ حضرت کا اختیار و اقتدار کچھ بھی نہیں  
 تو بلا ضرورت اندیشے اور خطر کی نگہ میں جانے سے اب کیا حاصل“

ان باتوں سے اور نگ زیب کی طبیعت میں بھر ایک تذبذب پیدا ہو گیا اور وہ  
 اپنے ڈیرہ کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کے پاس جانے نہ جانے کی نسبت ابھی گفتگو میں درمیان ہی  
 تھیں کہ اسی اشارہ میں ناھر دل نامے ایک چیلے نے شاہجہماں کا ایک شہر جو ستر  
 داراشکوہ کے نام اپنے اتھ سے لکھ کر ٹرے اعتماد اور احتیاط سے اسکو سپرد کر کے  
 یہ ہدایت کی تھی کہ نہایت جلد دھلی پہنچ کر اسکا جواب لائے۔ ہمیں کیا۔ خلاصہ اس  
 کا غذا کا عاقل خاں نے یہ لکھا ہے کہ ”داراشکوہ در شاہجہماں آباد ثبات  
 قوم و دزد۔ کمی خزانہ و لشکر در آنجا نیست۔ نہ بہار از آنجا میسر گذرد کہ مابہ دولت و دنیا  
 ہم را فیصل میفرمائییم۔ اس آخر قرہ کا پڑھنا تھا کہ اور نگ زیب کو اپنے خیر خواہی کی

باتوں کا یقین ہو گیا۔ اور اُس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا۔ اور چونکہ بیگم صاحب کے آنے کے بعد جعفر خاں وزیرِ حکیم تقریباً خاں (جو قرب و منزلت میں بہت بھی وزیر سے کم تھا) اور ساہیاباں راجہ دھننا تھ دیوانِ سلطنت بھی مع عذوقہ دیوانی حاضر ہو چکے تھے اب اس نے ایک نہایت شاندار دربار عام (مگر شاہزادوں کے دستور کے موافق پشت منہ) منعقد کر کے سب اُمرا و منصبیوں کی خدمت میں (شاہانہ طور پر) لیں اور بعد ازاں بڑے لطافت اور کدو فر کے ساتھ سب کو فیصل قلعہ کے دروازہ کے آگے سے !! گزر کر داراشکوہ کی حویلی میں جاؤیرہ کیا اور محمد سلطان نے باپ کے حکم سے تمام بادشاہی خزانوں کا رٹا انوں تو شریفانوں کو ضبط کر کے سر بھر کر دیا۔ اور اکیسویں رمضان منہ ذکر سے شاہجہاں ایسا سخت قیدی ہو گیا کہ حرمِ سر سے باہر نکلنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ بلکہ بقول مصنف علیٰ صراحہ مت تک بجز خدیوہ عورتوں کے کوئی خدمتکار تک پاس پھٹنے نہ پاتا تھا۔

ذوالفقار خاں آگوا کا قلعہ اور شاہجہاں کا محافظ مقرر ہوا۔ اسلام خاں کو آگوا کی طرف بھی دیکھی۔ اور آپ صرف تین روز داراشکوہ کی حویلی میں ٹھہر کر دئی کو کوچ کر دیا اور اگرچہ دیکھل معلومیتوں کے لحاظ سے اپنی غیبت میں محمد سلطان کو بھی آگوا رہنے کا حکم دیا مگر نہ تو اسکو فوج وغیرہ پر اعتماد تھی ہی دیا نہ قادیان ہنسی کی گنجائش دی بلکہ اسلام خاں کو اپنا سابق مقرر کر کے یہ حکم دیا کہ اگر آگوا کی حویلی میں دؤیرہ رکھے۔ اور اگرچہ بادشاہ کے قید اور بے بس کر دینے کے لئے ایک طرف تو مذکورہ بالا اتہام و نظام تھے کہ اپنی معمولی بکاری سے ان حرکتوں پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو غیبت و تشویش سے بچنے کی خاطر دئی کو کوچ کرنے سے پہلے فاضل خاں میرساں کو بادشاہ کی خدمت لکھائی اور بدخشاہت و بیعتات و نظام کا رعایا جات خاصہ شریفیہ کے لئے (جو اکثر وہیں تھے) مقرر کیا۔ اور تقریباً خاں کو شاہجہاں کا مزاج داں معالج تھا واسطے علاجِ بعیت مرض کو مقرر کر کے تین ہزار اشطریوں کے انعام اور عنایاتِ مہلت نامہ جبرہ مرض مع علاوہ دوا و دیر سے سر فراز کیا۔ اور جب آگوا سے چکر چلاؤ دؤیرہ بہادر دور میں ہوا تو اپنے فرزند ثالث محمد اعظم کو بھی سلام کر لئے دعائے کیا جسے بعد امد کو پانچ سو ہر میں اور چار سو روپیہ نقدہ دیا اور بادشاہ نے بھی تلقین اور طہری پیا۔ محبت کے بعد بت کچھ دیکھ کر ارجحیت کیا۔ شاہجہاں کی قید کو چھ مہینے کا مادہ تاریخِ جہانیت ہی حسبِ حال ہر عاقل خاں نے یہ کہا ہے۔ واعتبروا یا اولیٰ الالباب۔ س م ح



اورنگ زیب اور مراد بخش کا  
داراشکوہ کے تعاقب میں روانہ  
ہونا اور اورنگ زیب کا دغا بازی  
سے مراد بخش کو قید کر لینا۔

القصہ دونوں شاہزادوں نے باپ کے معاملہ کو  
فارغ ہو کر اُمرا کی ندریں لیں اور اپنے ماموں  
شایستہ خاں کو آگرہ کا صوبہ دار بنا کر اور

خزانہ شاہی سے اخراجات ضروری کا انصرام کر کے داراشکوہ کے  
تعاقب میں کوچ کیا۔ اور جب فوج کا آگرہ سے کوچ ہونے کو تھا تو مراد بخش کے  
خالص ہواخوں خصوصاً شہباز خواجہ سرانے اسکو بہت سمجھایا کہ آپ کو اپنے

اشکر کے آگرہ یا دہلی سے دور جانا نہیں چاہیے اور غایت درجہ کا ادب و

آداب اور سجدہ منہی باتیں جو اورنگ زیب کرتا ہے فریب اور دغا بازی کا

نشان ہے۔ اور جبکہ خاص و عام بلکہ خود وہ بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ

آپ بادشاہ آپ ہیں تو پھر یہ کیونکر مناسب ہے کہ آپ آگرہ اور دہلی کے

نزدیک نہ رہیں اور کہیں دور چلے جائیں۔ پس آپ اسکو داراشکوہ کو تعاقب

میں جانے دیجئے۔“

چنانچہ میری دانست میں اگر وہ یہ مقول صلاح مان لیتا تو اورنگ زیب

کو بہت مشکل پڑ جاتی لیکن اُس نے ایک نہ مانی اور بھائی کے ساتھ دہلی کو

چل کھڑا ہوا کیونکہ اُس کے موکلہ اور استحکم وعدوں اور اُن بیہودہ قسموں پر جو بار بار

قرآن درمیان رکھ کر کھائی ہوئی تھیں اسکو پورا بھروسہ تھا۔ لیکن جب دونوں

منہمک اپنے پکر مقام کیا جو آگرہ سے قریب تین چار منزل کے ہے تو مراد بخش

پچھلے مانیہ میں بکھا جا چکا ہے کہ اسوقت اسلام خاں کو آگرہ کا صوبہ دار بنایا گیا تھا۔ البتہ

شایستہ خاں بھی آگرہ کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا مگر اس کو کچھ عرصہ بعد۔ س م ح

کے خیر خواہوں نے جو اس عرصہ میں بہت کچھ دیکھ اور سُن چکے تھے مہاجر ہو کر آپس میں یہ صلاح کی کہ ایک دفعہ تو اسکو پھر سمجھانا چاہیے آگے وہ جانے مانے یا نہ مانے۔ چنانچہ انہوں نے اُس سے کہا کہ ہم کو کئی جگہ سے پختہ خیر ملی ہیں کہ اورنگ زیب کا بیشک کچھ بُرا ارادہ ہے اور کسی خوفناک منصوبے کیلئے بہت کچھ بندشیں ہو چکی ہیں اس واسطے اُسکی ملاقات کو خاص اُسکے لشکر میں آپکا جانا مناسب نہیں اور زیادہ نہیں تو آج کی رات تو ہرگز نہ جائیے۔ اور اس آفت کے ٹال دینے کی بہت آسان سہل یہ ہے کہ ناسازی طبعیت کا بہانہ کر بیجئے اور وہاں نہ جائیے یہ سنکر جیسا کہ معمول ہے اورنگ زیب خود ہی چند آدمیوں کے ساتھ آپ کے پاس آجایا گا۔ لیکن نہ تو ان تقریروں اور دلیلوں ہی نے کچھ اثر کیا اور نہ منت و سماجت ہی کچھ کارگر ہوئی۔ کیونکہ وہ ایک ایسی حالت میں تھا گویا کسی نے آسپر مار دیا ہو ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب کی ظاہری اطاعت اور دکھاوے کی محبت سے فریب میں آکر باوجود نعمت اپنے رفیقوں اور خیر خواہوں کے اُسکے ہاں جو میلوخان وغیرہ اپڑتین چار محرم راز مصاحبوں کے مشورہ سے گھات میں لگا ہوا اسکے آنے کا منتظر تھا ضیافت کمانے چلا گیا۔ اور جب یہ سادہ لوح شہزادہ وہاں پہنچا تو اورنگ زیب نے معمول سے زیادہ اور بہت ہی بڑھکر تعظیم و تکریم کی اور ہفت خوشی کا اظہار کیا کہ انھوں سے چند آنسو بھی نکال دیئے اور خاص اپنے اٹھ سے مراد بخشش کے چہرہ کی گرز صاف کی اور پسینہ پونچھا اور جب کھانا کھانے کو بیٹھے تو نہایت ہی گرم خوشی دکھائی اور اظہار مسرت کے لئے نفسی اور مذاق کی مجید باتیں بنائیں۔

اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب عمدہ کابی اور شیرازی شراب پیش ہوئی تو  
 آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور سکر کر بولا "حضرت کو معلوم ہے کہ میں اپنے نہیں جیتا  
 کے باعث اس صحبت عیش و نشاط میں حاضر رہنے سے مقصر ہوں اور اگر چہ میں  
 مخلص ہوتا ہوں لیکن یہ سب لوگ جو اس پر لطف جلسہ کے شریک ہیں اور مایوس  
 از میرے مصاحب آپکی خدمتگذاری کے لیے حاضر ہیں مُراد بخش شراب  
 دوست تو تھا ہی اسپر بہ طرہ کہ ایسی عمدہ صحبت اور ایسی لطیف شرا میں! غرض خوب  
 پی اور یہاں تک پی کہ بالکل غُلو ہو گیا اور اردنگ زیب کا جو یہ مدعا تھا کہ وہ ہوش  
 ہو کر سوجائے پورا ہو گیا۔ پس اقل تو مُراد بخش کے نوکروں کو اس حیلہ سے  
 رخصت کر دیا گیا کہ اسکے خواب راحت میں خلل نہ آئے! اور اسکے بعد میرا  
 غنے اسکی تلوار اور جھوٹا اپنے قبضہ میں کر لیا! اور تھوڑی ہی دیر بعد اردنگ زیب  
 اسکو اس نازیبا خواب سے جگانے کے بہانہ سے خیمہ میں آیا اور اس تمام صنوی  
 ادب و سحاط سے ماتھ اٹھا کر اس خفتہ بخت کے اول تو چند ٹھوکریں ماریں! اور  
 جب اُس نے ذرا اکھیں کھولیں تو یہ دو فنون! ملامت کی راہ سے بولا کہ بری  
 شرم کی بات ہے کہ تم بادشاہ ہو کر ایسے غافل اور بخیر ہو جاؤ۔ بھلا دنیا کے  
 لوگ تمکو بلکہ تمکو بھی کیا کہینگے! اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ اس بدست و منمو کے  
 ماتھ پاؤں باندھ کر خلوت خانہ میں لجاؤ کہ نشہ کے اترنے تک اس بے شرمی  
 کا سونا دھاں سوئے" پس تمیل حکم میں کیا دیر تھی فوراً پانچ چھ مسلح شخصوں نے

۱۔ خیمہ میں اور مسید میں دونوں بھائی تھے ان میں سے سید میں اور نگ زیب کا  
 بے لطف مصاحب تھا اور غالباً اس جگہ وہی مراد ہے۔

آن دیا اور چہرہ چلاتا اور زور کرتا لیکن بانوں میں بڑی اور ماتھوں میں ہتکڑی ڈال ہی دی اور قید سی بنا کر ایک علیحدہ جگہ میں ڈال دیا۔

یہ سختی اور بدسلوکی خواہ کیسی ہی مخفی طور پر کی

گئی تھی مگر مراد بخش کے ان ملازموں پر

ظاہر ہو سے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جو باہر بھیجے

مراد بخش کا قید مہمان شکر

اسکے ملازموں کا آواز نہ سنا دینا اور

اورنگ زیب کا انکو کاٹھ لیسنا۔

گئے تھے پس جب انہوں نے اسکی بھینک سنی تو کسی قدر شور و غوغا مچایا

اور چاہا کہ زور اندر گھس آئیں لیکن مراد بخش کے میر آتش علی قلی نے

جسکو اورنگ زیب نے کچھ دیکر پہلے سے کاٹھا ہوا تھا سمجھا اور دھمکا کر

خاموش کر دیا۔ اسی طرح اسکے لشکر میں بھی اگرچہ کچھ شور و شر شروع ہو گیا تھا

اور اندیشہ تھا کہ کہیں وہ یکایک چڑھ نہ آئے لیکن رات ہی کو کچھ لوگ بھیج دیئے

گئے جنہوں نے جا کر یہ مشہور کر دیا کہ اورنگ زیب کے ڈیرہ میں جو اجر اگڑا رہا

وہ کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بھی وہیں تھے اور صرف اس قدر ہے کہ مراد بخش

شراب ذرا زیادہ پی گیا تھا اور یہاں تک بدکلامی کرنے لگ گیا تھا کہ اورنگ زیب کوئی کیا خود

اورنگ زیب کو بھی مخلقات گالیاں دیں اور ایسا او دم مچایا کہ ناچار غلوتنما میں

بند کرنے کی ضرورت پڑی۔ سو یہ کچھ بات نہیں سمجھو جب نشہ اتر جائیگا تو جڑھلے

صحیح و سلامت اپنے لشکر میں آجائیگا۔

اب اور مراد اہل سپاہ کو یہ دم دیکر چپ کر آیا گیا اور اُدھر راتوں رات

بڑی بڑی ٹیوتیں اور بڑے بڑے وعدے دیکر لشکر کے بڑے بڑے سرداروں

کو الگ کاٹھ لبا گیا اور ساتھ تمام فوج کی تنخواہ بڑھادی گئی غرض کہ وہ شورش اور ہلکا

جو برپا ہوا تھا صبح ہوتے کو اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے تھے جو یہ نہ سمجھتے ہوں کہ مراد بخش کسی بلا میں پھنسے والا ہے ورنہ اس کے سب سردار اور سپاہی اس بات کو بخوبی جانے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ ضرور پھس جائیگا۔

مراد بخش کو قلعہ سلیم گڑھ میں بھیج دیا جب یہ سب بند و بست ہو چکا اور اطمینان ہو گیا

کہ اب کچھ بے اندیشہ نہیں ہے تو اس امر اور کو ایک زمانی عماری میں بند کر کے دھلی کو چلتا کیا اور قلعہ سلیم گڑھ میں جو جہان میں بنا ہوا ہے ٹیک لیا

✽ مسٹر اڈورنگ براک صاحب اصل کتاب کے مترجم انگریزی نے کوئی ڈوجہ کی تاریخ ہندوستان سے اس موقع پر مندرجہ ذیل حاشیہ لکھا ہے۔

قولہ ”جب مراد بخش کیمپ میں جو مٹھل کے قریب تھا آ پہنچا تو اس سے اگلے دن سلطان مراد بخش نے اڈورنگ زیب کو ضیافت کا پیغام بھیجا اور چونکہ وہ طبعا کثادہ مزاج اور رنگین طبع شخص تھا اس وجہ سے اڈورنگ زیب نے بغیر کسی طرح کے شک و شبہ کے اسکی دعوت کو قبول کر لیا مگر جب دونوں بھائی دسترخوان پر بیٹھ گئے اور شہنشاہ نے جو مراد بخش کے محلات کا ناظر اور اس دعوت کے اصلی منصوبہ کار اور دار تھا یکایک کان میں آکر کہا کہ ”عمدہ پوشاک میں جا کر نیکاب وقت ہے“ یعنی اڈورنگ زیب سے بیس سمجھ لینا چاہیے کہ اڈورنگ زیب جو لوگوں کی صورتوں اور چہروں سے دلوں کے بھید سمجھ لیتا تھا اس سرگوشی اور بھائی کی بناوٹی رنگینوں سے جو اس وقت دکھائی دیا اصل دھاکو ناٹا لیا مگر محفل اور شانت کی ماہ سے خاموش ہو رہا اور جب مراد بخش نے سمجھا کہ شہنشاہ کو خدمت کر دیا کہ فلاں علالت اور اشارہ کا منتظر ہے تو اڈورنگ زیب نے یہ سمجھ کر کہ اس وقت میرے قتل کا منصوبہ ہے یکایک یہ ظاہر کیا کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہے اور مجلس سے اٹھ کر جھٹ پیٹ باہر چلا آیا اور اپنے اہلی و مالی اور چہرہ بکا سپاہیوں کے پاس جو ڈیوڑھی پر حاضر تھے آ پہنچا اور داناں سے سیدھا اپنے لشکر میں گیا۔ اور اس عارض کی حال کو ایسی خوب صورتی سے چلا کہ مراد بخش بھی خیال کرتا رہا کہ وہ فی الواقع

بیارہنے انگلیں بھی ہوا کہ وہ اس منصوبہ کو سمجھ گیا ہے۔ چنانچہ آخر میں روز کے بعد اپنے گنبد کا منصوبہ در و حکم جاری ہوا تو مراد بخش نے بہت خوشیاں منائیں اور بڑے تباہی و تباہی کے دیں اور اس سے آگے دن اورنگ زیب نے دعوت کی تیاری کی اور پیغام دیا کہ آپ کی تفسیح طبع کے لئے ایسی حسین و جمیل ارباب نشاط بلائی گئی ہیں جو اپنے حسن و جمال اور لطافت و نزاکت اور کائنات بچانے کے فن میں ایسی بے نظیر ہیں کہ ایسے کمالات کی زندیاں اس سے پہلے کبھی بندوستان بھر میں نہیں دیکھی تھیں گئیں۔ اور اس مضمون کو ایسی آب و تاب سے بیان کیا کہ مراد بخش جو باطلع عین عشرت کا بیلا اور راگ رنگ کا شیدا تھا ہزار جان سے آکا نشان ہو گیا اور اپنے تمام خیر خواہوں میں سے کسی کی بھی نہ مٹنی اور اپنے ملکا۔ بجائی کے بغیر گاہ میں چلا ہی گیا۔ چنانچہ بادشاہ سلامت (جس کا اورنگ زیب اُسکے بیوقوف بنانے کو کجا کرتا تھا) خیر گاہ میں داخل ہوئے تو وہ ماز میں اس کو ایک آواز اندر کے غم میں لگیں اور بہت غلوب النفس شہزادہ اُن کے حیرت افزا حسن و جمال کو دیکھ کر جوفی الواقعہ پیشال تھا بالکل لٹ ہو گیا۔ غرض راج رنگ شرح ہوا اور عشرت و نشاط کا وہ ساں بندھا کہ مراد بخش نے غم سے میں اگر شراب شیرازی منگائی۔ اب دُور چل رہا ہے اور بادشاہ سلامت۔

پریوں کے اکھاڑے میں راجہ اندر بنے بیٹھے ہیں اور اورنگ زیب بھی اپنے معمولی قنوی و جہاز سے ہتھ دھوے اس بزم شراب میں شریک ہے۔ آخر جب حضرت کے ہوش حواس خیمت ہونے لگے تو اورنگ زیب نے شیراز کی عام شراب کی جگہ نیر شراب کے پیالوں کی آواز بھی بجا شروع کر دی۔ جس سے وہ غموں ہی دیر میں بیہوش ہو کر ایک مین کی بن میں سر دیکر سو گیا۔ اور چونکہ اورنگ زیب نے اپنے سرداروں کو حکم دے رکھا تھا کہ جو کچھ اورغیر مراد بخش کے ساتھ آئے ہیں انکی نواضع بھی اسی تکلف سے کی جائیں اسلئے اس کے باڈی گاڑ کے لوگوں تک کو بھی شرابیں پلا کر مدہوش کر دیا گیا۔ اور اس تدبیر سے وہ بخت شہزادہ بالکل بے حفاظت رہ گیا۔ اور اورنگ زیب نے سرتی پاکر نیر رنگ آئین اور امیر کو حکم دیا کہ نیمہ میں مگر اس کے ہتھ پاؤں بندہ لیں۔ چنانچہ وہ عورت تو اُکو آئے دیکھ کر کھسک گئی اور اُنہوں نے اگر مراد بخش کو جو رنگ پر پڑا ہوا تھا۔ اور جسے تھپتا ہوا اور خنجر وغیرہ اورنگ زیب نے جلال کی سے چھپے ہی اُٹھوائے تھے ان گھبرا۔ اور آہستہ آہستہ اُس کے ہتھ پاؤں سے شروع کر دیئے۔ پس اس حرکت سے مراد بخش جو کجا تھا۔

اور جھجکا کر باندھنے والوں کے کچھ لائیں وغیرہ مارنے لگا۔ جس سے وہ ڈرا ڈر گئے اور شہزادہ پکار پکار کر اپنی تلوار مانگنے لگا۔ اب اورنگ زیبؒ جو اس کارروائی کی وقت خیمہ کے دروازہ پر کھڑا تھا پردہ کے نیچے سے سر نکالا اور اپنے اسیر و کمزور ڈانٹ کر کہا کہ اگر یہ کچھ اچھے باتوں بلا سے تو ابھی قتل کر ڈالو۔ جب کوئٹہ مراد بخش نے پھر اٹھلا تو کہا۔ مگر آخر کار چپ ہو کر اٹھ پانوں بندھو لیئے۔ اور ناظر شہباز جو اسکا دلی رفیق اور خواہ اور عہد شیر نذیر تھا اسکو بھی اسوقت اس طرح قید کر لیا گیا۔ کہ وہ شامیانہ جو مید بخش کی ذیرہ کے آگے لگا ہوا اور یہ اس کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اتنا رہا ہوتے ہی اسکی جالوں چوبوں کی طنابیں یک سخت کاٹ کر گرا دیا۔ اور قبل اسکے کہ وہ اس ناگہانی ناچھڑے سے بے خبری نکل سکے پکڑ لیا گیا۔ اور باقی اُمرا کو مسلح آدمیوں نے گھیر لیا۔ اور اورنگ زیبؒ کو حضرات حاضر کیلئے گئے جنہوں نے فرمانبرداری قبول کر لی۔

اس واقعہ سے اگرچہ خفیت سا چرچا مراد بخش کے لشکر میں پھیلا مگر اس سو کوئی غریب پیدا نہیں ہوا۔ اور اہل فوج فتوری دیر کے بعد اس طرح سے چپ چاپ ہو گئے جیسے کوئی شخص نواب پریشاں سے ذرا جنگ کر پھر سوجانا ہے۔

باب سلطان مراد بخش کو قید کر لیا گیا تھا۔ اسوقت کچھ زیادہ رات نہیں گئی تھی اور دن نکلنے سے پہلے ہی اسکو اور اس کے رفیق کو ایک ہتھی پر زانی عاری میں بند کر کے بخفاخت کامل آگاہ کر دیا گیا تھا۔ (اسے کلام)

گرد و اعات کی ترتیب اور ان جالوں اور مضبوطی کی تفصیل جو در اشکوہ پر فتح پانے سے مراد بخش کے قید ہونے اور اس کے سلیم گدھ میں بھیجے گئے تک اورنگ زیب اپنے اس سادہ لوح جہانی کی نسبت عمل میں قاتل جس طرح برکت علی لکھنؤ - عمل صالح - اور سید الماخرین میں بھر میں اور عاقل خاں کی تاریخ میں منظر درج ہے (اور ڈو صاحب کی تحریر سے زیادہ اعتماد کے لائق ہے) خلاصہ اسکا یہ ہے کہ اورنگ زیب در اشکوہ پر فتح پانے کا مراد بخش کے ساتھ بہت ہی جربانی اور لاسٹ سے پیش آیا۔ اور چونکہ اس طوائی میں اس نے نرم کھائی تھے اسلئے اہل باں ماذن و جراحان ماہر اس کے علاج کو واسطے مامور کئے۔ اور جب دونوں جہانی آگاہ ہوئے تو ہجر باغ نور ملول میں ذیرہ کر کے تواب اورنگ زیب نے یہ جہانک بغیر مراد بخش کی

ثروت کے شہر آگاہ (یعنی دارالسلطنت) پر خاص اپنا قبضہ کرے اسلئے اس بہاد سے کہ اہل شہر اس بنگامہ اور شور و شر کے باعث بہت خوف زدہ ہو رہے ہیں اور مراد بخش کی سپاہ کے لوگ اپنے آفاقی بے پردائی کے سبب سے براہ خود سری برخلاف حکم شہر میں داخل ہو کر دست و بازو ہیں اور بے اعتدالیاں کرتے ہیں رعایا کی تسلی اور انتظام کا جلد بنکر اپنے پیشہ متحد سلطان کو فتح اپنی سپاہ کے شہر میں بھیج کر اپنا عمل دخل کرایا اور عیب بادشاہ کے قید کر لینے کے بعد بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں خود داخل ہوا تو اس روز بھی مراد بخش کو اس جیل سے کہ آپ کے ضم اچھی آئے ہیں اسواری وغیرہ کی حرکت مناسب نہیں! دیں باغ نور مندرج میں پڑا رہنے دیا! اور خود دادا شکوہ کی حویلی میں (جو وہیہ سلطنت اور علی بادشاہت کی حویلی تھی) آؤ رہ گیا! مگر میاں مراد بخش! باوجود ان تمام باتوں کے اپنے خیال میں بدستور بادشاہ بنے ہوئے تھے اور تخت و تاج وغیرہ سلطنت کا سارا سامان گجرات سے لیکر ان تک اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

ذکورہ بالا مورخوں کا قول ہے کہ اب اسکے دل میں اورنگ زیب کا یہ عروج دیکھ کر کچھ تو خود ہی مدہ ہوتا تھا اور کچھ اسکے سردار اور امیر خواہ ازراہ خیر خواہی خواہ ازراہ خود غرضی انہوں سمجھاتے تھے کہ اورنگ زیب کے تولد قسم اور عہد و بیان پر بھروسہ نہ کر کے اپنا بدست کزاجا جائے۔ چنانچہ کچھ تھے سپاہی بھی بھرتی کیے جاتے تھے اور سرداروں اور امیروں کو بھی قبول رعایتیں کر کے اپنی طرف لانے میں کوششیں کجانی تھیں۔ یہاں تک کہ قریب بیس ہزار سوار کے مراد بخش کے لشکر میں جمع ہو گئے۔ بلکہ بعض سردار اور سپاہی عالمگیری کے ساتھ سے بھی جدا ہو کر اسکے لشکر میں شامل ہوئے۔

جب اورنگ زیب نے آگاہ سے بائیسویں رمضان سن اکہزار اڑھٹھ ہجری کو کوچ کر کے پلاؤ پر بہاد پور میں کیا اور وہاں سے چوبیسویں کو سامی گھاٹ پہنچا تو بھی درود تمام کیا تو اسکو خبر ملی کہ مراد بخش چنے اب تک آگاہ سے کوچ نہیں کیا تھا اس صبح میں شامل نہا نہیں جا رہا۔ پس اورنگ زیب کو نہایت اندیشہ ہوا اور اُسے اس امر کو اپنے دماغ غرابی کا باعث سمجھ کر منہ دہن کی زبانی مراد بخش کو ترک رشت کا سبب دریافت کیا اور جب اُسے اسکے جواب میں اپنی ناداری اور اسوجہ سے فوج کی برباد حالی کا اظہار کیا تو ایک لاکھ دویہ پچھید یا دویہ پچھلا بھیجا کہ بالفضل اسکو اپنی اور اپنی فوج کی مروری



میں فرج کیجئے۔ اور میرا آپ کے ساتھ قرار پاچکا ہے کہ تیسرا حصہ خزانہ اور لوٹ کا لکھو  
 دیا جائیگا وہ بھی جلد پہنچ جائیگا۔ اور خزانے چاہا تو بعد اتمام مہم داراشکوہ کے ملک  
 پنجاب اور کابل اور کشمیر اور ملتان بیشک آپکو ملے گا۔ پس اس معاملہ کی طرف  
 سے مطمئن رہئے اور جلد تشریف لائیے۔ تاکہ بالاتفاق اس مہم عظیم کو زور پیش ہے حسب  
 ونحوہ انجام کو پہنچایا جائے۔ اور جب تک داراشکوہ کا معاملہ درمیان ہے اس  
 تکرار کا موقع نہیں ہے۔ غلامہ یہ کہ مراد بخش دم میں آکر آگرہ سے سوار ہوا  
 گرا ب بھی اورنگ زیب کے لشکر سے ایک کوس پیچھے ڈیرہ کیا اور اسی طرح آگے  
 پیچھے اترتے ہوئے جب مقرر پہنچے تو اس سے بھی کچھ زیادہ فاصلہ پر قیام کیا۔  
 پس اُسکے ان اوضاع و اطوار کو دیکھ کر یہ مصلح ٹھہری کہ مراد بخش کو قید کر لیا  
 جائے۔ چنانچہ پہلے تو طرح طرح کے لالچ اور وعدے دیکر اُسکی مغربوں اور بڑے بڑے  
 امیر و نوکروں کا ٹھہرایا اور پھر مشورہ اور صلاح کے بہانہ سے مراد بخش کو اپنے اُن بلاناہا  
 کردہ اپنے بعض خیر اندیش اور خواہوں کے سنہ کرنے سے کچھ بہانہ بنا کر اُس روزہ آیا۔  
 چونکہ اورنگ زیب اُسکا کھٹکاٹانے میں زیادہ دیر لگانا مناسب نہیں جانتا تھا اُسے  
 مقرر میں (کہ جہاں حسن اتفاق سے عید الفطر کا بنا بنا یا عمدہ حیلہ بھی موجود تھا)  
 مقام کر دیا اور اُسکے چٹلانے کی غرض سے کبھی تو نہایت ہی شرفیقات ظاہر کیا جاتا تھا  
 اور کبھی معاملات ملکی میں مصلح مشورہ کا حیلہ پیش کیا جاتا تھا۔ غرض کہ جب مراد بخش  
 اپنی صاف دلی سے جانے کو تیار ہوا تو اُسکے خواہوں اور خیر اندیشوں نے جو  
 اس قریب کی بھنگ باچکے تھے چروکا اور کہا کہ ہکو اورنگ زیب کی طرف سے بھنگ  
 کھٹکا ہے ایسا ہو کہ وہ فکر سے اور پرچھٹا کچھ کام نہ آئے۔ مگر قیسمی سے مراد بخش  
 نے انہی بات پر یقین نہ کیا بلکہ یہ جواب دیا کہ ”اِس محض راہ بہت کہ بر طبیعت شما غالب شدہ  
 و باوجود عہد و پیمان موکہ۔ غلامو ایمان از اِن حضرت (اورنگ زیب) اِس را بہت ذرا  
 بخاطر راہ و ن از طریقہ مسلمانی نباشد“ مختصر یہ کہ وہ دن بھی یوں ہی گزر گیا۔ اور  
 اورنگ زیب نے اس معاملہ کو اور صراحتاً چھوڑ کر آگے کو کچ کرنا کسی طرح سے مناسب بنا۔  
 اور ہر روز کئی کئی دفعہ یہ کہہ دیتا رہا کہ جو کچھ بڑے بڑے معاملات درپیش ہیں اور نیز اکی  
 مصلح مشورہ کے آگے کو کچ نہیں کیا جاسکتا۔ اور آپ کے تشریف لانا کا انتظام نہ ہونے

زیادہ گر گیا ہے پس اگر تشریف لائیں تو ملاقات کی خوشی کے علاوہ امرِ مرجعہ کی درستی کی تدبیر بھی ہو جائے مراد بخش سادہ لوحی سے اسکے ان فقرہوں کو سمجھ کر ملاقات کرنے پر رضامند تو ہو ہی گیا تھا پس علی الصبح میر و نگار کے ارادہ سے جب باہر گیا تو واپس آتے ہوئے نور الدین نامے اُسی کا ایک ملازم خاص! جو اورنگ زیب سے گٹھا ہوا تھا! سامنے سے گھوڑا دوڑا سے آیا! اور عرض کیا کہ اورنگ زیب کے پیٹ میں یکا یک سخت درد پیدا ہو گیا ہے! اور وہ بستر پر ٹاٹ رہا ہے! اور محبت کے سبب سے بار بار آکھوایا کرتا ہے! پس ایسی حالت میں اب تو بہت جلد اسکے پاس تشریف لیجنا ہی مناسب ہے! مراد بخش جو سچا رہ ایک سیدھا سادا اور کمزور و غریب شخص نا آشنا تھا اسکے قول کو سمجھ کر وہیں سے اورنگ زیب کے لشکر کی طرف چل پڑا۔ اور چھڑی سواری میں چند خدمتگاروں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ گھوڑا دوڑا سے پہنچا خود گھوڑا آمد کا مصداق بن گیا۔ اور اورنگ زیب کے چالاک ملازم ہونہو بہ سے واقف تھے نہایت جلدی طرح سے مقابل کر کے اسکے خیمہ خاص میں راجہ کوئی دیوار چھوٹے کے اندر چھلکے کے قریب چوڑی کا پیادہ بنائے پڑھا! لیگے۔ اور نگار کی نگلی کے غدرے اُس کے ملازموں کو باہر بٹھائے۔ اور اندر پہنچنے پر خود اورنگ زیب نہایت ہی شوق و اشتیاق اور عظیم و احترام سے پیش آیا۔ اور حد سے زیادہ مسرت اور خوشدلی کا اظہار کیا۔ کیونکہ سمو گلدھ کی لڑائی کے بعد اس نامور بہن میں مراد بخش کا اُسکے پاس آنا نہیں ہوا تھا۔ غرض کہ بہت سے تعلقات کے بعد اپنی شہرت کا خاص میں یعنی ادبھی زیادہ دور لایا گیا۔ اور کہا کہ اب تو ماضی تناوُل فرمانے کا وقت ہو گیا ہے تو دل کچھ مضمحل و غمزدہ تھا اور استراحت فرمائیے اور قیلولہ کو فارغ ہو کر میں فرائضِ خالص سے گفتگو اور مشورہ کیا جائیگا۔ چنانچہ مراد بخش کچھ کہا کیا کیا بے تکلیف رہا اور اورنگ زیب بھی اب یہ دیکھ کر سب کام ٹھیک ہو گیا استراحت کر جانا سے ہم سدا کو چلا گیا۔ اور اورنگ زیب کے خدمتگار مراد بخش کی جتنی وغیرہ کرنے لگے۔ اور اورنگ زیب کا جو اس تمام تدبیر سے یہ مدد تھا کہ مراد بخش اپنے ہتھیار کھول ڈالے وہ ہوا ہو گیا۔ یعنی اُس پر قوت نے نہایت بے تکلفی سے ہتھیار بھی کھول کر کھینچ کر اپنے انصاف کی طرح مولا۔ جو ہی مراد بخش کی ذرا کم لگی اورنگ زیب کے اشارہ پر خود گارڈ باہر چلے گئے اور ایک نوادی اندر سوار کر اسکی تلواریں ہتھیار اٹھا کر لگتی اور شیخ میلا اور بعض آدمی لوگ جو ہی امر کے

مقرر تھے فوراً خوابگاہ میں آن گئے، اُن کو پاؤں کی آہٹ اور شبیخ میلر کی دھال کے اتنا فائدہ کرکے  
جائیکے آواز سر جو تھک چکی تھی سمجھتے سمجھتے بکھیر کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور جب ہتھیاروں کا پتہ نہ پایا تو ابھجا  
کہ سالکیا بچہ! پس ناامیدی سے ٹھنڈی سانس بھر کر بلا لاکہ آخر پاچھوٹے دست اخلاص صاف  
باطن جنیں کر دیہ۔ وحی عہد و پیمان درست کہ قرآن مجید فاسن طرین بوجہ نہیں بجا آوردید، جس کو سخت  
اور رنگ زیب نے پردہ کے پیچھے سو فرمایا کہ ”برادر عزیز جو کہ تم سرانندوں میں کچھ ایسی باتیں سرزد نہیں  
جن سے فتنہ و فساد اور خلعت اور ملک کی بربادی کا گمان ہو تا تھا اور چند حق اور شیریں لوگوں کے شکوک  
سے جو تھپکے کر دے پیش جم تھپتھار ہو، دماغ میں کچھ ایسا غور اور سخت سا گئی تھی کہ عقل اندر سمجھو اور لوگوں کو ملک  
کا امن امان میں خلل پڑے اور سلطنت کو انشام میں نثر آجائیکا یقین ہو گیا، سینے تھارے مزاج کی صلاح اور  
ملک کی مصلحت کی مصلحت کو لے کر کچھ دنوں تک گوشہ عافیت میں ٹھکانا اور زمانہ کی کشمکش سے جو حور انا لام ہوا  
ورنہ خدا کا اسکوئی ایسا امر کہ جو انکی باری جان کو اندیشہ کا جٹ ہو جاوے دل میں نہیں ہو اور خدا کا  
شکر ہو کہ اس عہد و پیمان میں جو آپ کے ساتھ کیا گیا کسی طرح کا خلل و فتنہ نہیں آیا۔ اور تمہاری جان چیز خدا کو  
حفظ و حمایت میں جو پس تقضای عقل ہی ہو کہ اسکو اپنی موجب بہتری سمجھ کر حزن و ملال کی طبیعت  
میں جگہ نہ دیجیے ۶ در طریقت ہر جہ پیش سالک آید خیر است“

غرض کہ یہ بیچارہ سیدھا سادا شہزادہ فقہار کے مقام شوال کی چوتھی منزلہ اکبر اور وسطہ سیر کی کو  
اپنے مکار بھائی کے دام ترویز میں پھنس گیا۔ اور اسی وقت دلیو خاں اور شبیخ میلر کی حفاظت  
میں اتھی برٹھا کر شاہجہان آباد کو ایسی جلدی اور سرعت کے ساتھ چلا گیا کہ اسکی فوج کو  
جو قریب بیس ہزار سوار جارا کے تھے اُس روز مطلقاً خبر نہ ہوئی۔ اور صرف اسوقت معلوم ہوا کہ بیچنے  
باتھ سے جانار۔ اور یہ قصہ مشہور عام ہو گیا۔ پس بنا باری فوج نے بھی اور رنگ زیب کی اطاعت  
اور مکرری قبول کر لی اور اُسکے بعض ملازم جو ساتھ آئے تھے مثل شہباز خاں خواجہ سرا کے  
جو پنجہزاری کا منصب رکھتا تھا۔ اور دو تین اور سردار وہ بھی اسوقت گرفتار کر لیے گئے۔ فقط  
کوننی ڈو صاحب کی منقولہ بالا تحریر میں اکثر باتیں تو میر سچا غلط ہیں مگر کہا نیکی وقت  
جلد غافل کرنے کے لیے شراب پلانے اور خوابگاہ میں کسی عورت کے پہنچا دینے کا مضمون خواہ  
وہ زیدی ہو یا لہندی قریب القیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شراب کے بغیر اسکو جلد غافل  
بنانا مشکل تھا۔ اور کسی عورت کے بنسید اُس کے مصاحب اور خدا نگار بلا اندیشہ  
بدگمانی الگ کر کے باہر نہیں بھیجے جاسکتے تھے۔

اورنگ زیب کا داراشکوہ کے  
تقاب میں لاہور اور ملتان جانا  
اب بجز شہباز خواجہ سرا کے جسکے ساتھ ایک  
کو سی قدر وقت اٹھانی پڑی مراد بخش کے  
ہمراہوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے اورنگ زیب کی ملازمت اور  
اطاعت قبول نہ کر لی ہو۔ پس اسکی فوج کو بھی اپنی سپاہ میں شامل کر کے داراشکوہ  
کے تقاب میں جو نہایت جلدی کے ساتھ لاہور کو بھاگا جارا تھا روانہ ہوا۔  
کیونکہ داراشکوہ کا یہ ارادہ تھا کہ اس شہر کی مورچہ بندی کر کے اپنے فوجوں  
اور خیر خواہوں کو وہاں جمع کرے۔ لیکن اسکا یہ سہمہ دشمن ایسی چستی سے پیچھے  
لگا چلا آتا تھا کہ اسکے مستحکم کرنے کی مہلت نہ ملی اور اسنے وہاں سے ملتان کا  
راستہ لیا۔ مگر اورنگ زیب کے مستعدانہ تقاب نے وہاں بھی بانوہ منبر پر  
اورنگ زیب جس پستی اور چالاکی سے اس مہم میں کام کرتا تھا اسکی کچھ تعریف نہیں  
ہو سکتی۔ یعنی اگرچہ موسم نہایت گرم تھا لیکن اسکی فوج رات دن براہ کج کرتی تھی  
اور وہ خود سپاہ کی خرابت اور بہت بڑھانیکے لیے صرف چند آدمیوں کے  
ساتھ اکثر چار پانچ کوس فوج سے آگے رہتا تھا اور ایک ادنی سپاہی کی مانند  
برے بھلے پانی اور روکھی سوکھی روٹی پر قناعت کر کے رات کو پلنگ اور  
ایرانہ فرش فروش کے بغیر صرف زمین پر بہتر جا کر لیٹ رہتا تھا۔

ہندوستان کے دانا لوگوں کی یہ رائے  
ہے کہ داراشکوہ کو لاہور سے کابل جانا  
مناسب تھا لیکن اسکے خیر خواہوں نے

داراشکوہ کا قلعہ ٹھہر میں جا کر  
بنادینا اور اورنگ زیب کا دشمن ہو کر  
دارالسلطنت کو لوٹ آنا۔

ہر چند اسکو وہاں جانیکے لیے کہا گیا کہ یہ مہم کسی پر نہ کھٹکا کر اسنے اسی شہر

صلح کیوں نہ تھی۔ کیونکہ مہتاب شاہ خان جو اُس سے ہندوستان میں ایک ہا  
پُرانا اور زبردست امیر تھا اور جسکی اورنگ زیب کے ساتھ ہمیشہ سلطنت  
جلی آتی تھی وہاں کا صوبہ دار تھا۔ اور افغانوں اور ازبکوں اور ایرانیوں کے  
مقابلہ کے لئے دہلی ہزار سے زیادہ فوج موجود تھی۔ اور چونکہ اُس کے پاس  
بہتیر تھا۔ یہ تمام فوج اور خود مہتاب شاہ خان بخوشی مدد دینے کو تیار ہو جاتا اور  
ان نواد کے علاوہ سرحد ایران اور ملک ازبک سے بھی نزدیک ہو جاتا۔  
اور اغلب تھا کہ وہاں کے فرمانروا بہت کچھ مدد دے سکتے اور اُسکو یاد کرنا  
چاہیے تھا کہ ہمایوں نے باوجود شدید خاں کی مخالفت کے جو پٹھان قوم  
کا بادشاہ تھا۔ اور جس نے اُسے ہندوستان سے نکال دیا تھا۔ ایرانیوں  
اسی کی مدد سے پھر اپنی سلطنت حاصل کر لی تھی \* لیکن بد نصیب ارشاد شکوہ  
کی قسمت میں ہمیشہ یہی لکھا ہوا تھا کہ خواہ کیسی ہی نیک صلاح اُسکو دی جاتی وہ  
اسپر انصاف ہی نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اب بھی اُسے ایسا ہی کیا کہ کابل کی عوض سندھ  
کو جلا گیا اور قلعہ ٹھٹھہ میں جاکر پناہ لی جو دریائے سندھ کے وسط میں ایک شہر  
مستحکم مقام ہے۔

جب اورنگ زیب کو معلوم ہو گیا کہ ارشاد شکوہ کا ارادہ کابل جانے کا  
نہیں ہے اور اطمینان ہو گیا کہ اب معاملہ چندان مشکل نہیں تو خود اُس کے قریب

\* شیر شاہ سے ہمایوں کا شکستیں کھا کر ہند سے ایران جانا اور شاہ طہطا  
صفوی فرمانروا سے ایران کی مدد سے پھر ہند کو آنا۔ اور دوبارہ تسلط ہونا  
نہایت مشہور واقعہ ہے۔ (س م ح)

میں جانا غیر ضروری خیال کیا اور سات آنٹے ہزار سپاہیوں کے ساتھ اپنے کو کہ  
میر بابا (شیخ میو) کو داراشکوہ کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کے لیے ہوا  
کر دیا اور اس اندیشہ سے کہ نہ معلوم پیچھے کیا کیا فتور برپا ہو جائیں ویسی ہی جلدی  
سے جیسی کہ داراشکوہ کے تعاقب میں کی تھی آگے کو لوٹ آیا۔ ۱۰

۱۰ ان واقعات کو جس طرح عالمگیر نامہ میں لکھا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے  
اپنے دربار ہونیسے بہو خلیل اللہ خاں اور جہاد خان کو داراشکوہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا  
تھا۔ بعد از قتل سے دینی پیکر باغ اعجاز آباد متصل شہر دیتی سے ذیقعد کی شاتویں شنبہ ایک ہزار  
اٹھ سو پچاسی کو طابین شہر میں امراد (بھادوں) کے پنجاب کو خود روانہ ہوا۔ داراشکوہ کو کمال  
انہال کے معمولی رات سے تلون کے گھاٹ جو اس زمانہ میں پھلوں کی طرح مستطیل کا مشہور گھاٹ تھا  
عبور کر کے تعاقب کرنے والوں کے روکنے کو بہر جو کو یہ بندہ بت کر دیا تھا کہ اسکا نامی سردار دادا دھن  
پٹینی تلون کے اُس پار اور اسطرح پہنچا شکوہ بیاس کے دوسرے کنارے کچھ عرصہ تک ٹھہر کر  
اکرتیوں کو ملو کر اور غرق کر کر بعد ازاں لاہور میں شامل ہو جائیں اپنے جب اورنگ زیب کو  
کوئیال کا مقام خلیل اللہ خاں کی مرضی کو یہ حال معلوم ہوا تو وہاں سردار کو ہوا آتشیں کی قوت  
کی وجہ سے کئی دن میں لشکر کو مستطیل سے پار نہ کر سکا چلی ڈاکہ - راہوں - گڈھ شنکو کو ہوا  
گویند دال کے گھاٹ دیکھا یا اس سے بھی پار ہو گیا۔ اوپھیںس ڈی الجھو کو قصہ جانچا۔ چونکہ  
داراشکوہ لاہور کو ملتان کو بھاگ گیا تھا۔ اور وہ سردار جو تعاقب میں مامور تھے کچھ سستی  
تاک گئے تھے۔ اسلئے "ایفانار" کے طور پر یعنی بہت کڑی اور بلا توقف کچ کرنا ہوا ملتان کو روانہ ہو  
اور ساتویں محرم کو جبکہ داراشکوہ ملتان کو سندھ کی طرف بھاگ نکلتا تھا۔ ملتان چاہی  
اور شکستہ اتل صف کش جان کر چہ شراؤں کو اور بعد ازاں شمال ہو کر ابھی داراشکوہ کو پاس  
پڑا ہو گا وہ ہزار سوار ایک اجماعاً تہخانہ اور بہت سال مال دولت موجود تھا۔ شیخ میو کو بھی جو اورنگ زیب  
نے نہایت محال عہد ہو کر علاوہ ہزار صاحب بزرگ شجاع سپہ سالار تھا اور جسکو بڑی آرزو تھی  
تھا کہ وہ ایک کے خود اہل بس ہو چکا۔ اور مولیٰ مندریں کرنا ہوا جو تھی بیج الا درل شنبہ ایک ہزار پچاسی  
کو دینی پیکر باغ میں اور جہاد خاں کی پوزی آگے تعریف کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے  
کہ وہ اُس "ایفانار" سے مراد ہے جو اُسے قصور سے کی تھی۔ ۱۰

اسکو یہ خبر تھی کہ سبادا جسونت سنگھ یا جے سنگھ سا کوئی زبردست راجہ  
شاہجہاں کو قید سے چھڑا دے یا سیریں نگر کے راجہ کی مدد سے سلیمان شکوہ  
سیلاب کی طرح پہاڑوں سے یکایک اتر آئے یا موقع دیکھ کر سلطان شجاع  
ہی پھر اگر وہ کی طرف چڑھائی کر دے۔

اب میں ایک مختصر سے واقعہ کا جو اورنگ زیب  
کو اسی سفر میں پیش آیا تھا ذکر کرتا ہوں جس سے  
اس کتاب کے پڑھنے والے یہ اندازہ کر سکیں گے

اس سفر کے شعل اورنگ زیب  
کے استقلال مسیح اور مسیح  
کی ایک مثال۔

کہ وہ کسی انکھانی مشکل کے پیش آنے پر کیسی چستی سے اسکا فی الفور انتظام  
کر لینے کی لیاقت رکھتا تھا یعنی ملتان سے واپسی کے وقت جبکہ وہ اپنی  
متمولی سرعت کے ساتھ کوچ کرنا چلا آتا تھا راجہ جے سنگھ کو چار پانچ ہزار  
جہاز راجپوتوں کو اپنی طرف لے کر آتا دیکھ کر حیرت میں آ گیا۔ یہ اس وقت حسب  
متمولی تمول سے آدمیوں کے ساتھ اپنی فوج سے آگے تھا اور راجہ کو  
شاہجہاں کے ساتھ جو مضبوط تعلق تھا وہ اس سے مخفی نہ تھا۔ پس آسانی خیال  
میں آسکتا ہے کہ اس نے اپنے کو سخت خطر کی حالت میں پایا اور طبعا اسکو یہ یہی  
اندیشہ پیدا ہونا چاہیے تھا کہ جے سنگھ اپنے محترم آقا کے اس قیدی کی تکلیف  
سے جھٹ پٹ پھڑپھڑائے اور ایسے ہر جسم اور ناخلف فرزند کے سزا دینے کے  
اس عمدہ موقع کو جس کے ماتھے سے اس پر بلا وجہ ظلم و ستم ہوا ہرگز ماتھے سے بنانے دیکھا  
اور یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ فی الواقع راجہ کا آنا صرف اسی ارادہ سے تھا کہ اورنگ زیب  
کو گرفتار کرے اور اس واسطے کے قرار دے جس نے اس کی وجہ یہ تھی کہ اورنگ زیب

کو تھوڑی ہی دیر پہلے خبر لگ چکی تھی اللہ اُسکے موافق یقین کیے ہوئے تھا کہ راجہ دہلی میں ہے مگر اُس نے ایسی عجیب سرعت سے ایسی بعید مسافت طے کی کہ لاہور اور ملتان کے راستہ میں آگیا۔ لیکن اورنگ زیب کی ہوشیاری اور منتانت نے اُسے اس بڑی جوکھوں سے بچالیا۔ چنانچہ اُس نے مطلق کچھ خوف و اضطراب ظاہر کیا بلکہ یہ دکھانے کو کہ اُسکا آنا اسکی طبیعت ہی خوشی کا باعث ہے گھوڑا دوڑا کر نہایت کُشاوہ پیشانی کے ساتھ ماتھے سے جلد آئے! جلد آئے! اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھا اور پکار کر کہا "سلامت بہ! راجہ جی سلامت بائید باباجی!" اور جب دونوں ذرا نزدیک پہنچے تو پھر کہا خوش آمدید! خوش آمدید۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے آپ کے آنی کا کتنا انتظار تھا۔! بہت ہی خوب ہو کہ آپ آگئے مگر لڑائی ختم ہو گئی اور داراشکوہ تباہ و برباد خاک چھانتا پھرتا ہے اور میں نے میلا بابا کو اُسکے پیچھے بھیج دیا ہے اور اغلب ہے کہ جلد گرفتار ہو جائیگا۔ اور نہایت مہربانی اور انکسار کے اظہار کی غرض سے موتیوں کی مالا جو پہنے ہوئے تھا اُنار کر راجہ کے گلے میں ڈال دی اور کہا کہ ہماری فوج بہت ٹھکی ہوئی ہے اسلئے آپ کو بہت جلد لاہور پہنچ جانا چاہئے۔ سب اداواں کچھ بے انتظامی اور شورش ہو جائے اور میں آپ کو لاہور کا صوبہ مقرر کرتا ہوں اور کل اختیار نظم و نسق دیتا ہوں اور میں بھی جلد آپ کے پاس پہنچتا ہوں لیکن غصت کرنے سے پہلے مجھ کو واجب ہے کہ سلیمان شکوہ کے سارا میں جو آپ نے کارگزاری کی ہے اُسکا شکریہ ادا کروں۔ مگر آپ نے دلیرانہاں کو کہاں چھوڑا؟ میں اس کو خوب نرا دوں گا اور آپ جلد ہی لاہور



کو تشریف لیجائیے اور اچھا حسد حافظ - \*

جب داراشکوہ ٹھٹھہ میں پہنچا تو اسے ایک خواجہ سرگودا شنمندی اور شجاعت دلو میں مشہور تھا وہاں کا قلعہ دار بنایا اور بہت سے پٹھان اور پرتگیز اور انگریز اور فرانسیسی اور ملک

داراشکوہ کا قلعہ ٹھٹھہ کی حفاظت کیلئے کچھ پٹھانوں اور فرنگیوں کو بھجور کر کچھ عیسائی گجرات میں داخل بنا اور ان کو مہاراجہ شاہنواز کا کامیابی پیش آنا۔

جرمی کے رہنے والے فرنگی تو پٹھانوں میں لو کر رکھ لیئے اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر ہم بادشاہ ہو جائینگے تو تم کو امارت کے درجے دیئے جائینگے۔ اور اس طرح پر قلعہ کا بندوبست کر کے اپنا خزانہ وہاں چھوڑ دیا کیونکہ اہلک اسکے پاس اشرافی اور روپیہ بہت تھا اور تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دیا سے سندھ کے کنارے کراکشان و شوکت سے کوچ کرتا ہوا راجہ کچھ کی عملداری سے گزر کر گجرات میں پہنچ گیا اور احمد آباد کے باہر جا ڈیرہ کیا۔ یہاں کا صوبہ دار شاہ نواز خاں جو اورنگ زیب کا خسر تھا اگرچہ مسقط کے سلاطین سابق کے خاندان سے تھا اور بہت مہذب اور نہایت ذی لیاقت شخص تھا مگر سپاہی شہنشاہ تھا بلکہ غنیش دوست تھا۔ پس اگرچہ احمد آباد میں شاہی فوج بعد ادا کثیر موجود تھی اور خوب مقابلہ کر سکتی تھی لیکن اس کی کم ہمتی یا داراشکوہ کے نگاہاں آپہنچنے سے شہر کے دروازے کھول دیئے

\* خدا جانے مصنف نے یہ کیا بے سرو پا قصہ لکھ دیا ہے کیونکہ عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان شکوہ کی رفاقت چھوڑ کر اول دلاور خاں مٹھرا کے قریب بقا سلیم پور اور پھر جالندھر و زہرا و جی سنگھ خاص مٹھرا میں اور بالآخر بیب کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا بلکہ سلیمان پور کے برہمنوں نے مٹھرا کے ادریشیوں کے مدد کے لئے اورنگ زیب کی باہر خاص کے آگے آگے

گئے اور شاہ نواز خاں بڑی تعظیم و تکریم اور نہایت ادب سے پیش آیا اور ملکہ ہوتا ہے کہ اُس نے اسکی ہمدردی اور تعظیم و تکریم کی کہ اُس نے اسکو اپنا خیر خواہ اور طرفدار سمجھ لیا اور اگرچہ لوگوں نے اسکی خیانت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن خیر خواہ نے دھوکہ میں اگر بے احتیاطی سے بھروسہ کر لیا اور اپنے تمام منصوبے اور ارادے اور راز اس سے ظاہر کر دیئے اور جسوقت مستحکم اور آؤ خیر خواہ لوگ جو سپاہ جمع کر کے مدد کی طہاریاں کر رہے تھے اُن کے خط وغیرہ سب اسکو پہنچا

داراشکوہ کے تعاقب میں لاہور کو جانے تھے بھیجے گئے تھے۔ س۔ م۔ ح۔

۵ شاہ نواز خاں جگانم میرزا بدیع الزمان تھا ایران کے بو شاہ شاہ سلیمان صفوی کی اولاد سے تھا اور اسکا باپ میرزا مستم جو بہت خوش سلیقہ اور شاعر تھا اور خانداندار سے آکر شاہ جہاں کا ملازم ہو گیا تھا۔ اور شرف اور علو خاندان کی وجہ سے شاہ جہاں نے اپنے بیٹے سلطان شجاع کی شادی اسکی بیٹی اور اورنگ زیب اور فرید بخش کی شادی اسکی دو بہنوں یعنی شاہ نواز خاں کی بیٹیوں سے کر دی۔ چنانچہ اورنگ زیب کا تیسرا بیٹا محمد اعظم اور شہر معروف بیٹی زیب النساء بیگم اسی بیگم سے تھی جو کا نام دل اس کی نو بیگم تھا پس صنعت کی یہ فعلی ہے کہ اسکو سلاطین مسقط کے خاندان میں سے بنایا ہے۔ کیونکہ خاندان صفوی کا مسقط سے کچھ تعلق تھا بلکہ اسکا نشو و نما اردبیل سے ہوا جو ملک ایران کا ایک شہر ہے اور اپنے بزرگ شاہ صفوی کے نام کی مناسبت سے جو قوم کا متبذلہ اور صوفی شرب تھا صفوی شہر ہوا۔ اور اُس وقت کی فاریس زبانوں میں اس کے داراشکوہ کہل جانیکی بھی اصل وجہ یہ تھی ہے۔ کہ جب اورنگ زیب دکن کی چڑائی کے وہاں پورے آگے پہنچ چکے تھے تو شاہ نواز خاں خیال کر کے کہ خدا نے انہما اس ہم کالیا ہو اسکی طاقت کو چننا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے اورنگ زیب نے ماضی کو قلعہ بھانپو میں کر دیا تھا کہ جب کوئلہ کی لڑائی میں داراشکوہ فتح پائی تو وہ پورے جگمگاتے ہوئے آیا۔ مگر وہ اپنی اس بیڑی کو ہنر بلا نہیں سکتا۔ اور اسکو وہ بھی کھانپو کے قلعے میں لٹکوا دیا کہ وہ بھی اس سے داراشکوہ کا مقابلہ کر سکتا۔ س۔ م۔ ح۔

اورنگ زیب کی ترو و آمیز حالت اور  
سلطان شجاع کے ساتھ لڑائی  
اور راجہ جسونت سنگھ  
دغا بازی اور شجاع کی شکست

اورنگ زیب کو جب یہ خبر ملی کہ داراشکوہ  
نے احمد آباد لیلیا تو وہ نہایت حیران  
اور مضطرب ہوا کیونکہ جانتا تھا کہ داراشکوہ

پاس روپیہ پیہ ابھی بہت ہے اور ایسی جگہ میں اگر اُسکے پانچ گئے تو بہتر  
اُسکے متوسل اور خیر خواہ بلکہ وہ لوگ بھی جو کسی سبب سے مجھ سے ناواندہ ہیں  
سب کے سب ہندوستان کی تمام اطراف سے آن کر اُسکے پاس جمع  
ہو جائینگے اور اگرچہ اس بات کو خوب سمجھے ہوئے تھا کہ بذات خود جانا اور  
ایسے مقام سے اُسکے پاؤں اکھیر دینے ایک ضروری امر ہے لیکن اُسکو  
سوچا کہ شاہجہاں کو اگر وہ میں پیچھے چھوڑ کر استقر دور چلے جانا اور اپنے لشکر  
کو ایسے صوبہ (راجپوتانہ) میں سے لیجاں جہاں جیسنگہ اور جسونت سنگھ  
جیسے بڑے بڑے راجاؤں کے علاقے میں کسی طرح مصلحت نہیں بلکہ مضطر  
ہے اُسکے علاوہ شجاع کی طرف سے بھی جو ایک بڑی فوج ساتھ لے ہوئے  
جلد جلد بڑھا جلا آتا تھا اُسکو سخت ترو و تھا اور سلطان شکوہ کی طرف سے بھی  
کھٹکا تھا جو مدد کے راجہ کے اتفاق اور مدد سے مہم کی تیاریاں کر رہا تھا  
غرض کہ وہ اوقت ایک بہت مشکل اور خطرناک حالت میں تھا۔ لیکن اُسنے  
سوچ سمجھ کر سب سے بہتر تہذیب مہراہی کہ ہر دست داراشکوہ اور شاہوازا  
کے معاملہ کو بحال خود چھوڑ کر شجاع کی خبر لینی چاہیے جو الہ آباد کی طرف درپے  
لگلا کے دامن تر آیا تھا۔ سلطان شجاع نے اپنا کمپ موضع کچھوہ میں جو سبب  
فارسی تاریخوں میں اچھا نام کمبرہ کا تلاب لکھا ہے جو قصبہ کوڈا اور جہان آباد کو

موجود ہونے ایک بڑے تالاب کے اچھا موقع تھا قائم کیا تھا اور اپنے  
نزدیک اس بات کو مناسب سمجھا تھا کہ یہیں ٹھہر کر اوزنگ زنب کے حملہ  
کا انتظار کیا جائے۔ پس اوزنگ زنب نے اگر اپنا لشکر دیر کی شاخ کو ایک  
کنارے مخالف فوج سے ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر قائم کیا۔ چنانچہ دونوں  
لشکروں کے بیچ میں ایک بہت وسیع میدان تھا جس میں دونوں طرف کی فوجیں  
لڑائی کی قوت بخوبی دوڑ دھوپ کر سکتی تھیں۔ اور چونکہ اوزنگ زنب یہ چاہتا تھا  
کہ جب قدر جلد ممکن ہو لڑائی کا خاتمہ کیا جائے اسلئے لشکر گاہ میں پہنچتے ہی پہنچے  
وغیرہ کو دیر کے ہی کنارے چھوڑ کر خود حملہ کے ارادہ سے اُس پار جائز اور اسکے  
دوسرے دن لڑائی شروع ہونے سے پہلے صبح کی قوت میں جملہ بھیڑیں لڑنے  
سے اگر نائل ہو گیا تھا۔ کیونکہ داراشکوہ کے بھاگ جانیکے بعد اُس کے اہل عیال  
توقید سے رہائی پا ہی چکے تھے۔ اور اوزنگ زنب کے مطلب کی خاطر اب خود  
اُسکا بھی زیادہ قید رہنا کچھ ضرور تھا۔ غرض کہ لڑائی بڑے جوش و خروش سے  
شروع ہوئی اور اگرچہ اوزنگ زنب کی فوج نے سید شجاعت اور سرگرمی سے  
میلے کیئے لیکن شجاع اپنے مورچوں سے ہرگز آگے نہ بڑھا اور اپنی ہی جگہ

پانچ برس کے فاصلہ پر ضلع فتحپور قسمت الہ آباد میں ہے۔ یہاں جہاں گنگا کا  
ایک بہت ہی تنگ دریا ہے اور یہ سب مقامات اُسی میں ہیں۔ س ۳۷

داراشکوہ کی شکست کے چند روز بعد ملاوٹہ کے اوزنگ زنب کے حکام کے بموجب سلطان محمد معظم  
نے جہاں کی غنیمت میں دکن کا سفر کیا اور دکن میں اہل شیعہ و اہل دیانت اور یہودیوں کے  
مردار کی کوہنہ برہانوں میں شاہ جہاں کے اہل کس و کس میں جو داراشکوہ کی شکست کے خبریں سن رہے تھے ان کے

قائم رکھ کر حملہ آوروں کو بڑے نقصان کے ساتھ پس پا کر تار مار اور اسکی بائیں ہیر  
نے اوردنگ زیب کو ہنایت ہی پریشان کیا۔

شجاع کی اس تدبیر کا اصل مدعا یہ تھا کہ اگر ہم پشتورا اپنے مورچوں میں  
قائم رکھ کر بڑے جائینگے تو گرمی کے مارے تھوڑی دیر کے بعد اوردنگ زیب  
خود ہی دریائی طرف ہٹنے پر مجبور ہو گا اور اسوقت ہکو اسکی فوج کے پچھلے حصہ  
پر حملہ کرنے کا موقع ملے گا۔ اوردنگ زیب بھی بھائی کی اس حکمت کو خوب سمجھے  
ہوئے تھا اور اسلئے وہ برابر آگے بڑھے جانے پر زور دے رہا تھا لیکن  
ایسے نازک وقت میں یہ ناگہانی حادثہ پیش آیا کہ راجہ جھٹوٹ سنگھ نے جو بظاہر  
بڑے خلوص کے ساتھ اس سے آن ملا تھا اسکی پچھلی فوج پر یکایک ایسا حملہ  
کر دیا کہ وہ سب شکست کھا کر بھاگ گئی اور اسنے تمام خزانہ اور اسباب کو لوٹنا شروع  
کر دیا اور چونکہ یہ خبر بہت جلد تمام لشکر میں پھیل گئی اسلئے انسانی فوجوں کے دستور  
کے موافق اوردنگ زیب کی سپاہ بہت ہی ہراساں اور میدان ہو گئی اور اگرچہ ان  
سے اوردنگ زیب کے خطرات اور بھی زیادہ ہو گئے لیکن اسکی مستقل مزاجی میں ذرا  
بھی فرق نہ آیا۔ اور چونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر پیچھے ہٹا تو سب امیدیں خاک میں  
میل جائیں گی اسلئے اسنے جس طرح کہ ڈاڑھ مشکوہ کے مقابلہ میں یہ ٹھان لی تھی کہ  
خواہ کچھ ہی ہو میدان جنگ میں قائم رکھ کر نتیجہ کو دیکھنا چاہیے اسی طرح اب بھی  
جسے رہنے کا پتہ ارادہ کر لیا اور اگرچہ اسکی فوج میں دمدم پریشانی بڑھتی جاتی تھی

۴۰ پانچویں جزو: ۱۵۱۱ء میں ہونے والی جنگ کو یہ لڑائی ہوئی تھی جو میں جاتو کا موسم تھا۔ پھر معلوم نہیں ہوتا  
کہ مصنف نے گرمی کا ذکر کیوں کیا ہو۔ شاید یہ جو کہ لڑائی لڑاؤ لوں کو بانی کی مراد ہے۔ موسم ہوتی ہو۔ سماج

اور شجاع نے اس حالت کو غنیمت سمجھ کر ایک بڑا سخت حملہ کیا اور اتفاقاً ایک تیر لگے  
مہادت کے مارے جانے سے اورنگ زیب کا دھنکی ایسا بے قابو ہو گیا کہ وہ  
گھبرا کر اسپر سے اتر ناپا ہٹا تھا مگر ملیر جملہ نے جو نزدیک تھا اور جسکی جرات اور  
بہادریوں کو دیکھ کر سب اہل فوج ڈنگ ہو رہے تھے بچار کر کہا ”دکن کو! دکن کو!“  
یعنی خیال کرو کہ دکن کہاں ہے اور کیا غضب کرنے ہو کیا اب بھاگ کر دکن  
جاؤ گے؟ اور اس بہادرانہ نصیحت سے اُسکو تباہ ہوتے ہوتے بچا لیا۔  
اگرچہ اورنگ زیب کی تباہی میں اسوقت کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور اُسکی  
حالت لا علاج نظر آتی تھی بلکہ اُسکو خود اندیشہ تھا کہ اب کوئی دم میں دشمن کے  
پنجہ میں پھنس جاؤنگا۔ مگر قسمت کا پیر بھی ایک عجیب چیز ہے کہ کبھی اس فکر  
و تردد کے یہ تو قعیاب ہو گیا اور جس طرح ستموگڈہ کی لڑائی میں ایک ادنیٰ  
حرکت کے باعث داراشکوہ کو صرف جان لیکر میدان سے بھاگنا پڑا تھا ہجاء  
کو بھی وہی حادثہ پیش آیا یعنی یہ بھی اورنگ زیب کی بھاگی ہوئی فوج پر زیادہ جستی  
کے ساتھ حملہ کر نیکے پئے اپنے دھنکی سے اتر پڑا اور اگرچہ یہ تحقیق نہیں ہے کہ اُسکو  
بھی یہ صلاح بدبختی سے دیکھنی گئی تھی یا کہ خیر خواہی سے۔ مگر اسیں شک نہیں ہے  
کہ اَلذَّیْر دینی خاں نے جو اسکا ایک بڑا سردار تھا اسوقت بڑی ہی اتعاب سے  
کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جائیے اور جو لفظ خلیل اللہ خاں نے ستموگڈہ کی لڑائی  
میں کہے تھے اُسکے لفظ بھی بعینہ ویسے ہی تھے یعنی دست بستہ ہو کر بڑی ہی منت  
سے یہ کہا کہ حضور! اس بڑے دھنکی پر ایسی جان جو کموں میں کبوں بیٹھے  
ہیں کیا ملاحظہ نہیں فرماتے کہ دشمن بھاگے جاتے ہیں اور اُنکے چستی سے اُن کا

تعاقب کرنا سخت غلطی ہے پس جلدی گھوڑے پر سوار ہو کر انکا پیچھا کیجئے !  
 اور پھر دیکھ لیجئے کہ ہندوستان کا تخت آپ کے قدموں کے نیچے ہے اور  
 آپ ہندوستان کے بادشاہ ہیں“ چنانچہ اس حرکت سے جو حادثہ  
 داراشکوہ کو پیش آیا تھا وہی شجاع کو پیش آیا یعنی جوہن دہ فوج کی  
 نظر سے غائب ہوا اسکے دل میں شبہ گزر گیا کہ یا تو مارا گیا یا کہیں فریبے  
 پکڑا گیا اور اسکی فوج فوراً ایسی بے انتظام اور متربتر ہو گئی کہ دوبارہ جمع  
 کرنا ناممکن تھا۔

\* شاہجہان کی بیاری کی خبر پر جب شجاع نے بنگالہ سے فوج کشی کی تھی انوقت  
 الہ دیو دی خاں بہادر کا صوبہ دار تھا۔ پس جب شجاع یٹ پیچھا اسنے ٹری ٹریڈر  
 بغیر کسی اسکی طاقت کر لی اور اسوقت سرمایہ منکر باس بجو وزیر کے تھا اور وہ اسکی ہمدرد  
 عزت کرتا تھا کہ ہمیشہ اسکو خان بھائی کہتے تھے۔ حالانکہ نامہ میں لکھا ہے کہ سنیچر کے نام سے  
 اسکا بڑا بیٹا کھچھ کی شکست کے بعد شجاع سے جدا ہو کر اورنگزیب کے باطنفر  
 ہو گیا تھا۔ اور جب ان واقعات کے بعد شجاع نے میر جملہ اور محمد سلطان  
 کے قریب پہنچ جانیکو وجہ سے مولیکیر سے پیچھے راج محل کی طرف کوچ کر دیا تو  
 الہ دیو دی خاں فوج مخالف میں آنے کی نیت سے مولیکیر میں ٹھہر گیا۔ اور بعض اور روڈ  
 لوگ بھی اُسکے شامل ہو گئے۔ اور چونکہ ایسے بڑے سردار کے علموہ ہو جانے سے نہایت  
 اندیشہ تھا۔ اسکو شجاع واپس آکر مولیکیر کے باہر اپنے باغ میں آن اٹرا اور بعض سردار اور  
 کچھ سپاہ الہ دیو دی خاں کے حاضر کرنے کو جو مقابلہ کو تادہ ہو بیٹھا تھا مامور کی جو  
 ڈرا دم کا کر اسکو پکڑا لے اور شجاع نے اس کو منع سیلف للہ نامے  
 اُس کے بیٹے نے تہ تیغ کر دیا۔

پس ان حالات پر خیال کرنے سے تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اسنے بھی نامھی  
 سے اتر پڑنے کا صلاح خیانت ہی سے دی ہو۔

سُطَان شجاع کی شکست کے بعد جیسو سنگھ  
کا آگرہ میں سے گزر کر اپنے وطن کو جانا  
اور اونگ گنپ کی شکست کے گمان میں  
شائستہ خاں کا خود کشی کے بیڑا پر جانا

جیسو سنگھ نے جب دیکھا کہ سواکھیر  
ہو گیا تو لوٹ کا مال سمیٹ کر فی الفور اتر آہ  
سے آگرہ کو چل دیا کہ وہاں سے اپنے

وطن کو چلا جائے اور چونکہ آگرہ میں یہ افواہ اڑ گئی تھی کہ اورنگ زیب شکست  
کھا کر قید ہو گیا ہے اور شجاع مع فوج کثیر آگرہ کو آتا ہے اور یہاں تک اس  
بات نے شہرت پکڑی تھی کہ شائستہ خاں نے بھی اسکو مع جان لیا ہے جسکو  
کاشہر کے قریب پہنچ جانا سکر جسکی دغا بازیوں سے وہ خوب واقف تھا  
میلوسی کی حالت میں زہر کا پیالہ پیکر جانے پر آمادہ ہو گیا اور بیشک پی ہی لینا  
اگر اُسکی ستوراتیں اُسپر نہ آگرتیں اور پیالہ چھین کر نہ چھینک دیتیں اور لڑائی  
کے اصلی حال سے دودن تک آگرہ والے اسقدر بے خبر تھے کہ اگر جیسو سنگھ  
ذرا جرأت کر کے لوگوں کو کچھ تو دھمکا تا اور کچھ بڑے بڑے وعدے دیکر آئندہ  
کی بہتری کا متوقع کرنا تو بے شبہ شاہجہاں کو قید سے چھوڑا دیتا لیکن معاملات  
کی حالت جو تھی وہ اسکو معلوم ہی تھی ایسے آگرہ میں زیادہ ٹھہرنا یا ایسے  
بکھیزوں میں پڑنا اُسے مناسب نہ جانا اور صرف شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے  
اصلی ارادہ کے موافق اپنے ملک کو چلا گیا۔ \*

\* جب اورنگ زیب داراشکوہ کو منسوب کر کے شاہجہاں کو قلاب میں لالچا نو سب  
پیلے یہ کام کیا کہ شجاع کے ساتھ اپنا قدیمی حسن سلوک بنانے کو بادشاہ سے رُخ  
امرا کے ساتھ اس صغیر کا فرمان حاصل کیا جسکو بیگمال کے علاوہ صوبہ بہار میں بھی  
سلطان شجاع نہایت خرمندہ قرار کے سیماں شکوہ سے شکست کھانیکے بعد داراشکوہ  
نے بادشاہ سے اپنے نام کا لیا تھا شجاع کو دیا گیا اور اسکو اپنے ایک نہایت بُر نکال اور مجبور



اورنگ زیب کا محمد سلطان اور  
میر جلد کو سلطان شجاع کے شہ  
پرین اور خود آگرہ کو لوٹ آنا۔

اورنگ زیب کو بھی جسٹونٹ سینکھ کر کرٹونوں  
کا بڑا کھٹکا تھا اور خیال تھا کہ آگرہ سے شورش کی  
کوئی جلد خبر نیگی ایسے شجاع کا کچھ زیادہ بچھا  
نہ کیا اور سہ کل لشکر کے جلدی سے دارالسلطنت کی طرف کوچ کر دیا۔ مگر یہ شکل  
پیش آئی کہ اسکو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ غنیم کے لشکر کا اس رٹائی میں کچھ زیادہ  
نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ شجاع کی دولت مندی اور فیاضی کی شہرت کے باعث وہ سب  
راجے جنکی ریاستیں گنگا کے دونوں کناروں پر ہیں اسکی مدد کے لئے اپنی

خطیں لغوت کر کے جسیں داراشکوہ کی شکست اور تباہی اور اپنے قدیمی اتحاد کی یاد دہانی  
کے علاوہ یہ جلتا ہوا فقرہ بھی درج تھا کہ باغی آپ اس طرح پر اپنے اس نقصان کا تدارک  
کیجئے جو سیلجاں شکوہ کے مقابل میں اٹھا چکے ہیں۔ اور جب داراشکوہ کے معاملہ سے  
فارغ ہو کر میں پنجاب سے واپس آؤں گا تو ملک اور مال دونوں سے آپ کے ساتھ آؤ  
جی۔ عینیں کجا نیگی اسکے پاس بھیجا جسکو یک روز بہت ہی شکر گزار ہوا۔ مگر پٹنہ میں ترمیم  
دیکھا کہ اورنگ زیب داراشکوہ کے بھیجے پنجاب کی طرف بہت دور نکل گیا۔ تو آگرہ  
پہنچنے اور سلطنت پر تختہ مارنے کے قصد سے بنارس اور الہ آباد کی طرف بڑھنا شروع  
کر دیا۔ اور چونکہ داراشکوہ نے پنجاب کو بھاگنے سے پہلے بذریعہ مذکور کتابت شجاع  
سے صلح کر لی تھی۔ اور اورنگ زیب کی جال بکاوئے کے لئے پٹنہ سے الہ آباد تک  
اپنے تمام قلعہ داروں کے نام اسکی اطاعت کرنے کے حکام بھیج دیئے تھے۔ اس سبب  
سے وہ بلا مزاحمت الہ آباد پر قابض ہو گیا۔ اور اورنگ زیب کا یہ حال تھا کہ وہ  
لڑائی ڈالنا مناسب نہ سمجھتا تھا کہ کسی طرح شجاع ٹوٹے بغیر ہی ہار  
جلا جائے اور آگے نہ بڑھے۔ ایسے پنجاب سے جلد واپس پہنچاؤل شان سازا  
محمد سلطان کو آگرہ سے جو ایک و میں امور تھا اسکی راہ روکنے کو روانہ کیا۔  
اور بعد ازاں موقع سے قریب رہنے کی خاطر شکار کھیلنے کا حیلہ کر کے خود بھی مسودوں

اورنگ زیب کا محمد سلطان اور  
میر جلد کو سلطان شجاع کے شہ  
پرین اور خود آگرہ کو لوٹ آنا۔

نوبیس بیچ رہے ہیں اور اسکی طاقت بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہ بھی اطلاق نہیں ہے کہ المآباد میں اپنے باپوں جانا چاہتا ہے تاکہ گنگا کے اس شہر گھاٹ کو جو واقع میں صوبہ بنگالہ کا دروازہ سمجھا جاتا ہے ہاتھ سے نہ جانے دے پس اسے سوچا کہ صرف دو شخص اس قابل ہیں جو ان مشکلات میں مجھے مدد دے سکتے ہیں ایک محمد سلطان دوسرا میڈر جگہ۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ تردد بھی تھا کہ جو شخص کوئی نمایاں خدمت بجالاتا ہے تو اکثر ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ خواہ اسکو کیسا ہی صلہ کیوں نہ دیا جائے گروہ اسے اپنی خدمت کے مقابلہ

میں جو المآباد کے رخ گنگا کے کنارے ایک جگہ پہنچا۔ اور اس عرصہ میں شجاع کے پاس کئی ایضاح آئینہ خط اور پیغام بھیجے گرجب آئے نہ آئے۔ اور المآباد سے بھی آگے کچھ نہ گئے۔ ایک تو شہر میں بیچ الاول سلسلہ ایک ہزار انتہر جری مطابق تیسری جوری ۱۱۵۹ء سورمہ سلطان کو محمد سلطان کے لشکر سے کوڑہ میں جانا۔ جو شجاع کے لشکر سے تریب جا کر کوس کے تھا۔ اور اسی میں بیچ الاول کو خیر گاہ اور کاغذات نہایت کئی کسی جگہ کھڑا ہو کر نوے ہزار سواروں کے ساتھ روتے کودوانہ ہوا۔ اگرچہ طرفین سے لڑائی ہوتی رہی لیکن دور دور سے صرف فوجوں کی جھٹی۔ اور جب شام کو لڑائی نہ ہوئی تو شجاع نے یہ غلطی کی کہ اسکا تو بچنا نہ جو ادبھی جگہ رہنا۔ اور اس وجہ سے اچھا کام دینا تھا اپنے لشکر گاہ کے قریب بٹالیا اور علی جگہ سے موقع پر اسکی جگہ اپنی فوجیں جا بھائیں۔ اور چونکہ شجاع کی سپاہ اور فوجانہ کے پیچھے مٹ جانے سے اس طرف والوں کو شب خون کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اسلئے اورنگ زیب پہنچ بٹ کر اپنے لشکر گاہ کو گیا بلکہ کھلی ٹل فوج اور تمام اہل جہر میں تریب سے سیدانک میں تانہ تھے وہیں آکر بیٹے۔ اور حکم دیا کہ گھڑوں کے زین اور سپاہیوں کی کمریں اسطرح بندھی رہیں۔ علاوہ بریں ہتھیار اور ہر دار ہونے کے لئے میر جگہ آرا اور سرداروں کو بہت تاکید میں کرنا پڑا۔ اور بدنامی شجاع اورنگ زیب اپنے مخفر سے خیر گاہ میں جوسیدانک جگہ ہی میں لگا دیا گیا تھا جا کر سورما تو آفریب کو ایک عجیب ہنگامہ برپا ہوا جس سے اس کے لشکر بڑا نقصان پہنچا۔ یعنی ہمارا بھجوتھوٹ مسنگ جسکی تعمیر حان کر کے اورنگ زیب چلی

ہندوستان کی تاریخ

میں بے حقیقت ہی سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ دیکھتا تھا کہ محمد سلطان کو میری اطاعت ابھی سے ناگوار ہے۔ اور قلعہ آگرہ پر قابض ہو جانے اور شاہجہان کو قید کر لینے کی وجہ سے بڑی تعلق کی رہتا ہے۔ اب راجہ میرو جلا سوا گرچہ وہ اسکی کمال نامائی اور سنجیدگی اور دلاوری کا قائل تھا لیکن اُسکے اہنیں اوصاف سے ڈرتا بھی تھا۔ کیونکہ ایک تو دولت مند کی کا بہت ہی شہرہ تھا اسکے علاوہ تمام ہندوستان میں ایک ایسا دانا اور اندیش اور کامل وزیر سمجھا جاتا تھا کہ شکل سے مشکل معاملات کو اپنے حسن تدبیر سے

سے اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ اور اسوقت اُسکے لشکر کے دائیں پرہ کا سردار تھا۔ شجاع کو یہ خبر بھی کہ اوصاف میں فساد اور شور و غلہ برپا کرنا ہوں اور آب آئیں اور اس تدبیر سے اورنگ زیب کو تباہ کر ڈالیں۔ بڑے بڑے راجپوت امیروں کو جو اس پرہ میں تھے ساتھ لیکر میدان جنگ سے پیچھے کو نکل بھاگا۔ اور اول محمد سلطان کے کپ کو جو سربراہ تھا۔ اور بعد ازاں اور امیروں اور خود اورنگ زیب کے لشکر گاہ اور کارخانہ پختہ شاہی کو خوب بیدھڑک لوثا ہوا چلا گیا۔ اس حادثہ سے ایک عجیب پریشانی اور بتری پیدا ہوئی۔ اور بہت سے لوگ رات ہی کو شجاع سے جاملے مگر ابھی کچھ رات باقی تھی کہ اورنگ زیب اس حال کی خبر پر تخت روں پر سوار ہو کر کمال ہتھال سے اپنے خیمہ کے باہر آن کھڑا ہوا۔ اور منہ سنس کر اپنے رفیقوں اور امیروں کو اس طرح پرستی دیتا رہا کہ خوب ہو کہ ہمارا لشکر منافقوں کے خس و خاشاک سے پاک ہو گیا۔ اور اگرچہ اس اگہانی فساد کے سبب سے نصف فوج گمہی تھی۔ مگر بڑے ہتھال سے باقی ماندہ سپاہ کو از سر نوجا بجا جنگی ترتیب سے چمکا دیا۔ اور اس غرض سے کہ فوج اسکو اور یہ فوج کو دیکھتا رہے اپنے رسول کے موافق صبح کو ایک بڑے ہتھی پر سوار ہو کر اور شہنشاہ محمد اعظم کو ساتھ لے کر راجہ میرو کی بے کلا۔ چنانچہ اول قوتیوں اور بانوں کی رانی شروع ہوئی۔ پھر دونوں لشکر آپس میں گئے۔ اور شجاع کے لشکر نے اسکی فوج کے دائیں بازو کو شکست دیکر مٹا دیا جس سے

محمد سلطان اور میر کا شجاع کی بے پروائی

سر انجام کر سکتا ہے۔ اور ان وجوہ سے اورنگ زیب اس مجیب شخص کو بھیجنا  
اسکے بلند ارادوں اور خیالات جاہ طلبی کے محمد سلطان سے کچھ کم نہیں سمجھتا تھا  
پس اگرچہ ہمیشہ سکین سی نہیں جو ایک معمولی عقل کے آدمی کو ضرور وقتوں میں  
پھنسا دیتیں۔ لیکن اورنگ زیب نے ایسی حکمت اور ہوشیاری سے کام  
کیا کہ انکو دار السلطنت سے وکیل بھیج دیا اور دونوں میں سے کوئی شاکی بھی  
نہوئے پایا۔ یعنی ایک بڑی فوج پیر و کر کے شجاع کے مقابلہ کو روانہ کر دیا اور  
خصت کی وقت میں ویرانہ کو تو یہ سمجھا کر راضی کر دیا کہ فتح کے بعد بنگالہ کے زخیر  
موجودہ کی حکومت مدت العمر کے لئے آپ ہی کی واسطے ہے بلکہ آپ کے بعد  
اچھا بیٹا بھی سنبھالے اس موجودہ داری کا سمجھا جائیگا۔ اور اگرچہ آپ کی خدمت میں بہت

بڑی پریشانی تھی۔ اور بہت سے سپاہی دشمنوں سے جا ملے اور بعد ازاں انہوں نے فوج کو قلب  
کو جہاں یہ خود موجود تھا خوب دایا اور کئی دفعہ یہ جان جو کھوں میں پڑا۔ چنانچہ ایک جنگی انصی  
تو اس کے اسیا قریب پہنچا کہ گویا آن ہی بٹھا تھا۔ اور اگر اورنگ زیب کا ایک بندہ بھی ہو  
ساتھ کے انہوں کے ایک ہود سے میں بیٹھا ہوا تھا اس کے فیہاں کو گولی سے ہوا تھا  
تو خدا جانے اورنگ زیب پر کیا گزرتی غرض اورنگ زیب اپنے مشغلات سے  
ہر خطرناک محل میں غالب آیا اور دشمنوں کے ہاتھوں اکٹھے ہو گئے۔ اور ایک شہر کو وہ نہیں  
اور بہت سے انھی آئے۔ اور تالاب کھج پر جہاں شجاع کا لشکر مقیم تھا جا کر یہ  
کیا۔ اور اسی روز محمد سلطان کو شجاع کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اور پھر  
کو "ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار" کا منصب دیا اسکی مدد کو بھیجا۔ اور خود اگرچہ  
ہوتا ہوا اسکو کو بلا گیا۔ کیونکہ داراشکوہ عجرات سے اور ہمارا جو جسو  
اپنے وطن جو دھ پور سے بالاتفاق اجسید پر چڑھ کر آنے والی تھی  
(ماخوذ از مہملک نامہ وغیرہ)

سی غنائوں کے قابل ہیں مگر ان میں سے بالفعل یہ ایک ہی۔ اور جب آپ شجاع پرستخ پائینگے تو آمینہ الامراء کا خطاب جو ہندوستان میں سب سے بڑا خطاب ہے آپ کو عطا کیا جائیگا۔ اور محمد سلطان سے یہ کہہ کر بیٹا خیال کرو کہ میری اولاد میں تم سب سے بڑے ہو اور اپنے ہی کام پر جاتے ہو اور بیشک تم نے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو ابھی کچھ بھی نہیں کیا کیونکہ تا وقتیکہ شجاع کو جو ہمارے مخالفوں میں ایک بہت بڑا شخص ہے شکست دیکر کپڑا لاؤ سارے ہی کام اچھوڑے ہیں۔ بعد اس فہمائش کے اورنگ زیب نے دونوں کو حسب منزل بڑے بڑے ”سروپا“ یعنی خلعت دیئے۔ اور چند گھوڑے اور اچھی عمدہ سازو سامان سمیت عنایت کیئے۔ اور جس طرح سے ہوسکا محمد سلطان کی بیگم اور میرو جملہ کے بیٹے محمد امین کو ان کے ساتھ نہ جانے دیا یعنی محمد سلطان کی بیگم کو تو جو شاہ گولکنڈا کی بیٹی تھی اس جیلہ سے ٹھہرا لیا کہ ایسی عالی خاندان شہزادی کا لڑائی کے وقت لشکر کے ساتھ جانا کسی طرح زیبا اور مناسب نہیں۔ اور محمد امین خان کو اس بہا سے روک لیا کہ ابھی یہ بہت کم سن ہے اور ازراہ شفقت ہم چاہتے ہیں کہ خاص اپنے زیر نظر رکھ کر اسکو تعلیم و تربیت کرائیں لیکن اصل یہ ہے کہ دونوں کو اول کے طور پر رکھا تھا تاکہ شہزادے اور میرو جملہ سے کسی بیوی بانی کا اندیشہ نہ

فارسی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شجاع کی بربادی کو بعد اسکو خان خانان سپہ سالار کے خطاب سے کھجا جاتا تھا اور امیر اکبر کا خطاب شایستہ خان کو عطا ہوا

شجاع کا الہ آباد سے اول مونگیر اور  
پھر آہم محل جانا اور میر جلد اور فتح سلطان  
کا فتح کے بعد وہیں توقف کرنا۔

اب شجاع کا حال سنئے کہ چونکہ اُسکو برابر  
یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ سبدا و بنگالہ کے نیچے  
کے حصہ کے وہ راجہ میری چھینا چھڑیوں

اور زیادہ ستانیوں سے دل میں ناراض ہر کسی کے بہکانے سے پیچھے  
فساد کر بیٹھیں اسوجہ سے جب اڈرنگ زینب کے ان بندوبستوں سے مطلع  
ہوا تو فوراً الہ آباد سے ڈیرہ ڈانڈا اٹھا کر بنارس اور پٹنہ کی طرف کوچ  
کر گیا۔ کیونکہ اُسے یہ اندیشہ تھا کہ غالباً میڈلجھ بجا سے الہ آباد کے کسی  
اڈر گھاٹ سے گنگا کو عبور کر کے میرے بنگالہ کے واپس جانے کے  
راستہ کو روکنا چاہیگا۔ چنانچہ انہیں اندیشوں سے بنارس اور پٹنہ سے  
بھی پیچھے موٹیکو کو چلا گیا جو گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے اور  
ایک طرف پہاڑ اور دوسری جانب جنگل اور دریا ہونے کی وجہ سے ایک  
کارآمد مقام اور بنگالہ کا دروازہ سمجھا جاتا ہے۔ اور یہاں پہنچ کر جو چند ہی  
کرلی اور شہر اور دریا کے کنارے سے بیکر پہاڑ تک ایک بڑی گہری خندق  
کھدوا لی۔ چنانچہ اس واقعہ کے کسی حال بعد اس خندق کو بننے بھی دیکھا تھا  
اور اس سخت محکمہ میں گنگا کے گھاٹ کو روکے ہوئے فوج مخالف کے

حاکم گویا مہ میں لکھا ہے کہ مونگیر کے ایک طرف جو قدرتی پہاڑ اور دوسری جانب  
دریا سے گنگا ہے ان دونوں نے اپنی حکمت کے زمانہ میں پہاڑ سے بیکر پہاڑ تک سوا کوں  
جسی دیوار کھنچ کر اُس کے مقابل کی سمت میں خندق کھدوا دی تھی۔ شجاع نے ان ایسی سبدا  
کے دونوں میں اس دیوار کی مرمت کر کر بہر میں گزیر ایک ایک بیج بوا دیا تھا اور خندق  
کو بانی تک گہرا کر دیا تھا۔

کے حملہ کا منتظر تھا۔ کہ یکایک اُسے یہ افسوس ناک خبر ملی کہ وہ لشکر جو تہ تیغ دریا کے کنارے کنارے بڑھا آتا تھا صرف دھوکا دینے کی غرض سے تھا اور میدانِ محکمہ اُسیں نہیں ہے بلکہ وہ اُن راجاؤں کو جنگی ریسیتیں دریا کے دائیں کنارے کوہستان میں ہیں گانٹھ کر پہاڑوں سے عبور کرتا ہوا مع <sup>مُحَمَّد</sup> سُلْطَان اور سیتھد اپنی چیدہ اور منتخب سپاہ کے راج محل کی طرف اس غرض سے جا رہا ہے کہ ہمارا پیچھے ہٹنے کا راستہ روک کر ہمکو بنگالہ کے اندر کی طرف نہ جانے دے۔ پس یہ خندق اور مورچے بوائے بڑے اہتمام سے تیار ہو کر تھے یوہن چھوڑ دینے پڑے۔ اور چونکہ مونگیر اور راج محل کے درمیان گنگا اس طرح جاہل ہے کہ کسی چکڑا اور پھیر کھا کر گزری ہے اس سبب سے اگرچہ بہت سی ٹکینیں اٹھانی پڑیں مگر پھر بھی میدانِ محکمہ سے کئی روز پہلے راج محل میں جا پہنچا۔ بلکہ کچھ مورچے باندھ لینے کی بھی فرصت مل گئی۔ کیونکہ میدانِ محکمہ اور <sup>مُحَمَّد</sup> سُلْطَان یہہ دیکھ کر کہ اسکو اب راج محل پہنچنے سے روکنا ناممکن ہے اپنے امین تھ بعض سپاہیوں کو گزرائز راستوں سے گزرتے ہوئے اس غرض سے گنگا کے رخ ہو گئے کہ اپنے بھاری توپخانہ اور مابقا فوج اور ہتھیار وغیرہ کو جو دریا کے رستہ سے آرہی تھی اپنے ساتھ شامل کر لیں اور جب انکا یہ مدعا حاصل ہو گیا تو راج محل پہنچ کر اسی شروع کردی اور اگرچہ پانچ روز تک شیعہ خوب لڑا مگر جب دیکھا کہ

\* جلال الدین محمد گنگو کے زمانہ سے پہلے وہاں اکثر کنگے رہنے کے سبب سے عوام انہیں اس جگہ کو اُل محل کہنے لگ گئے تھے۔ جب راجہ منان سیننگ بنگال کا صوبہ دار ہوا تو اپنے رہنے کے لئے وہاں اینٹ بستی سے ایک مستحکم محاصرہ تیار کر کے اسکا نام راج محل رکھا بعد ازاں اس جگہ کا نام بادشاہی دفتروں میں اکبر نے لکھا جاتا رہا اور اب بدستور راج محل مشہور ہے۔ س م م

میں بچلے کے تو بچانے کی متواتر مار میرے مورچوں کو (جو درختوں کی شاخوں اور لکڑیوں سے بچ کی صورت کے مٹی اور ریت بھر کر بنائے گئے تھے) بڑا کیٹے جاتی ہے۔ اور یہ بھی خیال کیا کہ برسات کا موسم قریب آگیا ہے اسوقت انکو اور بھی زیادہ نقصان پہنچکا تو رات کے پردہ میں وہاں سے نکلیا مگر وہیں جو بہت بھاری تھیں یہیں چھوڑ گیا۔ اور میں بچلے اس خوف سے اسکا پیچھا کر سکا کہ شب خون کے ارادہ سے کہیں وہ ہماری گھات میں لگا ہوا نہ ہو اور شجاع کی خوش نصیبی سے صبح ہونے سے پہلے اس زور کا مینہ برساکہ اسکے تعاقب کے لئے راج محل سے کوچ کا خیال تک کرنا ناممکن ہو گیا یہہ بارش نہایت ہی شدید اور برسات کا آغاز تھی جو بنگالہ میں جولائی سے اکتوبر تک بہت ہی کثرت سے ہوا کرتی ہے۔ اور راستے ایسے خراب ہو جاتے ہیں کہ کسی حملہ آور فوج کے سفر کے قابل نہیں رہتے۔ پس میں بچلے کو واجب ہوا کہ برسات کے ختم ہونے تک راج محل میں ٹھہر کر اپنی فوج کو شجاع کی سپاہ کے مکانوں میں آرام دے۔

اس مہلت سے شجاع کو بخوبی گنجائش مل گئی کہ جس جگہ مناسب سمجھا وہاں ٹھہر کر اپنی حسب حال

شجاع کا مکر فوج بھرتی کرنا  
بہت سے چوکنڈ بھی ہے

نہیں کر رہا۔ اور بہت سی نئی فوج نوکر رکھی۔ جسین بہت سے بیکٹیز بھی تھے جو س چند توپوں کے بنگالہ کے آن ضلعوں سے آگئے تھے جو نیچے کیطرت ہیں۔ کہ نہ کہ ملک کی کمال زمینداری کے باعث اکثر اہل فرنگ اس نوع میں آہلئے ہیں۔ اور ابے وقت میں فی الحقیقت یہہ امر شجاع کی خوش تدبیری



اور دانا ہی میں داخل تھا کہ اُس نے اِن جہنی لوگوں کو دل فزائی اور خاطر داری سے اپنی سپاہ میں بھرتی کر لیا۔ کیونکہ ترکیز اسیل اور دو غلے سب ملکر اس وقت کم سے کم نو دس ہزار یہاں موجود تھے۔ اور فی الواقع اُسکو بہت مدد دے سکتے تھے۔ اُس نے اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ اُن کے پادریوں کی بہت دلداری اور تالیف قلوب کی تھی اور انعام و اکرام کے وعدوں کے علاوہ یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہو اپنے گرجا بنالینا۔

اس عرصہ میں میڈیو جلد کو یہ عجیب منحصر پیش آیا کہ اُس میں اور محمد سلطان میں سخت نااتفاقی پیدا ہو گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایک

محمد سلطان اور میڈیو جلد میں نااتفاقی کا پیرا ہونا اور شہزادہ سلطان شجاع کو باپ کی ناانصافی اور شجاع کو اُسکو منصب نہ لگانا اور اورنگزیب کے حکم سے قلعہ گوالیار میں سکا قید کیا گیا۔

اسکی یہ نہایت آرزو تھی کہ کل لشکر کی حکمرانی میرے اختیار میں ہو۔ دوسرے میڈیو جلد کے ساتھ تو میں وختیر سے پیش آنا تھا۔ بلکہ بعض اوقات باپ کی نسبت بھی کچھ ایسے الفاظ کہہ اُٹھتا تھا جو نہ فرزندانہ اطاعت اور ادب ہی کے شایاں تھے اور نہ باپ کے شایانہ منصب ہی کے اور علانیہ کہہ دیا کرتا تھا کہ آگے کی تسخیر مینے وہ وہ کام کہے ہیں کہ حضرت کو واجب ہے کہ اپنی کامیابی میں میرے ممنون ہوں۔ پس آخر کار نتیجہ ان حرکتوں کا یہ ہوا کہ باپ کو سخت ناراض کر لیا اور پھر جب اسکی ناراضی کی خبریں سنیں تو اس دُر کے مارے کہ مبادا میڈیو جلد کے پاس میری گرفتاری کا حکم آجائے اور وہ مجھے قید کرے صرف گنتی کو آدمیوں کے ساتھ راج محل سے چلے آیا اور سلطان شجاع کی خدمت میں اطاعت ظاہر

لے یہ عجیب اتفاق تھا کہ چالیس برس قبل اکبر اور شہزادہ ہمایوں کے درمیان باغی ہوا اور

کر کے بجا آوری خدمات کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کی۔ لیکن شجاع کو ان باتوں پر کچھ یقین نہ آیا بلکہ یہ شبہ کرتا رہا کہ شاید اوزنگ زنب اور میڈیجھل نے مجھے بہت بڑے بڑے وعدوں اور قسموں پر اعتبار کر کے اپنی فوج کی کوئی بڑی حکومت اُسے سپرد نہ کی بلکہ ہمیشہ اُسکا نگرانِ حال رہا۔ اور اس طرز سلوک کا انجام یہ ہوا کہ تھوڑی سی دیر میں شجاع سے بھی متفر ہو گیا اور آخر کار چند مہینوں کے بعد اُمید ہو کر پھر میڈیجھل کے پاس چلا آیا اور میڈیجھل نے خاطر داری اور کس قدر اعزاز و اکرام کے ساتھ لشکر میں تار لیا۔ اور کہا کہ اگرچہ آپ نے بہت بڑا قصور کیا ہے مگر خیر میں بادشاہ سے سفارش کر کے معافی کی درخواست کروں گا۔

میں نے بہت لوگوں سے سنا ہے کہ یہ عجیب حرکت جو محمد سلطان سے ظہور میں آئی تھی حقیقت میں اوزنگ زنب کا ایک منصوبہ تھا جو یہ چاہتا تھا کہ میرا بیٹا خواہ اپنے کو کسی خطرناک کام ہی میں کیوں نہ ڈال دے مگر سلطان شجاع تباہ ہو جائے۔\* بہر حال اصل حقیقت خواہ کچھ ہی ہو مگر جب اُسکو یہ معلوم ہوا

۱۔ اراشکوہ اور بھرشکوہ ٹھیک ہی تاریخ داد زمین ملکیت بیخون کے انھوں نے گزرا ہے۔

۲۔ فاسی و پنجس و محمد سلطان کی بیعت کا سبب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلطانہ ادلی اور فاسی کا غرور و تعہد ہی اس پر میڈیجھل کی سختی اور بھی نالوا یعنی اور کوئے اندیش معاہدوں کی ترغیبیں اور سلطان شجاع کے دیکھنا اور اپنی دلی شادی کر دینے کا وعدہ بکاؤ کر کے ایک طائفہ میں تھا جو انکا دوسرا کراں کر کے دہشت ہو کر تھوڑا کچھ سبب یہ شجاع کو اس جائیداد تو تمام ٹانگہ جہاں موٹیکو اور راج محل و جہنم جگہ یہ شجاع نے بیعت کا یہم بیکر کیا تھا اس دلی سے اسکی شادی کر دی۔ اور اس کے دوسرے انیکا سبب شجاع کی یہ بھی تھی بلکہ مذکورہ کی شکستوں سے جب اسنے دیکھ لیا کہ شجاع کی بہو کی کوئی امید نہیں ہے تو اس اور نام ہو کر آٹھ مہینے سے کچھ زیادہ اُسے پاس رکھ دیا اور پھر ملا لیا۔ س م ن

کہ وہ راج محل کو لوٹ آیا ہے تو موقع دیکھ کر کہ اب محمد سلطان کو بھی کسی حرکت کی جگہ بھیدینے کا خاصہ بہانہ اٹھ گیا ہے واقعی بابتی خلی کے ساتھ اسکو ایک تاکیدی فرمان بھیجا کہ فوراً بلا توقف دھلی کو چلا آئے۔ اب بدعیب شانزادہ تعمیل حکم سے سرتابی کرہی نہیں سکتا تھا پس جوہیں گنگا کے اس پار اترالوگوں کے ایک مسلح گروہ نے گرفتار کر لیا اور زبردستی ایک عماری میں بٹھا کر گوالیار کو لے گئے اور پھر ہے کہ اسکی عمر کا خاتمہ اب ایسی جگہ ہو گا۔ \*

\* عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ محمد سلطان اول پانچویں شہنشاہ اکبر اور تیسری جہیز کو سلیم گنج اور پھر پشپور جہیز جہیز جہیز جہیز اور سلیمان شکوہ جو سری نگر کے گرفتار ہو کر آیا تھا درون گوالیار بھیدینے گئے تھے۔ مگر شہنشاہ اکبر اور اسی جہیز میں ملتفت خان کو بھیج کر محمد سلطان اور داراشکوہ کے دوسرے بیٹے پھر شکوہ کو دروں سے بلایا اور کچھ دنوں پر سلیم گنج میں زیر است رکھ کر قریباً چودہ برس کی قید کے بعد شروع شدہ اکبر ازراعی جہیز خلیت وغیرہ دیکر چھوڑ دیا اور مراد بخش کی بیٹی دوستدار بانو بیگم سے نکاح کر دیا اور اپنے قریب سے بہنوں کا سہرا بنا کر قندھ کے اندر کی سیدہ میں سلام کرانے لگیا۔ اور بارہ ہزار روپیہ سالانہ متعین کر دیا۔ اور جن عبد الصغی کے موقع پر ایک گوسفند کو نو خود قرانی کیا اور ایک اونٹ محمد سلطان سے عذر کیا اور شہنشاہ اکبر اور اسی جہیز میں کشتواڑ کے راجہ کی بیٹی باقی جھوپ دینی نامی سے اس کا نکاح کر لیا اور سات لاکھ روپیہ کا زیور عطا ہوا۔ اور کتاب مائر عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر اور اسی جہیز میں وہ خلیج کے جہانوں کی بنادت کی وجہ سے جب اورنگ زیب کو ایک حرم تک بغام حسن آباد ال رہنا پڑا تھا محمد سلطان کو بست ہزاری وہ ہزار سوا کاغذ مع خلعت کو اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور نفاذ و نشان وغیرہ عطا ہو گیا تھا۔ اور وہاں سے معاہدے کے بعد اگلے برس سات لاکھ روپیہ نقد عنایت ہوا۔ مگر ماہ جو دریں کے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قید سے چھوڑ دینے بعد کسی جگہ کی عہد داری ملی ہو یا اسکے آذر بھائی کی طرح اسکو کسی ہم میں سر لشکر بنا کر بھیجا گیا ہو بلکہ ایسا پایا جاتا ہے کہ باؤنا کی سردہری اپنے اس بیٹے کی نسبت جلی جی جاتی تھی۔ کیونکہ جب یہ شہزادہ اڑتیش برس دو مہینے کا ہو کر شہنشاہ اکبر اور اسی جہیز میں مرا ہے اسکی نسبت اسی کتاب مائر عالمگیری میں

اورنگ زیب کا سلطان محمد معظم کبھی  
کی حالت عین وہاں اور محمد معظم کے جن  
کی نسبت لوگوں اور خود صنف کی رائے۔

اس طرح پر اپنے بڑے بیٹے کا خرنشہ ٹاکر  
اورنگ زیب نے شہزادہ محمد معظم سے  
فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں تم بھی سرکشی اور بلند بازی

کے خیالات میں بجائی کی تقلید کر بیٹھو اور وہی معاملہ تمکو بھی پیش آئے جو اُسکو  
پیش آیا ہے۔ یاد رکھو کہ سلطنت ایک ایسا نازک معاملہ ہے کہ بادشاہوں کو اپنے  
سایے سے بھی حسد اور بغمانی ہو جاتی ہے پس یہ خیال کبھی نہ کرنا کہ اورنگ زیب  
بھی میٹوں کے ہاتھ سے دہی کچھ دیکھ سکتا ہے جو جہاں دیکھنے نے شاہجہاں  
کے احوال دیکھا تھا یا جس طرح شاہجہاں نے تخت و تاج کھو دیا اورنگ زیب بھی  
اُسی طرح کھو سکتا ہے" لیکن سلطان محمد معظم کے تمام طور و طریق پر بحفاظ  
\* جھالکوں سے ہلکی گزرائیں بن ہی رہی تھی اور جب مراہزب قویہ دکن میں ملائی باقی تھا۔ س م ر

یہ عبات کہی ہے کہ "بادشاہ شہزادہ داور میں شہزادہ عارض شہزادہ کے بڑے بھائی بن قیال ہوئے اور تمام  
خاص شہزادوں اور شہزادوں کے مرصفاں نکل بیٹے محمد علاء الدین اور شہزادہ شہزادہ محمد بن قیال  
باوجود قوت و سلاطنت اور شہزادوں کے اورنگ زیب سے قوار اور باجائے دل پر ہم دیکھ دیکھ رہے تھے  
اور محمد اللہ خان خانان و سیادت خان و حیدر اللہ خان و فتح نظام  
و ملا محمد یعقوب فرمان رشتہ کو درود خواجہ قطب الدین بختیار کاکی  
برعت حق پانڈ" جس سے یہ حال بہت بگڑ گیا ہے کہ باوجود اسکے مرض الموت میں مبتلا رہنے  
کے بھی اورنگ زیب نے اسکو بگاڑ نہیں دیا۔ بلکہ شہزادوں میں مصروف اور اسی کتاب میں حکمرانوں کے احوال  
کے ذکر میں مصنف نے اس شہزادہ کی سیادت اور قابلیت کی نسبت یہ عبات کہی ہے اور میں فرخ و دوران  
محمد مسان بادشاہ اورنگ زیب کا سلطان اور ایشیا اوسط کی تمام مہمان و شہزادوں کے احوال و سیرت  
و تاریخ و سیرت و ادب و محاسن و معانی و کلام و حیدر و کلمات و غزلیہ و دہشمن و دہشمن و دہشمن  
و ترک و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن  
و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن و دہشمن

تاریخ سیرتِ نبویؐ و الکونین

کر کے میری بیہ راے ہے کہ آڈنگ زینب کا اسکی طرف سے کسی بچے ارادہ کا شبہ کرنا بیوجہ ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک ادنیٰ غلام سے بھی زیادہ فرمانبردار کی کرتا ہے اور مطیع سے مطیع شخص سے بھی بیہ ممکن نہیں کہ غیر قانع اور جریٹ کے جوش پر اپنے اقوال افعال سے کسب قدر پردہ ڈال سکے۔ چنانچہ خود آڈنگ زینب بھی حصول اعتبار و اقتدار کی جانب سے کبھی ہشدر بے پروا نہیں نظر آیا۔ اور نہ خیرات اور دنیاات ہی میں اتنا مصروف دکھائی دیا۔ مگر بائیں ہاتھ کیوں شیار لوگوں کی بیہ راے ہے کہ مقتضائے (الْوَلَدُ مِثْرًا لِأَبِيهِ) بیہ ہلکی بنا ڈٹ ہو اور حصول سلطنت کے خیالات اُسی طرح دل میں چھپائے ہوئے ہے جس طرح اسکا باپ چھپائے ہوئے تھا۔ \*

\* مُحَمَّدٌ سُلْطَانٌ اور مُحَمَّدٌ مَقْطُومٌ دونوں ایک ہی ماں سے تھے اور محمد مظہم زینب چار سال کے اس سے چھوٹا تھا اور آڈنگ زینب کے بعد ہی بلو شاہ ہوا تھا۔ اور اپنی جد سال بادشاہی کے مختصر زمانہ میں ایک نیک سیرت بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ لکھا ہے کہ یہ چھپن ہی میں قرآن مجید کا حافظ ہو گیا تھا اور فنِ قرأت اور عربیہ سے خوب واقف تھا اور علم حدیث وغیرہ میں ایسا کامل تھا کہ ہمہ علم بھی ہوتے تھے اور ساری فقہیہ کا ہتھکڑا و استخراج خود قرآنِ حدیث سے کر سکتا تھا عربی ایسی بولتا تھا کہ نصحاء عرب پسند کرتے تھے اور ترکی اور فارسی تو گویا اس کے گلہ کی زبان میں تھیں خوشنویسی میں بھی کامل تھا اور کئی طرح کے خط لکھنے جانتا تھا۔ نیک اذات ایسا تھا کہ راتیں ناز و دلائف اور تلاوت قرآن مجید اور مطالعہ کتب تفسیر حدیث و فقہ و تصوف میں بسر کرتا تھا۔ اور صبح کی نماز ہمیشہ اہل وقت اور کر کے کچھ دن چڑھے تک اور اور و ظیفے پڑھتا۔ اور اس کے بعد منظران و بار کے بیٹے چھڑکے دُشمن دین بٹھا۔ اور سفینوں اور فرا دیوں کی داد دیتا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر دیوان خاص یا عام میں بیٹھ کر ملکی مالی معاملات مستأدا نماز پڑھ کر پھر مجلس میں جا کر کھانا کھاتا۔ اور کسبہ ہوتا۔ اور نماز عصر پڑھ کر پھر فریادیوں کی داد دیتی کرتا۔ اور لوگوں کا سلام چاہتا۔ اور نماز مغرب کے بعد درد و دلائف میں مصروف رہتا۔ اور زینب پڑھتا۔

بنگالہ کی طرف لڑائی کا جاری رہنا اور  
اورنگ زیب کا تخت سلطنت پر جلوس کرنا

اُب بنگالہ کا حال سنئے کہ اگرچہ لڑائی بدستور جاری  
تھی مگر کسیتدر سسئی کے ساتھ تھی اور شجاع  
حتی المقدور مقابلہ کیے جاتا تھا اور اسکا ہوشیار دشمن میڈر محمد گنگا سے اُڑنے  
اور بیشامندی نالوں کے طے کرنے میں جو اُس ملک میں کثرت ہیں جس جس  
مناسب اور مصلحت وقت جانتا تھا عمل کرتا تھا اور اس عرصہ میں اورنگ زیب اگر  
کے نواح میں مقیم تھا۔ مگر آخر کار جب خُراد بخش کو قلعہ گوالیار میں بھیج چکا  
تو دہلی جا کر اُن سب دھوکے کی ٹٹیوں کو جو اب تک لوگوں کے فریب میں  
کو بنا رکھی تھیں اٹھا ڈالا اور تخت سلطنت پر جلوس کر کے اچھی خاصی طرح

رات گزرے نماز عشاء پڑھ کر مجلس میں چلا جاتا تھا۔ مگر باوجود اُن تمام صفات حمیدہ اور کمالات  
کے آخر کار اسکو بھی بدگمان باپ کے تہ و غضب کا نشانہ بننا ہی پڑا۔ یعنی جب اورنگ زیب اپنے  
سیکندر رُعا دُن شاہ نابالغ والی بیجا پور کی بربادی کے لئے محمد معظم کے سوتیلے  
بھائی محمد عظیم شاہ کو اور ابو الحسن تافا شاہ والی حیدر آباد دکن کی جگہ لکھی  
لئے اسکو مامور کیا تو اعظم شاہ اور اورنگ زیب کی دراندازی سے بہت شہ ہو گیا کہ دلی دکن سے  
اسکی سازش ہے۔ اور باوجودیکہ بادشاہ کے بعض متدافعین نے اسکی بے خبری کی شہادت دی مگر گمانی  
فرج نہ ہوئی اور قتلہ اکبر شاہ جو بھری میں بیوی بچوں اور سوسلوں سمیت ہنایت ذلت اور بستی ہو قید  
کر دیا اور پانچ برس سے زیادہ قید رکھا اور تمام مال اسباب اور جاگیر وغیرہ ضبط کی گئی یہاں تک کہ  
اسکی زوجہ نور النساء بیگم کے کانوں اور گلے کے زیور تک چھین لئے گئے اور اسکو اور اس کے  
بیٹوں کو حجامت بنوانے۔ ناخن کٹوانے۔ ٹھنڈا پانی پینے۔ گرم روٹی کھانے اور سب حال لباس  
پینے سے بدلتوں اور جرمی رہی اور لطف یہ ہے کہ مائر عالمگیری میں (جسکا مصنف  
الزام کے ساتھ بڑے ادب اور اعتقاد سے ہمیشہ اورنگ زیب کی تعریف لکھتا ہے) لکھا ہے  
کہ اگرچہ حضرت اورنگ زیب کو اُسکی قید کے زمانہ میں اس امر کا بھی اقرار تھا کہ ہمارے اچھے  
اسب ظلم ہو گئے ہیں۔ مگر فرماتے تھے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ خداوند کریم ہمارے دل کو  
اُس کے حال پر بہرہ بان کر دے !!! (ماخوذ از مائر عالمگیری ص ۱۶۸ تا ۱۷۰) س م ح

تاریخ سلطنت اورنگ زیب

## بادشاہ بن بیٹھا ۵

داراشکوہ کا گجرات کا سمیرانا  
اور جسٹو سنگھ اور شاہنوازخان  
کی دغا بازی اور شاہنوازخان کا  
قتل اور داراشکوہ کی تباہی

اب اورنگ زیب کی تمام توجہ داراشکوہ  
کے گجرات سے نکلنے کی تدبیروں میں  
مصرف تھی لیکن ان وجوہ سے جو پہلے

بیان کی جا چکی ہیں اس دلی مدعا کا حاصل ہونا آسان تھا مگر ان کا اسکی عجیب  
ہنرمندی اور روز افزوں خوش اقبالی سب مشکلوں پر غالب آگئی تفصیل اسکی

۵ داراشکوہ کے تعاقب میں پنجاب کو جاتے ہوئے اگرچہ سرسری طور پر تخت نشینی  
کی رسم مقام بلخ آغزا آباد جو شاہجہان آباد کے قریب لاہور کے راستہ پر تھا پہلی دفعہ  
سنہ ۱۰۵۷ھ میں آچکی تھی مگر باقاعدہ جلوس اسوقت کیا گیا تھا جبکہ فتح  
کو مقام کھجور شکست پٹنہ کے بعد مراد بخش کو قلعہ گوالیار میں مسجد یا گیا۔ اور داراشکوہ  
کو مقام اجپور آیتیں جوادی انسانی سنہ ۱۰۵۸ھ میں آچکی تھی مگر دوبارہ بھی شکست ہو چکی  
اور وہ آٹے پائوں احمد آباد کی طرف نہایت بے سرو سامانی کے ساتھ بھاگ گیا۔ اس تخت نشینی  
کو مصنف نے داراشکوہ کی شکست کے واقعوں سے پہلے خدا جانے کس طرح لکھ دیا ہے اور یہ جلوس  
چوبیسویں رمضان سنہ ۱۰۵۸ھ کو قلعہ شاہجہان آباد میں (جس میں اب تک یہ داخل نہیں ہوا تھا) ہندو  
اور مسلمان خیموں کے مجوزہ ہورت کے موافق جبکہ شہر چاب سوا سکواں لیسواں برس تھا  
معمولی تکلفات کے ساتھ کیا گیا۔ اور اورنگ زیب نے اپنا لقب حبیب الملک قرار دیا۔ ابوالمظفر  
محمد الدین محمد اورنگ زیب بھادشاہ عالمگیر بادشاہ غازی“ اور بے ادبی کے خیال سے  
سکد میں کلمہ طیبہ اور طعنے اوروں کے ناموں کی جگہ ہونے اور چاندی کی مناسبت سے باختلاف نقطہ  
تہرہ بدریہ بیت تجر بہ ہونی ”سنہ ۱۰۵۹ھ میں جہاں جو مہر میر + شاہ اورنگ زیب عالمگیر“ اور  
اگرچہ کسی کتاب تاریخ میں نہیں دیکھا گیا مگر مشہور ہے کہ جب خطیب ستور کے موافق اسکے بزرگوں کو کیکو  
جنت آشیانی اور کیکو علیہ کانی وغیرہ وغیرہ کہا کرتے تھے اور جاگیر کے نام پر پٹنہ اور اورنگ زیب نے  
خاست کو معلوم کیا کہ یہ اس امر میں حیران ہو کر بیٹے جاتے شاہجہان کا کیا کہنا نام ہے۔ فوراً اسکی طرف  
مخاطب ہو کر قیدی باپ کے لئے چربہ حال اور طین نقب تجر کردیا اور کہا کہ خطیب گو (تاک تاج ویم  
نامی سلطان ابراہیم شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی صاحبقران ثانی) اس م س

یہ ہے کہ جسٹونٹ سینگ نے گھر بچتی ہی اُس مال و دولت سے جو کچھ سے  
لوٹ کر لایا تھا ایک مضبوط فوج بھرتی کرنی شروع کر دی اور داراشکوہ کو لکھ بیا  
کہ آپ باتوقف انگہ کو چلے آئیے میں اپنی تمام فوج کے ساتھ راستہ میں آن لوگا  
اب چونکہ تہرا وہ نے بھی ایک فوج کثیر جمع کر لی تھی اگرچہ بہت عمدہ تھی۔ پس  
اس اُمید پر کہ جب میں ایسے نامی راجہ کو ساتھ لے ہوئے دارالسلطنت کے  
قریب پہنچ جاؤگا تو میر سے منتشر شدہ ہوا خواہوں کو بھی میر سے نشان کو نیچے  
آنکر جمع ہو جانے کی جرات ہو جائیگی اسلئے آباد سے کوچ کر دیا اور بہت سرعت  
کے ساتھ اجمیدو میں آ پہنچا جو آگڑہ سے سات آٹھ منزل کے فاصلہ  
پر ہے۔ لیکن جسٹونٹ سینگ اپنے عہد پر قائم نہ رہا وجہ یہ ہوئی کہ راجہ جسٹونگ  
نے یہ خیال کر کے کہ لڑائی کے تمام رنگ ڈھنگ سے اور رنگ بربہ ہی کے  
غلبہ کی اُمید ہوتی ہے اسکی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے جسٹونٹ سینگ  
کو داراشکوہ کی طرف داری چھوڑ دینے کی صلاح دینا مصلحت جانا اور اُسکو کھاکہ  
مٹنے اسیں ایسا کیا فائدہ سوچا ہے کہ ڈوبنے کے ساتھی بنتے ہو اور اگر نعم  
اسی بات پر قائم رہو گے تو اُسکا کچھ فائدہ ہوتا تو معلوم مگر ماں تہرا را خاندان اور ہم  
بیشک برباد ہو جاؤ گے۔ اور اُدُرنگ زینب تک کہ سبھی معاف نہ کریگا۔ اور چونکہ میں  
بھی راجہ ہوں اسلئے بہت اتماس کرتا ہوں کہ بیچارے راجپوتوں کا خون کرانے

۱۷۰ مالگیر نامیں لکھا کہ گجرات میں داراشکوہ کے پائل میں ہزار سوار اور ایک اچھا توپخانہ موجود ہو گیا تھا۔  
اور کچھ کی لڑائی میں جسٹونٹ سینگ کی ہلاکت سے جو انواہیں اڑی تھیں انکو تک غلبہ بازی  
سے جسٹونٹ سینگ کی عرضوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اسی کو قتل کر دیا تھا۔ س م ح



سے باز آئے اور اس گھمنڈ میں رہے کہ اور راجہ بھی تمہارے شریک ہو جائیگا  
 کیونکہ یہ میں کبھی نہ ہونے دوں گا۔ اور چونکہ ایک ایسا امر ہے جو ہر ایک ہندوؤں  
 سے تعلق رکھتا ہے اس لیے آپ کو ایسی آگ کے ہر کانے کی سطح اجازت یکاشتی  
 ہے جو تمام ملک میں پھیل جائے اور پھر کوئی بھی اس کو بجھانے سکے اور اگر تم داراشکوہ  
 کو بحال خود چھوڑ دو گے تو آذرنگ زیب آپ کی پچھلی خطائیں سب معاف کر دیگا۔ اور  
 اس فیماں خزانہ کا بھی مطالبہ نہ کرے گا جو آپ نے کھجور کی لڑائی میں لوٹ لیا تھا۔  
 بلکہ فوراً گجرات کی صوبہ داری پر سرفراز کیے جاؤ گے اور ایسے صوبہ کی  
 حکومت میں جو آپ کے علاقہ سے متصل ہے جو فوائد ہیں وہ آپ بخوبی سمجھ  
 سکتے ہیں۔ اور وہاں آپ بغیر کسی طرح کے خوف و خطر کے نہایت آرام سے  
 رہیں گے اور ان وعدوں کا کامل طور سے پورا کرنا میرے ذمہ ہے، خلاصہ کلام  
 یہ کہ جسٹونٹ سنگھ اس امر پر مائل ہو گیا کہ گھر سے قدم باہر نہ نکالے اور آذرنگ زیب  
 سے اپنی تمام فوج و لشکر کے اجماع میں داراشکوہ کی فوج کے سامنے آن ہو جاتا ہوا۔  
 اب ایسا کون شخص ہو گا جو اس تاریخ کو پڑھے گا اور اس بات پر افسوس نہ کرے گا۔  
 کہ نصیب داراشکوہ کو لوگوں نے کیسی کیسی الٹی تدبیریں بتائیں اور آخر کار دعا کی  
 جسٹونٹ سنگھ کی بد عہدی کا حال اگرچہ داراشکوہ پر کھل گیا مگر اسکے ہولناک  
 نتیجوں کا اب کیا علاج تھا۔ وہ بیشک اپنی فوج کو احمد آباد لیجا تا مگر گرمی کی شدت

۱۷ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ جسٹونٹ نے آذرنگ زیب کی خواہش کے موافق اپنے خط کو  
 ساتھ ہی مضمون کا بادشاہی فرمان بھی اپنے ایک خاص آدمی کو ساتھ جسٹونٹ سنگھ کی پاس  
 بھیجا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ وہ خود ہی پور سے سوار ہوا تھا مگر اس میں سوائے ہر گز ۱۷۴۸

اور پانی کے قحط کی وجہ سے جو اس موسم میں راجپوتانہ میں ہو جاتا ہے یہاں  
سخت دشوار تھا کہ پتیس روز تک اُن راجاؤں کے ملک میں سفر کرے جو  
جسٹونٹ سینک کے رفیق اور دوست ہوں اور انہیں یہ ہو کہ اورنگزیب  
سامعہ دشمن ایسی بڑی اور تازہ دم فوج کے ساتھ نہایت سرگرمی سے  
اُسکا پیچھا کرے۔ ایسے اب اُسے سپاہیانہ موت سے مر جانا ہی بہتر سمجھا اور  
اگرچہ جانتا تھا کہ برابر کی لڑائی نہیں ہے مگر تاہم یہی ٹھان لی کہ یا دشمن کو ماریا  
یا آپ مر گئے مگر اتنا بھی اُسکا اپنی مصیبت کی انتہا معلوم تھی کیونکہ جن لوگوں پر  
خیانت اور دغا بازی کا کچھ بھی شک و شبہ تھا سب کچھ وہی کرنے کو موجود اور  
گھات میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ بذاتِ شاہنواز خاں جسرِ داراشکوہ  
کامل بھروسہ کیے ہوئے تھا اُسکی خط و کتابت اورنگزیب سے برابر جاری  
تھی اور وہ اس کے سب منصوبوں سے اُسکو مطلع کرتا رہتا تھا۔ لیکن اپنی بے ایمانی  
کی بنا اُس نے جلد ہی پالی یعنی ہی لڑائی میں تلوار سے قتل کیا گیا۔ چنانچہ بعض  
لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ خود داراشکوہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ مگر ظن غالب یہ  
ہے داراشکوہ کے اُن مخفی طرفداروں نے جو اورنگزیب کے لشکر میں تھے اس  
خون سے اُسے مار ڈالا کہ اگر یہ زندہ رہتا تو ہم سب کا بھید کھول دیتا۔ اور اُن سب  
عضیوں کا حال اُس سے کہیگا جو ہم داراشکوہ کی خدمت میں بھیجتے رہے ہیں۔  
لیکن اس دغا بازی کی موت سے اب کیا فائدہ تھا کیونکہ داراشکوہ کو لازم تو یہ تھا کہ  
جس روز سے اُسے آٹھ آباد کو لیا تھا اسی روز سے اپنے خیر خواہوں کی دشمنانہ  
صلح اُسکی نسبت سنتا اور جس بے اعتباری اور بے عزتی کے لائق تھا اُس پر اُسی طرح

پیش آنا الغرض قریب پہر دن چڑھے کے لڑائی شروع ہوئی اور داراشکوہ کے توپخانہ سے جو ذرا اونچی اور مناسب جگہ پر قائم تھا اگرچہ خالی آوازیں تو بڑے زور شور کی سنائی دیں مگر کہتے ہیں کہ دغا بازی کا جال یہاں تک پھیلا ہوا تھا کہ توپوں کی خالی تھیلیاں بغیر گولوں کے بھری ہوئی تھیں۔ اس لڑائی کی بشرطیکہ اسکو لڑائی کہا جائے تفصیل لکھنی بیفائدہ ہے اور صرف اسقدر بیان کر دینا کافی ہے کہ پہلے گولے کے چلتے ہی جیسے سنگ ایک ایسے مقام پر آکھڑا ہوا جہاں سے داراشکوہ اسکو دیکھ سکے اور اپنا ایک سردار یہ پیغام دیکر داراشکوہ کے پاس بھیجا کہ اگر گرفتاری سے بچنا چاہتے ہو تو فوراً میدان جنگ سے علمیہ ہو جاؤ۔ اس پیغام سے اس بیچارے شہزادہ پر ایسا ناگہانی خوف طاری ہوا اور ایسی حیرت چھا گئی کہ فوراً اسکی صلاح مان لی اور ایسا سراپیمہ ہو کر بھاگا کہ بہتر کی نسبت بھی کچھ حکم نہ دیا اور فی الواقع ہوت وہی ہی آفت میں مبتلا تھا کہ اُسے اتنی ہی مہلت کو غنیمت جانا کہ اپنے اہل و عیال کو اس تھلک سے نکال لیجائے۔ کیونکہ کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اُس وقت جسے سنگ کے قابو میں آچکا تھا۔ اور راجہ کے اس اغماض کا سبب یہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہم سمجھ کر کسی شاہزادہ سے بدسلوکی کرنا کسی کسی دن سخت خطرہ کا باعث ہو شاہی خاندان کے لوگوں کے ساتھ بہت ادب اور محاط سے پیش آتا تھا۔ \*

\* اس لڑائی کا حال عالمگیر نے یہ لکھا ہے کہ نواح اجمینہ میں جو پہاڑیں ہیں چمکناکلی سب گھاٹیاں روک کر مورچہ بندی اچھی طور سے کی گئی تھی اور داراشکوہ کا توپخانہ بھی مناسب جگہ قائم کیا گیا تھا۔ ایسے اورنگ زیب کے سپروں کا حوصلہ نہیں بڑھتا تھا کہ حملہ کریں نہ کیا

ٹکٹ کے بعد آرا شکوہ کا پرگھات  
کی طرف جانا اور حاکم احمد آباد کی گھوڑی  
اور آرا شکوہ کا کچے کے راجہ کو ملک میں  
پہنچ جانا اور اس کے افسوزناک منسب

آفت رسیدہ اور برباد شدہ دارا شکوہ جکی  
جانبری صرف احمد آباد پر دوبارہ قبضہ حاصل  
کرنے میں منحصر تھی ایسے دور و دراز ملک میں  
سے گزرنے پر مجبور تھا جو قریباً سب کا مخالف راجاؤں کے قبضہ میں تھا اور ایسی  
بے سرو سامانی تھی کہ خیمہ تک پاس تھا اور زیادہ سے زیادہ دو نہر آدمی ہمراہ تھو  
گرمی بہت سخت پڑتی تھی اور اسپر ہیہ ایک اور آفت تھی کہ کوئی لوگ رات دن  
بیچھا نہ چھوڑتے تھے اور اس کے سپاہیوں کو ہتھکڑیاں لٹا کر قتل کیا تھا کہ صرف چند قسم  
پیچھے رہ جانا بھی نہایت خطرناک تھا۔ یہ کوئی اس ملک کے کسان میں اور بہت  
ہی نہیں اور ہندو میٹکان بھر میں ایک ہی بد ذات ہیں۔ پس اگرچہ ان

کے بین دن یوں گزر گئے اور صرف توپ بندوں سے دور دور کی دھماکی ہوتی ہی افراد رنگین  
نے مجبور ہو کر انکو غیرتیں بھی دلائیں اور ڈرا پاؤں کا بھی اور انعام و اکرام کے وعدہ بھی کیے مگر یہ بھی  
حالت بدستور ہی تھی۔ اتفاق سے راجہ راجو دپ جھوٹے واسے کے کوہستانی سپاہی کو کھلا  
پہاڑی کے پیچھے کی طرف ایک ایسی جگہ دیکھ آئے کہ جہاں سے پیادے سپاہی چڑھ کر چٹان  
کے مورچہ پر چلا کر کھڑے تھے۔ راجہ نے اورنگ زیب کو اس حال کی اطلاع کر کے کچھ اپنے  
سپاہی اس پہاڑی کو روانہ کیے اور خود بھی اپنی ہاتھ بندہ فوج لیکر انکی مدد اور نگہبانی کے طور  
پر مخالف کے مورچوں کی طرف چلا گیا۔ چونکہ اتفاقاً اس وقت اورنگ زیب کے توجہ جاتے  
تو میں چلنی بند ہو گئی تھیں اس باعث سے فرادیر ہو کر دارا شکوہ کی فوج میں سے کوئی لکڑا  
سوار راجہ راجو دپ پر چلا کرنے کو اپنے مورچوں سے باہر نکل آئے۔ اسپر اورنگ زیب  
کے مسلمان امیروں میں سے اول دلی خان اور پھر شیخ میلو نے اپنی اپنی فوجیں  
لیکر ایسے زور سے حملہ کیے کہ ان کے مورچوں تک جا پہنچے۔ اور اس طرح پر ایک اچھی  
دھڑائی ہو گئی جس میں شیخ میلو جو اتھی پر سوار اپنی سپاہ کو لٹا تھا بندوں کی گولی سے  
مارا گیا۔ مگر اسکا ایک مہم سید جو پیچھے بھاگا ہوا تھا اسے ہوشیاری سے اسکی لاش کو ایسے طور

تھا کہ اسکا ہوا

سب مشکلوں اور آفتوں سے بچ کر داداشکوہ ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا جہاں  
 احمد آباد صرف ایک منزل تھا اور اسے اب یہ امید تھی کہ کل کو احمد آباد میں داخل  
 ہوں گا اور پھر ایک فوج بھرتی کر لوں گا۔ لیکن بغضیب اور ٹیکست خوردہ لوگوں کی  
 امیدیں کبھی سرسبز نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اس شخص نے جسکو داداشکوہ احمد  
 میں قلمدار اور حاکم بنا کر بھیجے چھوڑ آیا تھا یہ بیوفائی اور باجی پن کیا کہ ادرنگ زیب کو  
 دھمکانے یا امیدوار کرنے کے باعث اپنے آقا سے پھر گیا اور یہ لکھ بھیجا کہ شہر کے  
 نزدیک آئیے دروازے بند اور لوگ مقابلہ کے لیے مسلح اور تیار ہیں !

کے ساتھ تھامے رکھا جس سے دشمنوں کو بلکہ خود اسکی سپاہ کو دوائی کے خاتم تک اسکا مارنا،  
 معلوم ہوا اور دیو خان تو خراج کر کے داداشکوہ کے مورچوں ہی میں جا گیا اور اس کے  
 ایک امور سردار کو خاص اپنے تیر سے ہلاک کیا اور خود بھی زخمی ہوا اور ان حملوں میں اس طرف سے  
 شاہنواز خان اور کئی اور نامی سردار بھی مارے گئے۔ اسنے میں راجروپ کر کوہستانی  
 پیدلوں نے کوکلہ پہاڑی پر اپنا نشان جا لگاڑا۔ اور راجہ جے سنگھ بھی اپنی فوج لیکر ان سب  
 سرداروں کی مدد کو جا پہنچا۔ داداشکوہ کی سپاہ راجروپ اور دیو خان کی جرات اور  
 دلیری سے پہلے ہی تھت ہو چکی تھی اور خود داداشکوہ کا تو یہ حال تھا کہ اسنے ایسی کوہا سے  
 اپنی بیگمات کو اول ہی دیکھیں پر سو اکر کر اور ضروری مال و سباب اور روپیہ شہر فی اونٹوں اور  
 خچروں پر لے کر اناساگر تالاب کے کنارے میدان جنگ سے کچھ فاصلہ پر کھڑا کر رکھا تھا۔  
 مگر جب رات ہو گئی تو ساری امیدیں قطع کر کے ہمدرد سراسیمہ ہو کر جھاگا کہ اپنی بیگم کو ساتھ لینا تو نیک  
 انکو اپنے جھاگنے کی خبر بھی نہ ہو سکا۔ اور نیکو اسکا ایک شہد خواہ سزا یہاں سے بھاگ کر دوسرے دن نیکل  
 شامل ہو سکا۔ اور سو سے فیروز خان بیوانی کے اور کسی رفیق نے اسکا ساتھ دیا یہاں تک  
 کہ جو راجہ ت اسکے مال و دولت کے لدے ہوئے اونٹوں اور خچروں کے محافظ تھے اور  
 جن پر اسکو دفاداری کا بہت بڑا بھروسہ تھا وہی انکو ہلاک کر اپنی فوج گھروں کو لائے۔ اس طرح پر  
 دوائی سے تیسرے دن باجوہ ادرنگ زیب کے امر کی کم مہتی کے جسکو عالمگیر نامہ دکنے

دیو خان کا صفحہ اول

دَآر اَشکوہ کے اس صحبت سبب  
اس وقت میں بھی تیس دن سے دَآر اَشکوہ کی  
ہمراہی میں تھا۔ اور یہ ایک نہایت ہی عجیب  
غریب اتفاق تھا کہ میں اُسے راستہ میں مل گیا اور کسی طبیب کے ہمراہ نہونکی وجہ سے  
اُسے جبراً مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ آسمن آباد کے حاکم کے کاغذ کے پہنچنے  
سے ایک دن پہلے کا ذکر ہے کہ دَآر اَشکوہ نے مجھے فرمایا کہ مبادا تمہیں کوئی  
مار ڈالیں اور اسیلے باصرار مجھ کو اُس کا روانہ میں لے گیا جہاں خود ٹھہرا ہوا تھا اور  
اب اُنکا یہ حال تھا کہ خیمہ تک اُسکے پاس تھا۔ اور اُسکی بیگم اور اُنور عورتیں صرف ایک  
قنات کی آٹ میں تھیں جسکی تیریاں میری سواری کی پہلی کے پتوں سے جھین میں  
آرام کرتا تھا باندھی ہوئی تھیں۔ جو لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ ہندوستانی  
اُمرا اپنی مستورات کے پردہ کے معاملہ میں کس قدر مبالغہ کرتے ہیں۔ وہ میری اس  
بیان پر اعتبار نہ کریں گے۔ مگر میں یہ واقعہ بطور ثبوت اُس دردناک حالت کو دکھا کر  
جس میں یہ نہنراہ اس وقت مبتلا تھا۔

اسی شب کو پوچھے کے قریب احمد آباد کے حاکم کا جب مذکورہ بالا  
پیغام آیا تو مستورات کی گریہ و ناری نے ہم سب کو رلا دیا۔ اس وقت ایک عجیب و غریب  
اور مایوسی چھا رہی تھی اور ہر کوئی خوف سے خاموش ایک دوسرے کا مونہہ مٹاتا تھا

مختل لکھا ہے اسکا کہنے میں تھے چھ ۱۹ جمادی الآخر ۱۱۸۵ھ کے روز جمعہ کو انہر جوئی کو انیسویں سال  
ہوئی کہ جس سے وہ آب بے کھلے بادشاہ ہو گیا۔ اگرچہ اذامیر بھی شل شاپستہ خان و ہوشدار تھا  
وغیرہ اپنی اپنی فوجیں ساتھ لیکر روٹنے کو گئے مگر عالمگیر امین اس فوج کو صرف راجداج روپ شیش پیر  
بہادر دھاک اور راجہ جے سنگھ ہی کی کارگزاری سے منسوب کیا ہے۔ ۳۴

اور کوئی تدبیر نہ سوچتی تھی اور کچھ معلوم تھا کہ دم بھر میں کیا ہو جائیگا۔ داراشکو  
 زمانہ میں سو باہر آیا تو سینے دیکھا کہ مُردہ کی سی حالت تھی اور کبھی اس سے  
 اور کبھی اُس سے کچھ کہتا۔ اور ایک ادنیٰ سپاہی کے پاس بھی کھڑا ہو کر چپتا  
 تھا کہ اُن کیا کرنا چاہیے۔ اور جب اُس نے دیکھا کہ ہر ایک کے چہرہ سے خوف  
 کے آثار نمایاں ہیں تو یقین ہو گیا کہ غالباً ان میں سے ایک بھی میرا ساتھ دینگا  
 اور نہایت حیران تھا کہ اُن کیا ہوگا۔ اور مجھے کہہ رہا تھا چاہیے۔ اور توقف  
 کی حالت میں تو سرسبز بربادی ہی بربادی نظر آتی تھی۔

اس یمن دن کے عرصہ میں جبکہ میں اس شاہزادہ کے ہمراہ  
 تھارات دن بلا توقف ہلکے کوچ کرنا پڑا اور گرمی اس شدت کی تھی اور  
 استقدر گرد و غبار اُڑتا تھا کہ دم گھٹنا جاتا تھا اور میری پہلی کے تین عمدہ اور  
 قدر آور گجراتی میلوں میں سے ایک مرجھا تھا اور ایک قریب المرگ تھا  
 اور ایک استقدر تھا کہ گیا تھا کہ چلنے سے مجبور تھا اور اگرچہ داراشکو بہت  
 چاہتا تھا کہ میں اُس کے ہمراہ رہوں خصوصاً اسوجہ سے کہ اُسکی ایک بیگم کی ٹانگ  
 میں ایک بہت بُری طرح کا زخم تھا لیکن وہ ایسی لاچارگی کی حالت کو پہنچ گیا  
 تھا کہ دھمکانے اور منت سماجت کرنے پر بھی کسی نے اُسکو میری سواری  
 کے لئے کوئی گھوڑا یا بیل باؤنٹ نہ دیا۔ اور جب کوئی سواری تیسرے نامی نو  
 بنا چاری میں پیچھے رہ گیا۔ اور چار پانسو سواروں کے ساتھ اُسے جاتے دیکھ کر  
 جو گھٹے گھٹے اُن صرف استقدر رہ گئے تھے میں بے اختیار رو پڑا مگر اتنا بھی  
 دوڑا تھی اُس کے ساتھ تھے اور لوگ کہتے تھے کہ اُنپر رچو اور اشرفیاں لدی ہوئی

ہیں اور اس وقت میں سمجھتا تھا کہ وہ ٹھٹھ کی طرف جائیگا اور حالات موجودہ کے لحاظ سے یہ تجویز شاید بُری بھی تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ اُدھر بھی بہت تھی اور اُدھر بھی اور مجھے ہرگز یہ اُمید تھی کہ وہ اُس ریگستان سے جو اکھنڈ آباد اور ٹھٹھ کے بچ میں ہے سلامت گزر جائیگا۔ چنانچہ وہی ایسا ہی ہوا کہ اُسکے ہمراہیوں میں سے اگرچہ عورتیں بھی بہت سی مگر گیس گم مردوں پر تو یہ مصیبت گزری کہ بھوکہ پیاس۔ ٹھکان۔ اور بے رحم کوئیوں کے ہاتھ سے کوئی ہی زندہ بچا ! کاش اس پرافت سفر میں اگر دَآر ایشکوہ خود بھی مرجاتا تو میں اُسکو بڑا ہی خوش نصیب کہتا۔ لیکن وہ ہر طرح کی مصیبتیں جھیلنا اور تباہنا آخر کار کچھ کے علاقہ میں جائیچھا اور وہ اُس سے بڑی مہمان نوازی سے پیش آیا اور کہا کہ اگر آپ اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کر دیں تو میری تمام فوج آپکی مدد کو حاضر ہے۔ لیکن جس طرح بچے سنگد کا منتر جسٹونٹ سنگد پر اثر کر گیا تھا ویسا ہی اسپر بھی چل گیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُسکے نیور بدے ہوئے نظر آنے لگے اور دَآر ایشکوہ کو بعض مقتول وجوہ سے جب یہ اندیشہ ہوا کہ یہ وحشی میری جاں ہی لینے کی فکر میں ہے تو فوراً ٹھٹھ کی طرف چل دیا۔

منصف کی سرگزشت

اب اگر میں اپنا کل ماجرا جو میرے اور اُن بد ذات کو یوں کے باہم گزرا اور جس دُشمنک سے مینے اُنکو اپنی نسبت مہربان بنایا اور وہ تھوڑا سا روپیہ جو میرے پاس تھا بجا بیان کروں تو غالباً اس کتاب کے پڑھنے والے دق ہو جائینگے پس مختصر یہ ہے کہ مینے اپنی طبابت کی بڑی تعریفیں



کیں اور میرے دو نوکروں نے بھی جو اسی خوف میں وہ مبتلا تھے جس میں تھا آنکلو یہی بتایا کہ ہمارے آقا کی برابر کوئی حکیم دنیا میں نہیں ہے اور دارا شکوہ کے سپاہیوں نے اسکو ایسا بتایا ہے کہ جو کچھ قیمتی مال و اسباب اسکے پاس تھا وہ سب چھین لیگئے ہیں۔ قصہ مختصر ہماری بڑی ہی خوش نصیبی تھی کہ ہمارے اس کہنے سننے سے اُن کے دل کس قدر پسچ گئے اور حکموں سے آٹھ روز تک روکے رکھنے کے بعد آخر کار ایک بیل ہماری گلی میں جوت کر ہکو وہاں تک پہنچا دیا جہاں سے احمد آباد کے رُج نظر آتے تھے اور اس شہر میں میری ایک امیر سے ملاقات ہو گئی جو دھلی کو جاتا تھا اور میں اسکی پناہ میں یہاں تک چلا آیا۔ اور راستہ میں آدمیوں اور ہاتھیوں اور گھوڑوں اور اونٹوں اور بیلوں کی لاشیں ہکو جا بجا پڑی ہوئی نظر آئیں جو دارا شکوہ کی تباہ شدہ فوج کی مصیبتوں کا قصہ گویا زبان حال سے سناتے ہیں جس زمانہ میں دارا شکوہ ٹھٹھ کے

راجہ سیرت النبیؐ کا سلیکھاں شکوہ کو مانگنا اور آؤنگ زینب کی فوج کی سپہر چڑھائی اور ناکامیابی۔

پر مصیبت سفر میں مصروف تھا بنگالہ میں لڑائی بدستور جاری تھی اور سلطان شجاع

اپنے دشمنوں کی امید سے بہت بڑھکر بہت اور کوشش دکھاتا تھا لیکن آؤنگ زینب کو اُدھر کے معاملات کا چنداں اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ میڈیجھل کی دانشمندی اور خوش مدبیری اسکو بخوبی معلوم تھی اور بنگالہ اور اگرہ کے قبضہ سافت کی وجہ سے بھی یہ معاملہ سردست زیادہ اہم تھا البتہ جس بات کا اسے نہایت کھٹکا تھا وہ یہ تھی کہ سلیکھاں شکوہ نزدیک

تھا اور یہ اندیفہ عموماً پھیلا ہوا تھا کہ سیرنگر سے جہاں سے آگرہ  
آٹھ روز سے بھی کم کا راستہ ہو وہ اور راجہ فوج سمیت اُترنے والے  
ہیں اور آڈرنگ زینب ایسا غافل تھا کہ ایسے دشمن کو حقیر سمجھتا ہے  
اب اسکو زیادہ تر اسی بات کی فکر تھی کہ طسرج سے اسکو اپنے قابو میں  
لائے۔ پس سب سے بہتر تدبیر اُن سے یہ خیال کی کہ راجہ حج سنگھ ہی  
کی محرت اس راجہ سے بھی کچھ بندوبست کیا جائے چنانچہ حج سنگھ نے  
اسکو اس مضمون کے خط پر خط لکھے کہ اگر آپ چلیں گے تو کھوکھ کو پکڑ کر بھیج دیں تو  
بڑے بڑے انعام ملینگے ورنہ آپ کے حق میں بہت ہی برا ہوگا۔ مگر  
اُسے انکا یہی جواب دیا کہ خواہ میرا تمام ملک چھن جائے مگر میں کبھی ایسی  
بیزرقی اور نامردی کی حرکت کا مترکب نہ ہوں گا۔ پس جب آڈرنگ زینب  
نے دیکھ لیا کہ خواہ دھکایا جائے یا لالچ دیا جائے یہ کس طرح بھی اپنے شرف  
طریق سے پھرنے والا نہیں تو اپنی فوج کو دامن کوہ کی طرف روانہ کیا اور بیشتر  
بیلدار پہاڑوں کو کاٹ کر راستہ ہموار اور فراخ کر نیکے لیے سامور کیے لیکن راجہ  
مخالفوں کی ان بیہودہ کوششوں کو جو اسکے ملک میں داخل ہونیکے لیے  
کی جا رہی تھیں عبث اور بچوں کا کھیل سمجھ کر ہنستا تھا اور فی الواقع اسکا ہنسنا بجا  
تھا۔ کیونکہ اگر آڈرنگ زینب جیسے چار بادشاہ جمع ہو کر اُس کو ہستان چڑھائی  
کرتے تو اُن کو ڈھب پہاڑوں میں رانچی نامکن تھی۔ چنانچہ آخر کار ایسا ہی ہوا  
کہ لاماصل غصہ دکھانے کے بعد فوج واپس بلالی گئی۔

اس عرصہ میں دارا شکوہ ٹھٹھ کے نزدیک  
جا پہنچا تھا اور صرف دو ہی تین منزلیں باقی  
رہ گئی تھیں اور مجھ کو ان فرامیسیوں اور

دارا شکوہ کا ٹھٹھ کے قریب  
پہنچ جانا اور آؤنگ زیب کی سپاہ کے  
مقابلہ میں اس کے قلعہ دار کی نابت تھی

کسی اور اہل فرنگ کی زبانی جو اس قلعہ کی فوج میں تھے معلوم ہوا کہ یہاں پہنچ کر  
دارا شکوہ کو یہ خبر ملی کہ میڈیا بآنا نے جو مدت سے قلعہ کو گھیرے ہوئے  
تھا محصوروں کو یہاں تک تنگ کر دیا ہے کہ آدھ سیر گوشت یا چاول وغیرہ  
دھائی روپیہ سے زیادہ کو ہاتھ آتے ہیں اور باقی اجناس کی بھی سخت گرانی  
ہے۔ لیکن بہادر قلعہ دار اب تک اپنے انہیں اور سانوں کے ساتھ ہے۔

بلکہ اکثر اوقات قلعہ سے باہر نکل کر دشمنوں پر اچھے خاصے حملے کرتا اور ہر طرح سے  
داناہی اور شجاعت اور تکملائی دکھاتا اور بہت کے ساتھ میڈیا بآنا کے

سخت حملوں کو رد کرتا اور آؤنگ زیب کی دھکیوں اور وعدوں پر ہستار  
چنانچہ اس کے اس قابل تعریف کام کی ان بہت سے اہل فرنگ نے  
بھی جو اس کی فوج میں تھے تصدیق کی۔ اور مجھ سے یہ بھی کہا کہ جب اسکو دارا شکوہ  
کے قریب پہنچ جانے کی خبر ملی تو زیادہ دباؤ دہش کرنے لگا اور اس طرح سپاہیوں  
دل ایسا اٹھ میں کر لیا کہ تمام اہل قلعہ محاصرین کو ہٹا کر دارا شکوہ کے قلعہ  
میں بے آنے کے واسطے بخوشی اپنی جانیں لڑا دینے کو تیار تھے۔

اسکے علاوہ اس ذی ہوش سردار نے کئی طرح کی عمدہ تدبیروں سے بہت  
ہوشیار جاسوسوں کو میڈیا بآنا کے لشکر میں بھیج کر محاصرین کو یہ یقین کرا دیا کہ  
دارا شکوہ ایک جزا فوج ساتھ لے ہوئے محاصرہ اٹھا دینے کے ارادہ

سے جلد پہنچنے والا ہے اور اس میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ ہم دَاڈا شکوہ اور  
اسکی فوج کو کچشم خود دیکھ کر آئے ہیں۔ چنانچہ یہ منصوبہ ایسی خوبی سے چل گیا  
کہ اُن کے چھٹے چھوٹ گئے اور کچھ شک نہیں کہ اگر دَاڈا شکوہ اس وقت  
اچھنچتا تو میڈر باؤ کا لشکر ضرور تتر بتر ہو جاتا۔ بلکہ اُن میں سے بعض لوگ اُس  
سے اُن ملتے۔ لیکن اسکی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا کہ کسی مہم میں بھی سربز  
نہو۔ پس یہ سمجھ کر ان چند آدمیوں کے ساتھ محاصرہ کا اٹھا دینا ناممکن ہے  
پہلے تو اُسکا یہ ارادہ ہوا کہ دریائے سندھ سے اُتر کر ایوان کو چلا جا  
اگرچہ اس تجربہ کار عمل میں تا بھی بہت ہی مشکل تھا۔ کیونکہ پٹھانوں اور بہت سے  
ایسے چھوٹے چھوٹے سرداروں کے ملک میں سے جانا پڑتا جو نہ ایوان  
ہی کے مطیع ہیں اور نہ ہندوستان ہی کے اور بیچ میں ایسا بیان چالی  
تھا کہ جس میں بانی میسر آنا بھی مشکل تھا۔ لیکن اُن امور سے قطع نظر اسکی حکیم  
نے ایک ضعیف اور دواہیات سی بات کہہ کر اُسکا یہ ارادہ ترک کر دیا یعنی  
یہ کہہ دیا کہ اگر آپ ایوان کا قصد کریں گے تو خوب سمجھ لیجئے کہ محکوم و مہر  
بہی دونوں کو شاہ ایوان کی نوڈیاں بننا پڑیگا اور یہ ایک ایسی  
بیغزتی ہے کہ ہمارے خاندان میں سے کسی کو بھی گوارا نہ ہوگی۔ اور اس  
بات کو بگم اور دَاڈا شکوہ دونوں بھول گئے کہ کھائیوں جب ایسی ہی  
مصیبتوں میں مبتلا ہو کر ایوان گیا تھا اور اسکی حکیم بھی ساتھ تھی تو کوئی نازیبا  
سلوک اُس سے نہ ہوا تھا۔ بلکہ بہت ہی تعظیم و تکریم اور خاطر مدارات ہوئی تھی  
القصد دَاڈا شکوہ کو اس شمشم پنج اور تذبذب کی حالت میں یہ خیال آیا کہ

چونکہ خاں پٹھان کے پاس جانا بہتر ہے جو کسی قدر ذی شہرت اور با وقعت  
 سردار ہے۔ اور اسکا علاقہ چندان دور بھی نہ تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا  
 کہ اُسکی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے شاہجہان نے دو مرتبہ اسکو ہاتھی کے  
 پاؤں سے کچلا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اور دونوں ہی دفعہ صرف داراشکوہ کی  
 سفارش سے جان بچی تھی اور اسکے پاس جانے سے مقصود یہ تھا کہ کچھ فوج  
 کی مدد لیکر میربابا کو قلعہ ٹھٹھ سے ہٹائے اور وہ خزانہ جو وہاں کے قلعہ دار  
 کی تحویل میں تھا اسکو لیکر قندھار چلا جائے اور وہاں سے آسانی کا بلن  
 پہنچ جائے اور اسکو یقین تھا کہ میرے وہاں پہنچ جانے پر تھاکت خاں صواب  
 کابل (جو ایک بڑا مقتدر امیر تھا اور کابل والے اُس سے بہت مانوس تھے)  
 بلا تامل اور بڑی سرگرمی سے میری رفاقت اختیار کر لے گا۔ اور چونکہ کابل کی  
 صوبہ داری اسکو اسی کی دسالت سے ملی تھی۔ اسلئے یہ توقع کچھ بیوجہ بھی  
 نہ تھی کہ وہ خلوص اور صداقت سے پیش آئے گا۔ اور اسکے کام میں دل بکوش  
 کرے گا۔ لیکن داراشکوہ کی مستوراتیں اُسکے اس غم سے بہت ہی مضطرب  
 اور فکر مند ہوئیں اور انہوں نے ہزارست داری اسکو سمجھا یا کہ ملک جیون کے  
 ہاں جانا مصلحت نہیں ہے۔ بلکہ اُسکی بیٹی اور بیٹے سپہر شکوہ نے پاؤں پر  
 گر کر اور رو کر اس ارادہ سے باز آنیکے لئے التجائی۔ اور کہا کہ یہ پٹھان ایک  
 مشہور سرکش اور کٹیرا ہے ایسے شخص پر بروہ کرنا اپنی موت آپ خریدنا ہے  
 اور یہ بھی سمجھا کہ ٹھٹھ کا محاصرہ اٹھانا کچھ ایسا ضروریات سے نہیں ہے اس مہم  
 کی جو کھوں میں پڑے بغیر بھی آپ کابل کی راہ لے سکتے ہیں کیونکہ یقین ہے

کہ میڈیا کا کھٹکے کا محاصرہ چھوڑ کر آپکار سہ روکنے نہ آئیگا۔ مگر چونکہ آراشکو  
کی لٹی سمجھ ہمیشہ ہی سیدھی راہ سے اسکو بھٹکا دیتی تھی یہ مشغول باتیں  
بالکل اُسکی سمجھ میں نہ آئیں اور بولا کہ کاٹنی کا سفر نہایت خطرناک اور مشکل ہے  
(جونہی الواقع سچ تھا) اور کہا کہ جس شخص کی جان سینے اطح سے بچائی ہو  
کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ایسی خیانت کرے؟ پس باوجود اُنکی استعدا تجا اور  
منت دزاری کے اُسکے ہاں چلا ہی گیا! اور افسوس کہ اس بات کو بہت  
جلد ثابت کر دیکھا یا کہ بذات آدمی اپنی غرض کے لئے کسی بدنامی کی مطلق  
پر واکر کے اپنے محسنوں اور خیر خواہوں کی جان لینے کو کیسے بلا دینے تیار  
ہو جاتے ہیں! چنانچہ یہ پٹھاں جب تک یہ سمجھتا رہا کہ آراشکو کے ساتھ  
ایک بڑا لشکر آتا ہوگا اسوقت تک نو بطنہاں تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ اور شاہانہ  
کے ہمراہی سپاہیوں کو لوگوں کے مکانات میں اُتر دیا۔ اور بہت تالکید کی  
کہ جو کچھ ان کو درکار ہو حاضر کریں۔ اور برادرانہ اور دوستانہ سلوک سے پیش آئیں  
لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ دو تین سو آدمی سے زیادہ ساتھ نہیں ہیں تو فوراً  
انکس بدل لیں۔ اور یہ امر تحقیق نہیں ہوا کہ اُس نے یہ حرکت آؤنگ ڈیب کی  
ترغیب سے کی یا خود ہی اس سخت خیانت کا مرتکب ہوا۔ مگر ظن غالب یہ  
ہے کہ اکثر فیوں سے لدی ہوئی چنپ نہ خیریں جو قزاقوں کی روزمرہ کی لوٹ مار

۵ آراشکو کو جب آؤنگ ڈیب کیوں کے ہاں جانکا اتفاق ہوا تو بھانسا ب ایک پہر بھی تھا  
کہ جب آراشکو کے اس نواح میں پہنچا تو ملک کیوں کی اکٹہ عرفیاں اسکے پاس  
باہار تابعداری و با حقوق جان بخشی آئی تھیں۔ س م ج

سے اباتک پہنچی ہوئی تھیں انکو دیکھ کر اُسے لالچ لگیا۔ بہر حال اُس نے یہ ہدائی کی کہ رات کے وقت بہت سے ہتھیار بند آدمی جمع کر کے اول سب روپہ پیسہ مشورات کے زیور اور جواہرات سمیت چھین کر قابو کر لیا۔ اور پھر داراشکوہ اور سپہر شکوہ پر حملہ کیا۔ اور جن لوگوں نے انکو سناچا ہا انہیں قتل کر ڈالا۔ اور داراشکوہ کو باندھ کر ہاتھی پر چڑھا دیا۔ اور ایک حلالہ اس غرض سے پیچھے بٹھا دیا کہ اگر وہ یا اسکا کوئی طرفدار فوراً بھی ہاتھ پاؤں ہلائے۔ تو فوراً شہزادہ کا سر اڑا دے۔ اور ایسی ہی عزتی کے ساتھ میڈربابا کے لشکر میں جو ٹھٹھ کو گھیرے ہوئے تھا لا کر اُس کے سپرد کیا اور میڈربابا نے حکم دیا کہ اسکو لاہور ہوتا ہوا دھلی لیجائے۔

الغرض جب نصیب داراشکوہ دھلی کے قریب پہنچا تو آذرنگ زیب نے اپنے اہل و عیال سے اس امر میں مشورہ کیا کہ قلعہ گوالیار میں

داراشکوہ کا گرفتار ہو کر دھلی میں پہنچنا۔ اور بڑی عزتی کے ساتھ تہہ کیب جانا۔

بھیجنے سے پہلے اُسے تشہیر کرنا چاہیے یا نہیں؟ پس بعض کی توراے یہ بھی کہ ایسی حرکت مناسب نہیں۔ کیونکہ اول تو ایسا امر خاندان شاہی کی عزت کے برخلاف ہے۔ دوسرے اس میں شورش اور فساد کے ہوجانیکا تہال ہے۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ لوگ اُسے چھوڑالیں۔ لیکن اکثر کی یہ رائے ہوئی کہ نہیں ضرور تشہیر کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کو خوف اور عبرت ہو اور اُن کے دل پر

لہ اس سے پہلے حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ میو جسکو مصنف جاجی میڈربابا لکھتا ہے داراشکوہ کے مقابل میں بقیام انجمن اس سے پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ س م ح

بادشاہ کی شوکت اور دبدبہ کا نقش ہو جائے۔ اور بیض اُسر اور اور لوگوں کو جو اُس کے گرفتار ہو جائیکے باب میں اب تک شبہ ہے وہ رفع ہو جائے اور اُس کے مخفی جانب داروں کی امیدیں بالکل قطع ہو جائیں۔ چنانچہ اُردنگ زیب نے بھی اسی رائے کو مناسب جانا اور شہیر کا حکم دیا پس یہم بنصیب قیدی اور اُسکا بیٹا سپھر شکوہ دونوں ایک ہی ہاتھی پر برابر بٹھائے گئے اور جلاؤ کی جگہ بہادر خاں کو بیچھے بٹھایا گیا اور شہیر کیا گیا

عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے گجرات کو جاتے ہوئے ایسی کڑی منزلیں کی تھیں کہ آٹھ دن کے عرصہ میں احمد آباد کے قریب پہنچ گیا تھا۔ مگر چونکہ اس کی شکست کی خبر سن لینے کی وجہ سے سردار خاں نامے ایک منصب دار نے جو اُس کے مقرر کئے ہوئے حکم مسند احمد بخاری کو گرفتار کر لیا اور مقابلہ کے لیے تیار ہو بیٹھا تو اسکو بنا چاہی کہ تنہی نامے کوئی سے جو بقول صاحب سیرت اخیرین رہنروں کا سرغنہ اور احمد آباد کے نزدیک ہی کارہنے والا تھا ملتی نہ پا سکا۔ اور اسے یہ اُویت کی کہ ساتھ ہو کر کچھ کے راجہ کے ملک میں پہنچا دیا۔ مگر وہاں کے راجہ نے جو پہلے اس قدر اطاعت سے پیش آیا تھا لہجہ لڑکی بھی سپھر شکوہ سے سبب کر دی تھی ایسی رکھائی دکھائی کہ ملاقات تک کو نہ آکا اور دفعاً سیراتی ہو، لکھنؤ کے اُردنگ زیب کے پاس چلدا تو وہ صرف دو روز وہاں ٹھہر کر بھکر کی طرح چلا گیا اور دربار مسند سے اتر کر ایک سرحدی رئیس کے علاقہ میں کو عالمگیر نامہ کے نسخہ مطبوعہ کلکتہ میں علی اختلاف الشیخ ”ولایت چاند خاں باچا ندان“ لکھا ہے چنانچہ جہاں کے لوگوں نے اسکو خوب لڑنا کھڑا اور پکڑ لینے کے واسطے ہوئے لیکن ابھی اس کے پاس کچھ قیمت باقی تھی اسلئے لڑتا ہوا ایک اور سرحدی سردار کے علاقہ میں جسکو ”ولایت نامیاں“ کے نام سے لکھا ہے جہاں سے قندھار دس بارہ منزل تھا جاداخل ہوا۔ اور ”میرزائے کسی“ وہاں کا رئیس ہتھال کر کے اپنے وہاں لگیا۔ اور بہت خاطر داری کی۔ اور ساتھ ہو کر قندھار پہنچا دینے کا وہ دار ہوا۔ مگر دارا شکوہ نے برہمنی سے ملک چھوڑ کر اُردنگ زیب کو (جو جیکب آباد مسندہ کی جھڑی سے



گر یہ وہ مہرندینپ یا پنگو کا تھی تھا جس پر داراشکوہ ایک بہت  
عمدہ اور زرق برق عماری میں سواری کیا کرتا تھا اور پرزرجھول اور  
سونے کا ساز پڑا ہوا ہوتا تھا۔ بلکہ ایک نہایت ہی سٹریل اور سیلا کیلا جاتا  
تھا اور خود اس کے گلے میں بھی آب نہ وہ بڑے بڑے موتیوں کی مالا ہی تھی  
جو ہندوستان کے بادشاہ اور شاہزادے پہنا کرتے ہیں اور نہ وہ مکلف  
اور عمدہ گہڑی اور قبائے زربفت ہی۔ بلکہ باپ بیٹا دونوں سینے اور موٹے  
کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور ایک کشمیری اونی کپڑے کا بہت چھیرا

پر سے مقام ریشمی کے نزدیک درہ بولان کے راستہ پر واقع ہے) جانشینی  
کے احسانوں کا ممنون اور خیر خواہ سمجھ لکھ بھی تھا کہ میں چند روز میرے ہاں ٹھہر کر آؤں گا  
اسی لئے اُسے آؤنگ نامے اپنے ایک مہتمم کو اس کے لئے کو سرحد پر بھیج دیا۔ اور ایک کوس  
تک خود استقبال کر کے اپنے اہل لگیا۔ چنانچہ یہ اپنی بیگم کی نفیس ساتھ لیئے ہوئے جوہر  
کی بیاری سے مرگئی تھی۔ اُس کے گھر بیٹی اور چونکہ اُسے وصیت کی تھی کہ مجھ کو میان درخت  
کے مزار واقع کاهور میں جگو داراشکوہ اپنا سپر سمجھتا تھا دفن کرنا۔ ملک حیون کی  
دفا داری کے بھروسہ پر اپنے بہادر اور وفادار نوجوان سرحد ارگل ٹھہرا اور معقول  
خواجہ اور اُن شر جان نثار سواروں کو جو تمام فوج میں سے اب مرت دہی باقی گئے تھے جو بیگم  
کی نفیس کے ساتھ کاهور کو بھیج دیا۔ اور آپ مرت چند ہنگاموں اور خواجہ سرداروں کو یہاں  
رکھ کر قندھار جانے کے ارادہ سے واپس ٹھہر گیا۔ مگر ملک حیون نے یہ باجی بن کیا کہ  
انتیسویں رمضان ۱۰۱۸ھ کو قندھار آہستہ آہستہ قندھار جاسے کو راہ میں اگر گرفتار کیا  
اور باقر خاں فہر دار بھگت اور بہادر خاں اور راجہ جے سنگھ کو پوٹے کے  
تقاب میں بھگت کے قریب پہنچائے تھے لکھ بھیجا اور بھادر خاں نے باوجود ملک  
سندھ کی گرمی اور بادِ سموم کے بسبیل المغار داد دینے کے کہ جاسمبھا لا۔ اور  
اپنے اور جے سنگھ کے لشکر میں جو اس وقت بھگت کے قریب پہنچا گیا تھا لے آیا۔ س ۴۴

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷

عامہ جواد فی درجہ کے لوگوں کے پنہنے میں آتا ہے سر پر تھا۔ غرض کہ اس حال سے تمام شہر اور بازاروں میں پھرایا گیا۔ اور بار بار مجھ کو یہ وہم ہوتا تھا کہ غالباً اب یہاں کچھ کشت و خون ہو جائیگا۔ اور سخت متعجب تھا کہ ایسے نشانہ ادا سے کہ لے جسکو عوام الناس نہایت عزیز جانتے ہیں ایسی جرنی تجویز کرنے کی جرأت اہل دربار کو کیونکر ہوئی۔ اور حفاظت کے لیے کچھ مسلح فوج ساتھ نہ دیکھ کر اور بھی تعجب ہوتا تھا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ اوزنگ نے یہ کی ناشائستہ اور خلاف انسانیت حرکتوں سے سب لوگ کچھ عرصہ سے بالکل ناراض تھے۔ یعنی اول باپ اور بیٹے (محمد سلطان) اور پھر بھائی (مؤاد بخش) کو قید کر لینے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں نہایت نفرت اور بیزاری پیدا ہو گئی تھی۔

اس نالائق تماشے کے دیکھنے کو ایک بھیڑ جمع ہو گئی تھی اور گو جا بجا رو رہے اور آراش کوہ کی قسمتی پر ترنس کھا رہے تھے چنانچہ میں بھی شہر کے سب سے بڑے بازار میں ایک اچھے موقع پر صبح پنج دو رفیقوں اور دو خدمتگاردوں کے عمدہ گھوڑے پر چڑھا کھڑا تھا۔ اور ہر طرف سے رونے اور چلانے کی آواز آرہی تھی۔ اور عورتیں اور مرد اور بچے اس طرح چلا چلا کر رو رہے تھے کہ گویا انہر کوئی بڑی ہی مصیبت پڑی ہے۔ اور جیون خاں گھوڑے پر سوار بن صیبا دایلوگ کے برابر جاتا تھا اور چاروں طرف سے سپرگایوں اور عین طعن کی بوجھ پڑ رہی تھیں بلکہ کسی ایک خیموں اور اور غریب آدمیوں نے نواس پچی

پٹھان پر پتھر بھی پھینکے۔ لیکن پیارے اور عزیز شاہزادہ کے ٹھٹھا لینے کی سیکو جراث نہ پڑی۔

داراشکوہ کا قتل اور سپہاشکوہ کا قتل گوالیار میں قید کیا جانا۔

جب یہ نازیبا سواری شہر میں گشت کر چکی تو بیچارہ قیدی اُسی کے ایک باغ میں جس کا نام حیدر آباد ہے قید کیا گیا۔ مگر اُسکی تشہیر کی ناشائستہ حرکت کا جو اثر عام خلائق کے دل پر ہوا اور لوگ جیون خاں پر جس قدر غضبناک ہوئے۔ اور اُسکو پتھر مار مار کر مار ڈالنا چاہا۔ اور شورش اور بلوائے عام ہو جانیکا اندیشہ ہوا وہ اورنگ زیب نے جلد سن لیا۔ اور اسلئے پھر ایک مجلس عقد ہوئی۔ اور اس امر میں مشورہ ہوا کہ پہلی تجویز کے موافق گوالیار بھیج دینا چاہیے یا فوراً قتل کر ڈالنا بہتر ہے۔ پس بعض کی رائے تو یہ تھی کہ قتل کی کوئی ایسی قومی ضرورت نہیں۔ اور گوالیار بھیج دینے میں بشرطیکہ حفاظت کے لئے کافی جمعیت ساتھ ہو کوئی اندیشہ نہیں۔ چنانچہ دانشمند خاں نے باوجود اُس نا اتفاقی کے جو داراشکوہ کے ساتھ چلی آتی تھی بڑے اصرار اور بہت سے دلائل کے ساتھ اُسکے گوالیار

۱۰ صوبہ نام حضرت آباد ہے۔ بہنگیہ دہلی اور آگرہ کے معمولی شاہراہ پر واقع تھی کہ لانا، الضادید مسند متینہ احمد خان بہادر سخی ایس آئی اور آر جیو لاجی آف دہلی صنف مسٹر کارسٹیفن صاحب بہادر جو اُسکو لے گئے تھے اہلیت اسکی یہ معلوم ہوئی کہ کہ خضر خاں سید بادشاہ دہلی نے جو مسلمان چودہ سو چودہ سالہ چودہ سو اکیس تک بادشاہ رہا تھا اس تک یہ سچا ہمایوں کا مقبرہ ہے تو یہ سبیل جنوب مشرق کی طرف جہاں کے کنارے اس نام کا ایک شہر آباد کرنا چاہتا تھا۔ مگر اب کوئی نشان بجز ایک ٹوڑی ہوئی مقبرہ کو جو عوام میں خضر کی گئی کے نام سے مشہور رہا ہے۔ س م ج

بھیج دینے ہی پر زور دیا مگر آخر کار کثرتِ رائے اسی پر آنکر ٹھہری کہ اس کو قتل کیا جائے اور سبھشکوہ کو گوالیار بھیج دیا جائے۔ اس موقع پر درویشی لاینگ نے بھی وہ دلی عداوت جو اس کو اپنے اس بے بس بھائی سے تھی نہایت شدت سے ظاہر کی۔ چنانچہ دانشمند خاں کی رائے کو برابر رد کرتی اور اورنگ زیب کو اس بیرحمانہ اور خلافِ انسانیت قتل کے وقوع میں آنیکے لیے بہت ہی اُبھارتی رہی اور خلیل اللہ خاں اور شاشتہ خاں جو دونوں داراشکوہ کے قدیمی دشمن تھے یہ بھی اُسی کی رائے کی تائید کرتے تھے اور تقریبِ خاں جسکا نام حکیمہ داؤد تھا اور کسی الزام کی وجہ سے ایران سے بھاگ کر یہاں آگیا تھا۔ اور جوانی میں صرف ایک طبیب تھا اور اُمرا کے دستِ خوانوں پر خوشامدی کمرے کھایا کرتا تھا اور تھوڑے ہی دنوں سے امارت کے درجہ کو پہنچا تھا بڑے زور سے انکا ہم داستان تھا۔ چنانچہ اسنے اس مجلس میں سب سے بڑھ کر سخت زبانی کی اور بڑے دھوکے کے ساتھ یہ الفاظ مونہ سے نکالے کہ داراشکوہ کو زندہ چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں اور سلطنت کی سلامتی اور حفاظت اسی میں ہے کہ فوراً گردن مارا جائے اور مجھے تو اس کے قتل کی صلاح دینے میں ذرا بھی تاثر نہیں کیونکہ وہ علانیہ بیدین اور کافر اور مرتد ہے۔ اور اگر ایسے شخص کے قتل سے کچھ گناہ عام ہو تو میری گردن پر چنانچہ انتقام الہی ملاحظہ کیجئے کہ جیسا اسکے مونہ سے نکلا تھا فی الواقع وہی ہوتا ہے یعنی یہ خون ناحق اسی کے سر پر اور علیہ عزت اور دلیل ہو کر آخر کار بڑے عذاب مارا گیا۔

۱۔ کتابِ علِ صالح میں لکھا ہے کہ حکیم داؤد ابن حکیم عنایت اللہ شاہ عباس صفوی بادشاہ ایران

قصہ اس ناشائستہ اور نہایت بیرحمانہ قتل کے لیے مذید نامہ ایک غلام جو شاہجہاں کا پروردہ اور کسی بدسلوکی کے باعث دآد ایشکوہ سے رنجیدہ تھا مقرر ہوا۔ چنانچہ زہر دیدینے کے اندیشہ سے وہ اور سپہشکوہ اپنے ہاتھ سے بیٹھے دآل چارہے تھے کہ یکایک یہ چار اور بدذاتوں کو ساتھ لیے ہوئے پہنچا جنہیں دیکھ کر دآد ایشکوہ نے سپہشکوہ کو چکار کر کہا کہ بویٹا! "ہمارے قاتل آئینچے" اور یہ کہہ کر اگرچہ اُس نے باور چھان نہ کی ایک چھوٹی سی چھری اٹھالی کیونکہ کوئی اور ہتھیار پاس تھا۔ مگر ان جلاذدوں میں سے ایک نے تو سپہشکوہ کو قابو کر لیا اور باقی اسکو لپٹ گئے اور زمین پر گر کر تین نے تو پکڑے رکھا اور نڈیوں نے سر کاٹ لیا! اور فوراً اور نگ زیب کے پاس لیگیا! اور اُسے ایک طشت میں رکھ کر چہرہ کا خون دھلویا! اور جب دیکھ لیا کہ حیفیت میں اُسی کا سر ہے تو آنکھوں سے آنسو نکال کر بولا "اے بد بخت" اور پھر کہا کہ اچھا اس درد انگیز صورت

کا طبیعت خاص اور اسکا مقرب تھا۔ مگر جب شاہ کا انتقال ہو گیا تو کچھ دنوں خانہ نشین رہ کر منصف اور دینہ سوار کو چلا گیا اور بھرداں سے لاہر جی بندر واقع ملک سندھ کی راہ پر شاہجہاں کے شہزادوں سال جلوس مطابق منصف لے گیا تیرہن جرمی میں یہاں چلا آیا۔ فن طبابت میں کامل تھے کی وجہ سے رفتہ رفتہ بیمار ہو کر قریب ایک کھجور کی کانٹھ پر اور تقریباً خاں کا خطاب پایا۔ مگر اسکے ہیئت اور ذلیل ہر کر قتل ہو گیا حال جیسا کہ منصف نے متن میں لکھا ہے اور منصف تلاش ہو گئی کہ تین ہنر مند

فارسی کتابوں میں مذکور ہو میگ چیلہ لکھا ہے۔ اور واضح ہو کہ شہنشاہ اکبر نے اپنے عہد میں کئی ہزار غلاموں کو جنگلوں "بنہ" سے باور تھا جی" کہا جاتا تھا آزاد کر کے چیلہ کا لقب دیدیا تھا۔ اور اسکا قول تھا کہ خدا کے بندوں کو پابندہ کہنا مناسب دشایان نہیں ہے۔ اور غالباً لفظ چیلہ اسلئے اختیار کیا گیا ہو گا کہ اُس زمانہ میں ان بادشاہوں کو تجربہ و تقریر میں اکثر بیرون شرک کہا جاتا تھا۔ اس ہرے

کوہر سے سامنے سے جلد لیا کر ہٹا کیوں کے مقبرہ میں دفن کر دو۔ اب  
داراشکوہ کے کنبہ کا حال سنئے کہ اُسکی بیٹی تو اُسی رات کو محل میں بھیج گئی  
جو کچھ دنوں بعد شاہجہاں اور بیگم صاحب کی التجا سے اُن کے  
سپر کر دی۔ اور اُسکی بیگم نے پہلے ہی یہ سوچ کر کہ ہمیں کیسی آفتیں پڑنے  
والی ہیں رستہ ہی میں بمقام لاہور اپنی زندگی کا خاتمہ زہر سے کر دیا تھا۔  
راہِ سپہر شکوہ سوئے گویا ر کے قلعہ میں بھیج دیا گیا \*

داراشکوہ کی بیگم کا داد ز کے قریب پنچک پیل کی بیماری سے مرنا پہلے لکھا گیا ہے  
زہر کھا کر مرنے کا صحیح نہیں ہے۔ اور اب داراشکوہ کی شہرہ اور قل کا حال مطبع عالمگیر نامہ  
اور سیر المسخرین میں لکھا ہوا اسکا اس جگہ تحریر کیا جاتا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ عالمگیر نامہ  
کامیاب اس واقعہ کے جزئیات اور اردنگ زیب کے دلی خیالات کی نسبت کس قدر رکا  
مڑا ہے اسلئے سید المرسلین کی عبارت جو واضح تر ہے اور صفا براہِ ماخذ تاریخ خانی  
اور تاریخ مرآت العالم ہے جو اردنگ زیب کو ایک بڑے متمتع و امیر و ممتاز درخاں کی  
تسلیف ہے یہاں بسیرت نقل کیجانی زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ دھو ہذا  
”بہر میں ایام بہادر خاں کہ داراشکوہ را با سپہر شکوہ از بختیار خاں  
(ملک جیون) گرفتہ مقید بسلاسل بایں نامہ صاحب الامر قادی آور و بظاہر دارالخلافہ سیدہ  
نذیر بیگ چیلہ از فرمانوشی معین شد کہ پیش رفتہ داراشکوہ را بصورتیکہ عالمگیر نامہ  
دیدہ بیاید۔ شانزدہم ذی الحجہ چیلہ مذکور برگشتہ دولت زمین بوس دریافت و تحقیق  
حال آن چیلہ باز نمودہ باز عرض شد و نہ شنبہ ہفتہ ہم ذی الحجہ حکم فرمود کہ داراشکوہ را  
مسلسل البیشرس در حوض سرکشادہ برادرہ میل نشاندہ بیارند و نذیر بیگ چیلہ و عجب  
فیل نشاندہ باشند بہادر خاں با فوج ہمراہ گشتہ و فیل شہر سازند و از میان شہر و بازار  
بر قہرلی کنبہ پرخضر آباد رسانند و در جای مضبوطی در عمارت خواص پورہ آن کہ برابر و پیش  
قرار یافتہ نگاہ دارند و بموجب حکم مل آمد۔ روز دوم کہ بختیار خاں و فیل شہر شد بعضے

از کوران شاہجہاں آن تب کار ایدہ از خود رفتند و بازار این شہر نیز از عمل او  
نفرت نموده بشوریند و بے اختیار بر سر او دافاعہ ہمیشہ ریختہ بر بروج و سنگ  
گرفتند تا آنکہ چند کس از ان سیاہ رویان از باب سے درآمد و بر رخ مجروح خستہ  
و سرگردن شکستہ گشتند و نزدیک بود کہ فتنہ عظیمی بلند شود۔ کوتوال شہر با جمیعت خود  
رسیدہ آشوب را فرو نشانید و بختیار را با ہمہ اہلانش قلعہ رسانید۔ پادشاہ حق پست  
معدلت کیش! از علما و مذہب خویش فتویٰ طلبید۔ علمای سنی حکم نمودند کہ خون جنس  
ملحد کہ (در رسائل نوشتہ خود کفر و اسلام را برادر توام خواندہ و گفتہ است "کفر و  
اسلام در پیش پویاں" و مدعہ لاشریک لہ گویاں) (دکسانیکہ خوبی او بر خلایق است)  
خلیہ خوانند درست است۔ پادشاہ دین پرور! حق شناس! استحقاق اساس سلطنت خود  
در قتل آن بیچارہ مسرر مایس دیدہ حکم قتل او و دستارانش کہ بر سر بختیار خاں  
ریختہ بودند داد و داداشکوہ آخر روز چار شنبہ بہت و یکم ذی الحجہ مطابق شہر ذہم  
شہر یور (اسوج) متوال گشت و لاش او را بعد شہیر و مقبرہ ہمایوں دفن کردند  
و پچھنکوہ را بر بردہ و رقلہ گوالیار مجوس داشتند و بعضی از اعدایان پادشاہی کہ  
با دمی فتنہ و شورش بر بختیار خاں شدہ بودند در پیشگاہ عدالت رسیدہ حسب الامر مٹکا  
ویندار! از قید دنیا سے ناپائدار رہائی یافتند" اور عالمگیر نامہ میں یہ عبارت زیادہ لکھی  
"آخر روز چار شنبہ بہت و یکم ماہ مذکور مطابق شہر یور کہ جہاں روز قضیہ  
ادبائشان شہر رودادہ بود فرمان تہران جلال صادر شد کہ آن ضخیم الحاقبت (داداشکوہ)  
ماور خضر آباد از قید ہستی برآرند و با شہام سیف خاں و نذیر بیگ چیلہ و چند دیگر  
از سپاہی معتد اہل شب پنجشنبہ گشتہ کینہار و شصت و ہنہجری چرخ زنگالی او غارتش  
شدہ بہ بہان خان خانم شرافت و باشاۃ علی بیکر فتنہ شربت بر شور و شورش بمقبرہ حضرت  
جنت شیان ہمایوں پادشاہ نقل کردہ در خانہ کہ در گنبد مرقد حضرت بہت و شادانہ  
انبال و شادانہ پیران حضرت عرش ششیانی جلال اللہین محمد اکبر انجمن نمودند  
دفن نمودند۔ و روز دیگر فرمان جہاں مطلع بفا دیوہست کہ سیف خاں سپہر شکوہ را  
بقلعہ گوالیار رسانیدہ بجایان آن حسن عالی اساس سپارد و مستقر الحلاقہ اکبر آباد معادہ

نہایت عجب و شگفتہ

نمودہ بہ صوبہ داری آنجا از تغیر مخلص خکن کہ بہ بنگالہ تعین یافتہ بود قیام نمایندست<sup>۲۳</sup> سوئم  
 راجہ جے سنگھ کہ از بہادر خاں در عقب ماندہ بود (جو معلوم ہوتا ہے کہ  
 ایسے بدنامی کے موقع سے دانستہ بچ جانا تھا) جبہ سائے عقبہ سپہر آگشت و  
 ملکات چیون کہ قبل ازین منصب نزاری و صدر سوار و خطاب بخندار خانی کامیاب  
 عنایت شدہ بود باضافہ صدر سوار و مرحمت خلعت و خنجر مرصع و اسپ عربی بازین و  
 ساز مطلقا و یک زنجیر فیصل با ساز مینا کار مشمول مراجم گوناگوں گردید و چون حکم حلیل القدر  
 از پیشگاہ مہدلت بہ تحقیق منشاے قضیۃ شور انگیزی او با نشان شہر کہ نسبت بافغانان  
 اور دوسے نمود صادر شدہ بود بعد از تحقیق و تہصیف ثبوت پرست کہ ہیئت نامتوجہ  
 از خیل احمدیان پاوشا ہیادی این جزاآت و محرک سلسلہ فساد بودہ است لہذا شخص  
 شہر اور گرفتہ بہ پیشگاہ عدالت حاضر ساختہ و ازین جہت کہ منشاے اس قسم جارتے شدہ باعث  
 ہلاک جمعی از مسلمانان گشتہ بود مورد انظار تہد و عقاب بادشا ماندہ گردیدہ حکم شد کہ اور ایسا سازند  
 صاحب عالمگیر نامہ نے داراشکوہ کی تشہیر کی وجہ تو اگرچہ صاف صاف لکھدی ہے  
 کہ ”تاہنگی خلائق آن بریدہ بخت را بے شائبہ شک و ریب برای العین مشاہدہ نمایند و  
 من بعد از از غایان بیہودہ گو و واقفہ طلبان فقہ جو را جاسے سخنان لاطائل و مجال تصور  
 باطل نمائد و در حدود و اطراف مملکت او با نشان را بہائے فساد و ستادیز شورش جہم برید  
 و بموجب حکم جلالت آثر آن سیر و وزیر گشتہ اخترا با پسر شش بریک حوضہ فیصل نشانیدہ نکلا  
 براہ بازار داخل شہر کردند و از پاسے قلعہ مبارکہ گزرا نیدہ بنوے کہ ہمہ کس دیدند و احد کو را  
 در وجود بے سودا و شک و شبہ نہاند بشہر کہنہ بردند“

مگر اس کتاب میں انہی برڈالکرا سکی نقش کی تشہیر کا ذکر جبکہ صاحب التاریخ  
 نے بہت وضاحت سے اور بتلار لکھا ہے تحریر نہیں کیا۔ اور تاریخ علل صالح میں لکھا  
 ہے کہ داراشکوہ کو نیلا لباس پہنا کر دہلی میں داخل کیا گیا تھا۔ اور اسی لباس  
 سے دفن کیا گیا“

چونکہ اس شانہ اودہ کی پیدائش سلسلہ ایکزارچونیس ہجری کی تھی اس سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ پیتالیٹس برس کی عمر میں قتل کیا گیا۔ س م ح ۱۲



جیون خاں کا دھلی سے نصرت  
کیا جانا۔ اور وطن کے قریب پہنچ کر  
چوروں کے ہاتھ سے قتل کیا جانا

ان دردناک واقعات کے بعد جیون خاں  
فوراً حضور میں بلایا گیا۔ اور چار چیزیں انعام  
دی کر دھلی سے نصرت کیا گیا۔ لیکن یہ شخص

بھی اپنی بدکرداری کا نتیجہ پائے بغیر نہ رہا یعنی جبکہ وہ دھلی سے واپس  
ہو کر ایسی جگہ پہنچ گیا تھا کہ جہاں سے اس کا علاقہ دہلی بارہ ہی کوس کے فاصلہ  
پر تھا تو چند آدمیوں نے جو پہلے سے ایک جنگل کے اندر گھات میں لگے  
ہوئے تھے اُسے مار ڈالا۔

افسوس ! اس جنگلی شخص نے یہ نہ سوچا کہ اگرچہ ظالم لوگ اپنی مطلب  
کے لئے بڑے سے بڑے گناہوں کی نسبت بھی بظاہر اپنی پسندیدگی کا  
اظہار کیا کرتے ہیں۔ لیکن دل میں اُس کے عمل میں لانے والوں سے سخت  
نفرت رکھتے ہیں اور جب مطلب نکل آتا ہے تو ان کے اعمال کی مزا ویش  
میں کچھ بھی شامل نہیں کیا کرتے

دادا آشکوہ کے قتل سے کچھ عرصہ پہلے اُس سے اُس بہادر اور  
دفاوار خواجہ سرا کے نام جو اس کی طرف سے ٹھٹھ میں لڑ رہا تھا جبراً اس  
مضمون کا ایک حکمانہ حاصل کر لیا گیا تھا کہ فوراً قلعہ حوالہ کر دے۔ لیکن اُس نے  
کچھ جلدی نہ کی بلکہ اس بات پر اڑا رہا کہ قلعہ کے خالی کرنے سے پہلے حفظ  
عزت وغیرہ کی چند معقول شرطیں دی جائیں۔ جنگو میڈیا ناگ نے دغا بازی اور  
بے ایمانی سے بلا قصد ایذا بہت خوشی سے قبول کر لیا اور شہر میں داخل ہو گیا مگر  
جب اپنے تھوڑے سے بہادر رفیقوں کے ساتھ یہ تک حلال شخص لاکھو

میں آیا تو خلیل اللہ خاں نے جو اس وقت یہاں کا صوبہ دار تھا نہایت بُری طرح سے سبکو تیر تیغ کر ڈالا۔ اس ظالمانہ فعل کا سبب یہ تھا کہ اگرچہ بظاہر یہی کہتا تھا کہ ہم یہاں سے دھلی کو جائینگے (کیونکہ اورنگ زیب اسکی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے اُسے دیکھنا چاہتا تھا) لیکن مسلمی ارادہ یہ تھا کہ ہر ایسا سمیت سرنگر پہنچ کر سلیمان شکوہ سے جا ملے۔ اس کے رفیقوں میں بہت سے اہل فرنگ بھی تھے جنکو مع اپنے اُوڑنغا کے اسنے بہت سوا نعم واکرام دیئے تھے۔

سلیمان شکوہ کا رزق دار اور شکوہ کے خاندان میں اب صرف سلیمان شکوہ باقی رہ گیا تھا اور اگر راجہ کو اپنے وفائے عہد اور ایماندار کا خیال ہوتا تو اُسکا سرنگر سے کانا آسان تھا۔ لیکن جے سنگھ کے منصوبوں اور اورنگ زیب کے وعدوں اور دھمکیوں اور دارا شکوہ کے قتل اور قرب و جوار کے راجاؤں کی جنگی تیاریوں نے اس چھوٹے دل کے راجہ کو آخر کار ڈرا دیا۔ چنانچہ جب سلیمان شکوہ یہ دیکھ کر یہاں اب کچھ بھروسہ نہیں ہے باوجود اسکے کہ راستہ ایک ایسے کڈھب اور موقع ٹھک میں کو تھا جہاں سوائے ویران پہاڑوں کے کچھ تھا بڑی تبت کی طرف چلے جانیکے قصد سے جلد یا تو راجہ کے بیٹے نے چھپا کر کے آن لیا اور زخمی ہو کر پکڑ لیا گیا۔ اور دہلی پہنچا دیا گیا۔ اور قلعہ سلیمان گڑھ میں جہاں پہلے سے عزا د بخش قید تھا قید کیا گیا۔\* اور اورنگ زیب نے پچاننے

\* عالمگیر نامیں لکھا ہے کہ اگر سلیمان شکوہ کا نام میں آجاتا ہے تب ظاہر ایک امر ہے "دعایِ سیرت" کا

کی غرض سے جسطرح دربار میں دُعا کا شکوہ کا سر منگوا یا تھا اور اُسی طرح اور اُسی غرض سے سلیمان شکوہ کے لئے حکم دیا کہ دربار کی وقت تمام اُمرا کی موجودگی میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ میں بھی اس نازیبا تماشے کے دیکھنے کو گیا تھا اور جس شوق اور تعجب سے میں نے اُسے دیکھا اُس کا بیان کرنا دشوار ہے۔ یعنی دربار میں لانے سے پہلے بیڑی تو کمال دی گئی تھی لیکن ہتھکڑی جیسے نہری مُلتع کیا ہوا تھا بدستور موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس سرود اور نہایت حسین و جمیل جوان کو دیکھ کر اکثر اہل دربار کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اور وہ بیگمیں بھی جنکو دیوار کی جالیوں میں سے دیکھ لینے کی اجازت دی گئی تھی بہت ہی غمگین ہوئیں۔ بلکہ اُردنگ زینے بھی ہتھکڑی کی بدبختی پر افسوس کیا۔ اور ظاہرِ شفقت سے بولا کہ خدا پر نظر رکھو

لیکن بادشاہ کی خوش آہٹ سے یہ مشکل یوں حل ہو گئی کہ سرے کی نگر کا راجہ اپنے ملک کی تباہی کے اندیشہ سے کیونکہ تربیت خاں۔ رعلا انداز خاں وغیرہ کسی امیر اسکی تسخیر کے لئے اس وقت راجہ جج سنگھ کی معرفت سلیمان شکوہ کے سپرد کرنے کا وعدہ کر کے معافی کا نوٹنگا ہوا۔ اور بادشاہ نے سلیمان شکوہ کے ایسے لئے جج سنگھ کے بیٹے کنور رام سنگھ کو سرے لنگھ کو روانہ کر دیا۔ چنانچہ اُس نے رام سنگھ کا قریبی بیٹا جانا سنگھ سلیمان شکوہ کے گرفتار کر لینے کو جہاں وہ رہتا تھا اپنے آدمی بھیج دیئے۔ شاہزادہ غافلہ سے پیش آیا اور اُس کا کہہ محمد شاہ (جس کا نام بعض نسخوں میں محمد شاہ اویغری میں محمد شاہ لکھا ہے) اور کئی اور رفیق خوب بہادری سے لڑ کر ماری گئے۔ اور وہ خود گرفتار ہو گیا۔ اور پنجویں جاوی الاول شنبہ ایکڑا شترجری کو راجہ پرتھی سنگھ نے اپنے بیٹے مہدی سنگھ کے ساتھ رام سنگھ اور تربیت خاں اور رعلا انداز خاں کے پاس پہاڑ سوئی چھوڑا اس خبر کو کہنے پر دربار میں بڑی خوشی ہوئی گئیں اور راجہ جج سنگھ کا بہت اعزاز و اکرام ہوا۔ اور جب مذکورہ بالا امرا کو دہلی میں لے کر آئے تو شاہزادہ محمد سلطان کو اس میں غلہ سلیم لگا دیا۔ میں نے یہ کیا کیا۔ س۔ م۔ ح۔

سلیمان شکوہ کا ارتقا

اور مطمئن رہو کہ تمکو کچھ ضرر نہ پہنچے گا اور مہربانی کیجائیگی۔ اور تمہارا باپ تو صرف اسوجہ سے قتل ہوا ہے کہ وہ کافر اور لاندہب ہو گیا تھا۔ اس پر شاہزادہ نے تسلیات کی یعنی ہندوستان کی رسم کے موافق ادائے شکر کی علامت کے طور پر مہمندر جھبک کر اپنے دونوں ہاتھ ستر تک لایا۔ اور اسکے بعد بڑے استقلال سے عرض کیا کہ اگر حضور کا یہ منشا ہو کہ مجھے پست پلجا یا کر تو بہتر ہے کہ ابھی قتل کر دیا جاؤں! جسکے جواب میں اردنگ زیب نے بطور تحکم وعدہ کے پکار کر کہا کہ نہیں تمکو پست ہرگز نہیں پلائے جائینگے بالکل اطمینان رکھو جس پر اہل دربار کے کہنے سے اُسے دوبارہ تسلیات کی۔ اور اسکے بعد جب بادشاہ کی خواہش کے موافق اُس ہاتھی کے معاملہ میں چند باتیں پوچھ لی گئیں جس پر اشرفیاں لدی ہوئی تھیں اور سرخی نگہ جانی کے وقت اُس سے چھن گیا تھا تو اُسکو دیوان عام سے لے گئے اور اگلے روز گوالیار کو روانہ کر دیا۔

”پست“ سے جسکا ذکر میں نے ابھی کیا یہ ستر ہے کہ دشمن اس کے چھلکے کو پانی میں بھگو کر اور مل کر نچوڑ لیا جاتا ہے۔ اور ایک بڑا سا پیالہ بھر کر ہر روز نہا مو نہہ ان شہزادوں کو پلایا جاتا ہے جو اسوجہ سے گوالیار کے قلعہ میں قید کیے جاتے ہیں کہ انکا علانیہ سرکٹا دینا بادشاہ خلاف مصلحت جانتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ تا وقتیکہ اسے نہ پی لیں انکو کھانا نہیں دیا جاتا۔ چنانچہ یہ پوستوں کا عرق ان بیچارے قسمت کے مارے مظلوموں کو رفتہ رفتہ بالکل نچوڑ ڈالتا اور عقل و توانائی دونوں پر پانی پھیر دیتا ہے اور آخر کار گئے گزرے اور جو اس بامختہ

قیدی شاہزادوں کو جس غرض سے پست پلائے جاتے تھے اُسکا ذکر

ہو کر زندگی سے اٹھ دھو بیٹھے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس پوست کے پیالہ ہی سے سپھر شکوہ اور مراد بخش کے پوتے اور سلیمان شکوہ کو موت کا کڑوا گھونٹ پلایا گیا تھا۔ \*

سلطان مراد بخش کا قتل کیا جا۔

مراد بخش اگرچہ قید تھا لیکن لوگوں کو اس سے اب بھی بہت محبت تھی۔ اور اس کی شجاعت اور سپہ سالاری کی تعریف میں شعرا کفر اشعار اور قصیدے کہا کرتے تھے سلیم اور نگ زیب کی مصلحت ملکی کا یہ قضا ہوا کہ وہ بھی علی الاعلان گردن مارا جا تا کہ اس کے کسی طرفدار کے دل میں یہ امید باقی نہ رہے کہ ابھی وہ زندہ ہے اور چونکہ پوست پلا پلا کر مخفی طور پر جان لے لینے سے یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا

\* کتاب تل صلیح میں بھی سلیمان شکوہ کی وفات کی نسبت اسی مضمون مندرجہ متن کی تائید پائی جاتی ہے جسکی چند عبارت عینہ یوں جو کہ ذیلہ سنو ال سننہ بکھار دینا دو دو جری دریں ہی سال سلیمان شکوہ نیز بعضی محافظان از مسطورہ زمان بھراخ نامی عالم بقا انتقال نموده و باطل طبعی در گزشتہ فصل شاہراہ و جوش مدون شد اور ماثر عالمگیری میں بل اقامت سننہ بکھار سیاسی جری مطابق سنہ پندرہ جلوس عالمگیری سلطان مراد بخش کو بیوازد بخش کی نسبت لکھا ہے کہ گوالیار سے رگزار اور نگ زیب فریانی بی بی مھاراجا کے ساتھ اسکا عقد کیا اور محمد سلطان اور سپھر شکوہ کو کہ وہ بھی دواں ہو گیا مگر کونو بھی سلیم گدھ میں کچنے کا حکم ہوا اور اگر برس محمد سلطان کا مراد بخش کی بی بی دوستدار بانو بیگم اور سپھر شکوہ کا خود اور نگ زیب کی بی بی بدالہ بیگم سے نکاح کیا گیا اور محمد سلطان کا بارہ ہزار اور سپھر شکوہ کا چھ ہزار اور ایزد بخش کا چار ہزار روپیہ لائڈ زارہ مقرر ہوا پس جبکہ مراد بخش کے بیٹے ہی کی جان بخشی ہو کر خود اور نگ زیب کی بی بی سو اسکا عقد ہو چکا تھا تو بونے کی نسبت کسی زیادہ بدسلوکی کا گمان جیسا کہ ڈاکٹر فی آرنے کیا ہے درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا ہے کہ یہ لڑکا اپنی طبعی موت سے مرا تھا۔ س م ح

ایسے یہ تدبیر نکالی گئی کہ کوئی الزام قائم کر کے اسکی سزا کے طور پر علانیہ قتل  
 کر دیا جائے۔ اور یہ امر کچھ مشکل ہی تھا کہ اس بد نصیب شاہزادہ کی نسبت  
 کوئی الزام پیدا کر لیا یا گھڑ لیا جائے۔ چنانچہ ایک سید کے لڑکے (جسکے باپ  
 کو اس کے مال و دولت کے لالچ سے اُس نے اس وقت احمد آباد میں مروا ڈالا  
 تھا جبکہ اس لڑائی کے لئے تیاریاں کر رہا تھا) دربار میں استغاثہ کو آن موجود  
 ہوئے جو پکار پکار کر اور دو ہائی دے دیکر انصاف مانگتے اور یہ عرض کرتے  
 تھے کہ قصاص کے طور پر اسکا سر کاٹا جائے۔ اور کسی میر میں یہ جرات  
 کہاں تھی کہ ان فریادیوں کو ہٹا سکے۔ کیونکہ ایک تو وہ بیگناہ متول سید  
 اولاد رسول تھا جنکی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں دوسرے ہر یک کو معلوم تھا کہ  
 انصاف کے پردہ میں قیب کی ہلاکت کے لئے یہ ایک بادشاہی منصوبہ  
 ہے۔ پس متول سید کے بیٹوں کا دعویٰ سمیع اور قبول ہوا اور بغیر کسی قسم کی  
 کارروائی اور مضابطہ عدالت کے فوراً حکم دیا گیا کہ قصاص میں قاتل کا سر کاٹا جائے  
 اور ستغیث یہ حکم لیکر گوالیار کو چلتے ہوئے - \*

\* کتاب عمل صابح میں لکھا ہے کہ "پسران علی نقی را کہ مدعی خون چرب و دھمہ را خواہ بہ نکل و یکبارہ  
 فرستادہ از فرمودہ کہ بعد از ثبوت شرعی حرامہ بخشی را بقصاص رسانند۔ چوں مدعیان در آنجا رسیدہ  
 بخوف قاضی گوالیار گنگو آغاز ہند شاہزادہ مجیب گنہ بر زبان آور د کہ اگر حضرت خلافت مرتبت پانچ ہود  
 و دناہ موعودہ در نظر داشتہ از خون این امراد میگردد شستہ نقصان بہ دولت و سلطنت الامامت۔ اگرخواہ  
 تو بہ شرف مصروف برینست کہ جو دے بود از ضعیف و دیوان ناشد و جہاں ہم مردم کم از بد بطنہ کار و ہر  
 میخوانند کہ اندک اگاہہ بشاہ قاضی آئندہ چہ شنبہ بہت کم بیع اتالی شنبہ کہ بہ اعتقاد و بحری و دوزخ حلیہ و دوزخ شمشیر  
 فیض الشان از سنگان و سبب نہان نجات دادہ جسدش را بقلعہ گوالیار غاصبہ زندہ و اضع ہو کہ علی نقی ایمان بہ جرات کو قتل کا حال ہم  
 اکابر شہسوار کما حقہ وین اور حاجتی کو قتل کر دے اور ان کے یک نامہ ہو جائے کہ جس جہش کہ جس نے یہ قتل کیا اور قیدہ اس کے  
 بعض ہندو ان غصہ آن شنبہ طور پر قید میں سے نکال بجا جاتے تھے۔ س م ح "

سُلطان شجاع کے حالات کا اخیر بیان  
اور اُسکا ڈھاکہ کو بھاگ جانا اور  
راجہ اراکان سے پناہ کا طالب بننا۔

اب یہ پردہ بردہانی خاتمہ کے قریب آ پہنچی  
ہے۔ کیونکہ تمام خاندان شاہی میں سے اب  
صرف سُلطان شجاع ہی ایک ایسا شخص

باقی رہ گیا تھا جو اورنگ زیب کو دہشت اور فکر میں ڈالے رکھتا تھا۔ اور اب تک  
بڑی ہمت اور جوانمردی دکھاتا رہا تھا۔ مگر اب اُس نے بھی دیکھ لیا کہ اورنگ زیب  
کی طاقت اور اقبال کا مقابلہ ناممکن ہے۔ کیونکہ میزِ مجملہ کے پاس برابر  
لڑکے پہنچتی رہتی تھی اور اُسکی فوجوں نے شجاع کو چاروں طرف سے گھیر  
لیا تھا۔ پس جان بچانے کی خاطر ڈھاکہ کو بھاگ گیا جو سمندر کو کنارے  
بنگالہ کا سب سے اخیر شہر ہے۔ اب یہاں اُسکے پاس نہ تو کوئی جہاز ہی  
تھا کہ سمندر پار ہو جائے اور نہ یہ جانتا تھا کہ پناہ کی خاطر کس طرف جائے  
اسی لیے اُس نے اپنا بڑا بیٹا سُلطان باقی الملک اراکان کے مٹ پرست

۱۰ سیر المتأخرین کے بیٹوں کے نام زین الدین و بکندہ اختر و زین الدین  
لکھے ہیں غالباً یہ نام اُسکے بڑے بیٹے زین الدین کا اسم ثانی یعنی عرف ہو گا۔ کیونکہ انکی  
تاریخوں سے ظاہر ہو کہ شاہزادہ زین الدین ہی نے اراکان کے راجہ سے پناہ لینے کا  
بندوبست کیا تھا۔ اور اصل کتاب انگریزی میں اس نام کو جس تعجب سے لکھا ہو اُسکو یا تو باقی  
بڑھ سکتے ہیں یا بانی کے اور کچھ تعجب نہیں ہو کہ وہ سُلطان باقی کے دعائیہ نام یا  
میزابا انکے کے لاڈلے لقب ہو مشہور ہو۔ س م ح

۱۱ چونکہ فارسی مورخوں نے اس ملک کا نام زخنگ لکھا ہے اور انگریز اراکان کہتے ہیں ہے  
سے یہ بات تحقیق طلب تھی کہ لفظ اراکان کو گارگرزہوں نے زخنگ بنالیا تھا یا انگریزوں  
نے زخنگ کو اراکان بنا دیا۔ اس لیے صاحب کشف بہار اراکان سے اسکو صحیح کر دینے کی  
انتہائی کوشش تھی۔ ہم نہایت ممنون ہیں مسٹر جی۔ ڈی۔ برجس صاحب G. D. Burgess

راجہ کے پاس (جسکو مکہ لوگوں کا ملک بھی کہتے ہیں) اس درخواست سے روانہ کیا کہ اگر چند روز بپاہ دے سکو تو ہم تمہارے پاس آجائیں اور جب ہوائے موافق کے چلنے کا موسم آجائے تو مٹھنا تک پہنچ جائیں گے۔ لیکن ایک جہاز ہم پہنچا دو تاکہ ہم اول مکہ اور پھر وہاں سے روم یا اتران کو چلے جائیں۔ راجہ نے یہ درخواست قبول کی اور بہت مہربانی سے پیش آیا۔ چنانچہ سلطان باقی بہت سی کشتیاں (جنکے ملاح اہل فرنگ یعنی گوا وغیرہ سے بھاگے ہوئے وہ پرتگیزی اور آوارہ گرد عیسائی تھے

کثیر اداکان کے کہ انہوں نے محض باہ اخلاق و علم و دینی نہایت ہی عمدہ اور معتقدانہ جواب بھیجا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ”اس ملک کا نام اداکانوں کے تلفظ کے موافق رائل رائلنگ ہے اور بدھما واسے اسکو حرفت رنے کی جگہ تینے کے ساتھ رائلکنگ کہتے ہیں۔ اور لفظ اداکان انگریزوں کا اختراع ہے۔ اور مسگر آر تھر فیر نے اسنے سووہ تاریخ اداکان مطبوعہ ۱۸۴۷ء میں اور اپنی تاریخ دھما مطبوعہ ۱۸۵۳ء کے پانچویں باب میں لفظ رائلنگ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ یہ لفظ راکھیگ (یعنی راکچھس) کا بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے جو پالی زبان کے لفظ یا لکا سے نکلا ہے جسکے معنی ایسے آدم خور دیو کے ہیں جو نصف حیوان اور نصف انسان ہو اور جس زمانہ میں بودھ مذہب کے داعی ہندوستان سے اس ملک میں پہنچے تو انہوں نے اس ملک کا نام یا لکا پورہ (یعنی راکچھس پورہ) رکھ دیا۔ یا تو اسوجہ سے کہ انہوں نے وہاں پہنچ کر یہ روایتیں سنی ہو گئی کہ قدیم زمانہ میں ایسے دیوسیرت لوگ وہاں رہتے تھے جو ملک کو تباہ اور برباد کرتے تھے یا اسوجہ سے کہ انہوں نے میام ما قوم کے لوگوں کو بھوتوں اور دیوؤں کی پرستش کرتے دیکھا ہو گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آدم خور دیوؤں کے وجود کی نسبت یہ روایتیں اس طرح پیدا ہوئی ہوں کہ جب میام ما قوم کے لوگ اداکان میں پہلے پہل قریل ہوئے تو اسوقت اس ملک کے وحشی خصال باشندوں کی عادتوں کی نسبت انہوں نے مبالغہ آمیز باتیں سنی ہوں“ سو اگر تھر فیر صاحب کے ان

دفاع سیرت سبھا

\* Sir Arther Phyre.



جنہوں نے اس راجہ کی نوکری کر لی تھی اور جنکا بڑا پیشہ بنگالہ کے اُن ضلعوں کو لوٹتے رہنا تھا جو ڈھاکہ اور اراکان کی جانب سمندر کے قریب ہیں، ساتھ لیکر واپس آیا۔ اور شجاع اپنی بیگم اور تینوں بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ اُن پر سوار ہو کر اراکان کو چلا گیا۔ اور راجہ نے اگرچہ اُسکی خاطر تو وضع کچھ بہت بڑھکر تو نہ کی مگر ضرورت کی معمولی چیزیں مہیا موجود کرادیں۔

عالمگیر نامہ اور ماثر عالمگیری وغیرہ سے شجاع کی بیگم یا بیٹیوں کا ساتھ جانا ثابت نہیں ہوتا بلکہ عام طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹانڈہ سے پہلے گئے کے وقت جسکو راج محل کے بعد اسنے اپنا جائے قیام بنایا تھا اُسکے محل کی عورتیں اور ستوراتیں وہیں رہتی تھیں جسکو میدو محلہ نے بڑی احتیاط اور احترام کے ساتھ شجاع کے خزانہ اور جواہر خانہ اور مال و اسباب سمیت اخلاصی خانہ نامے ایک سردار کی حفاظت میں اور لگانیب کے پاس بھیجا تھا۔ لیکن تعجب نہیں کہ اپنی خاص بیگم اور بیٹیوں کو وہ ساتھ لیکر ہوا اور وہ عورتیں جنکا ذکر کتب مذکور میں کیا گیا ہے۔ اُسکی خواہیں وغیرہ ہوں۔ س م ح

اتوال کو نقل کر کے مسٹر بوجس بطور اپنی رائے کے یہ کہتے ہیں کہ اس ملک کے نام راھینگ کو لفظ راھشا یا۔ یا کھش سے مشتق سمجھا ایک فیاسی بات ہو۔ اور اراکان کے باشندوں سے جو تحقیق کیا گیا تو کوئی شخص قابل طینان جواب نہیں دے سکا اور حقیقت یہ ہے کہ مرد درمانہ کے باعث اسکے متعلق کی اہلیت محو اور فراموش ہو گئی ہو۔ پس ظاہر ہے کہ لفظ اڈخنگ درست اور اہلیت کے قریب تھا اور جس طرح اگونیہ نے اُسکے ہمایہ ملک کا نام صحیح لفظ میام مایا عوم مایا کی جگہ بدھا بنا دیا ہے۔ اسی طرح کا یہ بھی ایک تصرف ہو جو غیر ملک کے لوگ اکثر کر دیا کرتے ہیں۔ بہر تقدیر یہ ملک شاہ سترہ سو بہتر تک خود سوار آزاد تھا۔ مگر نہ مذکور میں بدھا والوں (یعنی آڈا اور بیگو کے بادشاہ) نے اسکو فتح کر کے اپنی قلمروں میں شامل کر لیا تھا۔ اور راج شاہ ۱۷۷۷ء اٹھارہ سو چوبیس میں سرکار انگریزی نے جو بدھا والوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر اُن پر پہلی دفع نفع کشی کی نو چوبیسویں فروری ۱۷۷۷ء اٹھارہ سو چوبیس کے صفحہ ۱۷ کی رو سے سرکار مرہم

فیہ کا شہادت ہے

راجہ کا آئندہ طرز سلوک اور عید میلہ کے ٹوڑ پھوڑ  
اوش ہزارہ کا بیٹی کی شادی کر دینے کو پیغام  
سے مجبور ہو کر راجہ پر حکم کرنے کی تدبیر کرنا اور  
راز کا کھل جانا اور شجاع کا انجام کار۔

اب یہاں اگر چہ کئی مہینے گزرے اور  
ہو اسے موافق کا موسم بھی آگیا مگر کھٹا  
جانی کے لئے جہاز ہم پہنچا دینے کا کسی

ذکر تک نہ کیا۔ حالانکہ شجاع صرف اتنی بات کا خواہنگار تھا کہ ایک جہاز لکڑیہ  
پر مل جاے۔ کیونکہ اس کے پاس زر و جواہر بخوبی موجود تھا۔ بلکہ غالباً اسکی ہلاکت  
کا بڑا باعث یہہ دولت ہی ہوئی۔

اصل یہہ ہے کہ یہہ وحشی بادشاہ اور راجہ سچی مروت اور فیاضی کو جانتے  
ہی نہیں اور اپنے وعدوں کی پابندی اور ایفا کا شاذ و نادر ہی خیال کرتے  
ہیں بلکہ بالفعل کی غرض کو مقدم سمجھ کر اُسکے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ اور اس شیطنت  
اور قسوت کے نتیجوں کی طرف سے جو اکثر خود اُنہیں کو بھگتے پڑتے ہیں  
مطلقاً بے پروا نظر آتے ہیں۔ اور اُن کے اٹھ سے یا تو غلسی بچا سکتی ہو

کے قبضہ میں آگیا۔ اور اب تو نہ صرف اراکان بلکہ ہر سو آگے شاہ بدھما کا بھی کل ٹاک جو باشندوں  
کی اوضاع و اطوار اور آب و ہوا کی خاصیت کو بخانا سو تقریباً ایک ہی طرح کی سڑ میں ہو۔ راجہ کا مقصد  
سابقہ مفتوحہ سال حال شہداء چین کی حد تک گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں حسب جیفہ کمتر  
بدھما کو ماتحت ہو۔ سلطنت منلیہ کے مورخوں نے اراکان کو ”ذلیلین میں مہورہ عالم“ اور ایک ”نظم جنم“  
لکھا ہے اور وہاں کے لوگوں کو نہایت ہی وحشی اور حیوانوں سے بدتر اور ملک کو ”سکر نام و دود“  
بتایا ہے اور اس کے رستہ میں اُنکے نزدیک فن جہاز رانی کی ناواقفیت کے باعث ”بلیا و خوف“  
حائل تھے مگر انگریزوں کی عقل و دانش اور حسن انتظام سے وہی وحشی انسان بنتے  
جاتے ہیں۔ اور وہی قطعہ جنم ایک سرسبز اور شاداب اور بہت زرخیز علاقہ ہے۔  
اور اس میں شہر اکیاب وغیرہ بعض مقامات نہایت عمدہ تجارت گاہ ہیں۔

یا اس قدر زور جو انکی طاقت سے زیادہ ہو۔

غرض شجاع کی طرف سے مخا جانیکے ایسے بہتیری ہی التجائیں ہوئیں لیکن یہ جنگلی راجہ ہلاکت مت منت نہوا بلکہ یہاں تک بے مروت اور ستاخ ہو گیا کہ شہزادہ کی نسبت عناب ظاہر کیا کہ اتنا تک جسے لئے لوکیوں نہیں آیا۔ مجھو معلوم نہیں کہ شجاع نے کسر شان کے خیال سے اس بُت پرست سے ملاقات نہیں کی تھی یا اس خوف سے اُسکے مکان پر نہیں گیا تھا کہ مبادا گرفتار کر لے اور ب مالِ اہاب لوٹ لے۔ (اسی اثنا میں راجہ کو میڈیٹجملہ نے بھی شجاع کے پکڑ کر حوالہ کر دینے کی شرط پر اورنگ زیب کی طرف سے بہت سے فائدوں اور زرِ کثیر کے حاصل ہونے کی طمع دلا بھیجی تھی۔ بہر حال راجہ کی جنگی رفع کرنے کو اگرچہ سلطان شجاع خود تو آب بھی اُسکے مکان پر نہ گیا۔ مگر سلطان باقی کو بھیج دیا۔

کہتے ہیں کہ جب یہ شہزادہ راجہ کے محل کے قریب پہنچا تو سروسواری غریب غربا کی طرف بہت سے رو پیئے اور اشرفیاں پھینکیں۔ اور جب راجہ کے پاس پہنچا تو بہت سے زربفت وغیرہ کے تہان اور مع زیور پیش کیئے اور اپنے باپ کے بنات خود حاضر ہونے کی نسبت یہ عذر کیا کہ وہ علیل ہیں

۱۷ اب سو پنجائیس برس پہلے ملک ہندوستان میں یہ عموماً رواج تھا کہ امر کی سواری کو وقت رو بہ اشرفی وغیرہ لٹایا کرتے تھے اور اس کام کا یہاں تک رواج تھا کہ وہ فرانسیسی فرس جو آپ انٹی برس پہلے پٹوں کی طرف سے ہمارے ملک میں رو تلج میں آئے تھے انہا رات شان شوکت کو لہوہ بھیجا تو انھی پر کچھ دیہ ہرنی اور سونے کی تحصیل لٹے تھے بلکہ راست حیدر آباد کی جیسندہستانی درباروں کی پرانی سیرین تک بھی بہت کچھ زندہ ہیں جیسوی سواریوں کو موتوں پر وہاں اب بھی یہ رسم کچھ جاری ہے۔ جس م

اور بڑی التجا سے درخواست کی کہ وہ جہاز جسکے ہم پہنچا دینے کے لیے اتنے دنوں سے وعدے ہوتے رہے ہیں اب تو بہت ہی جلد عنایت ہو۔ مگر اس ملاقات سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور پہلی درخواستوں کی طرح یہ درخواست بھی بالکل یو نہیں گئی اور اس وحشی نے اپنا وعدہ مطلق وفا کیا بلکہ اُس عالی منزلت پناہ گیر کی پریشانی اور سچ بڑھانے کے لیے اس سے پانچ ہی چھ روز بعد صاف صاف یہ سوال دیدیا کہ اپنی بیٹی کی شادی ہمسے کر دو۔ اور شجاع کے اس سے انکار کرنے پر ایسا غضب ناک ہوا کہ شاہزادہ کی حالت نہایت پرخطر ہو گئی۔ اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا گویا ہلاکت کا منتظر رہنا تھا اور سفر کا موسم گزر جاتا تھا اور اس لیے کوئی نہ کوئی اغیرات قرار دینی ضروری تھی پس اُس نے ایک ایسی تدبیر سوچی جس سے فضول ترکوئی حرکت تھی اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسکی ناامیدی کس حالت کو پہنچ گئی تھی اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ آراکان کا راجہ بُت پرست ہے لیکن مسلمان بھی وہاں بہتیرے ہیں جو یا تو خوشی آن بسے ہیں یا وہ بزرگیز جنگا ذکر پہلے آچکا ہے اور جو سمندر کے کناروں کے ضلعوں میں لوٹ مار کیا کرتے ہیں اُنکو بکڑ کر اور غلام بنا کر یہاں سے آئے ہیں۔ پس شجاع نے اُن کو گاناٹھ لیا۔ اور اُن کو اور اپنے دو تین سوا آدمیوں کو جو جنگا کے ساتھ آئے تھے ملا کر

عالمگیر مار مار کر عالمگیری اور میر اللہ خیر سے تو بالاتفاق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سمیت گرفت میں آسکے ذبیقوں اور نوکروں میں سے سو دس سید عالم بارہ وال اور تید قلی ازبک کے جنگے ستھ سادات بارہ میں سو شماری دس سید اور بارہ غل تم اور چند آؤر سپاہیوں اور غلامگاروں وغیرہ کے پورے چالیس آدمی بھی جنگا کے آسکے چہرا نہ آئے تھے۔ - س م ح - ۱۲

اس تھوڑی سی محبت کے ساتھ یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ یکایک راجہ کے محل پر حملہ کر کے اُسکو اور اُسکے خاندان کو تہ تیغ کر ڈالے اور خود فرماں روا بن جائیے۔ یہ جسارت اگرچہ احتیاط کے خلاف اور ایک مہمورانہ حرکت تھی۔ لیکن سینے بعض پر تکیزوں اور مسلمانوں اور ڈچوں سے جو خاص دہاں موجود تھے سناہر کہ اس تدبیر کی کامیابی چنداں محال اور امکان سے خالی تھی مگر اس منصوبہ کے عمل میں لانیسکے لیے جو دن مقرر ہوا تھا اُس سے ایک روز پہلے یہ راز افشا ہو گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکے رہے رہے کام ہی نہیں گہڑے بلکہ سارا کنبہ ہی ہلاک ہو گیا۔ چنانچہ اس بھید کے ٹھلپانے پر اُس نے چاہا کہ پنگو کو بھاگ جائے لیکن اس ارادہ کا عمل میں لایا جانا قریب ناممکن کے تھا کیونکہ راہ میں ایسے سخت پہاڑ اور دشوار گزار جنگل اور بن حائل تھے کہ اُن میں سے ہو کر کوئی ایسا راستہ کبھی ہوا ہی نہیں جس سے مسافر آتے جاتے رہے ہوں غرض کہ تعاقب کیا گیا اور بھاگنے سے آٹھ پہر بعد لوگوں نے اُسے جالیا اور جیسی کہ اس اسم با سمسلی شجاع شاہزادہ سے توقع ہونی چاہیے یہ ویسی ہی شجاعت سے لڑا اور بہت سے وحشی خاص اُسکی تلوار سے قتل ہوئے۔ مگر آخر کار دشمنوں کے ہجوم سے جو پیچھے سے اُڑ آتے جاتے تھے مغلوب ہو کر ایسی لڑائی سے جو کٹھی ج بھی برابر کی تھی دست بردار ہو گیا۔

سلطان باقی جو باپ سوزا پیچھے رہ گیا غاؤہ بھی ویسا ہی لڑا جیسے کہ بہاؤ لڑا کرتے ہیں لیکن دشمنوں نے چاروں طرف سے ہتھ دھماکے کے تمام بدن چور چور اور لوہان ہو گیا۔ اور آخر یہ جنگلی اُسے اور اُسکی والدہ

دونوں چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو پکڑ کر لیگے۔

اب اس سے آگے اسکی بابت کوئی ایسی  
ٹھیک بات جو زیادہ بھروسہ کے لائق ہو معلوم  
نہیں ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ میدان جنگ سے نکل کر ایک پہاڑ  
کی چوٹی پر جا چڑھا تھا اور اسکے ہمراہ ایک خواجہ سرا اور ایک عورت اور دو شخص  
اور تھے۔ اور سر میں تھمر کا ایک ایسا زخم لگا ہوا تھا کہ وہاں ٹھیکر گر پڑا مگر جب اس  
زخم کو اس خواجہ سرانے اپنی پگڑی سے باندھ دیا تو اٹھکر جنگل میں جا گھسا۔

اسکے علاوہ چار روایتیں اور سنی ہیں اور اگرچہ ان لوگوں کی زبانی ہیں جو عین  
موقع پر موجود تھے۔ مگر باوجود اسکے ایک دوسری سے نہیں ملتی چنانچہ  
بعض لوگوں نے مجھے اس امر کا یقین دلایا کہ اسکی لاش مردوں میں ملی  
تھی لیکن صورت پہچانی مشکل تھی اور ڈچوں کے کارخانہ کے ایک فسر علی  
کی چٹھی میں بچشم خود دیکھی ہے اُس میں بھی یوں ہی لکھا تھا۔ لیکن پھر بھی جیسا  
کہ چاہئے یقینی بات کوئی نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے ڈھیلی میں کئی بار  
ایسی افواہیں اُڑتی رہیں کہ جسے خواہ مخواہ لوگوں کے کان کھڑے ہو گئے  
چنانچہ ایک بار تو یہ غل ہوا کہ شجاع چھٹی پٹن پہنچ گیا ہے اور گولکنڈا اور

۱۰۰ مالگیر میں بعض وقایع ۱۰۰ بارہ جلوس عالمگیری مطابق ۱۰۰ ایکہزار اسی ہجری  
لکھا ہے کہ "عالمگیر کے حضور میں یہ خبر پہنچی کہ مورنگ میں یعنی آسام اور کوچ بھار کے  
باہین ایک مصنوعی شجاع نے شورش برپا کی جو سپر نہایت تاکید کو ساتھ دال کے حکام ابواہیم خان  
اور خدائی خان کو نام فرمان جاری ہو کر اگر وہ کسی طرف سے نکال تو سر کاٹ کر حاضر کر دے جس کو تاب ہے  
کہ فی الواقع ہلکی نہایت سے نو برس بعد تک بھی لوگوں کو اسکی موت و حیات میں شک ہی تھا۔ سہج

بیجا پور کے بادشاہوں نے اُس سے یہ عہد اور اقرار کر لیا ہے کہ اپنی اپنی تمام  
 فوج سے آپکی مدد کرینگے اور پھر بڑے سختہ طور پر یہ خبر آدمی کی کہ وہ دو جہازوں پر  
 جن پر سرخ نشان چڑھے ہوئے تھے سوڈن کے سامنے سے ہو کر گزر رہا ہے  
 اور یہ جہاز اسکو شاہ بیگو یا شاہ سیام نے دیئے ہیں۔ پھر ایک یہ خبر چلا  
 ہوا کہ وہ ایران پہنچ گیا ہے اور شیراز میں لوگوں نے دیکھا ہے۔ اور کچھ  
 دنوں بعد ان افواہ اڑانے والوں نے اسے قندھار پہنچا دیا اور شہر کو روایا  
 کہ وہاں سے کابل پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ایک دفعہ اورنگ زیب  
 نے کہا کہ ”شجاع تو آخر حاجی ہو گیا“ یعنی ملکہ جاہنشاہ۔ مگر اسکا یہ کہنا غالباً غلط  
 کے طور پر تھا۔ اور اب تک بہتیرے آدمی اس بات پر یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ  
 استنبول میں کچھ عرصہ رہ کر اور وہاں سے بہت سا مال و دولت لیکر ایران میں  
 آ گیا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب افواہیں محض بے بنیاد ہیں۔ اور وہ چٹھی  
 قابل اعتماد ہے جو دُچوں کے کاغذ تجارت کے افسر علی کی طرف سے تھی  
 اور جس میں یہ لکھا تھا کہ شجاع آذر اکان سے بھاگنے کی حالت میں مارا گیا۔  
 چنانچہ اُسکے ایک خواہہ سرائے کے ساتھ میں بنگالہ سے مچھلی پکڑ گیا  
 تھا اور ایک اور شخص نے جو اُسکے توپخانہ کا سردار تھا اور اب شاہ گولکنڈا  
 کا ملازم ہے مجھ سے کہا کہ فی الحقیقت ہمارا آقا مرچکا ہے۔ لیکن اسکی تفصیل مجھ سے  
 بیان کرنی نہیں چاہی۔ اور بعض فرانسس سوداگروں سے جو سیدھے صہبائی  
 سے آئے تھے وہی میں میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ایران میں ہنر

کبھی اسکا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس کے سوا اس کے زندہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شکست کے ساتھ ہی اسکی تلوار اور خنجر بڑا ہوا ملا تھا اور اگر وہ واقعی جنگل میں بھاگ گیا ہو جیسا کہ بعض لوگوں کا ادعا ہے تو اس صورت میں بھی جانبر ہونے کی بہت ہی کم امید ہے۔ کیونکہ وہاں باتوچوروں اور زہریلوں وغیرہ نے قطعاً مار ڈالا یا شیر اور ہاتھی وغیرہ درندہ جانوروں نے جو وہاں کے جنگلوں میں بکثرت ہیں چیرھاڑ ڈالا ہوگا۔

شہجاع کے اہل عیال پر جو گزری اس کا بیان۔

بہر حال سلطان شہجاع کی موت و حیات کی نسبت خواہ کچھ ہی شکوک اور احتمالات ہوں۔ لیکن اس کے

کنبہ کے لوگوں پر جو آفتیں اور مصیبتیں پڑیں ان کے متعلق روایتوں کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ چنانچہ ان بیچاروں کی مصیبتوں کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب ان کو قید کر کے واپس لائے تو کیا مرد کیا عورتیں کیا بچے سب کے سب قید خانے میں ڈال دیئے گئے۔ اور نہایت ہی بیرحمی اور سختی کی گئی۔ مگر چند مدت بعد انکو چھوڑ دیا گیا۔ اور سیدہ مہربانی کی گئی۔ اور شہجاع کی بڑی بیٹی سے راجہ نے شادی کر لی اور اس کی ماں سلطان باقی سے خود اپنا عقد کر لینے کی بڑی خواہشمند تھی کہ اتنے میں سلطان باقی کے چند نوکر انہیں مسلمان لوگوں سے بلکہ حبشہ کا ذکر بھی ہو چکا ہے پھر اسی قسم کے مفسوبہ کی فکر میں پڑ گئے۔ لیکن ان میں کا ایک بے احتیاط اور جلد باز شخص جو غالباً شراب پیکر اور بھی زیادہ بے عقل ہو گیا تھا نشہ کی ترنگ میں اس راز کو مخفی نہ رکھ سکا اور عین حملہ کے روز اس سے یہ ہمید کھل گیا۔



اور اگرچہ اس قصہ کی نسبت بھی ہزاروں روایتیں سننے میں آئی ہیں لیکن جو بات اطمینان اور عتماد کے ساتھ بیان کی جاسکتی ہے وہ صرف ہندو ہے کہ اس حرکت سے راجہ ایسا برہم اور غضبناک ہوا کہ شجاع کے تمام کنبہ کے قتل کا حکم دیدیا یہاں تک کہ وہ شہزادی جس سے اُسے عقد کر لیا تھا باوجود حاملہ تھی اسکے وحشیانہ حکم سے وہ بھی قتل کی گئی اور سلطان باقی اور اُس کے بھائیوں کے سر کند کھڑا دی سے کاٹے گئے اور اس بد بخت کنبہ کی باقیماندہ عورتیں اپنی اپنی مکانون میں ایسی سختی سے قید کی گئیں کہ فاقوں کے مارے وہیں ہلاک ہو گئیں۔

الغرض یہ لڑائی کی آگ جو ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی خاطر چاروں بھائیوں کے باہم بھڑکی تھی پانچ یا چھ سال کے اندر یعنی تقریباً ۵۵۷ھ سے لیکر ۵۶۲ھ سولہ سو ساٹھ یا اسیٹھ تک اس طرح پر خاتمہ کو پہنچی اور اورنگ زیب اس عظیم الشان سلطنت کا اکیلا ہی مالک بن گیا۔ ۵۷

۵۷ چونکہ سلطانہ (ایکھڑا ٹرسٹھ) بھری کے اخیر میں شاہجہاں سخت بیمار ہوا تھا۔ اور اسکی بیماری کی خبر پا کر سب بھائیوں سے پہلے مراد بخش نے گجرات میں بغاوت کی تھی اور آخر کار شجاع کے ارکان میں چلے جانیک بعد سلیمان شکوہ سہری لگو سے قید ہو کر دھلی میں جیوسل جادوی الاوی شمس (ایکھڑا رستر) بھری کو پہنچا تھا۔ اس حساب سے یہ لڑائی پڑائی تین برس سے زیادہ نہیں رہی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس قصہ کا شروع اس وقت کر لیا ہے جبکہ شاہجہاں نے فساد کے اندیشہ سے شہزادوں کو علیحدہ علیحدہ موبے دیکر کابل سے روانہ کیا تھا۔ ۵۸

۵۸ شجاع کی شکستوں اور ارکان کو جانے کا حال جس طرح پر بلا اختلاف عالمگیر نامہ اور دیگر تاریکی اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ مونڈکیو سے بھاگنے کے بعد اُس نے ٹانڈہ کو اپنا محل و مرکز قرار دیا اور برسات یہیں برکی اور جب میلہ جملہ کی آمد آمد سے ڈر کر یہاں بھی

ٹھکانہ دیکھا تو اپنے دونوں چھوٹے بیٹوں اور قریب تین سو نوکروں چاکروں کے کشتیوں میں بیٹھکر راج محل کو بھاگ گیا جہاں پہلے سے اُسکا بڑا بیٹا زین الدین اس غرض سے گیا ہوا تھا کہ وہاں کے حاکم رشید خاں نے اسے جو تک حرامی کر کے میدو حملہ سے سازش کر لی تھی اور اسکی تحریک سے راج محل کے رئیس معصوم خاں کے بیٹے منور خاں کے سیکرہ نساوہ پر اکر رکھا تھا اُسکو زکوہ سے۔ چنانچہ رشید خاں کو نو آئے جاتے ہی جبکہ وہ سلام کو حاضر جماعین دربار میں قتل کرا دیا تھا۔ اور بلحاظ اپنی تنگ حالت کو اراکان کے راجہ سوہام و سلام کے اوتھے مخایف بھیجکر منور خاں کی سرکوبی کے لیے اُسکی بہت سی جنگی کشتیاں نکالی تھیں اور انہوں نے اُسکے ساتھ ہوکر منور خاں کو شکست دینے میں اپنی عادت کے موافق راج محل کی حیت کو بھی بہت تباہ کیا اور اکثر لوگوں کو جنہیں بہت سی مسلمان بھی تھے قید کر کے ساتھ لے گئے اور زین الدین نے اس مدد کے صلہ میں اُنکو بہت سافند و جنس و کیر رخصت کیا اور راجہ سے یہ تمہار لیا کہ اگر شجاع کو مجبوراً اراکان میں آنا پڑے تو اُسکی کچھ فوج راج محل میں آکر اُسکو وہاں بچائے۔ چنانچہ راجہ نے اپنے رشتہ دار چانگنام کے حاکم کو جو اسوقت تک یہ تمام ملک اراکان میں داخل تھا یہ حکم بھیجا تھا کہ جب شجاع طلب کرے تو کچھ فوج اُسکی مدد کو بھیجے۔ پس جب شجاع راج محل میں پہنچا تو ناجار اپنی چند متوشخصوں کو فوج لانے کو بھیجا کہ ساتھ ہوکر اُسکو اراکان بچائے اور اراک یہیں تک اُسکے انتظار میں بیٹھا رہا۔ لیکن چونکہ میدو حملہ برابر اُسکے تعاقب میں چلا آتا تھا ایسے اپنے تینوں بیٹوں اور دو چار سرداروں اور چند سپاہیوں اور خواجہ سراؤں وغیرہ کے ساتھ جواب آئیے بغیر ہی پھر کشتیوں میں بیٹھ وہاں کو چل دیا۔ راج محل چھوڑنے کے تیسرے دن وہ لوگ جو زین الدین نے اب سے تین پہننے پہلے راجہ اور چانگنام کے حاکم کے پاس روانہ کئے تھے مع اکادوں اراکانی اور فرنگستانی کشتیوں کے جمع اور سازد سامان سو بخوبی درست تھیں اور جنگ چانگنام کے حاکم نے راجہ کے مشا کے موافق روانہ کیا تھا مع راجہ اور چانگنام کے حاکم کی تحریروں کے میں رہ روی کی حالت میں آئے۔ گمراہ آکانی سرداروں نے یہ کہہ لیا کہ اگرچہ ہم اپنی مدد کے بیٹے آئے ہیں اور راجہ کا خود بھی ارادہ تھا کہ اُنکے کیسے چانگنام میں آکر ٹھہرے اور پیچھے سے جنگی کشتیوں کا آند بھی زیادہ مضبوط "لواڑہ" یعنی بڑہ روانہ کرے اور خشکی کی ماہ سے بھی کچھ مدد بھیجے لیکن یہ سب کچھ اُس صورت میں تھا کہ

بقیۃ حاشیہ نمبر ۲

آپ راج محل یعنی اپنے ٹکاب میں ٹھہر کر میدو حملہ کے مقابلہ کا سامان کرتے اور آپ کے ارکان میں بچانے کا حکم نہیں ہے۔ اب چونکہ یہاں سے تو یہی موضع بھلوہ میں (جو غالباً وہی مقام ہے جسکو حال کے انگریزی نقشن میں بھلویا لکھا ہے۔ اور ڈھاکہ سے نیچے تقریباً ڈھاکہ۔ اور چانگام کے وسط میں دریا کے کنارے ہے) انتہا سے سرحد پر بادشاہی مسئلہ اور تھانہ تھا اسلئے شجاع کا ارادہ ہوگا کہ اس پر قبضہ کرے اور وہاں ٹھہر کر ارکانیوں کی مدد سے آئندہ کے لیے کچھ بندوبست کرے مگر جب قلعہ پر تصرف ہو سکا تو شجاع نے ارکانوں کو اس سے خشکی پر اتر کر قلعہ پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ہم ہمارے معمول کے برخلاف ہے۔ البتہ پانی پر ٹھہر کر تو پبند وق سے آگ برسانے کو ہم حاضر ہیں۔ اور شجاع کے اصرار سے ناراض ہو کر آخر کار روکھے پھیکے بگئے۔ اور صاف کہا کہ اگر قلعہ آپ کی کوشش سے اٹھ آجائے تو مصافحہ تھا کہ ہم آپ کو اسیں بٹھا کر آپ کے ایک لڑکے کو ارکان بجاتے اور راجہ آئندہ کے لیے جو حکم دیا وہ کرتے۔ لیکن اب تو یہی بہتر ہے کہ آپ خود ارکان کو تشریف لیچلیں چنانچہ وہ اسپر راضی ہو گیا۔ اور چھٹی رمضان مسئلہ (ایک ہزار ستتر) ہجری کو دہلیں چلا گیا۔ اور سو اُن چالیس رفیقوں کے جنگاں حال پہنچا ایک حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے۔ اس آفت میں آؤ کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اور جس وقت سر وہ دہلی پہنچا اور جو معتبر دہلی پیش آئیں انکی نسبت صاحب عالمگیر نامہ نے جملائیوں لکھا ہے کہ بعد از قطع مراحل اربار دہلی بچہ دہی خوشنوار بہ جزیرہ زخنگ کہ از دل معمرہ دہی عالم سکین کفرہ ضلالت شیم است رسیدہ از تیرہ غتی و بدو فوجا می باد و دوام آن سرزمین محو شد و مدح و مذمت حال دہلی و تاشن باعث عبرت گمنان شد و سر انجام کار آن بدعاقت بعد از وصول بان و تارہ ضلالت بنیاد و مقامات با سرگرد و آن قوم ہنزا کہ بہنزا دہلی ہزار مر حلا از شہستان اودیت و کشور انسانیت دور از تعلیم و دانش و شمار مروت و مردی ہو رند بعد ازین در محل خود مشروح و مذکور خواہند۔ مگر اس مصنف نے اپنی اس وعدہ کے موافق کوئی تفصیلی حال ہی نہ نصیب کا آگے کہیں بیان نہیں کیا۔ اور کسی اور کتاب میں میری نظر سے گزرا۔ اس مرح

خوانین ازبک کے سفیروں کا  
اودنگذیب کی خدمت میں حاضر ہونا

لڑائی کے ختم ہوتے ہی ازبک قوم کے  
تاتاریوں نے بڑی عجلت کے ساتھ اپنے  
سفیر اور نگذیب کے پاس بھیجے۔ جس زمانہ میں شاہجہاں نے اُسکو  
اپنی فوج کا سپہ سالار بنا کر خان سمقند کی مدد کو جو خان بلخ سے  
لڑ رہا تھا بھیجا تھا یہ بہت سی لڑائیوں میں اُسکی بہادری اور جنگی لیاقتیں

\* امام قلی خان اور نذر محمد خاں ازبک قوم کے دو بادشاہ اور سگے بھائی تھے  
اور ان کے باہم ملک اس طرح تقسیم تھا کہ سمقند اور بخارا امام قلی خاں اور  
بلخ و بدخشان نذر محمد خاں کے پاس تھا۔ لیکن جب امام قلی خاں مال  
بصارت کی وجہ سے تگمظہ کو ہجرت کر گیا تو سمقند اور بخارا بھی نذر محمد خاں  
کے قبضہ میں آگیا۔ مگر اسکی سخت گیری اور سوسے تدبیری سے اُمرانہایت تنگ آ گئے  
اور اُنہوں نے اسکے بڑے بیٹے عبدالعزیز خاں کو بھر بخارا اور سمقند  
کا علمدہ بادشاہ بنالیا اور صرف وہی بلخ اور بدخشان اسکے پاس رہ گیا۔ لیکن چونکہ ہا  
بھی بے انتظامی اور اتیری پھیل گئی تو مجبور ہو کر اسنے یہ حماقت کی کہ شاہجہاں سے  
امداد کا طالب ہوا جو بلخ و بدخشان و سمقند و بخارا کو اپنا ملک سوروئی سمجھا کر  
اپنے قبضہ میں لانے کا نہایت آرزو مند تھا اور اسکی اُس حرکت کو بھی نہ بھولا تھا جو اسنے  
جہانگیر کا مزا سننے ہی کا بل کو آن گھیرا تھا۔ پس اسنے موقع کو غنیمت سمجھ کر شہزادہ مراد بخش  
اور امیر الامرا علی مراد خاں کو امداد کے میلہ سے بلخ کو روانہ کیا اور خود بھی کلاہور سے  
کابل کو کوچ کر دیا۔ چنانچہ جب بلخ سے ایک منزل پر نذر محمد خاں نے اپنے دو بیٹوں  
بہرام اور شبحان فلی کو شہزادہ کے استقبال کے لیے بھیجا تو بعد بہت سی خاطر و دلائل  
کے انکو یہ پیغام دیکر واپس بھیج دیا گیا کہ آپ اطمینان رکھیں ہم ہمیشہ لڑکر کے ساتھ آپکی مدد کے  
لیے آن پہنچے ہیں۔ مگر جب اگلے روز بلخ پہنچا تو امداد کی جگہ قلعہ پر قابض ہو جانا چاہا اور یہ  
دیکر نذر محمد خاں مع اپنے ایک بیٹے کے مجبوراً ایدان کو بھاگ گیا اور اُنہوں نے  
بارہ لاکھ روپیوں اور چڑاؤ اور طلائی چیزوں اور ڈھائی ہزار گھوڑوں اور تین سو اونٹوں پر

دیکھ چکے تھے اور اس سبب سے ڈرتے تھے کہ مبادا اسکو انکی دغا بازی یاد ہو کہ جب وہ دشمن کے تحت گاہ بلیخ پر قبضہ کر لینے کو تھا انہوں نے باہم صلح کر کے اسکی سپاہ کو اپنے ہاں سے نکال دینے کے لئے اسوجہ سے بالاتفاق کوششیں کی تھیں کہ کہیں اسی طرح دونوں ہی کا ملک

فیہا نشید صحابہ

جو قلعہ میں تھو قبضہ کر لیا اور اسکے دو بیٹوں اور تین لڑکیوں کو شاہجہاں کے پاس کابل بھیجا یا نہیں سے بہرام کو مصلحتاً پنجہزاری کا منصب عطا ہوا اور عبدالرحمن کو تربت کے سینے دار اسکوہ کے سپرد کیا گیا اور لڑکیوں کو بادشاہ کی بڑی بیٹی سورف بیگم صاحبہ بہت اعزاز سے اپنے پاس رکھا مگر جب مرزا بخش چند رعایاں بھیج کر اناظر حکم کے واسطے آیا۔ اور سعد اللہ مرخان وزیر سے بھی دانا بخوبی نظم و نسق ہو سکا تو شاہجہاں نے اورنگ زیب کو بھیجا جو جادی الاول تھا (ایکنا چھپن) ہجری کی پہلی تاریخ کو وٹاں پہنچ گیا اور زندہ محمد خاں کو بیٹے عبدالعزیز خاں الی بخارا و سمقند اور آذربائیجان سر داروں سے جو نہایت عجم پرور تھے خوب لڑائیاں ہوئیں اور اورنگ زیب نے وہ جستی و جلال کی اور جو اندری دکھائی کہ دشمن بھی دنگ ہو کر چٹک چٹک کر انکوں نے اپنی زبردست کمائوں سے تیروں کا منیہ برسا رکھا تھا فوج کا دل ٹانیکو اپنی زرہ آواز ملی اور ڈھال کھوکھلے کی اور کہا آج ہی طرح لڑینگے۔ اور ایک اور لڑائی میں جبکہ مخالفوں نے نہایت ہی انبوہ کر رکھا تھا سواری سے اتر کر ایسی شکاری اور اطمینان کے ساتھ نماز ظہر باجماعت ادا کی کہ جسکی کیفیت سننے سے عبدالعزیز خاں کو اُسکے آگے سر جھکانا اور شاہجہاں کو حضور علیہ السلام کی شان میں بھی اورنگ زیب کی خدمت میں نہایت خضر طاعت اظہار ہو گیا اسکو دیر سے ہی اور صلح کی دعوت کی جبکہ شاہجہاں نے نہایت عقلی کر کے اسوجہ سے قبول کر لیا کہ جا کر ویرہ ابنا صیغہ ہو چکا تھا اور فائدہ کچھ بھی تھا۔ اور اورنگ زیب اسی طرح ملک کو خالی کر کے واپس چلا آیا جس طرح کہ اب پارسا سنو تین برس کی لڑائی اور بامیں کرور و پیکہ ضایع اور امیر شہر علیخان کو خاندان کے بالکل برباد کر ڈالنے کے بعد لاق و سیر ہندوؤں کو آخر کار شہر علیخان کو چاروا بھائی احمد علی خان کو ملک افغانستان حوالہ کر دینا پس خیال کیا اور جنرل سترالڈ اسٹوارٹ اور جنرل فریڈرک لاسکے اور جین پریٹل اور سیر لیل کو فوج اسکو کابل سپرد کر کے واپس چلا آؤ۔ اور پھر ڈاکٹر وزیر کی غلطی ہو کر لکھا ہے کہ اورنگ زیب خان بہادر کی امداد کو جو خان بلخ سے لڑا تھا بھیجا گیا تھا۔ سمجھ

(راخو از بادشاہ ہند و عالمگیر نامہ)

نہ چھن جائے جس طرح اکبر نے کشمیر چھین لیا تھا \*

سلسلہ (سات سو پندرہ) ہجری میں ایک شخص ساہو نامے جو اپنے کو گرشاسپ کی نسل سے (یعنی ایرانی نژاد گشتا تھا) راجہ سہدیو فرما کر اسے کشمیر کا (حکم سنبھالنے کا) نام لے کر شہر کی غلطی سے سہدیو اور اولاد راجہ اگرچہ باندھ دے لکھا ہے) ملازم ہو کر عہدہ خدمتوں کے باعث روز بروز نہایت صاحبِ اقتدار ہو گیا تھا چنانچہ سلسلہ سات سو پندرہ ہجری میں جب سہدیو کا بیٹا جرجہ نام راجہ تھا مگر کیا تو اسکا اقتدار و سلطنت وزیر شاہ میدہر اس ساہو کا بیٹا تھا سلطان شمس الدین لقب مقرر کر کے خود ہی راجہ بن گیا۔

اس طرح پرنسپل راجاؤں کی حکومت کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا اور دوسو تیرہ برس پشتِ شمس الدین کی اولاد کے لوگ متواتر حکمرانی کرتے رہے۔ مگر جب اس سلسلہ کے اخیر بادشاہ حبیب شاہ بن نازک شاہ کو (جو سہدیو کے بیٹے کی طرح صرف جرجہ نام بادشاہ تھا) سلسلہ نو سو چھترہ ہجری میں اُسکے کشمیری وزیر غازی خاں چکن نے بیدخل کر دیا تو سلطنت چکوں کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اور غازی خاں کی وفات کے بعد جرجہ کے بھائی حسین شاہ اور علی شاہ نوبت بنوبت بادشاہ ہو کر نو حسین شاہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کی خدمت میں تھوڑے عرصے تک اظہارِ اطاعت کرتا رہا اور علی شاہ نے یہاں تک تابعداری اختیار کی کہ اکبر کا خطبہ اور سب سے بھی جاری کر لیا اور شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے لیے اپنی بیٹی کا دُولہ بھی پروا دیا۔

جس واقعہ کا ذکر اکبر نے نویدِ اشارہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب سید مبارک خاں نامے ایک کشمیری سردار نے علی شاہ کے بیٹے یوسف شاہ کو کشمیر سے خارج کر دیا اور وہ مرزا سید یوسف خاں مشہدی صوبہ دار پنجاب کے ذریعہ سے استمداد کے لیے مقام قنوجور سینکڑی اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اسنے میرزا سے مذکور اور راجہ مان سیننگوالی جو دھپور کو اسکی مدد کے لیے امور فرمایا اور شاہ ہجری میں خفیت مقابلہ کے بعد کشمیر پر اُسکے قبضہ میں آگیا۔ سلسلہ نو سو نو اسی ہجری میں اکبر نے کابل سے آتے ہوئے جلال آباد سے ایک ایچی مع فرمان کے روانہ کیا اسنے فرمان کا استقبال کیا اور حیدر خان عرف یعقوب اپنے بیٹے کو بہت سے تحفہ شریف کے ساتھ اکبر کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہ شاہزادہ ایک برتن

چونکہ یہ اُن تمام واقعات سے جو ہندوستان میں گزری تھے اور اورنگ زیب کی فتوحات اور سلطنت کے دوسرے دعویداروں کی کامل بربادی اور موت سے خوب واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگرچہ

حاضر دربار را - مگر کبھی جو کسی ہشت و گھبراہٹ کو اجازت کشتہ کو چلا گیا۔ اب اکبر کو ملک پخصہ کرینے کے لیے خاصہ بہادری اور یوسف شاہ کے نام ایک سخت فرمان جاری ہوا کہ خود حاضر ہو کر با بیٹو کو حاضر کرے۔ مگر جب تھیل میں (جیسی کہ پہلے ہی سے توقع تھی) چلے پہانے ہو کر تو کشتہ کو فوج بھیج دی گئی۔ اور جب یوسف شاہ اپنے بیٹے کے جو اس صحبت کا باعث ہوا تھا میدانِ شاکہ نفع اور راجہ بھگوت داس اُمراؤ شاہی امور ہم کے لشکر میں حاضر ہو گیا تو کشتہ کو فوج جو اپنی آزادی کو قائم رکھنا چاہتے تھے اس پر ناراض ہو کر حسد و جنگ کو اپنا حاکم بنا کر مقابلہ کی تیاری کر دی۔ مگر یعقوب باپ کو چھوڑ کر پھر کشتہ کو بھاگ گیا اور کشمیریوں نے اسے شاہ اسماعیل کا لقب دکر بادشاہ بنالیا۔ لیکن اب ایک سخت طوائی کے کشمیری سردار شلوب ہو کر حاضر ہو گئے اور سلطان (نوسو ترانوے) ہجری میں اکبر کا سک خلیج جاری ہو گیا۔ اور زعفران اور ریشم اور شکادی پرندے بطور خراج مقرر ہو گئے۔

بعد اسکے اگرچہ یوسف شاہ بادشاہ کی خدمت میں بذات خود حاضر تھا مگر یعقوب اب بھی جیسی چاہیے اطاعت نہیں کرتا تھا۔ ایسے پھر فوج کشی ہوئی اور اگرچہ وہ اور شمشجک کچھ عرصہ تک مقابلہ کرتے رہے مگر آخر کار شمشجک وغیرہ کشمیری سردار سب حاضر ہوئے اور ملک کشمیر سلطنت خلیہ ہو کر مرزا یوسف خان مشہد خانی جولیاقت اور دانشمندی میں مشہور شخص قاصوبہ دار مقرر ہو گیا۔ اور اب کشمیری ایسے شلوب ہوئے اور اُن کا چہ کو تہ اندیش بادشاہ یعقوب اس حالت کو پہنچا کہ ۱۹ (نوسو شانوی) ہجری میں جب شہنشاہ کشمیر کی سیر کو گیا تو دربار حیدر الفطر کے روز مرزا یوسف خان کی سفارش سے جو اسکی تصویر معات ہوئی تو اکبر نے بجا تاج کشی کے اس کو اپنی پادشہ عطا کی !! جس کو وہ اپنی گڑھی پر باندھ کر دربار میں حاضر ہوا۔!!

(ماخوذ از سیرالساخرین و گلزار کشمیر وغیرہ)

شاہجہاں زندہ ہے مگر فی الواقع اب اُسکے بیٹے کے بادشاہ ہونیکو  
 سب نے مان لیا ہے۔ ایلئے انتقام کے خوف یا جہلی طمع اور طبی  
 لالچ کی تحریک سے اس امید پر کہ شہنشاہ ہندوستان کے اُس سے  
 عمدہ عمدہ تھے ہتھ آئینگے مبارکباد کہنے اور خدمت کے لیے اپنی  
 آمادگی ظاہر کرنے کو انہوں نے اپنے اپنے الچی روانہ کیے مگر  
 فتح کے بعد یہ پیغام جس قدر کے قابل تھے اڈرنگ زینب اُس سے  
 بخوبی واقف تھا اور خوب جانتا تھا کہ صرف سزا کے خوف یا مال کی طمع  
 سے ان کو بھیجا ہے۔ لیکن تاہم مناسب طور پر ان کا استقبال اور خاطر  
 تواضع عمل میں آئی اور چونکہ اُس روز دربار میں نہیں بذات خود موجود تھا اسلیو  
 ہر ایک بات کو صحیح طور پر بیان کر سکتا ہوں۔ چنانچہ سینے دیکھا کہ انہوں نے  
 دربار ہندوستان کی رسم ادب کے موافق کسیدر فاصلہ سے بادشاہ  
 کو سلام کیا۔ یعنی سر جھکا کر اور تین دفنہ اپنے ہتھ زمین تک لیجا کر اور پھر  
 پیشانی تک لاکر تین بار سلام کیا اور اسکے بعد اگرچہ وہ اسقدر نزدیک  
 پہنچے کہ اڈرنگ زینب خود ان کے ہتھ سے خریطے لے سکتا تھا لیکن  
 یہ رسم ایک امیر کی معرفت ادا ہوئی۔ یعنی اُس نے ان سے لیکر کھوے  
 اور پھر بادشاہ کو دیئے۔ اور اُس نے بڑی منانت اور وقار سے پڑھ کر حکم  
 دیا کہ ہر ایک سفیر کو ”سراپا“ (جسے معنی میں سر سے پاؤں تک کا لباس اعانت  
 ہو۔ چنانچہ زینب کی ایک ایک قبا اور ایک ایک پگڑی اور ایک ایک  
 زیر کار ریشمی شلکہ عطا ہوا اور اسکے بعد جو شایف وہ اپنے اپنے ”خان“



کی طرف سے لائے تھے پیش ہوئے۔ یعنی نہایت عمدہ لاجپور کے بنے ہوئے کئی صندوقے اور لمبے لمبے بالوں والے کئی اونٹ اور چند نہایت خوبصورت ترکي گھوڑے (اگرچہ وہاں کے گھوڑوں کی زیادہ تعریف اصالت ہی کی ہے) اور بمقدار کئی اونٹوں کے بوجھ کے تازے میوے مثل سیب۔ ناشپاتی۔ انگور اور سرووں کے جو دہلی میں اکثر اسی ملک سے آتے اور جاڑے بھر بکا کرتے ہیں اور اسقدر خشک میوے مثل آلو بخارا۔ خوابانی اور کشمش اور دو قسم کے اوز سفید اور سیاہ انگور جو بہت بڑے بڑے اور نہایت لذیذ تھے جنکو ملاحظہ فرما کر اور گنگ زینب نے سفیروں سے فرمایا کہ خان صاحبوں کے ان تحایف سے ہم بہت خوش ہوئے۔ اور میوؤں کی خوبی اور اونٹوں اور گھوڑوں کی عمدگی کی بڑے سبالغے سے تعریف کی۔ پھر انکو ملک کی زرخیزی کا کچھ ذکر کر کر اور سمرقند کے مدرسہ اعظم کی بابت چند باتیں پوچھ کر کہا کہ اچھا اب آرام کیجئے۔ اور گاہ گاہ دربار میں آتے رہتے ہم آپکی ملاقات سے خوش ہو گئے۔ چنانچہ جس طرح ان ایلیچیوں کا استقبال وغیرہ ہوا اُس سے یہ بہت خوش اور رضامند و بار بار سے نصحت ہوئے اور ہندوستان کے طرز سلام سے جو فی الواقع ایک ذات ہر کچھ رنجیدہ نہ تھے۔ اور نہ اس سے کچھ ناراض تھے کہ خود بادشاہ فرما رہے

۱۰ کتاب خون الادویہ میں لکھا ہے کہ کاشغر، دافع ترکستان کا ننگ لاجپور

سب سے بہتر ہوتا ہے۔ - س م ح

ہاتھ سے خریدے کیوں نہ یے اور مجھے یقین تھا کہ اگر ان سے آداب میں بڑ  
بجالانے یا اس سے بھی زیادہ کسی اور رسم انکسار کے ادا کرنے کی  
خواہش کیجاتی تو یہ اسکو بھی بلا عذر قبول کر لیتے لیکن یہ بھی سمجھ لینا چاہیے  
کہ اگر یہ اپنے ملک کے دستور کے موافق سلام کرنے یا بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے  
خریطے دینے کی ہمت عا کرتے تو یہ منظور بھی ہوتا۔ کیونکہ یہ رعایتیں صرف  
ایران ہی کے سفیروں کے ساتھ ملحوظ رہتی ہیں۔ بلکہ ان کو بھی ہزار وقت  
سے یہ اجازت ملتی ہے۔

یہ لوگ چار مہینے سے زیادہ دہلی میں رہے۔ اور اگرچہ کئی بار  
چاہا مگر خست نہ ملی اور اتنے دنوں تک یہاں رہنا انکی تندرستی کے  
لیئے ایسا سفر ہوا کہ یہ اور ان کے اکثر ہمراہی علیل ہو گئے۔ بلکہ کئی شخص تو  
مر بھی گئے۔ مگر مجھے شبہ ہے کہ ان کو گرمی کے باعث جسکے یہ عادی تھے  
یہ تکلیف ہوئی یا کہ جسم اور لباس کی کثافت اور خوراک کی قلت کے سبب  
سے کیونکہ اُن بک غالباً تمام دنیا کے لوگوں سے بڑھکر خمیس اور بخیل اور

۱۵ شہنشاہ جلال اللہ بن محمد اللہ کے زمانہ میں جو لباس اور رسوم و رباہ وغیرہ میں تالین  
قلوب کو یے بہت کچھ نہ دراجاؤں کا طرز اختیار کر لیا تھا لوگ جس طرح راجاؤں کو ڈنڈت کرتے  
تھو دربار کے وقت بجائے سلام کے بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا گرجا بھمان اور تخت پر بیٹھ ہی اسکی نعمت  
کی اور جمہایت خلی سہ سالار کی راسی اسکی عوض آداب میں دس سترہ ہوا یعنی جب کوئی سلام کو حاضر ہوتا  
چاہے کہ بادشاہ کو ستود و نواں تھن زین پر یک کرا انکی پشت کو حرم لیا کر اور ساتھ اور علماء شیخ اور درویشوں کو حکام  
کہ صرف سلام کر لیا کریں اور خست کے وقت تھ پر ہد ویا کریں گرجا کہ یہیں جبکہ سنا طرح کی ہست قبی خدایان  
اسکو بھی خوف زیادہ اسکی عوض چھٹی سیلتا موز کردی جو ایک شام میں جسکو آگاہ کہا جاتا تھا لوگ بجا آغور۔ اخوان بادشاہا  
سمع ۱۱

کثیف رہنے والے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ اس سفارت میں آئے تھے سب کو سب جو روپیہ خراج کے طور پر اڈرنگ زیب کی طرف سے اُنکو ملتا تھا برابر جمع کیے جاتے تھے اور ایسی خست سے گزران کرتے تھے جو کسی سوج بھی اُن کے مناسب حال تھی مگر بایں بہانہ ان کی نصحت کے وقت بڑی دھوم دھام اور رسم رسوم کا علمدار رہا یعنی ایک ایسے دربار میں کہ جس میں تمام اُمراء حاضر تھے دونوں ایلیچوں کو بیسے بیش قیمت سراپا عطا ہوئے اور حکم ہوا کہ دونوں کے ڈیرے آٹھ آٹھ ہزار روپیہ نقد بھی بھیجا جائے اور ان کے آقاؤں کے لیے بھی بہت گراں بہا سراپا یعنی بہت سے عمدہ عمدہ تھان لفظ کے اور کتنے ہی تھان تن زیب اور ملل کے اور چند لالچے جو ایک ایسا کپڑا ہوتا ہے جو سنہری روپہلی زری اور لیشم ملا کر بنایا جاتا ہے اور چند قالین اور بڑا وقفہ کے دو چھوٹے ہتھیار لیکر

عالمگیر اور ناصر عالمگیری سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سفیر ایک ہی وقت میں نہیں آئے تھے بلکہ شہنشاہ قلی خان خلف نذر محمد خان والی بلخ کا سفیر جس میں جاری النانی شہنشاہ اکبر اور ہجری کو حاضر ہوا اور شاہی میز ترک شہر سے باہر استقبال کر کے آئے دو دربار میں لایا اور خلعت کے علاوہ صبح پٹی اور پتہ ہزار روپیہ نقد عطا ہوا تھا اور چونکہ دیر سے بیمار اور ناتوانی اور ضعف کی حالت میں یہاں پہنچا تھا اس لیے جو بھی جب سنہ مذکور کو ایک صبح پٹری جو بڑی بڑی امیروں کو اعزاز اس غرض سے عطا ہوتی تھی کہ اس کو سہاگ سے دربار میں کھڑے کر کے عطا ہوئی اور دوسو تولی ایک اشرفی اور اسی وزن کا ایک روپیہ عنایت ہوا مگر وہ چند روز بعد ہی مر گیا۔ اور اسکو امیروں کو آٹھ ہزار روپیہ نقد دیا کرخصت کیا گیا تھا اور عبد العزیز خان کا سفیر شہنشاہ اکبر کا گشت ہجری میں آیا تھا اور اسکا کابل میں پہنچ جانا اسکو بادشاہ نے ایک سردار کو اسکو غلط تواضع اور مہانداری کے لیے رواد کیا تھا اور جب وہ چوٹی برج انسانی سنہ مذکور کو شاہجہان آباد کے قریب پہنچا تھا تو دہلی کے امیر استقبال کر کے دربار میں لاکر بھیجے اور بیہ کی گھوڑوں اور اونٹوں اور اور جنیروں کے علاوہ چالیس ہزار روپیہ کی قیمت کا ایک لعل بھی تحفہ میں لایا تھا اور چونکہ یہ بھی بیمار ہی آیا تھا اس لیے

سفیران ازبک کرساتھ مصنف کی ملاقات  
اور کھانا کھانا اور صرف حکایات

ان کے قیام دہلی کے زمانہ میں میری  
تین ملاقاتیں ان سے ہوئیں اور مجھے  
میرے ایک دوست نے جبکہ باب ملک ازبک سے دربارِ مغلیہ میں آکر  
بہت دو لہتمند ہو گیا تھا یہ کہہ کر کہ یہ ایک طبیب ہیں ان سے ملا دیا تھا۔  
ان ملاقاتوں سے میرا یہ مدعا تھا کہ حتی الامکان ان کے ملک کے کچھ حالات  
دریافت کروں مگر وہ اس قدر بے علم اور جاہل نکلے کہ جبکہ مجھے وہم و گمان  
بھی نہ تھا یہاں تک کہ اپنے ملک کی حدود سے بھی واقف نہ تھے اور جن  
تئاریوں نے چند ہی سال گزرے ملک چین پر غلبہ حاصل کیا تھا انکا  
کچھ بھی حال نہ بتا سکے۔ خلاصہ یہ کہ ان سے ایک بھی نئی بات معلوم نہ ہو سکی۔  
ایک دفعہ مجھے یہ شوق ہوا کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤں اور چونکہ یہ روم تکلف کو  
چنداں آشنا نہ تھے اسلئے ان کے شریک طعام ہو جانے میں مجھے کوئی مشکل  
پیش نہ آئی۔ مگر ان کا کھانا بہت ہی عجیب و غریب نظر آیا یعنی بجز گھوٹے کے  
گوشت کے کوئی بھی چیز نہ تھی۔ مگر ہر حال میں اپنے کھانے کا کچھ ڈھنگ  
نکال لیا۔ کیونکہ دسترخوان پر ایک قاب میں کچھ گوشت ایسی ترکیب سے بچا ہوا بھی  
ہل کتابیں لفظ ڈاگو لکھا ہے جو ترکستان میں ایسوسال کو کہتے ہیں جو کئی قسم کا گوشت کی ہڈیاں اور

معا کے لاکھ تکلف تیار کیا جاتا ہے۔ ڈاگو Ragout س ۲۲ ح

خلعت اور مرغ خنجر اور آٹھ ہزار روپیہ نقد کر علاوہ ایک مرغ چھڑی اسکو بھی غنایت ہوئی تھی اور خدمت کے  
روز پھر خلعت میں خنجر مرغ اور میں ہزار روپیہ نقد کر مرمت ہوا تھا اور آٹھ کون جو خدمت کر دے تک اس ایک کھانے  
ہزار روپیہ اسکو دیا گیا تھا۔ میں معلوم ہوتا ہوں کہ ڈاکٹر بنڈر نے غالباً اپنی یاد کی غلطی سے ان دو روپیہ کو  
آٹھ کو لاکھ لکھ دیا ہے۔ س ۱۲ ح

تھا کہ جسکو میں نے کھانیکے قابل سمجھا اور آداب مجلس کے لحاظ سے اسکی تعریف بھی کرتا رہا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک وہ نہایت ہی خوش ذائقہ غذا تھی۔ کھانا کھانے میں ایک حرف بھی کسی کے مونہ سے نہیں نکلتا تھا۔ اور میرے یہ لطیف مزاج! میزبان جب قدر مونہ میں سا سکتا تھا!! ماتحت سے گھوڑے کا گوشت ٹھونسے چلے جاتے تھے۔ کیونکہ چمپے کھانا بالکل جانتے ہی تھے۔

۱ افغانستان اور ترکستان کے لوگ چھوٹے چھوٹے نرے بنا کر کھانے کو اکٹھا کر لیں سمجھتے ہیں اور چینیوں کے سوا جیکے کھانا کھانے کا طرز اہل یونپ سے بہت کچھ مشابہ چمپے کا نٹے اور چمپے سے کھانا کھانیکا رواج مالک انڈیا میں کبھی بھی نہ تھا اور انک بھی اسنے کچھ زیادہ رواج نہیں پایا۔ اور کھانیکے وقت کم بولنا آداب حمام میں سمجھا جاتا ہے اور ترکستان میں گھوڑے کر گوشت کا عام رواج ہے۔ چنانچہ میرے محترم دوست ہرکولوی محمد حسین صاحب نے اُرداد جنہوں نے ترکستان کی خوب سیر کی ہے اپنا ایک خط میں یوں ارقام فرماتے ہیں "گھوڑے کا گوشت اس ملک میں عام و عام ہے۔ بازار اور مقامانی میں جو بڑا عریض اور طویل بازار ہوتا ہے میں نے دیکھا ہے کہ گوشت کی دکانیں اور بچے و دکانوں پر اور دکانوں کے آگے جو کرکڑے ہوئے ہوتے ہیں انپر لٹکتے ہوتے ہیں۔ جس کو کرکڑے کی دُم لٹکتی ہے وہ گویا لٹ لگا ہوا ہے کہ یہ گھوڑے کا گوشت ہے! اور سپر گائے کی دُم لٹکتی ہے سچھا کہ یہ گائے کا گوشت ہے! جب ہم کابلی سے بلخ کو روانہ ہوئے تو کئی دُندِ اُن شیلن سے اُترتے ہوئے ہمارے قافہ سالار کا گھوڑا گرا وہ اُترائی بھی میل بھر سے کم تھی ایسے مقاموں میں گر کر گھوڑے یا اونٹ کا سنبھلنا تو ممکن ہی نہیں گھوڑا چور چور ہو گیا۔ سامنے ہی ایک گاونڈ تھا لوگ وہاں کے سنتے ہی چمپے سے لیکر دوڑے اور تھک بونی کر کے یگئے اور اپنی انڈیاں جاگرم کیں، کیا تعجب کی بات ہے کہ جس قوم کا ایک مصنف گھوڑے کے گوشت کھانے پر ایک کی منسی اُڑتا ہے اسی کی قوم کے لوگ جب شمشاد اٹھارہ سو تتر عیسوی کی لڑائی میں سپاہ برمنی نے اُن کے تختہ کا پیرس کو گھیر لیا اور اہل شہر گھوڑے وغیرہ جانوروں کے گوشت

لیکن اس لطیف غذا سے جب خوب پیٹ بھر گیا تب تو انکی زبان کھلی اور خوش اختلاطی کی راہ سے مجھ سے بدلائیل کہنے لگے کہ از باب سب لوگوں سے زیادہ قوی ہو سکیں ہیں۔ اور تیر اندازی میں دنیا کی کوئی قوم انکی برابری نہیں کر سکتی۔ اور یہ کہ کراپنے تیر اور کمانیں منگائی جو فی الواقع ہندوستان کی کمانوں اور تیروں کی بنسبت بہت لمبی تھیں اور کہا کہ ہم شرط لگاتے ہیں کہ اپنا تیر گھوڑے یا بیل کے جسم سے پار کر دے سکتے ہیں۔ اور پھر اپنی دیہاتی عورتوں کی طاقتوری اور بہادری کی اس قدر تعریف کرنی شروع کی کہ گویا امیزلوں کو بھی ان کے مقابلہ میں بہت نازک اندام اور ڈرپوک سمجھنا چاہیے

کھانے پر مجبور ہوئے تو ضلع ہوجانیکے بعد بھی کچھ عرصہ تک بڑے شوق اور تکلف سے گھوڑوں کی رانوں کے کباب اپنی میزوں پر لگاتے اور آواز تو ہم یورپ کی ہنسی اور مذاق کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ س م ح ۱۲

امیزون Amazon اس کا اشتقاق یونانی لفظ میڈاس سے ہے جسکے معنی پستان کے ہیں اور جس طرح قدیم فارسی اور سنسکرت میں ہم کے پہلے الف لگا کر جانے سے اسکو سننی نفی کے ہوجاتے ہیں اسی طرح حرف انے کے ملنے سے جو بنزل الف کے ہوا اسکے معنی بن جھاتی والی عورت کے ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں یورپ کے شرق میں عورتوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اپنی داہنی جھاتی اس غرض سے کاٹ ڈالتی تھیں کہ تیر اندازی اور نیزہ بازی کرنے میں کچھ اُجھاؤ نہ پڑے اور مردوں کو اپنی محبت میں دخل نہ دیتی تھیں اور ایسی قوی اور جنگجو تھیں کہ بکرا سود کے ساحل معروف یوگن Euxine پر ایشیا کو چمک میں تھرموڈون Thermo don ندی کے کنارے ایک سلطنت قائم کر لی تھی اور تھرموڈون دلیزانہ سے قریب جوا کی قوم کو مسخ اور مغلوب کر رکھا تھا۔ مگر بعض مؤرخ ان روایتوں کو صرف افسانہ خیال کرتے ہیں۔ بہر حال اس روایت کی وجہ سے فرنگستان میں بہادر اور اثر مند عورتوں کے لئے یہ لفظ عملاً ایک نعت قرار پایا ہوا ہے۔ س م ح ۱۲

اور انکی بہادری وغیرہ کے بہت سو قصبے سنائے۔ چنانچہ بالخصیص ایک قصہ نے تو مجھکو بھی تعجب میں ڈال دیا۔ مگر افسوس ہے کہ میں اُسکو اُس آج تاب کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا کہ جس کے ساتھ انہوں نے بیان کیا تھا۔ یعنی جس زمانہ میں اورنگزیب اُزبکوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف تھا اتفاقاً چھپتیس سواروں کا ایک گروہ جو ایک چھوٹے سڑگانوں میں جاگھسا اور گھروں کو ٹوٹنے اور غلام بنانیکے لئے لوگوں کو پکڑنے باندھنے لگا تو ایک بڑھیا نے اُن سے کہا کہ بٹیا میری صلاح مانو اور ان حرکتوں سے باز آؤ اور اپنی خیریت چاہتی ہو تو جلد یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میری بیٹی جو باہر گئی ہوئی ہے اور جلد آیا چاہتی ہے اگر تمہارے آن پڑگی تو تمہارا کیا اور نہ کیا سب برابر ہو جائیگا۔ لیکن انہوں نے اس بیچاری نیک دل بڑھیا کی بات یوں نہیں ٹھٹھے میں اڑادی اور بدبو گھروں کو لوٹتے اور لوگوں کو پکڑتے باندھتے رہے مگر جب لوٹ کے مال سے اپنے گھوڑے ٹٹولا دیئے اور گالوں کے بہت سے باشندوں اور خود اُس بیچاری بڑھیا کو بھی قید کر کے لے چلے تو کوس دیرھ کوس بھی نلگے ہونگے کہ یہ بڑھیا جو بار بار پیچھے کو مڑ کر دیکھتی جاتی تھی خوشی سے چلا کر بولی ”میر سی بیٹی!“ ”میر سی بیٹی“ اور اگرچہ وہ ابھی نظر سے اوجھل تھی مگر معمول سے زیادہ گرد اڑتی دیکھ کر اور گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سن کر اُسکی فکر مند ماں کے دل میں شک نہ اُٹھا کہ میری بہادر بیٹی مجھے اور میرے رفیقوں کو ہر جم دشمنوں کے ہاتھ

سے چھوڑ لینے کے لیے آئینچی ہے اور وہ یہ الفاظ کہہ نہ چکی تھی کہ وہ لڑکی ایک برق و شگھوٹے پر سوار گلے میں کھان ڈالے اور کمر سے ترکش باندھے ہوئے دیکھائی دی اور دُور ہی سے للکاری کہ اگر سب مال رکھ دو اور قیدیوں کو چھوڑ کر چلے اپنے مکان کو چلے جاؤ تو میں اب بھی تمہاری جان بخشی کرتی ہوں! مگر انہوں نے جس طرح بچاری بڑھیا کی بہت وساحت پر کچھ خیال کیا تھا اُسی طرح اسکی بات پر بھی کچھ توجہ نہ کی لیکن جب اُسے آن کی آن میں تین چار تیر مار کر اُٹنے ہی سپاہیوں کو زمین پر گرا دیا تب تو وہ سخت حیران ہوئے! اور فوراً اپنی کمانیں سنبھال لیں! لیکن لڑکی اُنکی زد سے بہت دُور تھی اور نہ ہستی تھی کہ کیا خوب! یہ نامرد اب اپنے فریقوں کا بدلہ لایا چاہتے ہیں! الغرض وہ اس زور سے تیر مارتی اور ایسا ٹھیک نشانہ لگاتی تھی کہ جسے دیکھ کر یہ خوف زدہ ہندو و سستانی سوار کمر بکے رہ گئے اور اُسے آوے تو تیروں سے مار لے اور باقی رہتوں پر تلوا کر کرے اُن پڑی اور سب کو کمرے کمرے کر ڈالا۔

ابھی یہ تاتاری سفیر دہلی ہی میں تھے کہ اُردنگ زینب ایک سخت بیماری میں مبتلا

اُردنگ زینب کا تپ سوا بہرہ  
اور اُسکے متعلق بعض واقعات

ہوا۔ چنانچہ شدتِ بخار سے ہدیان ہوتا تھا۔ اور زبان ایسی اینٹھ گئی تھی کہ بات مشکل موندہ سے نکلتی تھی۔ طبیب نا اُمید ہو گئے تھے اور عموماً افواہ اُڑ گئی تھی کہ بادشاہ مر گیا ہے۔ مگر روشن آراہینم کسی غرض سے اس بات کو چھپائے ہوئے ہے۔ اور یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ راجہ جسونت سنگ



صوبہ دار گجرات شاہجہاں کو قید سے چھڑانے کے لئے چلا آتا ہے اور اسی ارادہ سے مہابٹ خاں صوبہ دار کا بل بھی (جسے آخر کار اورنگ زیب کی اطاعت قبول کر لی تھی) تین چار ہزار سواروں کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھا آتا ہے۔ بلکہ لاہور سے بھی آگے نکل آیا ہے۔ اور یہ بھی شہرت تھی کہ اِعتَبَار خاں خواجہ ستر شاہجہاں جسکی حراست میں تھا نہایت بقراری سے چاہتا ہے کہ اُس بدمعہ بادشاہ کو رہائی دینے کی ناموری مجھے حاصل ہو۔

اور سلطان محمد کا یہ حال تھا کہ امیروں کو وعدے وعید اور رشوتیں دیکر اپنا طرف دار بنانیکے لئے کوشش کر رہا تھا یہاں تک کہ ایک روز رات کو بھیس بدل کر راجہ جھسنگ کے مکان پر بھی گیا اور نہایت منت جنت کے ساتھ اُس سے کہا کہ آپ علانیہ طور پر میرے جانب دار بنجائیے۔ اور درویش آرا بیگم نے کئی ایک امیروں کے اتفاق سے جن میں (توپخانہ کا امیر اعلیٰ) فدا آئی خاں میں آتش بھی تھا یہ بندوبست کر رکھا تھا کہ اورنگ زیب کے تیسرے بیٹے سلطان اکبر کو جسکی عمر ابھی سات آٹھ ہی برس کی تھی تخت نشین کریں اور دونوں فریق نے شہرور کر رکھا تھا کہ ہمارا اصل مدعا شاہجہاں کا قید سے چھڑا دینا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف عوام الناس کی تالیف قلوب کے لئے ایک بہانہ تھا اور یہ بھی غرض تھی کہ اگر بالعرض اِعتَبَار خاں یا اور امیروں کی مخفی سازش سے وہ چھوٹ جائے تو لوگوں کی نظر میں ہماری بات بنی رہے حالانکہ جتنی تہ

اور مقتدر لوگ تھے شاہجہاں کا مکر تخت نشین ہونا دل سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ بجز جسٹونٹ سنگھ اور مہابت خاں بعض اور امیروں کے جو علانیہ شاہجہاں کی مخالفت کے مرتکب نہیں ہو تھے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو اُس بیچارے ذی حق بادشاہ کو چھوڑ کر ان کی سے کلمہ کھلاؤدنگ زیب کا ساتھی نہ بن گیا ہو اسیلئے یہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ اُسکا قید سے بکل جانا گویا ایک پھرے ہوئے شیر کا چھوٹ جانا ہے۔ اور اُسکی رہائی کے اندیشہ سے تمام اہل دربار ہراساں ہو رہے تھے۔ اور سب سے زیادہ اعتبار خاں ڈر رہا تھا جو اس بیچارے نصیب قیدی بادشاہ سے بیوجہ بڑی سختیوں اور گستاخیوں سے پیش آتا تھا لیکن آودنگ زیب باوجود شدت مرض کے باپ کی نگہبانی اور سلطنت کو کام کی طرف سے غافل نہ تھا۔ اور اگرچہ سلطان معتظم کو اُسکی تاکید ہی ہدایت اور نصیحت یہی تھی کہ اگر میں مرجاؤں تو شاہجہاں کو قید سے چھوڑ دینا مگر اعتبار خاں کو جو فرمان پر فرمان لکھواتا رہا ان میں برابر یہ تاکید تھی کہ خبردار اپنے کام میں سستی اور غفلت نہ کرنا اور بیمار ہونیسے پانچویں روز جبکہ مرض نہایت شدت پر تھا کہا کہ بھگودر بار میں لے چلو جس سے یہ غرض تھی کہ بعض لوگوں کو جو اُسکے مرجانے کا گمان ہو گیا تھا وہ جاتا رہے اور کوئی عام شورش یا ایسا واقعہ جس سے شاہجہاں قید سے نکل جائے ہوئے نہ پائے۔ چنانچہ انہیں خیالات سے ساتویں اور نویں دن بھی دربار میں آتا رہا اور نہایت تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تیرہویں روز اگرچہ

اتنی دیر تک غش میں رہا کہ عموماً اُس کا مہر جانا مشہور ہو گیا مگر تاہم جوہیں ذرا افادہ  
ہوا تو باہر آیا اور راجہ جگمگ سنگ اور دو تین اور بڑے بڑے امیروں کو  
بلا بھیجا تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ وہ زندہ اور سلامت ہے اور جگمگ  
سے فرمایا کہ ہکو پلنگ پر ذرا بٹھا دو اور اعتدال خاں کے نام کچھ لکھنے  
کے لئے کاغذ اور قلمدان منگایا اور سلطنت کی بڑی مہر جو ایک جھوٹی سی  
تھیلی میں سپر بادشاہ کی دستی مہر لگی ہوئی روشن آرائی کے سپرد تھی  
تھی ایک خاص آدمی کے ہاتھ منگوا بھیجی جس سے یہ امتحان منظور تھا کہ بیگم  
نے اپنی کنجاں بابر غرض کے لئے اسے استعمال تو نہیں کیا۔ چنانچہ جو وقت  
میرے آغانے یہ سب خبریں سنیں تو مینے دیکھا کہ اُسکی زبان سے یہ  
الفاظ نکلے ”واہ واہ کیا استقلالِ سبع! اور کیا حوصلہ ہے! اَوَزَنگ“

خدا تجھے سلامت رکھے تو نے ابھی بڑے بڑے کام کرنے ہیں! اور  
بالضرور ابھی تیری زندگی باقی ہے“ اور فی الحقیقت اس حالت کے بعد  
اُسکی صحت میں رفتہ رفتہ ترقی ہونے لگی۔

اب چونکہ اَوَزَنگ زینب کی طبیعت روز بروز  
اعتدال پر آجاتی تھی اُسکی یہ مرضی ہوئی  
کہ دَازَنگ کی بیٹی کو شاہجہاں اور

اَوَزَنگ زینب کا دَازَنگ کی بیٹی  
سے سلطانِ اکبرؒ کی شادی کا ارادہ  
کرنا اور اس شہزادی کا اسکو نہ مانا

بیگم صاحب کے پاس سے منگا کر سلطانِ اکبرؒ سے جسکی نسبت ولیعہد بنا  
جانے کا اخیال ہے اُسکی شادی کر دے جس سے اُسکی ولیعہدی کو تقویت  
ہونے کی امید تھی۔ کیونکہ یہ شہزادہ اگرچہ ابھی سچا ہے لیکن بہت سے

مقرر امراء کے قریبی ہیں اور نواز خاں (شاہنواز خاں صفوی) کے نواسہ ہونے کی وجہ سے ایسے خاندان سے علاقہ رکھتا ہے جو کئی ماہ میں صنف کے بادشاہ تھے۔ اور محمد سلطان اور محمد معظم کی مائیں صرف راجاؤں کی بیٹیاں ہیں۔

اگرچہ بادشاہان ہند مسلمان ہیں مگر ہندوؤں کے ہاں شادی کر لینے میں ان کو کچھ تامل نہیں ہوتا خصوصاً جبکہ کوئی ایسا رشتہ مہر و ملت کے لئے مفید معلوم ہوتا اور خوبصورت بیوی ہاتھ آتی ہو۔ لیکن اوردنگ زیب کا یہ منصوبہ چل نہ سکا کیونکہ شاہجہاں اور بیگم صاحب نے بڑی نفرت کے ساتھ اس سے انکار کیا بلکہ خود اس نوعمر شہزادی نے بھی نہایت بیزاری ظاہر کی اور مدت تک اس خیال سے کہ باوا زبردستی لیجائیں نہایت تردد اور بیزاری کی حالت میں رہی اور علانیہ کہتی رہی کہ ”جان دید ونگی! مگر اُس شخص کے بیٹے سے شادی نہ کرونگی جسے میرے باپ کو مارا ہو“

ایسی طرح اوردنگ زیب شاہجہاں سے بعض خاص جواہرات کے حاصل کرنے میں بھی کامیاب نہوا جنکو اُس مشہور و معروف

اوردنگ زیب کا شاہجہاں سے بعض جواہرات کا طلب کرنا اور انکا سختی سے جواب دینا۔

تخت میں لگانا چاہتا تھا جب کہ وہ یکبار ایک عالم کو حیرت ہوتی ہے۔ اور قیدی بادشاہ نے نہایت غصہ سے یہ کہہ بھیجا کہ اوردنگ زیب انامی

۱۔ پیچھے کھاجا چکا ہے کہ ان دونوں کی مائیں علحدہ علحدہ تھیں بلکہ ایک ہی رانی یعنی نواب بائی کو بیٹے اور محمد لکھ کی بہن کا شان مستطی نسل ہو رہا تھی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ان دونوں میں ہر طرح کی

اور انصاف سے سلطنت کا کام کرتا رہے مگر تخت کے معاملہ میں دخل نہ دے! اور جواہرات کی بابت اگر مجھے پھر ستائینگے تو خبردار! ان تھمڑوں کو کوٹ کر چور کر دوں گا۔

آخر کار ڈچوں نے بھی اورنگ زیب کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے میں پیچھے رہنا نہ چاہا اور سفیر بھیجنے کا ارادہ کیا اور

ڈچوں کے سفیر مسٹر ایڈریکن کا تخت نشینی کی ادائے تہنیت کو اپنے حاضر ہونا اور اسکے ہم ملاقات -

اس کام کے لیے آئیڈریکن کو تجویز کیا۔ جو انکی سوورٹ کی کوٹھی کا کارپرداز اعلیٰ اور بہت متدین اور ذی لیاقت اور سلیم الرائے شخص تھا۔ اور چونکہ اسکی یہ عادت تھی کہ تجربہ کار لوگوں کی رائے اور مشورت پر چلنے میں اسکو کبھی انکار نہ ہوتا تھا اسلئے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اُسنے اس کام کو اپنے ہموطنوں کے اطمینان کے قابل انجام دیا۔ اور اگرچہ آڈریکن زیب و زینب کے ضابطوں اور دستوروں میں ہمیشہ بڑی کروفر اور شان و شوکت دکھاتا ہے۔ اور اپنی دینداری کا اظہار بھی ہوتا ہی کرتا ہے اور اسلئے عیسائیوں کو ذرا تحارت کی نظر سے دیکھتا ہوتا ہم اس سفیر کے ساتھ وہ بڑی مہربانی اور اخلاق سے پیش آیا۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ہماری یہ خوشی ہے کہ مسٹر ایڈریکن اول ہندوستان کے دستور کے موافق آداب بجالائے یعنی آداب گاہ پر تسلیمات ادا کرے۔ اور پھر نزدیک اگر خاص اپنے ملک کی شہم کے موافق سلام کرے اور اگرچہ یہ سچ ہے

کہ جو شرط مسٹر ایڈریکس لیکر حاضر ہوا تھا اورنگ زیب نے وہ ایک امیر کی وساطت سے لیا تھا مگر اسکو کچھ توہین کی علامت سمجھنا نہیں چاہیے کیونکہ ازبکوں کے سفیروں کے ساتھ بھی ایسا ہی عمل ہوا تھا۔ بعد طے ہونے ان ابتدائی رسوم کے مسٹر ایڈریکس کو اپنے تحائف پیش کرنے کا حکم ہوا اور اسکو اور اس کے چند یورپین ہمراہیوں کو زربفت کے ”سراپا“ پہنائے گئے۔ چنانچہ منجملہ ان تحائف کے کچھ تو سُرُخ اور سبز رنگ کی عمدہ بانات کے تھان تھے اور کچھ بڑے بڑے آئینے اور کچھ چین اور جاپان کی بنی ہوئی عمدہ چیزیں جنہیں ایک بالکی اور تخت رواں نہایت ہی خوبصورت تھا اور بہت ہی پسند ہوا۔

شَاہانِ مُعَلَّیۃ کی یہ عادت ہے کہ غیر ملکوں کے سفیروں کو جہاں بمعقولیت ممکن ہوتا ہے اس غرض سے ٹھہرائے رکھتے ہیں کہ انکا دوبارہ میں حاضر رہنا اور آداب و تعظیم سجالانا سلطنت کی شان و شوکت کا باعث ہے پس ایڈریکس بھی جس جلدی کے ساتھ رخصت ہونا چاہتا تھا نہوسکا۔ اگرچہ تا تا دسی سفیروں کی نسبت اسکو بہت جلد رخصت حاصل ہو گئی یعنی جب اسکا سکیٹری دھلی ہی میں چل بسا اور کئی اور شخص بھی بیمار ہو گئے تو اورنگ زیب نے اسکو رخصت کر دیا اور زربفت کا ایک ”سراپا“ اسکو اور اس سے بھی زیادہ قیمت کا ”سراپا“ اور جڑاؤ خنجر اور مہربانی ہیز

۱۱ ظاہر یہ صرف مصنف کا قیاس معلوم ہوتا ہے ورنہ ممالک ایشیا کی رسم کے موافق مہمان کا زیادہ دیر تک ٹھہرانا خوش مناسبتی کی نذر ہے۔ س م ح ۱۱

ایک ثقہ بیویا کے گورنر کے بیٹے عنایت ہوا۔

سفیر کے بھیجنے سے ڈچوں کی اصل غرض یہ تھی کہ دربار میں رسائی پیدا کر کے بادشاہ کا التفات

حاصل کریں اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے حال سے اسکو مستفید مطلع کریں تاکہ بندرگاہوں اور اوزمقات کے حاکموں اور عالموں کے دل پر جہاں اُن کی تجارتی کوٹھیاں تھیں اُن کی نسبت ایک مفید اثر پیدا ہو اور اُن کو اُمید دہی کہ یہ لوگ یہ معلوم کر کے کہ ڈچ کچھ بھی ایک زبردست سلطنت کی رعایا ہیں اور بادشاہ تک رسائی رکھتے اور خود اسکی خدمت میں اپنا عرض حال کر کے انصاف حاصل کر سکتے ہیں ہماری حقارت نہ کیا کریں گے اور نہ تجارت میں خصل انداز ہوں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اہل دربار کو اس بات کے یقین دلانے میں کہ ہماری تجارت سے ہندوستان

کو بہت بڑا فائدہ ہے بہت کوشش کی اور بہت سی جنسیں جو وہ یہاں سے خریدتے تھے انکی ایک بڑی لمبی چوڑی فہرست اس غرض کو دکھلا کر تھے کہ اُن کے ذہن نشین ہو جائے کہ اُن جنسوں کے خریدنے کے لئے وہ بہت سا سونا چاندی اپنے ملک سے یہاں لاتے ہیں۔ مگر اس بات کو ظاہر ہونے دینا نہیں چاہتے تھے کہ سال بہ سال تانبہ۔ سیسٹا۔ دارچینی۔ لونگ۔ جاپتھل۔ کالی منچلی۔ عود اور ہانی

لہ بیویا بیویا کے ہاں ہالینڈ کا قدیم نام ہے اور لفظ بٹی ہو مشتق ہے جو ایک چھوٹی سی قوم تھی جو جرمنی کے اُن ضلعوں میں رہتی تھی جو زمانہ حال میں

وغیرہ چیکر کس قدر دولت پہنچ لیجاتے ہیں۔

ایک امیر کا اورنگ زیب کو سلطنت  
کام میں زیادہ محنت کرنی شروع کرنا اور اسکا  
اسکے جواب میں ان پروفیسر کا اظہار کرنا۔  
انہیں دنوں میں ایک بڑے  
اورنگ زیب سے عرض  
میں اتقد و صرفیت فرما۔  
اس نے

اندیشہ ہے کہ مبادحت جسمانی بلکہ قواسی دماغی کے اعتنا  
کو کچھ نقصان پہنچے۔ جسکو شکر بادشاہ نے اس عقلمند! ناسخ لی طرف سے  
تو موہ نہ پھیر لیا گویا سنا ہی نہیں اور ذرا ٹھہر کر ایک اور بہت بڑے امیر  
کی طرف جو نہایت دانا اور ذلیل علم تھا متوجہ ہو کر فرمایا (اسکی یہ تقریر خاص اس ہی  
کے بیٹے نے جو ایک نوجوان ادیب اور میرا دلی دوست تھا مجھ سے نقل کی تھی) کہ آپ  
تمام اہل علم اس باب میں متفق الراضے ہیں کہ مشکل اور خوف کے زائے ہیں  
بادشاہ کو جان جو کھوں میں پڑ جانا اور ضرورت کے وقت رعایا کی بہتری کے  
لیے جو خدانے اُسکے سپرد کی ہے تلوار پکڑ کر میدان جنگ میں جانی دینا  
فرض واجب ہے۔ مگر اسکے برعکس یہ نیک اور باتمیز! شخص یہ چاہتا ہے  
کہ رعایا کے آرام و تسالیش کے لیے مجھے ذرا بھی تکلیف نہ اٹھانی چاہیے  
اور بغیر اسکے کہ انکی رفاہ و فلاح کی تدبیروں کے سوچنے میں مجھے ایک

ہنس کر نام نہاد ہو ہیں۔ یہ قوم نہ عیسوی کر الیسو برس پہلوؤں کو اٹھکر ہالینڈ میں آ بسی تھی اور اسکی وجہ  
سے پڑاؤ زائیں ہالینڈ کا نام بشیویا مشہور ہو گیا تھا۔ مگر جس بشیویا کا ذکر مصنف نے کیا ہے وہ جزیرہ  
جادو میں کوئی عجیب و غریب آبادی کا ایک شہر اور پڑچوں کو متبرقہ تھا کا دار الحکومت ہے اور نام ہے  
کہ انہوں نے اپنے ملک کی سیاست کو اسکا یہ نام رکھ دیا ہے۔ (ماخوذ از جام جم۔ س م ح ۱۲)



رات بھی بے آرام رہنا پڑے یا لگدن بھی بے عیش و عشرت اور لہجہ  
 کے بستر جو یہ تداعیوں میں حاصل ہو جائے اور اسکی یہ رائے ہے  
 کہ میں صرف اپنی تندرستی کو مقدم جانوں اور زیادہ تر عیش و عشرت  
 اور آرام و آسائش ہی کے امور میں مصروف رہوں اور اسکا یہی نتیجہ  
 ہو سکتا ہے کہ میں اس وسیع سلطنت کے کام کو کسی وزیر کے بھروسہ پر  
 چھوڑ بیٹھوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اسنے اس امر پر غور نہیں کیا کہ جس حالت  
 میں مجھے خدا نے بادشاہی خاندان میں پیدا کر کے تخت پر بٹھایا ہے  
 تو دنیا میں اپنے ذاتی فائدہ کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اُوروں کے آرام  
 کے لیے محنت کرنا مجھ پر فرض کیا گیا ہے۔ پس میرا کام یہ نہیں ہے  
 کہ اپنی ہی آسائش کی فکر کروں البتہ اُنھیں کے رفاه کی غرض سے جو قدر  
 آرام لینا ضروری ہے اسکا مضائقہ نہیں اور بجز اس حالت کے کہ  
 انصاف و عدالت اسکی مقتضی ہو یا اقتدار سلطنت کے قائم رکھنے یا ملک کی  
 حفاظت کے لیے ضروری ہو اور کسی صورت میں رعایا کے آرام و آسائش  
 کا نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے اور رعیت کی آسائش و بہبودی ہی ایک ایسی  
 چیز ہے کہ جسکا فکر مجھے ہونا چاہیئے۔ مگر یہ شخص اس بات کی نہ کوئی ہنج  
 کہ اُس آرام سے جو یہ میرے لیے تجویز کرتا ہے کیا کیا قباحتیں پیدا ہو سکی  
 اور یہ بھی اسکو معلوم نہیں کہ دوسروں کے ہاتھ میں حکومت کا دیدنیالسی  
 بُری بات ہے۔ اور مسجدِ حنی نے جو یہ کہا ہے کہ ”پادشاہوں کو  
 چاہیئے کہ بذات خود کاروبار سلطنت کا بوجھ اپنے اوپر لیں ورنہ بہتر

ہے کہ پادشاہ کہلانا چھڑ دیں " تو کیا اُس بزرگ کا یہ قول لغو ہے؟ پس اپنے اس دوست سے کہہ دیجئے کہ اگر ہمے تحسین و آفرین حاصل کرنا چاہتا ہے تو جو کام اُسکے سپرد ہے اُسکو اچھے طور سے کرتا رہے۔ اور خبردار! ایسی صلاح جو بادشاہوں کے سُننے کے لائق نہیں ہے پھر کبھی نہ دے اور فوٹو ہے کہ تن پروری اور آرام طلبی اور ایسے خیالات سے بچنا جو دوسروں کی بہبودی کے فکر و تردد میں آدمی کو گھلٹا دیتے ہیں انسان کا طبعی اور جبلی امر ہے پس ایسے فضول صلاح کاروں کی ہکو حاجت نہیں اور عیش و آرام کی صلاحیں تو ہماری بیگمیں بھی دیکھتی ہیں۔

انہیں دنوں میں ایک ایسا افسوسناک واقعہ دہلی میں ہوا کہ جس کا تمام شہر اور ہاتھیں

ایک واقعہ کا ذکر جس سے یہ ثابت ہوا کہ خوجوں کو بھی عشق ہو سکتا ہے

شاہی مجلس میں بہت چرچا تھا اور جس سے میری اور اُور لوگوں کی اس راز کی کہ جو شخص رجولیت سے محروم کر دیا جائے اُسکو عشق نہیں ہو سکتا غلطی ثابت ہو گئی ۱۵ یعنی دیندار خاں نامے ایک ذی رتبہ خواجہ سرانے ایک مکان بنایا تھا جہاں تفسیرِ خاطر کے لئے کبھی کبھی جاتا اور بعض اوقات رات کو وہیں سو بھی رہتا تھا اور اسکے ہمسایہ میں ایک ہندو کا گھر تھا جو عریض نویسی وغیرہ کا کام کیا کرتا تھا۔ یہ خواجہ سرانے پر جو بہت خوبصورت تھی عاشق ہو گیا اور اگرچہ کچھ عرصہ تک ان کے باہم ناجائز تعلق رہا مگر کسیکو

۱۵ معنی نے باومن اس قدر قابلیت کے خدا جانے یہ کیا لکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہی بات ہے کہ

اُسکے خوجہ بنانے میں کوئی کسر رہی ہوگی۔ س م ح ۱۲

کچھ شبہ نہوا کیونکہ یہ خوجہ تھا اور زمانہ میں آنے جانے سے خوجوں کو کوئی بھی مانع نہیں ہوتا۔ مگر آخر کار ان کا عشق بہا شک بڑھ گیا کہ اُس ہندو کو بھی اس قسم کی خبر پہنچ گئی کہ لوگ اُسکی بہن کی پاکداسنی کی نسبت شبہ کرتے ہیں اور اُسے غصہ میں آکر اپنے دل میں یہ ٹھان لیا کہ اگر یہ سچ ہے تو دونوں کو مار ڈالوں گا۔ چن چنچہ زیادہ عرصہ نہ لگا کہ ایک رات کو یہ دونوں اٹھتے سوتے دیکھ لیئے گئے۔ پس اُسے دُنداد خاں کو تو چھاتی میں خنجر بیکر مار ڈالا اور بہن کو بھی ایسا زخمی کیا کہ اُسکی دانست میں مر ہی چکی تھی اور اس واردات سے محلہ کے شاہی میں نہایت ہلکے اور شور و شر پیدا ہوا۔ اور خواجہ سراؤں اور محل کی عورتوں نے باہم ایک کر لیا کہ جس طرح بنواس شخص کو قتل کرنا چاہیے۔ چنانچہ آؤنگ زینب جو اس ہندو کی مسلمان ہو جانے کو اُسکے اس گناہ کا کافی کفارہ خیال کرتا تھا اگر انکی ان بندہوں سے ناراض نہو جانا تو اُسکا بچنا مشکل تھا مگر اسپر بھی لوگوں کی رائے عموماً یہ ہے کہ خواجہ سراؤں کی عداوت اور اُن کے زور کی وجہ سے یہ بے باک شخص دیر تک سلامت نہ رہ سکیگا۔

ہندوستان میں کا یہ خیال ہے کہ اگر چھتی  
اہل ہند اور مصنف کی رائے

خوجوں کی خصلت کی نسبت  
کر دینیے جانور غریب اور سیدھا ہو جاتا ہے

مگر آدمی پر اس عمل کا اثر برعکس ہوتا ہے اور اُن کا قول ہے کہ کب کوئی خواجہ سرا ایسا بھی نہ ہو جو شیر اور مغرور اور بیرحم نہ ہو؟ حالانکہ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بیشک ان میں بہت سے وفادار اور فیاض

اور شجاع بھی ہوتے ہیں۔

انہیں ایام کے قریب اورنگ زیب روشن آراہنگ کی نسبت دو نامحرموں کے محل میں بلا لینے کا شبہ ہونا۔

محل میں بلا لینے کے شبہ سے بہت ناراض ہوا مگر چونکہ شبہ ہی تھا اسلئے بجائی بہن میں جلد صفائی ہو گئی اور اورنگ زیب ان دونوں آدمیوں کی نسبت اس بیرحمی سے بھی پیشن آجا جو شاہجاہاں نے اس سخت گرفتار عشق سے برتی تھی جو حاکم کی دیگ میں جا چھا تھا۔ میں اس قصہ کو ٹھیک اسی طرح پر کہ جس طرح ایک دو غلی پرتکین بڑھیا نے جو بہت عرصہ سے لونڈیوں کے طور پر محل میں خدمت کرتی اور باہر آنے جانے کی بھی مجاز تھی مجھے سنایا تھا بیان کرتا ہوں۔

یعنی روشن آراہنگ نے ان میں سے اول تو ایک جوان لکڑی دن تک اپنے پاس چھپاے رکھ کر خطا صحبت حاصل کیا۔ اور بعد ازاں بعض اپنی خدمتگار عورتوں کو جنہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم رات کے پردہ میں اُسکو محل سے باہر کر دیں گے سپرد کر دیا۔ مگر ان عورتوں کو ایسا کرتے ہوئے کسی نے دیکھ پایا یا وہ خود ہی افشا سے راز کے اندیشہ سے ڈر گئیں یا کچھ اور سبب ہوا۔ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ وہ تو اُسکو چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ اور یہ خوف زدہ نو جوان محل کے باغوں میں کیلا اور حیران پھرتا ہوا پکڑا گیا اور محل کے پاسبان وغیرہ اسکو کنشاکشاں اورنگ زیب کے حضور میں لے گئے اور چونکہ باوجود بہت ہی پریش اور تفتیش کے اُس نے کسی جرم کے ارتکاب کا

اقرار کیا اور صرف اتنا ہی کہا کہ میں دیوار پر سے کود کر اندر گیا تھا اسلئے  
 آؤنگک ذینب نے حکم دیا کہ جس طرح سے یہ شخص بہانہ تک آیا ہے اسکو  
 چاہیئے کہ اُسی طور سے باہر نکل جائے۔ لیکن خواجہ سراؤں نے بادشاہ  
 کے حکم سے غالباً تجاؤز کر کے اسکو دیوار سے نیچے گرا دیا اور دوسرا شخص  
 بھی اسی طرح باغ میں ادھر ادھر پھرتا ہوا پکڑ لیا گیا تھا اور اُس نے ظاہر کیا کہ میں  
 دروازہ کے راستہ سے آیا ہوں جسپر بادشاہ نے اسکو تو اُسی راستہ سے  
 باہر نکلوا دیا مگر خواجہ سہاؤں کو عہد ثا سخت سزا دینے کا مصمم ارادہ کیا  
 کیونکہ نہ صرف حفظ ناموس کی خاطر بلکہ بادشاہ کی ذات خاص کی حفاظت  
 کے لئے بھی مجلس راکی ڈیوڑھی کا زیادہ سخت انتظام کیا جانا ضروری تھا۔

اس واقعہ سے چند مہینے بعد قریباً ایک  
 ہی وقت میں پانچ ایلمچی فہمی میں آئے۔

چنانچہ ان میں سے جو سب سے پہلے

شرفیہ مکہ اور سلطان عین اور  
 پودش بعل اور بادشاہ حبشی کے  
 انچیلوں کا آنا اور اخلاذ کر سہروں کی بہت  
 ایک دل چسپ اور طرافت آمیز بیان

آیا وہ شریف کہ کی طرف سے تھا۔ اور جو تحایف وہ لایا تھا ان میں چند  
 عربی گھوڑے اور ایک جھاڑو تھی جو اُس جھوٹے معبد کے جھاڑنے  
 بوہارنے کے کام میں آچکی تھی جو اُس شہور و معروف مسجد کے وسط  
 میں بنا ہوا ہے جو کہ میں ہے اور جسکی مسلمان لوگ بڑی تعظیم کرتے اور  
 اسکو ”میت اللہ“ یعنی خدا کا گھر کہتے ہیں اور ان کا یہہ اعتقاد ہے کہ  
 یہہ سب سے پہلا مکان ہے جو خداے برحق کی عبادت کیواسطے  
 مخصوص کیا گیا تھا اور اسکو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔

دوسرا ایلمچی بادشاہ یمن نے بھیجا تھا۔ اور تیسرا بصرہ کو "پیش" لے  
نے۔ اور یہ دونوں بطور تحفہ عربی گھوڑے لائے تھے اور باقی  
دو سفیر شلا تھوپیا (حبش) کے تھے۔ ان میں سے پہلے تین  
سفیروں کی خاطر تواضع اس قدر کم ہوئی جو بمنزلہ نہونی کے تھی۔ کیونکہ ان کا  
ساز و سامان ایسا حقیر تھا کہ ہر ایک شخص یہ خیال کرتا تھا کہ ان کا انصاف  
اس غرض سے ہے کہ جو تھنے وہ لائے تھے ان کی اور نیز ان بہت  
سے گھوڑوں اور اور تجارتی جنسوں کی عوض جو اپنا ذاتی اسباب بنا کر  
بلا دادائے محمول ساتھ لے آئے تھے بہت سارے دہپہ کما کر لیجائیں۔  
چنانچہ فی الواقع جو دہپہ ان کے تحائف کی عوض میں اور سوداگری مال و  
اسباب کے فروخت سے حاصل ہوا تھا اس سے انہوں نے یہاں کی  
تجارتی جنسیں خریدیں اور بلا دادائے محمول ان کو اپنے ساتھ لے جیسا  
استحقاق ظاہر کیا۔

مگر شاہ حبش کی طرف سے جو ایلمچی آئے تھے ان کا حال کس قدر رنج و  
ہمہ ہے۔ ان سفیروں کے آنے کا یہ سبب تھا کہ جو انقلاب سلطنت یہاں  
واقع میں آیا تھا شاہ حبش کو اس کی شر و مانع نہ ہونے چکی تھی اسلئے اس کو یہ  
خواہش ہوئی کہ اپنے اقتدار اور شان و عظمت کے موافق سفارت  
بھیج کر اس وسیع سلطنت میں اپنی ناموری پھیلائے۔ لیکن بدگمان

عالمگیر نامہ میں اس کا نام حسین پاشا لکھا ہے جو اڈل ٹوکی کی طرف سے بصرہ کا حاکم تھا اور  
پھر سلطان کی ناراضگی کی وجہ سے ادنگ ذیب کا انکر ذکر ہو گیا تھا۔ س۔ م۔ ج ۱۲

لوگوں کا یہ قول تھا اور فی الواقع سچ بھی تھا کہ سفیروں کے بیچنے سے اس حبشی کو صرف وہ قیمتی تحائف نہ نظر تھے جنکے حاصل ہونے کی اور نگینہ کے فیاض ہاتھ سے اسکو یقیناً امید تھی۔ اور جو ایلچی اُسے بھیجے تھے فی الواقع اُسکے دربار میں بہت مغرور و ممتاز اور اُن بڑے بڑے مقاصد کے حاصل کر دینے کے قابل تھے جو اُسکے نظر تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک ایلچی تو ایک مسلمان \* سوداگر تھا جو چند سال ہوئے جبکہ میں بجنور حکمران کے راستہ سے بندر مٹھا میں آیا تھا وہاں مجھ کو ملا تھا اور اُسکو عظیم الشان اتفاق نے بہت سے غلام دیکر اس غرض سے وہاں بھیجا تھا کہ اُن کو بیچ کر اس قابل تعریف طریقہ سے جو روپیہ ہاتھ آئے اُسکی عوض ہندوستانی مال و اسباب خرید لائے۔ واہ! عیسائی ہو کر یہ نامور افریقی بادشاہ! کیا عمدہ تجارت! کرتا ہے اور دوسرا ایک عیسائی (دمنی) سوداگر تھا جو حبش میں پیدا ہوا اور وہیں اُسنے شادی بھی کر لی تھی اور اٹھوہیا میں اسکا نام حمزاد شہر تھا۔ اور مٹھا میں اس سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی اور اُسنے نہ صرف اپنا نصف مکان میرے لئے خالی کر دیا تھا بلکہ وہ صلاح بھی اسی نے دی تھی جس سے سینے اپنا حبش کا جاہل سوتون رکھا اور جیسا کہ ذکر میں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں کیا ہے۔ اور یہ بھی اُسی مذکورہ بالا غرض سے وہاں بھیجا ہوا آیا تھا۔ یہ شخص ہر سال مٹھا میر شاہ اٹھوہیا کی طرف سے انگریزوں اور ڈچوں کی کمپنیوں کے لئے

\* اسکا نام عالمگیر ندیم سیدی کامل تھا اور دوسرے شخص کا اس کتاب میں کچھ ذکر نہیں ہے۔

جو ہندوستان میں تجارت کرتی ہیں تحفتاً کچھ کچھ چیزیں لاتا اور انکی طرف سے اپنے بادشاہ کے لئے گونڈ اور کولیجا پاتا ہے۔ چونکہ یہ بادشاہ یہ چاہتا تھا کہ اسکے سفیر ایسی شان و شوکت کے ساتھ جائیں جو اس موقع کے لائق ہو۔ پس اُسے اُن کے اخراجات کے لئے بڑی ہی فیاضی اظاہر کی یعنی دونوں کو بتیس تیل جان لونڈیاں اور غلام غلامیت کیے کہ انکو چٹھا میں بچکر جو روپیہ اس مبارک تدبیر سے ہاتھ آئے اسکو معاملات سفارت میں خرچ کریں۔ واہ واہ کتنی بڑی فیاضی! ہے کیونکہ چٹھا میں جان لونڈی غلام سحاب اور پچیس تیسل کراؤن قیمت پاتا ہے۔ ان کے علاوہ نہایت ہی چھانٹ کر پچیس غلام خاص آؤرنگ زیب کے لئے بھیجے تھے جنمیں نو یا دنل بہت کم سن اور خوبہ بنا نیکے قابل تھے۔ واہ کیا کہنا ہے! ایک عیسائی بادشاہ نے ایک مسلمان بادشاہ کے لئے کیا ہی مناسب تحفہ بھیجا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایتھوپیائی مذہب عیسوی کی کیا حالت ہے۔ ان کے علاوہ شہنشاہ منگل کے لئے پندرہ جشتی گھوڑے جو حرچی گھوڑوں کے برابر سمجھے جاتے ہیں اور چھوٹی قسم کا ایک خچر جسکی کھال سینے بھی دیکھی تھی جو ایسی خوبصورت تھی کہ کسی شیر کے بھی ایسے خط و خال نہیں ہوتے اور ہندوستان کے

چونکہ ایک کراؤن پنج شلنگ کا ہوتا ہے جو انگلستان کا ایک چاندی کا سکہ اور ہندوستان کی سویت کی اٹھنی کے برابر ہے پس اس حساب سے ان غلاموں کو توبہ و عہای ہزار روپیہ کی قیمت کا سمجھنا چاہئے۔ س م ح ۱۲

شیلنگ Crown بنی ن گ



کسی الائیچہ میں جو ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہوتا ہے ایسی خوشنما اور طبع طرح کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ اور انھی کے دو دانت جو معمول سے زیادہ ایسے بڑے اور بھاری تھے کہ ایک مضبوط شخص اُن میں سے ایک کو زمین سے بشکل اٹھا سکتا تھا اور تیل کا ایک بہت بڑا سینک جہیں سیوٹ بھری ہوئی تھی اور جب کما قطر مونہ کی طرف سے نصف فٹ ورنس سے زیادہ میرے ناپنے میں آیا تھا ان سفیروں کو سپرد ہوئے تھے۔

یہ دونوں اپنی جب ایسے شانہ ! اور فیاضانہ ! طور پر ساز و سامان سے درست کیے جا کر گونڈاڑ سے جو ملک حبش کا پائے تخت اور صوبہ ڈیمبیا میں ہے روانہ کیے گئے تو انکو ایک ویران ملک میں سے گزرنا پڑا۔ اور بہلول تک پہنچنے میں جو باب المندب کے قریب تھا کے مقابل ایک غیر آباد بندرگاہ سے دو ہینے لگے۔

ان لوگوں کے کاروان کے معمولی راستہ سے جو چالیس روز میں آسانی طے ہو جاتا ہے آرکیٹکو کو جانے کی جرات نہ کرنے کا یہ باعث تھا کہ آرکیٹکو سے جزیرہ مضوع کو جانا پڑتا ہے۔ جہاں سلطنت ٹوکی کی کچھ فوج رہتی ہے۔ جبکہ یہ لوگ بحر احمر سے عبور کرنے کی خاطر تھا کو جانے والے جہاز کے انتظار میں بہلول میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

۱۵ سیوٹ مشک وغیرہ خوشبودار حیرانی مادوں کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر خصوصیت کے ساتھ اس خوشبودار اور بہت گاڑی چیز کو کہتے ہیں جو مُشند بلای کی دُم کے نیچے ایک شبلی میں چربی کے طور کی ہوتی ہے۔ (ناخود اور گلو زوگوشنری) س م ح ۱۲

شیائے ہیجان کے موجود ہونے سے بہت تکلیف میں رہے اور کئی غلام مر گئے اور اسکے سوا مٹھا میں پہنچے پر یہ معلوم ہوا کہ ایک دفعہ بزد بہت کثرت سے آئے ہیں اور ایسے جولوٹیاں اور غلام باقی رہ گئے تھے وہ بھی کم قیمت پر بیچے پڑے۔ بہر حال جب لوٹدی غلام بک چکے تو انہوں نے اپنا سفر پھر شروع کیا اور ایک ہندوستانی جہاز پر سوار ہو کر جو سوڈن کو آتا تھا پچیس دن کے عرصہ میں جو اس سفر کے لیے چنداں زیادہ نہ تھا منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ مگر بہت سے گھوڑے اور کئی ایک غلام غالباً کافی خوراک نہ ملنے سے مر گئے۔ کیونکہ ظاہر ہے کلاس بائٹان و شوکت! سفارت کے پاس اتنا ردیہ کہاں تھا جو خرچ کے لیے مکتفی ہوتا۔ اور جہانزی میں وہ بیچارہ خچر بھی مر گیا لیکن یہ اسکی کھال حفاظت سے لیتے آئے جسکو بیٹنے بھی دھلی میں دیکھا تھا۔

ان کو سوڈن میں پہنچے ہوئے چند ہی گھنٹے گزرے تھے کہ بیجا پلو کے ایک مشہور باغی نے جسکا نام مینیو اچی ہے شہر کو اکروٹ لیا اور آگ لگا دی اور اس عام آتش زدگی میں اگرچہ وہ مکان بھی جہاں یہ ٹھہرے ہوئے تھے جگلیا کر آگ اور دشمن دونوں کے ہاتھ سے جسطرح بن پڑا انکی سفارت کی سندیں اور وہ چند غلام جو کسی وجہ سے یا تو مینیو اچی کے ہتھے نہ چڑھے یا جنکو بیمار دیکھ کر اُس نے خود ہی چھوڑ دیا اور ان سفیروں کے حبشی لباس جو اسکو پسند نہ آئے اور وہ خستہ کپڑے جسکی اُس نے کچھ پروانہ کی اور وہ بیل کا سینک جیسو سیویٹ سے پہلے ہی خالی کر چکے تھے۔ بیچ رہے۔

ان عالیشان! خیموں نے اپنے لٹ جانے کی نسبت بڑے بڑے  
 مہائے کیے مگر بدگمان ہندوستانی جنہوں نے انکو جہاز سے اترتے  
 وقت اس حالت میں دیکھا تھا کہ نہ تو اچھا لباس و پوشاک ہی تھی اور نہ روپیہ یا  
 کسی مہاجن کے نام کی ہنڈی ہی پاس تھی بلکہ فاقوں کے مارے نیم مردہ  
 ہو رہے تھے یہ کہتے تھے کہ فی الواقع یہ تو ان کی خوش نصیبی تھی کہ سودت  
 کے لٹے اور جلائے جانے کے باعث یہ اُس ذلت سے بچ گئے جو انکو  
 اپنے ذلیل اور ناجائز تحائف کے دھنی تک لانے میں اٹھانی پڑتی۔ اور  
 سیوایتی کی بدولت انکو سودت کے صوبہ دار کے سامنے فقیرانہ حالت  
 میں جانے اور دَاڑُ الْمَتَلَطَّتْ تک پہنچنے کے بیٹے خچ سواری مانگنے  
 کا ایک عمدہ بہانہ مل گیا۔ اور غلام اور سیوایت بیچکر کھا جانیکے الزام سے  
 بھی بری رہے۔

میرے لیق دوست ڈچوں کے کارخانہ کے مختار مسٹر ایڈلین  
 نے فراد کو میرے نام کی ایک سفارشی چٹھی دی تھی جو اُس نے دھلی میں  
 آکر مجھے دی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ پہنچ پھر برس بعد اُس سے اس طرح  
 بھر ملاقات ہوئی۔ اور وہ اس بات کو بالکل بھول گیا تھا کہ میں مُخّا میں  
 اُسی کے ہاں ٹھہرا تھا۔ پس میں اپنے پُرانے دوست سے بغلیں ہوا اور  
 وعدہ کیا کہ حتی الوسع میں تم کو مدد دوں گا۔ اگرچہ اہل دربار سے میری بہت  
 کچھ رسائی اور ملاقات تھی مگر ان تہدست ایجنسیوں کی امداد ایک مشکل کام  
 تھا۔ کیونکہ بجز خچر کے اُس چمڑے اور تیل کے اُس سینگ کے جس میں

انہوں نے اپنے پینے کے لیے قندی شراب جو انکو بہت مرغوب ہے بھر رکھی تھی اور کچھ باقی نہ تھا اور بیش قیمت تحایف کے موجود نہ ہونے سے لوگوں کی نظروں میں جو انکی حقارت تھی اُسکو انکی ظاہری ذلیل حالت نے اُڑ بھیٹا دیا تھا اور وہ بدوؤں کا سالباس پہنے ہوئے پاکلی کے بغیر پاسبانہ شہر میں بھرا کرتے تھے اور سات اٹھ غلام سرو پارہ نہ بیچھے بیچھے ہوتے تھے جنکے پاس سوائے ایک کردہ چھوٹے سے تہنت اور ایک پھٹی پرانی چادر کے جسو بائیں کاندھے پر ڈالکر داسنے بازو کے نیچے سے نکالے ہوئے ہوتے تھے کچھ پوشاک اور لباس نہ تھا اور کبجڑ ایک ٹوٹی بھوٹی کراہ کی پہلی اور ایک گھوڑی کے جوہار سے پادری صاحب کا تھا اور کوئی گھوڑا بھی ان کے پاس نہ تھا یا کبھی کبھی میرا گھوڑا مانگ لیتے تھے جسکو سواری لے لے کر قریب المرگ کر دیتا تھا۔ پس ہر چند مینے ان ذلیل اور فقیر سفیروں کے لیے بہت کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہوا کیونکہ لوگ ان کو فقیر سمجھ کر کچھ ملتفت نہوتے تھے۔ لیکن بہر حال ایک روز جبکہ میں اپنے آقا دَ اِنشَمَنَد خاں کے پاس (جو مالک غیر کے معاملات کا ذمہ رہے) خلوت میں بیٹھا تھا پینے شاہ اتھو پیا کی شان و عظمت کا ذکر ایسی آب و تاب سے کیا کہ اورنگ زیب اِکو اپنے حضور میں بلانے اور خرطیہ کے قبول کرنے پر مائل ہو گیا۔ اور جب یہ حاضر ہوئے تو دونوں کو زلفت کا ایک ایک ”سراپا“ اور شیشی زرعی کار پنکھ اور سندیل عنایت کی اور سرسرم مہانداری کسمے لیے بھی حکم ہو گیا۔ اور چند ہی روز بعد جب رخصت کیے گئے تو پھر ایک ایک ”سراپا“ مع

چھ ہزار روپیہ نقد کے مرحمت ہوا مگر یہ روپیہ ساوی طور پر نہ دیا گیا تھا بلکہ مسلمان کو چار ہزار اور فراد کو عیسائی ہونے کی وجہ سے صرف دو ہزار ملا۔ اور اُن کے آقا کے بیٹے بطور تحفہ ایک ہنایت بہاری "سراپا" اور چاندی کے تلمع کی دوش ہنایتیں اور دو چاندی کے نقارے اور یا قوت کے جڑاؤ قبضہ کا ایک خنجر اور بیس ہزار روپیہ نقد عنایت ہوا۔ اور چونکہ ملک حبش میں سکہ کا چلن نہیں ہے۔ اسلئے اورنگ زیب نے براہ مہربانی یہ فرمایا کہ اُمید ہے یہ نقد تحفہ خصوصیت کے ساتھ قبولیت کے لائق ہوگا۔ اور ایک عجوبہ چیز خیال کیا جائیگا۔ مگر شاہنشاہ مغل جو جانتا تھا کہ ان میں سے ایک روپیہ بھی ہندوستان سے باہر نہ جائیگا اور یہ لوگ اُس سے کار آمد جنسین خریدینگے۔ چنانچہ وہی ہوا اور انہوں نے اس روپیہ سے کچھ تو گرم مصالے لے لیئے اور کچھ مہین سوئی کپڑوں کے تھان پادشاہ اور ملکہ اور ولیعہد کے پیرائوں کے بیٹے اور لالچے جو ایک ریشمی دھاری دار کپڑا ہے اور نہری یار و پہلی زری ملا کر بُنا باہو قبا اور پاجامے بنانے کی خاطر خرید لیئے۔ اور بادشاہ کی دو عباؤں کے بیٹے جو عربوں کا ایک لباس ہے سُرخ اور سبز رنگ کی انگریزی بانات اور ان کے سوا بہت سا کپڑا مگر ذرا کم قیمت مجلسہ کی معزز عورتوں اور اُن کے لڑکے بالوں کے بیٹے خریدا۔ اور اس سفارت پر آنے کی وجہ سے اس تمام اسباب کا محضول تو معاف ہی تھا۔

اگرچہ فراد میرا بہت دوست تھا مگر تین باتوں سے مجھے اُس کے حق

میں کوشش کرنے سے پشیمانی ہوئی۔ ایک پہرہ کہ اُس نے باوجود وعدہ کر نیکی کہ بچاؤں روپیہ کو میں اپنا بیٹا تھا سے پاس بچہ والوں کا کہی بچا کہ تین سو روپیہ سے کم کو نہیں دوں گا۔ اور میں اس پر بھی راضی تھا کہ میں سو ہی دیکر خرید لوں تاکہ مجھ کو اس بات کے کہنے کی گنجائش ہو کہ ایک شخص نے خاص اپنا بیٹا! میرے پاس بچہ لا تھا۔ یہ لڑکا خوب تازہ توانا اور سڈول بدن کا تھا اور رنگ بھی خوب صاف! سیاہ تھا۔ اور آؤر حبشیوں کی طرح ناک بھی چمپنی نہ تھی اور نہ ہونٹ ہی موٹے تھے۔ مگر چونکہ اُس کے باپ نے وعدہ خلافی کر کے مجھے نہ دیا تو اس سے میں بہت ہی ناخوش ہوا۔

دوسری پہرہ کہ اس نے اور اس کے مستلکان رفیق نے اورنگ زیب سے پختہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے بادشاہ سے اس مسجد کی مرمت کی بالفردہ اجازت سے دینگے جو پرتکیزوں کے وقت سے دیران اور کھنڈر پڑی تھی چنانچہ اورنگ زیب نے اس کی مرمت کے لیے بھی دو ہزار روپیہ انکو حوالہ کیا۔ یہ مسجد ایک شیخ یا درویش کے مقبرے کے طور پر بنائی گئی تھی جو کچھ سے ملک حبش میں صرف اس غرض سے چلا گیا تھا کہ وہاں دین اسلام پھیلائے۔ اور یہ ان پرتکیزوں نے مسمار کر دی تھی جو گو آسے فوج لیکر اُس فی حق بادشاہ کی مدد کو آگئے تھے جو عیسائی ہو گیا تھا اور جسکو خارج کر کے ایک مسلمان شاہزادہ تخت پر ہو بیٹھا تھا۔

تیسری پہرہ کہ اسے شاہ حبش کی طرف سے اورنگ زیب سے یہ درخواست کی کہ ایک قرآن اور آٹھ کتابیں (جسکے نام سے میں نہیں

واقع ہوں اور جو ان کتابوں میں اول درجہ کی مشہور ہیں جو مذہب اسلام کی تائید میں تصنیف ہوئی ہیں غنایت ہوں اور میری رائے میں ایک عیسائی بادشاہ کے ایک عیسائی سفیر کا ایسا کرنا ایک نہایت ہی ذلیل اور معیوب امر تھا۔ اور مٹھا میں جو کچھ مینے سنا تھا کہ حبش میں دین عیسوی کی کیسی متبدل حالت ہے اس سے اسکی بخوبی تصدیق ہو گئی۔

بے گنہ اس بادشاہ کی حکمرانی کے تمام طور و طریق اور رعیت کے اوضاع و اطوار سے اسلام کی بوا آتی ہے اور بیشک جب سے وہ بادشاہ مر گیا ہے جسکو پرتگیزیوں نے اپنی فوج کی مدد سے تخت پر بٹھایا ہوا تھا جو لوگ کہ صرف نام کے عیسائی ہیں انکی تعداد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس بادشاہ کے مرتے ہی اسکی ماں کی فتنہ پرداز یوں سے پرتگیز کچھ تو مار گئے اور کچھ کالہ بیٹے گئے اور فرقہ جیسوئیٹ کے پینڈو بھی آرد یعنی بڑے پادری کو جسے اسکے ہموطن پرتگیز گواہ سے لائے تھے بان بجا کر بھاگنا پڑا۔

جس زمانہ میں یہ سفیر دہلی میں تھے میرے آغا دانشمند خاں جو نئی معلومات کا ہمیشہ سے شایق ہے انکو اکثر اپنے ہاں بلا کر ان کے ملک اور طریق حکمرانی کی بہت سی باتیں پوچھتا رہتا تھا۔ لیکن اسکا اصل مدعا یہ تھا کہ دریا سے نیل کا منج معلوم کرے۔ یہ لوگ دریا سے نیل کو آیا نیل کہتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ اسکا منج بخوبی معلوم ہے چنانچہ مراد اور ایک مثل نے جو اسکا ہم سفر بلا اتفاق بیان کیا کہ ہننے

اُس مقام کو دیکھا ہے اور انہوں نے جو کچھ کہا وہ بعینہ وہی تھا جو میں نے مٹھا میں سنا تھا۔ یعنی یہ کہ اُسکا مخرج ملک آگوتس میں ہے اور وہ قریب دو دو جوندہ چشے میں جو باہم ملکر تین یا چالیس قدم کے طول کی ایک چھوٹی سی جھیل بناتے ہیں۔ اور جو پانی اس جھیل سے نکلتا ہے اگرچہ وہ خود بھی ایک اچھے خاصے دریا کے موافق ہے۔ مگر آئندہ چھوٹے چھوٹے بہت سے ندی نالوں سے جو قدم قدم پر اُس سے اُگرتے جاتے ہیں بڑھتا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ دریا اس طرح پرجکھاکر بہا ہے کہ گویا بیچ میں ایک بڑا جزیرہ بنگیا ہے۔ اور کئی ایک سیڑھی چٹانوں سے اُتر کر ایک بہت ہی بڑی جھیل میں جا گرتا ہے جس میں بہت سے زرخیز جزیرے ہیں اور گھڑیاں بھی کثرت سے ہیں۔ اور بٹھیک سچ ہوا ایک اور جانور اس میں بتایا جو بہت ہی عجیب ہے یعنی ایک دریا شی بچھڑا جس کے مونہ کے سوا فضلہ کے خارج ہونیکے لئے اور مخرج ہی نہیں ہے۔ اور یہ جھیل ڈیمیا کے ملک میں گونڈار سے تین مختصر منزلوں اور نیل کے مخرج سے چار پانچ دن کے سفر کے فاصلہ پر بتاشی اور کہا کہ جب یہ دریا اس جھیل سے نکلے گا تو بہت سے دریاؤں اور برساتی نالوں کی وجہ سے جو اس جھیل میں آکر گرتے ہیں اسکا پاٹ بہت بڑھ جاتا ہے خصوصاً برسات میں جو ہینڈوستان کی طرح یہاں بھی ایک معین موسم ہے اور تقریباً جولائی کے اخیر سے شروع ہوتا ہے۔



میرے نزدیک یہ اخیر بات ایک طرح سے امراہم اور قابلِ محاطا ہے۔ کیونکہ اس سے اس دریا کی طغیانی کی وجہ معلوم ہوتی ہے اور انہوں نے کہا کہ دریا اس جھیل سے نکل کر جکا ابھی ذکر ہوا شہر سینے ناز کی طرف جاتا ہے جو فتح جی کا پاشے تخت ہے جو شاہ اتھوپیا کا ایک باجگزار ملک ہے اور اس طرح آگے کو بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر کار مصر کے میدانوں میں جا پہنچتا ہے۔ ان غیروں نے اپنے بادشاہ کی شان و شوکت اور فوجی قوت کا حال اہل قدر بڑھا کر بیان کیا کہ مجھے اور دانتسمند خاں دونوں کو ناپسند ہوا۔ مگر ان کا وہی رفیق سفر منغل اس صبح سرائی میں شریک نہ تھا۔ اور ان کی غیبت میں اُسے جسے کہہ دیا کہ سینے دو دفعہ دماں کی فوج کو عین میدان اور ایسے وقت میں دیکھا ہے جب کہ خود بادشاہ اُس سے کام لے رہا تھا اور میرے خیال میں کسی فوج کا اُس سے زیادہ شکستہ حال اور بے انتظامی کی حالت میں ہونا ممکن نہیں اور ایسے ہی اور بہت حالات آسمان کے کھمبوں سے جو سب میرے روزنامہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ کسی دن لوگوں کی اطلاع کے لیے میں اُن کو چھپوا سکوں گا۔ اور بالفعل میں صرف تین چار ہی باتوں کے لکھنے پر جو قراء نے مجھے بیان کی تھیں قناعت کرتا ہوں۔ اور چونکہ وہ ایسی سرزمین سے علاقہ رکھتی ہیں جو عیسائیوں کا ملک سمجھا جاتا ہے اس لیے نہایت تعجب کے لائق ہیں۔ چنانچہ اُسے بتایا کہ حبش میں چند ہی آدمی ایسے ہونگے جنکے کئی کئی بیویاں ہوں۔

اور بغیر کسی طرح کے شرم و محاظ کے خود اپنی بابت بھی کہہ دیا کہ منکوہ بیوی کے سوا جو حَلَب میں ہے دو جو روٹیں اُور بھی ہیں اور بیان کیا کہ جس طرح ہندوستان کے مُسَلِّمَانوں بلکہ ہندوؤں کی بھی عورتیں پردہ میں رہتی ہیں حبش میں نہیں رہتیں اور غریب گھرانوں کی عورتیں خواہ بیاہی ہوں یا کنواری اور لونڈی ہوں یا آزاد رات دن ایک ہی مکان میں باہم رہتی ہیں اور رشک و حسد کے خیالات جو اُور قوموں کی عورت میں عموماً ہوتے ہیں یہ جانتی بھی نہیں۔ اور بڑے بڑے امیروں کے گھروں کی عورتیں اور اُن کی جو روٹیں اگر کسی خوبصورت سوار سپاہی پر طبیعت آجائے تو اُسکے چھپانے کی چنناں پروا نہیں کرتیں۔ بلکہ جب چاہتی ہیں بے خوف و خطر اُسکے گھر چلی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر تم وہاں جاتے تو خواہی خواہی شادی کرنی ہی پڑتی۔ چنانچہ چند سال ہوئے کہ ایک یورپین درویش کو جس نے اپنے تئیں ایک طبیب ہانڈہ یونان ظاہر کر رکھا تھا زبردستی یہ جو رو کرادی گئی اور لطف یہ کہ جس عورت کو اُس نے اپنے بیٹے کی شادی کے لیے تجویز کیا تھا اسی سے! اسکا نکاح پڑھوادی گیا اور ایک قصہ یہ سنایا کہ ایک استی ہرس کے بُڈھے نے اپنے چوبیس بیٹے جو جوان اور ہتھیار باندھنے کے قابل تھے بادشاہ کے روبرو پیش کیے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تیرے صرف اتنے ہی لڑکے ہیں؟ جب اُس نے غرض کیا کہ ہاں لڑکے تو اتنے ہی ہیں مگر چند لڑکیاں بھی ہیں۔ تو بادشاہ نے مجھجلا کر کہا کہ ”او بُڈھے

بیل میرے سامنے سے دُور ہوا۔ مجھ کو تعجب آتا ہے کہ شرمندہ ہونے کی جگہ تو شیخی بنگھارتا ہے! کیا ہمارے ملک میں عورتوں کا کال پڑ گیا ہے کہ تیری سی عمر کا آدمی صرف دو درجن لڑکوں کے باپ ہونے پر اترتا ہو؟ اور اُسے کہا کہ ہمارے بادشاہ کے کم سے کم اسی لڑکے باپ ہیں جو محل میں جدمرد کھود ہی دوڑتے پھرتے نظر آتے ہیں اور اُنکی یہ پہچان ہے کہ ہر ایک کے پاس بادشاہ کی دی ہوئی ایک گول رنگین چھڑی ہوتی ہے۔ جسکو پنبٹ اور لڑکوں کے وہ اپنے لیٹر مینٹ پٹو کی طرح باعث امتیاز سمجھ کر خوشی خوشی ہاتھ میں بیٹے پھرا کرتے ہیں۔

میرے آغا کی طرح آؤرنگ زیب نے بھی دو دفوان خیروں کو اس اُمید سے اپنے حضور میں بلایا کہ اُن سے اُن کے ملک کے کچھ حالات معلوم ہوں۔ مگر اُسکی زیادہ تر غرض یہ معلوم کرنا تھا کہ دین اسلام کی وہاں کیا حالت ہے۔ اور وہ خیر کی کھال بھی منگو کر دیکھی جو نہ معلوم کس طرح قلعہ ہی میں بادشاہی عہدہ داروں کے پاس رہ گئی اور مجھے اُسکو حاصل ہونے کا ارمان ہی رہ گیا۔ کیونکہ انہوں نے میری کارگزاری کے صلہ میں اُسکے دیدینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور میں یہ خیال کر کے کہ کسی دن اپنے ملک میں پہنچ کر عجیب چیزوں کے کسی شوقین شخص کی نذر کر سکوں گا۔

\* یورپ میں دستور ہے کہ دربار وغیرہ جلوس کے موقعوں پر بادشاہ ایک عمامہ میں پُور ہتے ہیں۔ جسکو رایل مینٹ ٹو لینی عمامے شاہی کہا جاتا اور تختہ تاج وغیرہ کی طرح ایک بادشاہی علامت سمجھا جاتا ہے۔ س م ج ۱۲

دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا تھا۔ اور میں نے ان سفیروں کو بہت تاکید سے یہ بھی کہا تھا کہ اس کھال کے ساتھ بادشاہ کو وہ سینگ بھی ضرور دکھانا مگر انہوں نے اس خوف سے اسکو پیش نہ کیا کہ مبادا ہم سے یہ پوچھا جائے کہ سوزنٹ کی لوٹ میں جب یہ بیچ رہا تو اسکو اندر کی خوشبودار چیز کہاں گئی! اور پھر ہم اسکا کیا جواب دینگے۔!

شاہ حبش کے سفیر بھی دھٹکی ہی میں تھے کہ آؤ رنگ زیب نے اپنے دربار کے خاص خاص اُمراء اور علما کو اس مشورت

اورنگ زیب کا اپنی تیسری لڑکے سلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کرے۔ اتالیق تجویز کرنا اور شاہزادوں کو تقص تربیت کے نتائج کی ایک مکمل تصویر۔

کے واسطے جمع کیا کہ اپنے تیسرے لڑکے سلطان اکبر کی تعلیم و تربیت کے لئے جسکو ولیعہد بنانا چاہتا تھا ایک اتالیق تجویز کرے۔ اور آج سے فرمایا کہ میری بڑی آرزو ہے کہ اسکی تعلیم و تربیت ایسی کیجائے کہ جس سے کامل توقع اس امر کی ہو سکے کہ ہر طرح کی لیاقتوں کے لحاظ سے یہ لڑکا مشہور آفاق ہو۔ چنانچہ میری رائے میں کوئی شخص آؤ رنگ زیب سے زیادہ اس امر سے واقف نہیں کہ شاہزادوں میں ہر ایک طرح کے مفید علموں اور فنہروں کا موجود ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ کیونکہ انکی نسبت یہ اُمید ہوتی ہے کہ کسی آئندہ وقت میں فرماں روا اور حاکم بنینگے۔ اسکا قول ہے کہ جس طرح سے باعتبار اپنے مرتبہ اور اختیار کے ان کو آؤ رنگ زیب کی تعلیم و تربیت ہے۔ اُسی طرح لازم ہے کہ دانا مٹی اور صفات حمیدہ میں بھی ان سے افضل ہوں۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ ممالک ایشیا

میں جو آفتیں اور مصیبتیں سلطنتوں پر پڑا کرتی ہیں اور وہ بد عملی اور بد انتظامی جس سے آخر کار وہ برباد اور تباہ ہو جاتی ہیں اسکا باعث اگر وہ غلط کام کرتے ہیں تو ہمیشہ یہی نکلیگا کہ شاہزادوں کی تعلیم و تربیت ناکافی اور بُرے طور پر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بچپن ہی سے عورتوں اور خواجہ سراؤں یا ان غلاموں کے سپرد رہتے ہیں جو ملکِ دُشمن اور سرکشیہ اور مغولستان اور گرجستان اور حبش سے آتے ہیں اور کج خلق غلامی کا یہ خاصہ ہی ہے کہ اس سے عقل و تمیز خراب اور یہ عادت ہو جاتی ہے کہ اپنے سے زبردستوں کے سامنے بہت ہی عجز اور فروتنی سے پیش آتے اور کم زوروں اور ماتحتوں پر خواہ مخواہ زور و زیادتی جتاتے ہیں۔ پس یہ شاہزادے جب محلوں میں سے نکلا کر تخت نشین ہوتے ہیں تو وہی ظالمانہ اور خراب عادتیں جو سیکھی ہوئی ہوتی ہیں ساتھ لے آتے ہیں اور ان فرائض سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں جو ان کی اس نہی حالت کو لازم ہیں اور اپنی زندگی گانی کے اس تماشا گاہ میں اس طرح پر غلامی کے سامنے آتے ہیں کہ گویا کسی اور ہی دُنیا سے آئے ہیں اور ہر ایک چیز کو ایسے بھولے پن اور حیرانی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا کسی اندھیری کوٹھری یا تہ خانہ میں سے آج ہی پہلے پہل نکلے ہیں۔ اور باتو بچوں کی طرح ہر بات پر یقین کر لیتے باہر چیز سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں یا ایسے ہٹیلے اور بے پردہ اور احمق ہوتے ہیں کہ معقول صلاح اور مشورہ کی بات کو سنتے ہی نہیں اور گویا ہی خراب کام کیوں ہوا سکے کہ بیٹھنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے اور سخت پر ہٹکے باتو اپنی

جب ملی طبیعت اور مزاج کے سبب سے یا ان خیالات کی وجہ سے جو پہلے  
سے ان کے دل میں بٹھائے ہوئے ہوئے ہیں ایک مصنوعی وقار  
اور کنت دکھاتے ہیں مگر ہر سیکو آسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل سنجیدگی  
اور وقار ان میں نام کو بھی نہیں اور یہ ظاہر داری صرف کسی بُری سکھاؤٹ  
کا اثر ہے جسکو بجاے متانت اور سنجیدگی کے ایک حیوانیت اور بیہودہ  
نمایش کہنا چاہیے۔ اور یا بہ تکلف ایک ایسی خوش خلقی اختیار کرتے ہیں  
جو بادشاہوں کی شان کے ہرگز لائق نہیں ہوتی اور بناوٹی ہونے کی  
وجہ سے مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسا کون شخص ہے جو ممالک  
ایشیا کی تاریخ سے واقف ہو اور میرے اس بیان کی صحت سے جو  
ایشیائی شاہزادوں کی حالت کی ایک ٹھیک تصویر ہے انکار کر سکے۔  
اور میں پوچھتا ہوں کہ کیا ممالک ایشیا کے بادشاہ انھیں بند کر کے جیلوں کی  
سی بیرحمیاں نہیں کرتے رہے۔ اور ان کی بیرحمی کیا کبھی کسی معین طریقہ پر  
ہوتی تھی؟ اور کیا وہ مطلقاً نامنصفانہ تھی؟ اور کیا وہ جیب و شراب خواری  
کی ذلیل اور کمینہ عادت میں مبتلا اور بغیر کسی طرح کی شرم کے عیاشی و  
شہوت پرستی میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں؟ اور حرموں کی صحبت میں  
اپنی تندہی اور عقل بالکل غارت اور برباد نہیں کرتے؟ اور کیا انھوں نے  
سلطنت کے کاروبار کی عوض اپنا تمام وقت سیر و شکار ہی میں نہیں کھویا؟  
اور اگرچہ ان بے درد بادشاہوں کو اپنے شکاری کتوں سے بہت محبت ہوتی  
ہے اور ان کی غور و پرداخت کا بہت خیال کرتے ہیں مگر ان بچارے

غریب لوگوں کی مصیبتوں کی جو شکایں ساتھ جانیکے لیے بیگار میں پکڑے جاتے اور گرمی اور سردی کی شدت اٹھاتے اور بھوک اور لنگان سے مرجاتے ہیں ان کو مطلقاً پروا بھی نہیں ہوتی۔

الغرض ایشیائی بادشاہ نہایت ہی سہولت کا  
بد عادتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور  
جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں انکی یہ

ایشیائی شاہزادوں کے بد عادتوں میں  
بتلا ہونے اور انکی غفلت شکاری اور  
وزیر یا کسی لوندی باخوابہ سرا کو زور  
دست اور اُسکے نتائج کا بیان۔

خراب عادتیں انواع و اقسام کی ہوتی ہیں۔ اور اس اختلاف کا سبب بڑا  
ان کا طبعی میلان ہوتا ہے یا وہ خیالات انکا باعث ہوتے ہیں جو ابتدائے  
عمر سے انکی طبیعت میں بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اور شاہزادہ ہی کوئی  
بادشاہ ایسا ہوتا ہے جو اپنی سلطنت کے اندرونی اور پولیٹیکل امور  
سے بدرجہ غایت ناواقف نہ ہو۔ وہ اپنی سلطنت کی باگ اکثر کسی وزیر کے  
ہاتھ میں دیدیتے ہیں جبکہ منصوبہ یہ ہوتا ہے کہ خود مختارانہ اور ہلار و لٹاک  
اور بغیر کسی طرح کے خوف و خطر کے حکومت کرنے کی غرض سے حقیر  
اشغال میں اپنے آقا کے مبتلا رہنے کی اور بھی تائید کر کے اُسکی طبیعت  
کو امور سلطنت کی واقفیت سے باز رکھتا ہے۔ اور اگر وزیر اعظم امور  
سلطنت کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا تو بادشاہ کی ماں جو  
اصل میں کوئی لوندی باندی ہوتی ہے۔ اور کچھ خواجہ سرا ملک پر حکومت  
کرتے ہیں۔ جنکی تدبیریں وسیع اور آزادانہ خیالات پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ  
ہمیشہ انہیں ہر حمانہ جوڑ توڑوں میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے بھینسوں

میں سے کسی کو بھانسی دیں اور کسی کو قید یا جلا وطن کریں۔ اور بھجنوں پر ہی کیا منحصر ہے یہی سلوک وہ اکثر اوقات بڑے بڑے امرا بلکہ خود وزیر کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ اور فی الواقع ان کے تسلط کے زمانہ میں جو سلطنت کے لیے شرم کا موجب ہوتا ہے کسی شخص کی زندگی جو کچھ بھی مال و دولت رکھتا ہو ایک دن کے لیے بھی محفوظ نہیں ہوتی۔

سفیر ایران کا دھلی میں آنا اورنگ زیب کے حضور میں مذکورہ بالا ملکوں کے سفیر جب حاضر ہو چکے تو آخر کار دربار شاہی میں یہ خبر پہنچی کہ ایران کا سفیر بھی سرحد پر پہنچ گیا ہے اور یہاں کے ایرانی امرا اور اہل ایران نے یہ مشہور کر دیا کہ نہایت ہی اہم معاملات اسکے آنیکے باعث ہوئے ہیں۔ لیکن سمجھ دار لوگوں نے اس پر بالکل یقین نہیں کیا۔ کیونکہ اہم معاملات کا وقت گزر چکا تھا۔ اور یہ بات ظاہر تھی کہ ان لوگوں کے ایسا مشہور کرینا سبب بجز اس بیہودہ خواہش کے کہ اپنے ملک کی عظمت و اقتدار کا اظہار کریں اور کچھ نہ تھا۔ ان کا یہ بھی اوجہ تھا کہ جو امیر اسکے استقبال اور توضع و تکریم کے واسطے مامور ہوا ہے اسکو بتا کیہ یہ فہمائش ہوئی ہے کہ جس طرح ممکن ہو دہلی پہنچے سے پہلے سفیر کے آنیکا اصل مدعا دریافت کرے۔ اور اسکو یہ بھی ہدایت ہوئی ہے کہ اس مبلغ سفیر کو رفتہ رفتہ اس امر پر پائل کر دے کہ وہ دربار میں ہندوستان کے قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات بجالائے اور اسکو یہ بھی سمجھا دے کہ قدیم سے یہ دستور ہے کہ شاہ ایران کا نامہ بلا واسطہ کسی امیر کے خود بادشاہ کو نہیں دینا چاہیے۔ لیکن جو کچھ پیشہ دیکھا اس



سے ظاہر ہو گیا کہ یہ سب لٹوکھانیاں تھیں۔ اور جو مرتبہ خدا نے، اور نگذیب کو بخشا ہے وہ ایسی باتوں کا محتاج نہیں ہے۔

جب یہ سفیر دارالسلطنت دہلی میں پہنچا تو اسکی تعظیم و تکریم کا اظہار واجب طور سے کیا گیا یعنی جن بازاروں میں سے وہ ہو کر گزر رہا تھا سفیدی وغیرہ از سر نو کرائی گئی اور تین میل کے قریب دور وہ سواری کی فوج صف بستہ کھڑی کی گئی اور بہت سے اُمرائے اپنے اپنے باجے گاجوں کے اُسکی سواری کے ساتھ تھے۔ اور قلعہ شاہی کے دروازہ میں پہنچتے ہی تو چنانچہ سلامی ہوئی۔ اور اورنگ زیب اُس سے نہایت اخلاق اور مہربانی سے پیش آیا اور اہل ایران کے طور پر اُسکے سلام کرنے سے ناخوش نہیں ہوا اور اُسکے ہاتھ سے شاہ کا خرطوم بھی ملا تو اُسے لیا بلکہ بطور تعظیم اُسکو اپنے تاج کے قریب تک لگیا۔ اور پھر ایک خواجہ سرا سے اُسکی مہر کھا کر نہایت متانت کے ساتھ ملاحظہ کیا اور حکم دیا کہ سفیر کو سربا پہنایا جائے۔ چنانچہ قباے زربفت اور مندیل اور ریشمین زرری کا رچنگہ عنایت ہوا۔ اور اس رسم کے بعد سفیر کو تحائف پیش کرنے کا اشارہ ہوا۔ چنانچہ پچیس ایسے خوبصورت گھوڑے جو سینے کبھی نہیں دیکھے تھے جمع زر دوزی اور زربفت کی گرہنیوں کے۔ اور مینل نہایت اعلیٰ نسل کے ایسے قوی اور قد اور اونٹ جتنکو اُتھی کے پاٹھے پہنا دیا سے اور بہت سے صندوق عمدہ گلاب اور ایک اور عرق کے جسکو بد فٹاک کہتے ہیں

سفیر ایران کی جس طرح پر تعظیم و تکریم ہوئی اور جس طرح سے اورنگ زیب اُس سے پیش آیا اور جو تحائف اُسے پیش کیے اُن کا بیان —

اور جو نہایت مفرح سمجھا جاتا ہے اور کیا ب چیز ہے۔ اور پانچ چھ بڑے بڑے اور خوبصورت قالین اور کئی بہت ہی بڑھیا تھان زینت کے جن پر نہایت باریک نگکاری کی ہوئی تھی اور ایسے سبک اور پاکیزہ وضع کے تھے کہ مجھے شک ہے کہ کبھی کوئی ایسی نفیس چیز یورپ میں دکھائی دی ہو۔ اور جڑاؤ قبضہ کے چار دشتی خنجر اور چار مرصع پیش قبض اور پانچ ہاتھ گھوڑوں کے بہت ہی خوبصورت ساز جنکو سب لوگوں نے خصوصیت سے پسند کیا۔ اور واقع میں بہت ہی خوشنما اور قیمتی تھے۔ اور جن پر چھوٹے چھوٹے موتیوں اور پرانی کان کے فیروزوں سے نہایت ہی اعلیٰ قسم کی صمغ کا کاف کی ہوئی تھی پیش ہوئے اور نگ زیب نے سب چیزوں کو بڑی غور سے ملاحظہ کیا اور حاضرین دربار کو اسوقت ایسا معلوم ہوا تھا کہ وہ ان عمدہ تحائف سے بہت ہی زیادہ بلکہ معمول سے بڑھکر خوش ہوا ہے۔ اُس نے ان چیزوں کی خوبی اور انفاست اور کیا بی اور شاہ کی اس مہربانی اور کشادہ دلی کی کہ کیسے کیسے بیش بہا تحفے بھیجے ہیں بار بار تعریف کی۔ اور سفیر کو بڑی مہربانی اور اُمرا میں جگہ دی اور اُس کے دور و دراز سفر کا ذکر کر کے اس معزز اور عالی مرتبہ مکان سے فرمایا کہ اسوقت آپ آرام کریں اور ہم آپ کو ملاقات کے لئے ہر روز بلایا کریں گے۔

یہ سفیر چار پانچ مہینے دھنلی میں رہا اور اُس کے سب اخراجات بہت تکلف کے ساتھ خزانہ شاہی سے ہوتے رہے۔ اور اُمرا سے دربار نے نوبت بہ نوبت بڑی بڑی ضیافتیں کیں۔ اور بوقت خست پادشاہ نے

ایک آؤد بھاری سراپا مع کئی بیش بہا چیزوں کے عنایت کیا۔ اور شاہ ایران کے بیٹے تحائف بھیجے جانے کی نسبت یہ تجویز ٹھہری کہ چھو سے ایک اپنے سفیر کی معرفت بھیجے جائینگے۔ چنانچہ اس سفارت کے بیٹے ایک امیر مقرر بھی کیا گیا۔

اگرچہ بہ نسبت اور سفیروں کے جو پہلے آچکے تھے اورنگ زیب نے اس سفیر کا بہت ہی اعزاز کیا اور دل سے خاطر و مدارات

اہل ایران مفیم دہلی کا نامہ شاہ ایران کے معنون کے باب میں مختلف افواہیں اڑانا اور اُن کی نسبت منفک رسدے

کی۔ مگر اس پر بھی اُن ایرانیوں نے جو دہلی میں تھے یہ بات مشہور کر دی کہ شاہ نے اپنے نامہ میں اورنگ زیب کو داراشکوہ کے قتل اور شاہچہا کی قید کی بابت بہت ہی ملامت کی ہے اور لکھا ہے کہ جو سلوک تم نے اُن سے کیا ہے کوئی بھائی بھائی کے ساتھ اور کوئی بیٹا باپ کے ساتھ نہیں کر سکتا اور کسی ایماندار مسلمان سے ہرگز ایسی حرکت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اپنا لقب عالمگیر کیوں مقرر کیا ہے اور اُسکو نگہ پر کیوں منقش کرایا ہے۔ اور اس بات کو انہوں نے یہاں تک بڑھایا کہ نامہ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اگر آپ عالمگیر ہیں تو یہ گھوڑے اور یہ تلوار حاضر ہے! بسم اللہ! آئیے ادھر سے ہم بھی آتے ہیں! امیر غزنویک اگر یہ بات سچ ہوتی تو شاہ ایران کی طرف سے گویا پیغام جنگ تھا۔ لیکن میں نے جیسا سنا ویسا لکھ دیا ہے۔ اور اسکو میں غلط ثابت نہیں کر سکتا

تو بیت خاں کو بھیجا گیا تھا۔ س م ع

اگرچہ اس دربار کا راز ہر کسی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ زبان سے واقفیت اور چند شخصوں سے ملاقات رکھتا ہو اور میری طرح عجایب بانوں کے دریافت کرنے میں دل کھول کر روپیہ خرچ کرنے کی بھی کچھ پروا کرتا ہو لیکن میں تو آسانی سے ایسی بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ شاہ ایران نے ایسے الفاظ اپنے نامہ میں لکھے ہوں کیونکہ گواس بات سے انکار نہیں کیا جاتا کہ ایرانیوں کی یہ عادت ہے کہ جب کسی کو اپنا زور و طاقت جتانا چاہتے ہیں تو ایسی ہی تعسلی کی لیا کرتے ہیں۔ مگر ایسے لفظوں سے تو علاوہ ایک بڑی ہی خالی شیخی کے دھمکی کی بو بھی آتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ اکثر باخبر لوگوں کی یہ رائے ہے اور خود میرا بھی خیال یہی ہے کہ ایران میں یہ طاقت ہی کہاں ہے کہ ہندوستان جیسی سلطنت پر حملہ کرے اور اسکو تو یہی غنیمت ہے کہ قندھار جو ایران کی عملداری میں ہندوستان کی طرف سرحد پر ہے اُسکے قبضہ میں رہے یا یہ کہ اپنے ملک کو حدود سلطنت روم کی جانب سالم اور محفوظ رکھ سکے ایران کی سپاہ و دولت کا حال مدبران سلطنت ہند کو خوب معلوم ہے۔ اور وہ واقف ہیں کہ وہاں کے تخت پر ہمیشہ شاہ عباس ہی نہیں ہے جو ایک نامور اور مدبر بادشاہ اور اس قابل تھا کہ جو معاملہ پیش آئے اُسکو اپنے ہی مدعا کے موافق بنا لے اور بڑے بڑے منصوبے تھوڑے سے سامان سے انجام دے لے۔ اور اگر ایران کا

\* شاہ عباس امی سمراندی جو اکبر کا سامرا اور شاہ جہاں کے زمانہ تک فرانس کا ابوان رہا۔

ارادہ اس سلطنت پر کوئی مہم کرنے کا ہے اور حالیہ وارداتوں کی وجہ سے اسکو اورنگ زیب کی نسبت امتداف پیدا ہوا ہے تو وہ کیوں ان جانکاہ واقعات کو خاموشی اور بغرضی کی نگاہ سے دیکھتا رہا جو ان لڑائیوں میں پیش آئے جو ہندوستان میں ہو رہی تھیں اور باوجودیکہ داراشکوہ اور شاہجہان اور سلطان شجاع اور شاید صوبہ دار کابل بھی اُس سے امداد کے لٹو ملتجی ہوئے۔ مگر اُسکے دل پر کچھ بھی اثر نہ ہوا حالانکہ وہ تھوڑی سی فوج سے ہندوستان کے ایک نہایت عمدہ حصہ پر یعنی کابل سے لیکر دریائے سینڈھ کے کنارے بلکہ اُس سے آگے تک قبضہ کر سکتا اور اس طرح پر یہاں کے ہر ایک جھگڑے میں ہمیشہ کے لیے اپنے پیش ثالث بنا سکتا تھا بہر حال خواہ تو شاہ ایران کے نام ہی میں کوئی نالائم فقرہ تمھایا اورنگ زیب خود اس سفیر

اورنگ زیب کا عتاب سفیر  
ایران کی نسبت اور اسکا بلب

ہی کی کسی حرکت یا گفتگو سے ناراض ہو گیا تھا جو اُسکے دہلی خیمہ نصرت ہونے کے دو یا تین ہی روز بعد اُس نے اس امر کی شکایت کی کہ بوگٹوڑے شاہ ایران کی طرف سے آئے ہیں سفیر نے اُن کے پچھلے پانوں کی نشیں کٹوا دی تھیں اور حکم دیا کہ اُسکو سرحد پر روک لیا جائے۔ اور تمام ہندوستانی لونڈی غلام جو وہ یہاں سے لے گیا ہے چھین لیٹ جائیں جنکی تعداد بلاشبہ بہت ہی زیادہ تھی اور قحط کی وجہ سے بہت ہی کم ہوتے

\* اصل انگریزی میں لفظ ہیمسٹرنگ Hamstring ہے جسکے معنی بوجب

فرنیچہ و اصطلاح طبی رباط کے ہیں۔ - س ۴۵

اُسکے ہاتھ آگئے تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اُسکے نوکر چاکر بہت سے بچوں کو چورا کر بھی لیکے تھے۔ \*

اس سفیر سے اورنگ زیب کے ناراض ہو جانے کا ذکر کسی جگہ نظر سے نہیں گزرا مگر اور حالات مندرجہ تن کی تشریح آنوقت کی فارسی کتابوں سے یوں پائی جاتی ہے۔ کہ جب سے شاہجہاں کے عہد سلطنت میں شاہ عباس ثانی نے قندھار کو شہنشاہ اکبر زاد تھاوان جبری میں عامل دولت ہند و سلطان سے پھر چین لیا تھا دونوں سلطنتوں کے باہم دوستانہ راہ وریم بند تھی۔ مگر جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو بنہا موصوف نے اپنی بیٹھی میں سبقت کر کے اس راہ وریم کو پھرتازہ کیا۔ چنانچہ صاحب عالمگیر نامہ نے اس حال کو سلطنت اکبر دار اکبر جبری کے واقعات میں (جو اورنگ زیب کے قمر سے اور چوتھے سال جلوس کے مطابق تھا) بہت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ اُس سے سفیر کی عمارت کا طور و طریق مع اور بہت سی درباری اصول اور دیکھ بپ باتوں کے زیادہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، اسلئے اسکا پورا ترجمہ لکھنا مناسب معلوم ہوا۔ دھو ہذا۔

ان ایام میں دقایق صوبہ ملتان سے دریافت ہوا کہ دایہ ایران نے بھی بقتضای مصلحت و دامنائی رسم اتحاد کے تازہ کرنے کے یثے بوداق بیگ تفگیچی آقامی (یعنی ہندو قبیلوں کی فوج کے سردار) کو جو اُسکے اُمرائے دربار میں سے تھا ”سبحانایں و نامہ و نہاد سفین مبارکباد و تخت نشینی“ روانہ کیا ہے اور وہ قندھار سے گزر کر ملتان کے راستہ دیتی کو آنا ہے۔ اسلئے اورنگ زیب فرامدال بیگ نامے اپنے ایک مقرب ملازم کو مامور کیا کہ استقبال اور مہانداری کے یثے ملتان تک جائے۔ چنانچہ اس شخص کو حسب معمول خلعت و کمر جب کی پہلی تاریخ روانہ کیا گیا۔ اور اسی کے ہاتھ بوداق بیگ کے یثے بھی ایک خلعت بھیجا گیا اور بہت سی حاکم ملتان اور خلیل اللہ رخان صوبہ دار ”دار السلطنہ“ لاہور اور افغانی راہ

بقیہ تاریخ ہندوستان

کے سب حاکموں کو احکام بھیجے گئے کہ نواز مضافت و مہاراجی بجا لاکر اپنے اپنے مقصد کے موافق نقد و جنس سے بھی تواضع کریں۔ تیسری شہان کو بوداق بیگ کے بھیجے ہوئے "شہزادہ اسے کاہیز" اور کچھ اور ہوئے بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئے اور لالہ والو کو خلعت کے علاوہ ڈھائی ہزار روپہ انعام مرحمت ہوا۔

بعد ازیں خبر آئی کہ بوداق بیگ آخر تاریخ شہان کو ملتان پہنچا اور تربیت خان نے مضافت کے بعد پانچہزار روپہ نقد اور ہندوستان کی ساخت کے نو پانچے بطور تحفہ اسکو دینے اور جب لاہور پہنچا تو خلیل اللہ خان نے نہایت عمدہ مضافت کی جس بڑے تکلف سے چار سو تاقیم انواع و اقسام کے کھانوں کی اور سات سو خوان قسم قسم کے نقلوں اور عطریات کے پھینے گئے اور بیس ہزار روپہ نقد اور ایک ہزار ایک تلواریں سازینا کار کئے اور سات کشتیان ہندوستان کے بنے ہوئے نفیس کپڑوں کی تواضع کیں۔

اٹھارہویں رمضان کو بوداق بیگ کا ایک عریفہ لاہور سے روانہ ہونے کی اطلاع میں پہنچا اور چونکہ اسے عریفہ کے ساتھ باز۔ جزہ۔ چوغہ اور شاہین وغیرہ کچھ نکاری جانور بھی بھیجے تھے اسلئے لانے والوں کو خلعت عطا ہوئے۔

اٹھائیسویں رمضان کو جب بوداق بیگ باغ آہنزا آباد کے نزدیک بمقام سرسے بادلی پہنچا تو بادشاہ نے ہراد و اظہار غایت اس کے بے "اوش خاص" بھیجا۔ اور دربار میں حاضر ہوئے تھکے بیٹھے سوال کی تیسری کو ایک "ساعت نیک" متعین ہوئی چنانچہ اس ہورت کے موافق جب یہ ہفتہ شہر کے قریب پہنچا تو اسد خاں۔ سیف خان اور ملکت خان "سیرتنگ" تین بڑے امیر شہر کے اپنے اپنے استقبال کر کے دیوان خاص و عوام میں جہاں بادشاہ سالانہ جشن کے دربار میں تھتہ پر بیٹھا ہوا تھا لائے اور اسے (قبول صاحب عالمگیر نامہ) کے بیان کو اس امر خاص میں ڈاکٹر ویدی کی بیخبر فاضلہ اور چشم دید شہادت کے مقابل میں صحیح نہیں سمجھا جاسکتا اسی طرز و قانون سے جو اس سلطنت کا معمول رہا تھا اب کرنش و سلیم جلالگر "شاہ ایران کا نام پیش کیا اور بادشاہ نے "بظاہر خلعت نازخہ و حیفہ و حنجر مرصع و گنجہ پیش باہر لے کر پوچھا

تاریخ حیدرآباد

وہاں باہندان وخوان طلا“ عین مجلس جشن میں مشارف فرمایا۔ اور دربار برخواست ہو کر  
 بعد رستم خان کی حویلی میں جو چھٹا کے کنارے ایک عمدہ مکان تھا اور غیر کی خاطر  
 سرکاری فرش فردش سے آراستہ کیا گیا تھا اتارا گیا اور مید عریز بدخشانی جو ایک بنجیدہ  
 اور مستقل شخص تھا ہانا مقرر ہوا۔ بادشاہ نے دوسرے دن سفیر کو بھر حضور میں طلب کیا  
 اور ایک ٹھیکہ راسا رصع“ غنایت کی اور اس کے ہمراہیوں میں سے نذر قلی“ اسے سوغات  
 کے گھوڑوں کے میدا آخور (داروغہ مطبل) اور محمد حسین شمولدار تحایف اور  
 احمد بیگ ایچی کے داماد اور اس کے ملا میدوزین العابدین کو خلعت غنایت کیڑ  
 اور چونکہ رات کو دریا سے چھٹا میں بادشاہ زادوں کے کارپردازوں اور بڑے بڑے  
 امیروں کے انتہام سے جشنوں کے معمولی دستور کے موافق کشیوں پر نہایت تکلف سے  
 چراغوں کی روشنی کی گئی تھی ایسے بادشاہ نے غسل خانہ کرد باغاس میں سفیر کو بھیج  
 اس کے ہمراہیوں کے طلب کر کے اس تماشتے کے لاحت میں شریک کیا۔ اور ساتویں سال  
 کو سفیر نے حسب الطلب غریزہ کر بادشاہ ایلان کے تحایف جنیں چھیاٹھ عراقی گھوڑے  
 نہایت ہی قابل تعریف تھے۔ اور ایک بہت بڑا باب موتی جو وزن میں سینتیس فیتر (یعنی  
 ایک سو گیارہ رتی یا ایک رتی کم چودہ ماشے) تھا اور جب قیمت بادشاہی جہریوں نے  
 ساٹھ ہزار روپیہ کی تھی اور انھوں نے جبکی قیمت مع گھوڑوں اور اس موتی کے چالاک  
 بائیں ہزار روپیہ سمجھی گئی تھی پیش کیے اور سفیر نے اپنی طرف سے بھی کچھ عراقی گھوڑے اور  
 “شیرنجی“ (یعنی دو کوہان واسے اونٹ) اور ایران کی اور نفیس چیزیں پیش کیں جسکو  
 اورنگ زیب نے قبول فرما کر ساٹھ ہزار روپیہ نقد اور چاندی کے ہودے اور زینت کی  
 جھول کے ساتھ ایک تھنی عطا کی اور محمد حسین شمولدار تحایف کو بانج ہزار روپیہ اور  
 نذر قلی میدا آخور اور ملا میدوزین العابدین کو تین تین ہزار روپیہ اور ایچی کے  
 داماد احمد بیگ کو دو ہزار روپیہ غنایت کیے۔ اور بروز جشن سالگرہ چل و پیچ  
 سماسا کرئی“ سفیر کو پھر “سچاس ہزار روپیہ نقد اور صرعی بیٹی اور خلعت بارانی  
 اور باہندان باخراچہ عطا اور ایک ہزار روپیہ اور ایک بندوق خاص“  
 اور محمد حسین کو تین ہزار اور نذر قلی اور حکیم یوسف سفیر کے طبیب کو



دو دو ہزار۔ اور اُسکے کئی "توہیوں" (سعداں) اور ہمارے ہوں کو تیرہ ہزار روپے  
مرحت فراشے۔ اور سیرسی ذی الحجہ کو تین اشرفیاں جو وزن میں کُل سات سو تولہ!  
کی تھیں اور پان پان سو تولہ کے تین روپے! عطا ہوئے۔

اور بروز عید ذی الحجہ بوداق بیگ کو خدمت کر کے ایک لاکھ روپیہ نقد اور  
خلعت فاخرہ مع خنجر مینا کار با علاقہ مراد پدا اور ایک گھوڑا با زین و گلام طلاء اور باغی  
بازین طلائی و سازقرہ و جل زر لغت اور ایک فیل دریائی جکی شکل و صورت (تقبل حسب  
عالمگیر نامہ) خالی از طرکی و غرابت نہ تھی اور ایک ہالکی سہ ساز و سامان "عطا کی اور اس کے  
جواب کی نسبت یہ ارشاد ہوا کہ ایک فہمیدہ اور سنجیدہ بڑے امیر کے اتھ ہینڈ ڈیسٹائن  
کے عمدہ عمدہ تحفوں کے ساتھ پیچھے سے بھیجا جا بیگا۔ خلاصہ یہ کہ امپری کو اول سے  
افرنک پانچ لاکھ روپیہ اور اُسکے ہمارے ہوں کو پینتیس ہزار روپیہ عطا ہوا۔ اور خواجہ صادق  
بدخششی کو ملتان تک مشابوٹ کے بیٹے مامور کیا گیا۔ انتہا

واضح ہو کہ عالمگیر نامہ میں جو فیل دریائی کا ذکر ہے مائر عالمگیری میں بھی فیل دریائی  
ہی لکھا ہے یہ کوئی خیالی جانور نہیں ہے۔ اسکو انگریزی میں ہیبو پوٹامس کہتے  
ہیں جسکا لفظی ترجمہ ہے اسپ دریائی۔ مگر اسکو گھوڑے سے کچھ مشابہت نہیں البتہ  
گینڈے سے بہت مشابہ ہے اور اگر سوڈا اور چوڑے کان بھی ہوتے تو پورا بھی  
ہی ہوتا۔ تھن دار جانوروں کی نوع میں سے ہے اور مختلف اقسام کا ہوتا ہے اور  
بڑے سے بڑا دم کی طرف سے لیکر بزرگ سترہ فٹ کا لمبا ہوتا ہے۔ اکثر سوجل افریقہ  
پر اور بعض جگہ دریائے نیل میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اکثر پانی میں خوش رہتا ہے  
مگر دریا کے کنارے نباتات کو چر کر زندگی بسر کرتا ہے۔

اور شاہ عباس کا وہ نامہ جو یہ امپری لایا تھا اور جسکے مضمون کی نسبت ڈاکٹر  
نے بعض افواہیں نقل کر کے اپنے قیاس سے انکی تردید کی ہے انشاء کا حاکم و حید  
میں جو شاہ عباس کا نہایت مقرب اور "مجلس نویس خاص" تھا مع ایک "رقم"  
یعنی نذرانہ موسومہ امپری مذکور (جسکو اُسکے معجم نام اور خطاب بوداق سلطان کی جگہ

\* Hippopotamus.

و پ تو پ ڈٹ ام سن

فیہ کما فیہ

صاحب عالمگیر نامہ وغیرہ شاہی سرخوں نے اپنے ان کے شاہزادوں کا لقب سلطان  
ہونے کے لحاظ سے خواہ مخواہ بوداق بیگ بنا دیا ہے) بچہ موجود ہے۔ انکی  
ملاحظہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فی الواقع اس نام میں کوئی بھی اضافہ نہ تھا جو اورنگ زیب صیو  
عالی منزلت بادشاہ کی شان کے برخلاف ہو بلکہ برعکس اس کے تمام الفاظ اور طرز تحریر نہایت جب  
حال اور معمول اور موزن ہے اور اگرچہ ہمیں اورنگ زیب کو اصل نام سے مخاطب کیا ہے  
بلقب عالمگیر نہیں لکھا مگر یہ بات کچھ ٹھکی نہیں کے ارادہ سے نہیں معلوم ہوتی کیونکہ نام کی  
طرز عبارت کے علاوہ بوداق بیگ کے نام کے فرمان سے بے شبہ اور صاف طور پر  
شاہ عباس کا یہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ اورنگ زیب کے ساتھ دوستی اور اتحاد  
پیدا کرنے کا بے دل خواہ نہ تھا۔ چنانچہ نامہ اور فرمان کے بعض فقرات زیادہ کوجو اس  
حاشیہ کے مدعا سے علاقہ نہیں رکھتے حذف کر کے بعینہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔  
”نامہ کہ بہ بادشاہ والا جاہ اورنگ زیب نوشتہ شد“

بعد از چہر خباب کبیر باد بسطاب طاعت سیدانیا و نقبت زبدۃ اصحاب برات خمیر قدسی تمسیر  
اعلیٰ حضرت رفیع المنزلت گردوں بسطت ششمی سعادت خورشید طلعت علماء و فطنت کیوں  
و قاپر اقتدار زینت بخش و ساوہ جاہ و جلال منگی آ آئینہ فرخندگی و اقبال و مفضل مرآت ناشے  
دولت خدا و شیرازہ نبد اوراق پریشان بلاد و عباد فارس و مغان و غم انگیزی و دشمن شکاری منظور  
انظار حضرت باری۔ پیشرو و سالکان صراط مستقیم مصل۔ نظر بانہ و مقربان پیشگاہ قبول فرود و  
ریاض ہمیشہ بہار سلطنت گورگانی۔ حدایت طرز گلستان خلد نشان جہان بانی سیراب بہار و غیب  
افتابہ و آگاہی۔ و قیوہ شناس خیالیات اسرار کما ہی شہاب ثاقب پہر جرات و جلالت۔  
نہنگیایں بحر شہادت و بسالت التوید بنابات للک الحسین نظاماً للسلطنت و  
قائم العلانیۃ و الشہامۃ و البسالۃ و المجلائیۃ و الرفعیۃ و العزۃ و الامتنان  
سلطان اورنگ زیب شطیع میگرواند کہ دریں وقت از بند و زمان سعادت پیوند  
کہ بنیر و شے خاق منش و جان و جا عل کمین و مکان اسباب کامیابی و خوشدلی بمن

بہ ہمت و ہمتی نوشتہ

جميع الوجوه آتوہ والوالب فیضات از شش جہت بر چہرہ اقبال کشادہ ست بمیانخی بجزان  
صدق آئیں شروہ جاوس آن گوہر فردان بحریات و شجاعت و جہر تیج دشمن شکاجرات  
وجہات بر سر بردالاسے سلطنت مورو فی گورگانی و وسادہ لازم السعادت جہانبانی کہ  
بفراسے صدق آئیں سے توئی الملک من شفاء و تذرع الملک من شفاء و توعمر بقاء  
و تذیل من شفاء و بتقصای آید وافی الہدایہ ان الارض للہا یورثها من شفاء  
من عبادہ و العاقبۃ للمتقین و بدیر سے اصابت بدیر و مراقت کار گزاران  
پیرایہ حسن وقوع پوشیدہ سامو افزور گشتہ مسرت بر سرست و غوشد لی بر غوشد لی افزودہ جہوارہ  
بر سر گردوں نظیر دولت شکن باشد از انجا کہ مہانی صداقت القیام فیابین برگزیدگان این  
دوسلسلہ الامقام بہر اعتشام اتحکام تمام دشتہ در عالم دوستی قدیم تہر قبیبہ بود کہ آن  
زمینہ ارا یک اقبال چراغ افزور دووان مجد و اجلال راہر گونہ ہمیکہ در باب ہمت و ہمت  
جہانبانی در کار باشد بمقام اعلام در آید کہ کار گزاران دولت اہم مقرون بانجام آن مامور گونہ  
چون تارک امانات ہون عنایت الہی مقدر و مراعات شیوہ مستودہ دوستی پیوستہ منظر است  
بدستور ہر گونہ مطلبی کہ در خاطر والا مکرور باشند بان رو خامہ انہا خواہند نمود فقط استقامت  
در قسے کہ بود کہ اسطمان تنگبختی قاسی در آیام الہی گری ہند نوشتہ

امارت پناہ بود اسطمان بنیایت بنیایت شانہ و مرحمت بے نہایت اوشانہ  
مغزوہ سوز و ممتاز زودہ بداند کہ عریفہ کہ در یزقیت محبوب نعت و معالی پناہ علی قلی بیگ  
در گاہ جہاں پناہ و آستان خلایق امید گاہ مشکبہ خوشنودی از الطاف پادشاہ والا جاہ گزود  
بارگاہ ستارہ سپاہ فرستادہ بود در ہنگام مکہ گلہا سے کا مجوی و کاہرانی در بوستان بجزان  
صاحبقرانی برینش سحاب عنایت سبحانی شگفتہ و گردوغبار عوالم و موانع عیش و عشرت  
بنسایم الطاف الہی رفتہ و ولایت اطراف در دربار جاہ و دجلال عرش تہستان و سلاطین  
بائیکین و در محفل بہشت مشاغل اندہ ساغر بخت در دوران بود مد نظر کیمیا اثر رسیدہ برگ پان  
کہ بدفات ارسال یافتہ بود تخصیص "بارجاہ لاهوری" (یعنی لاهور کی سنی ہوی دہ ہوی  
یا گون جہیں پان بھیجے تھے) ہوئے نو بہار دار الخلد ہرم ارم نشان سرسبز و ریاض وارد  
گردید بنابر عنایت شانہ و بارہ آن غلام زاوہ خلایق فاخرہ پوشیدہ بصوب نعت و معالی پناہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله رب العالمین  
والصلاة والسلام  
على سيدنا محمد  
والآله الطيبين  
الطاهرين

سہراب بیگ غلام خاصہ شریفہ فرستادہ شد مروض داشتہ بود کہ اعلیٰ حضرت بادشاہ  
والاجاہ کامیاب مالک رقاب بنا براعات کجہنی و یگانگی مقرر فرمودہ اند کہ بتقاضی اسال  
برگ سبز پان پوشان یاد آوری شگفتہ و خنداں باشند اینمیں موجب استنواز از امیرستان  
سراسے خاطر ہاروں شد۔ چون از طرفین بساط بکتادلی مہمد و ابواب منافرت و یگانگی  
بالکلیہ منسبت است انچہ از آثار عداوت آثار مختصایں دیار مرغوب خاطر و الاسے آن پادشاہ  
جہم اقتدار عدالت شعرا پسندیدہ اطوار بودہ باشد مروض خواہد داشت کہ بندگان درگاہ  
گردون بیشگاہ بار سال آن مامور گردند۔ در عریفہ عالمیہ اخبار میلان خاطر فرخ شہد تاثیر  
اعلیٰ حضرت بادشاہ گردون بارگاہ بار سال عمدۃ الامثل والاشباہ برہان الدین خوش  
ایالت شوکت پناہ فاضل خاں شدہ بود بر آن غلام زاوہ بواجبی ظاہرست کہ و جنیکہ  
جان نثار خاں برسم حجابت بدرگاہ خلایق پناہ آمدہ از جملہ مطالبے کہ یروض آرد  
مامور شدہ اند عاسے خضت جسے از مردم این دیار بود و چون در آن وقت تراکم  
غبار نقار مانع دخول شد ہر سؤل بحالہ جاست و قبول بود پیرایہ حصول نہ پوشیدہ دین  
وقت کہ مجد المدقاسے آن غبار از گردنہ خاطر فرستہ دگلہائے کجہنی بر شاخار  
مؤدت شگفتہ بہت زبۃ الاقران مومی الیہ راضی فرمودہ ارتقام مطاعہ لازم الاعطاف  
باسم بگلیر بیگیان عظام و انرا سے کرام ووز اسے ذوی الاحترام ممالک محروسہ  
شرف صدور یافت کہ مانع و مزاحم شرا لہ نشدہ اور در کمال رفاہ حال و فراغ مال  
بامنسوبان و متعلقان اجمال و انحال روانہ نمایند و علیٰ قیامیک مشمول عنایات  
شامانہ و انعامات خسروانہ شد۔

چون خاطر والا وطیح اقدس و اعلیٰ متوجہ رسیدن اخبار صحت آثار ذات ستودہ مصنف  
کامل السجیات اعلیٰ حضرت بادشاہ والا جاہ ستارہ سپاہ میباشد آن غلام زاوہ نیزند  
کہ از شرف درگاہ خلایق پناہ دور و از شرف بندگی ہجر شدہ در عین ورود رقم شرف  
خصت انصاف حاصل نمودہ روانہ شود و توجہات شامانہ مستمال باشد فقط  
و مصنف نے جو ایران کی کمزوری کے ثبوت میں یہم لکھا ہے کہ باہمی فساد کے

سفیر ایران کے ساتھ شاہجہاں  
اور اورنگ زیب کے مختلف دور  
کے برتاؤ کا ذکر —

جب تک یہ سفیر درخانی میں رہا اور شاہجہاں

اپنی تمام حرکات و سکنات میں سخت احتیاط

کا پابند رہا برخلاف شاہجہاں کے جس نے نامور شاہ عباس کے سفیر  
کو کبھی تو یہ موقع نہ دیا کہ راض کر لیا اور کبھی ایسی بے تکلفی اختیار کی  
جو اسکی شان کے لائق نہ تھی جس سے سفیر کی نظر میں اسکی حقیت ہوئی۔

دنوں میں داراشکوہ - شاہجہاں - سلطان شجاع اور شاہ صوبہ دار کابل نے  
بھی ان سے مدد مانگی تھی مگر باوجود ایسے عمدہ موقع مداخلت کے وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔

اسکے متعلق کتاب طاہرہ حید میں اگرچہ شاہجہاں - شجاع اور شاہجہاں  
صوبہ دار کابل کے نام کی کوئی تحریر نہیں ملتی۔ مگر شاہ عباس کی طرف سے

مراد بخش داراشکوہ اور دایان بیجاپور اور گولکنڈہ کے نام کے  
نامے بیشک موجود ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ مراد بخش کو خالی وعدے تو بہت

بڑے بڑے لفظوں میں دیئے گئے تھے مگر اخیر میں ایسے وعدہ میں لیت و لعل  
اور امر و زبرد کروینے کے لئے قصد انجانی نہیں رکھ لی گئی تھی۔ اور داراشکوہ کو بدو لاج

سندھ میں پہنچکر طالب امداد ہوا تھا مگر وعدہ دیکر یوں ٹال دیا تھا کہ آپ اپنے داوا  
ہایوں کی طرح اول ہمارے پاس اصرہاں میں تشریف لے آئیے پھر سب طرح سے

بند و بست ہو جائیگا۔

اور بیجاپور و گولکنڈہ والوں کو جو شاہان صفویہ کے ہم مذہب تھے  
شاہان مسلحہ کا شنی الذہب ہونا بہت شد و تد سے جتا کر اگرچہ یہ صلاح تو دیکھی تھی کہ

اسوقت یہ اپنے خانگی فسادوں میں مبتلا ہیں تم دونوں متفق رہ کر ان کی بیج کنی میں کوشش  
کر دو مگر اپنی فوج وغیرہ بھیجنے کا کوئی وعدہ و اقرار نہ تھا۔

ان حالات پر غور کرئیے تو یہ کہ بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اہل ایران ظاہری تائید  
کے لئے خالی شخیاں بہت بگھارے تھے مگر اپنی طاقت کا اندازہ اپنوں میں بھی سمجھ رہے تھے۔ س م ح

سفیر ایران اور شاہجہاں کے چند  
ظریفانہ سوال و جواب کا ذکر اور مختصر  
کی رائے میں انکا سفیر کے مناسب حال رہنا  
کر رہا ہے۔ اول یہ کہ جب شاہجہاں کی کوئی تدبیر نہ چل سکی کہ سفیر ایران <sup>ستان</sup> <sup>ہند</sup>  
کے دربار میں قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات جس سے اسکو انکار تھا بجا لائے  
تو اُس نے یہ تدبیر نکالی کہ عام و خاص کے دروازہ کا پھاٹک تو بند کروادیا اور  
صرف کھڑکی کھلی رہنے دی جس میں سے بغیر سر جھکا کے گزر نہیں ہو سکتا  
تھا۔ شاہجہاں کو اُمید تھی کہ اس تدبیر سے ہکواسبات کے کہنے کا موقع ملے گا  
کہ سفیر ایران کو دربار میں حاضر ہونے کے وقت ہندوستان کی رسم سے  
بھی زیادہ سر جھکانا پڑے۔ لیکن یہ سرکش اور چالاک ایرانی نوراً ٹاٹ گیا اور شاہجہاں  
کی طرف پٹے کر کے کھڑکی میں داخل ہوا۔ شاہجہاں یہ دیکھ کر اس چال میں  
بھی وہی زور بہت مٹھنچالایا اور سفیر کو تعارف سے مخاطب کر کے بولا "اے  
بدبخت کیا تو اپنے جیسے گدھوں کا طویلہ سمجھ کر اس میں داخل ہوا ہے؟" اُس نے  
کہا بیشک میں یہی سمجھا تھا۔ کیونکہ ایسے دروازہ میں سے گزر کرتے ہوئے  
کون شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ گدھوں سے ملنے کے سوا وہ کسی اور جگہ  
جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ شاہجہاں نے سفیر ایران کے کسی بے ادبانہ اور کثرت  
جواب سے ناراض ہو کر کہا "اے بدبخت شاہ عباس کے دربار میں  
کیا کوئی شریف آدمی نہ تھا جو تجھے خردماغ کو میرے پاس بھیجا؟" اس نے کہا  
کیوں نہیں بہت سے مذہب اور ملت لوگ موجود ہیں مگر وہ اگلے کی نیت

کے موافق سفیر بھیج کر رہا ہے۔“

تیسرا یہ کہ ایک دن شاہ جہاں نے سفیر ایران کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کو بلایا اور حسب معمول اُسکے چھترنے کے لئے موقع دیکھنارہا۔ پس جب سفیر نے قاب میں سے ڈھونڈ کر ہڈیاں نکالیں اور چوڑنی شروع کیں تو بادشاہ نے پچکے سے کہا ”ایلیچی جی کتنے کیا کھاینگے؟“ اُسنے کہا ”کچھڑی“ جسے بادشاہ بڑی رغبت سے نوش جاں فرما رہے تھے کچھڑی ایک کھانا ہے جو چاول اور مونگ یا ماش وغیرہ ملا کر پکایا جاتا ہے اور جسکو عموماً ہندوستان کے غریب آدمی کھاتے ہیں۔ پھر بادشاہ نے پوچھا کہ تم ہمارے شہر دہلی کو (جو اسوقت نیا تیار ہو رہا تھا) اصفہان کے مقابلہ میں کیسا خیال کرتے ہو؟ سفیر نے بلند آواز سے جواب دیا کہ ”واللہ باللہ اصفہان تو آپکے شہر کی گرد کو بھی نہیں بچتا“ اسکو بادشاہ نے تو تعریف سمجھا اور سفیر نے گویا جو ملیج کی تھی۔ کیونکہ شاہجہان آباد کا گرد و غبار بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ ایک قصہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ جہاں نے سفیر کو اس امر پر مجبور کیا کہ ٹھیک طور پر بتائے کہ ایران اور ہندوستان کی سلطنت کی قوت میں کس قدر فرق ہے تو اُسنے عرض کیا کہ ہندوستان چودھویں رات کے چاند کے موافق ہے اور ایران محض دوسری یا تیسری رات کے چاند کے مطابق۔ جس سے شاہجہان بخیال اپنی عظمت کے بہت ہی خوش ہوا۔ لیکن جب اس ذومعنی جواب کا اصل مطلب خیال میں

سفیر ایران اور شاہجہاں کے چند  
طرفانہ سوال و جواب کا ذکر اور بعض  
کی رائے میں انکا سفیر کے مناسب حال بننا  
کرتا ہے۔ اول یہ کہ جب شاہجہاں کی کوئی تدبیر نہ چل سکی کہ سفیر ایران <sup>ستان</sup> <sup>ہندو</sup>  
کے دربار میں قاعدہ کے موافق رسم تسلیمات جس سے اسکو انکار تھا بجالائے  
تو اسنے یہ تدبیر نکالی کہ عام و خاص کے دروازہ کا پھاٹک تو بند کروادیا اور  
صرف کھڑکی کھلی رہنے دی جس سے بغیر سر جھکائے گزر نہیں ہو سکتا  
تھا۔ شاہجہاں کو اُمید تھی کہ اس تدبیر سے ہکواسبات کے کہنے کا موقع ملے گا  
کہ سفیر ایران کو دربار میں حاضر ہونے کے وقت ہندوستان کی رسم سے  
بھی زیادہ سر جھکانا پڑا۔ لیکن یہ سرکش اور چالاک ایرانی فوراً ٹاٹ گیا اور شاہجہاں  
کی طرف پیچ کر کے کھڑکی میں داخل ہوا۔ شاہجہاں یہ دیکھ کر کہ اس چال میں  
بھی وہی ذرا بہت ٹھنچالایا اور سفیر کو تحارث سے مخاطب کر کے بولا اے  
بدبخت کیا تو اپنے جیسے گدھوں کا طویلہ سمجھ کر اس میں داخل ہوا ہے؟ اسنو  
کہا بیشک میں یہی سمجھا تھا۔ کیونکہ ایسے دروازہ میں سے گزر کرتے ہوئے  
کون شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ گدھوں سے ملنے کے سوا وہ کسی اور جگہ  
جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ شاہجہاں نے سفیر ایران کے کسی بے اوبانہ اور کُخت  
جواب سے ناراض ہو کر کہا ”اے بدبخت شاہ عباس کے دربار میں  
کیا کوئی شریف آدمی نہ تھا جو تجھے خروباغ کو میرے پاس بھیجا؟ اسنے کہا  
کیوں نہیں بہت سے مہذب اور لائق لوگ موجود ہیں مگر وہ اگلے کی قیادت



کے موافق فیہ بھیجا کرتا ہے۔“

تیسرا یہ کہ ایک دن شاہ جہاں نے سفیر ایران کو اپنے ساتھ کھانا کھا  
 کو بلایا اور جب معمول اُسکے چھٹرنے کے لئے موقع دیکھتا رہا۔ پس جب  
 سفیر نے قاب میں سے ڈھونڈ کر ہڈیاں نکالیں اور چھوڑنی شروع کیں  
 تو بادشاہ نے مچپکے سے کہا ”ایچی جی کتنے کیا کھاینگے؟“ اُس نے کہا  
 ”کچھڑی“! جسے بادشاہ بڑی رغبت سے نوش جاں فرما رہے تھے  
 کچھڑی ایک کھانا ہے جو چاول اور مونگ یا ماش وغیرہ ملا کر پکایا جاتا  
 ہے اور جسکو عموماً ہندوستان کے غریب آدمی کھاتے ہیں۔ پھر  
 بادشاہ نے پوچھا کہ تم ہمارے شہر دہلی کو (جو اسوقت نیا تیار ہو  
 رہا تھا) اصفہان کے مقابلہ میں کیسا خیال کرتے ہو؟ سفیر نے بلند آواز  
 سے جواب دیا کہ ”واللہ باللہ اصفہان تو آپکے شہر کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا“  
 اسکو بادشاہ نے تو تعریف سمجھا اور سفیر نے گویا جو ملیج کی تھی۔ کیونکہ  
 شاہ جہاں آباد کا گرد و غبار بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ ایک قصہ وہ یہ  
 بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ جہاں نے سفیر کو اس امر پر مجبور کیا کہ  
 ٹھیک طور پر بتائے کہ ایران اور ہندوستان کی سلطنت کی قوت  
 میں کس قدر فرق ہے تو اُس نے عرض کیا کہ ہندوستان چودھویں رات  
 کے چاند کے موافق ہے اور ایران محض دوسری یا تیسری رات کو  
 چاند کے مطابق۔ جس سے شاہ جہاں بخیاں اپنی عظمت کے بہت  
 ہی خوش ہوا۔ لیکن جب اس ذومنی جواب کا اصل مطلب خیال میں

آیا جو یہ تھا کہ سلطنتِ روال کے قریب ہے۔ اور ایران ایک بڑھتی ہوئی  
ہے تو دل ہی دل میں بہت سچ و تاب کھایا۔ الغرض ہندوستان میں جو  
ایرانی رہتے ہیں وہ اپنی ذہانت اور حاضر جوابیوں کی نسبت اسی طرح  
کی شیخیاں بگھار کر رہتے ہیں اور ایسے فقہے بیان کرتے ہوئے کبھی سیر ہی  
نہیں ہوتے۔ مگر میری رائے میں یہ نسبت تعلقی اور متنوع ہونے اور طرز و یا  
کے سفیروں کے لئے زیادہ طریق یہ ہے کہ وہ متانت اور وقار اور  
ادب کو ملحوظ رکھیں۔

شاہ عباس کا یہ سفیر اگرچہ ان سبیدہ اوجھا  
سے تو مقرر ہی تھا۔ مگر تعجب تو اس بات  
کا ہے کہ اسکو اتنا معمولی شعور بھی نہ تھا کہ

شاہجہاں کا ماضی ہو کہ اشارہ تو  
سفیر ایران بہت اچھی کاچھڑا دینا  
اور اپنی چالاکئی اور دلیری سے  
سفیر کا اس آنت سرخ کلنا۔

اپنی جان اور آبرو کو بچائے رکھنا اور خواہ مخواہ ایک خود سر بادشاہ  
کو اپنی نسبت غضبناک کر لینا نہیں چاہیے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے  
جسمیں اسکی جان جانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا ثابت ہوتا ہے  
کہ ایسی ہی نادانی کی باتوں سے اُسے شاہجہاں کو اپنے سر کر لیا تھا  
یعنی اس بادشاہ کو اُس سے ایسی دلی بخشش ہو گئی تھی کہ اُس سے ہت  
چیت کرنے میں مہارت امین الفاظِ علانیہ کہہ بیٹھتا تھا بلکہ مخفی طور پر یہ حکم دیا  
تھا کہ جب وہ دربار کو آئے تو عام و خاص کے راستہ میں (رجوش) ایک  
لبے اور تنگ کوچہ کے (ہے) ایک خونی ہاتھی اُسپر چھوڑ دیا جائے چنانچہ  
ایسا ہی ہوا۔ اور اگر یہ شخص چالاک اور دلیر نہ ہوتا تو ضرور مارا جاتا۔ لیکن وہ

اپنی پاکلی سے ایسی پھرتی کے ساتھ کود گیا اور اُسے اور اُسکے ہمراہیوں نے ایسے تیر پرتیر مارے کہ اُنھی بھاگ گیا اور اسکی جان بچ گئی۔

جس مہینے سفیر ایران اپنے ملک کو واپس گیا اورنگ زیب کا اپنے استاد ملا صالح کے ساتھ عجیب و غریب

یہ بڑھا عالمگیر کا استاد تھا اور ایک مدت سے اپنی جاگیر میں جو شاہجہاں نے اُسے دے رکھی تھی رہتا تھا جب اُسے سنا کہ شاہزادوں کی باہمی لڑائیاں ختم ہو چکیں اور اُسکے شاگرد نے اپنی اولوالعزائم تجویز میں پوری کامیابی حاصل کر لی تو فوراً دھیلی بیس آیا۔ اور اُسکو پوری اُمید

☆ شاہ جہاں کا سرخ خاص ملا عبدالعزیز لاہوری پادشاہ نامہ کے دہائے اول کے خاتمہ میں درج شدہ ایک نادر سنیائیں جہادی کے مطابق تھا دربار شاہجہانی کے علماء و فضلاء کی فہرست میں اورنگ زیب کے استاد کی نسبت یہ عبارت لکھا ہے۔  
میر محمد ہاشم سروہ بہ حکیم ہاشم خلف میر محمد قاسم گیلانی مذت دوازدہ سال در حرم شریفین بودہ مقولات راز شیعہ محمد علی محدث و شیخ عبد الرحیم حسانی و ملا علی نبیرہ ملا عصام الدین مشہور۔ و مقولات از میر نصیر الدین حسین پسزادہ میر عیاض الدین منصور و میرزا ابراہیم ہمدانی فراگرفت بہ ہندوستان آمد طب و ریاضی نزد سرآمد طب حکیم علی گیلانی و زریذہ چندے در احمد آباد گجرات تدریس متعل بود چوں دانائی اور فنون و فضائل خصوصاً طب بوض اقدس رسید حکم شد کہ در ہاں بلکہ بخدمت صدارت و طبابت بہر داند۔ پس از انقضا سے مدتے مقرر ہوئے سدہ سنیہ گشتہ بامر خانقانی شریف تعلیم اختر برج سعادت پادشاہزادہ محمد اورنگ زیب بہادر دریافت و انکوں در ملازمت آن والا گھر کامیاب بہت تفسیر فیاضی و حاجت

تھی کہ اب امارت کا درجہ بہت جلد حاصل ہو جائیگا۔ چنانچہ جو لوگ دربار میں  
ذی وجاہت تھے سب اُسے اپنے جانب دار بنائے یہاں تک کہ  
کئی شخصوں بلکہ روشن آراہیکہ نے بھی اودنگ زیب کو یاد دلایا کہ آپکا  
قابلِ تعظیم اور کامل الاخلاص اُستادِ غرت و اکرام کا ضرور متبعی ہے۔ مگر  
میں نے تنگ تو اُسے یہ بھی جاننا نہ چاہا کہ وہ دربار میں آتا بھی ہے  
یا نہیں! لیکن آخر کار جب اُسکو دیکھتے دیکھتے تنگ آگیا تو حکم دیا کہ مُلا  
خلوت کے دربار میں حاضر ہو۔ جہاں صرف حکیم الملک دانشمندِ خا  
اور تین چار اور امیر جو علم و فضل میں مشہور ہیں موجود تھے۔ اگرچہ میں اس

گشتہ بنام نامی حضرت شامشاہی طہر زگر و اندہ است "نقطہ" اور چونکہ اودنگ زیب کی ولادت  
ہندو میں ذیقعد ۱۰۸۷ھ بمطابق ۱۶۷۶ء میں ہوئی تھی اس حساب سے ظاہر ہے کہ شہنشاہ  
ابنبر سینا میں اسکی بیٹی برس کی عمر تک اسکا ہی اُستاد اُسکے پاس تھا اور اسوقت  
سے نامور عالم کی مذکورہ بالا فہرست میں صالحہ نامے کسی شخص کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ  
علی صالحہ نے شاہجہاں کے عہد کے خوشنویسوں کے ذکر میں میاں عبد اللہ شہین  
کے بیٹوں میاں محمد صالح و میاں محمد موہن کے نام لکھا کہ انکی خوشنویسی کی بہت تعریف  
کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ علاوہ خوشنویسی کے یہ دونوں بھائی ہندوستان کے فن  
نوسازی میں بھی نہایت کامل گوشتے تھے۔ چنانچہ میر صالح اشعار فارسی میں  
کشفی اور ہندی اشعار میں صحابا اپنا تخلص کرتا تھا اور یہ دونوں اپنے اشعار زیادہ تر  
الہ بیت اہل اسلام علیہم السلام کے مناقب میں لکھتے اور اہل تصوف سے بہت ربط و ضبط رکھتے  
تھے۔ اور غیب و اوردوں کی فہرست میں اس میاں صالح کو ۱۰۷۰ھ صدی صد سوار کا منصبدار  
لکھا ہے مگر اودنگ زیب کا اُستاد ہونا کہیں نہیں لکھا۔ نقطہ

موقع پر حاضر نہ تھا اور ہوتا بھی تو ناممکن تھا کہ اس طول طویل گفتگو کو یاد رکھتا جو اورنگ زیب نے ملتا سے کی تھی۔ مگر جو کچھ اپنے آغاز کی زبانی میں سنا ہے کچھ شک نہیں کہ اسکا مطلب حسب ذیل تھا۔ یعنی اورنگ زیب فرمایا۔  
 ملا جی! براہ مہربانی یہ تو فرمائیے کہ آپ ہم سے جانتے کیا ہیں؟

کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم آپ کو دربار کے اوّل درجہ کے امراء میں داخل کر لیں؟ لیکن اس سے پہلے اس بات کا ثابت کرنا ضروریات سے ہے کہ آپ کسی نشان عزت کے مستحق بھی یا نہیں۔ ہم اس سے انکار

نہیں کرتے کہ اگر آپ ہماری تعلیم و تربیت شایستہ طور پر کرتے تو ضرور ایسی ہی عزت کے مستحق ہوتے آپ ہر ایک تربیت یافتہ نوجوان شخص بتائیے تاکہ ہم بتا دیں کہ اسکی تعلیم و تربیت کی بابت کس قدر گزاری کا زیادہ مستحق اسکا استاد ہے یا اس کا باپ۔ فرمائیے تو یہی کہ آپ کی تعلیم سے کونسی واقفیت مجھے حاصل

ہوئی ہے۔ کیونکہ آپ نے تو مجھ کو یہ بتایا تھا کہ تمام فرنگستان ایک چھوٹے سے جزیرہ سے زیادہ نہیں ہے جس میں سب سے بڑا بادشاہ اول شاہ

پرتگال تھا۔ پھر بادشاہ ہالینڈ ہوا۔ اور ان کے بعد شاہ انگلستان اور

فرنگستان کے اور بادشاہوں مثلاً فرانس اور آئڈلس کی بابت آپ

یہ بتا یا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے ہاں کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں

کے موافق ہیں۔ اور یہ کہ ہندوستان کے بادشاہوں میں صرف

ہایوں۔ اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہاں ہی ایسے شاہنشاہ ہوئے ہیں

جسکے آگے تمام دنیا کے بادشاہوں کی شان و شوکت مدغم ہے۔ اور

یہ کہ ایران - ازبک - کاشغر - تاتار - بیکو - سیام - چین اور ماچین کے بادشاہ سلاطین ہند کے نام سے کہتے ہیں۔ سبحان اللہ! آپ کی اس جفائے فیہ دانی اور کمال علم تاریخ کا کیا کہنا ہے! کیا مجھ سے شخص کے اُستاد کو لازم نہ تھا کہ دنیا کی ہر ایک قوم کے حالات سے مجھے مطلع کرتا؟ مثلاً اُنکی قوت جنگی سے؟ اُن کے وسائل آمدنی اور طرز جنگ سے؟ اُن کے رسم و رواج اور مذاہب اور طرز حکمرانی سے؟ اور اُن خاص خاص امور سے جنکو وہ اپنے حق میں زیادہ مفید سمجھتے ہر بتفصیل اور جدا جدا مجھ کو آگاہ کرنا؟ اور علم تاریخ مجھے ایسا سلسلہ وار پڑھانا کہ میں ہر ایک سلطنت کی جڑ بنیاد اور اسباب ترقی و تفتل اور اُن حادثات و واقعات اور غلطیوں سے واقف ہو جانا جنکے باعث سے اُن میں ایسے بڑے بڑے انقلابات ظہور میں آتے رہے ہیں۔ اور قطع نظر اس سے کہ آپ مجھ کو بنی آدم کی وسیع اور کامل تاریخ سے آگاہ کرتے۔ آپ نے تو ہمارے اُن مشہور و معروف بزرگوں کے نام بھی اچھی طرح نہیں بتائے جو ہمارے سلطنت کے بانی تھے۔ اور اُن کے سوانح عمری اور اُن خاص طور کی لیاقتوں سے جنکے باعث وہ بڑی بڑی فتوحات کر نیکے قابل ہوئے اور اُن فتوحات سے پہلے جو واقعات ظہور میں آئے اُن سے بھی ناواقف رکھا۔ اور باوجودیکہ بادشاہ کو اپنی ہمسایہ قوموں کی زبانوں سے واقف ہونا ضروری ہے بجائے اُن کے آپ نے مجھ کو عربی لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اگرچہ اس زبان کے لکھنے میں میری عمر کا ایک بڑا حصہ ضایع ہوا۔ مگر بیشک آپ نے

یہ سمجھا تھا کہ آپ مجھ پر ایک ایسی زبان کے سکھانے سے جو دُنں بارہ برس برابر محنت کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ایک دائمی احسان کرتے ہیں۔

آپ نے بغیر اس کے کہ یہ سوچیں کہ ایک شاندار و کو زیادہ تر کن کن علوم کے پڑھنے کی ضرورت ہے صرف صرف دُخو اور ایسے فنون کی تعلیم کو جو ایک قاضی کے لئے ضروری ہیں مقدم جانا اور ہماری جوانی کے ایام کو بیفائدہ اور لفظی بحثوں کے پڑھنے پڑھانے میں ضائع کیا، ”پتہ الغلط تھو جنس اور نگ زیب نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ لیکن بعض پڑھے لکھے آدمی یا تو بادشاہ کی خوشامد اور اُس کے کلام کی ثوث دکھانے کو یا ملامتِ صالح کے حسد کے مارے یوں کہتے ہیں کہ بادشاہ کا مٹا کو ملاست کرنا ایسی پر ختم نہیں ہوا۔ بلکہ ٹھوڑی دیر اور دھڑا دھڑا کر کے دوبارہ مٹا کو کہا۔

” کیا آپ کو معلوم نہ تھا؟ کہ چٹپن میں جبکہ قوت حافظ قوی ہوتی ہے ہزاروں معقول باتیں ذہن نشین ہو سکتی ہیں اور آسانی کے ساتھ انسان ایسی مفید تعلیمیں حاصل کر سکتا ہے کہ جن سے دل میں نہایت اعلیٰ خیال پیدا ہو جاتے ہیں اور انسان بڑے بڑے نمایاں کاموں کے کریں و قابل ہو جاتا ہے۔ کیا نماز صرف عربی زبان ہی کے ذریعہ سے ادا ہو سکتی ہے اور ہماری اعلیٰ زبان میں اُسی طرح نہیں ہو سکتی؟ اور تحصیلِ سابلِ شریعت کیا زبانِ عربی ہی پر موقوف ہے؟ آپ نے ہمارے والد ماجد کو تو یہ سمجھا دیا کہ ہم اسے فلسفہ پڑھاتے ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ آپ برسوں تک ایسے یہودہ اور نوسائل سے میرے دماغ کو پریشان کیا کیے

جسکے حل ہو جائیکے بعد بھی کچھ اطمینان خاطر حاصل نہیں ہوتا۔ اور معاملات  
 دنیاوی میں کبھی کارآمد نہیں ہوتے۔ اور صرف ایسے غیر معین اور فطول  
 خیالات اور توہمات ہیں جو سمجھ میں تو بڑی مشکل سے آتے ہیں مگر بہت ہی  
 جلد پھر بھول جاتے ہیں۔ اور جسکا نتیجہ صرف یہ ہے کہ دماغ پریشان اور  
 عقل خطا ہو کر آدمی ایسا مونہہ زور اور ہٹھکیلا ہو جائے کہ لوگ اُس سے  
 وق ہو جائیں۔ بیشک! آپ نے میرے اوقات گراں مایہ کے کئی  
 سال ایسے مسائل مفروضہ کی تسلیم میں جو آپ کو مرغوب تھے صرف کرائے  
 گرجب میں آپ کی تعلیم سے علحدہ ہوا تو کسی بڑے علم کے جاننے کا فخر  
 نہیں کر سکتا تھا بجز اسکے کہ ایسی چند عجیب اور غیر معروف اصطلاحوں سے وق  
 تھا۔ جو ایک عمدہ سمجھ کے نوجوان شخص کی ہمت کو شکستہ۔ دماغ کو مختل  
 اور طبیعت کو حیران کر دیتی ہیں۔ اور جو مدعیان فلسفہ کے جھوٹے وعوود  
 اور جہالت کے چھپانے کی خاطر جو اکیلی مانند لوگوں کو بہم ذہن نشین کرانا چاہتے  
 ہیں کہ وہ عقل و دانش میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور بہم کہ انکی تاریک  
 اور مشتہم المفہوم جن حق بنی بنی میں ایسے بہت سے وقایق ہیں جو بجز انکے  
 اور کسی کو معلوم نہیں گھڑ لی گئی ہیں۔ اگر آپ مجھ کو وہ فلسفہ سکھاتے جس سے  
 ذہن اس قابل ہو جاتا ہے کہ بغیر برہان اور دلیل صحیح کے کسی بات کو  
 تسلیم نہیں کرتا۔ یا آپ مجھ کو ایسا سبق پڑاتے جس سے انسان کے نفس کو  
 ایسا شرف اور علو حاصل ہو جاتا ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہ ہو  
 ہوتا۔ اور ترقی و منزل کی حالت میں ایک ہی سارہتا ہے۔ یا تم مجھ کو انسان



کے لوازم فطرت اور مقتضیات طبیعت (منہج) سے واقف نہ کرتے۔ یا منہج  
ایسے طریق استدلال کا عادی بناتے کہ تصورات و تخیلات کو چھوڑ کر ہمیشہ اصول  
صادقہ بدیہہ کی طرف رجوع کیا کرتا۔ اور عالم و مافیہا کی حقائق و اقدار اور اسکے  
کون و فساد کی ترتیب و نظام کے معارف یقینیہ سے بچھے صلح کرتے۔

اور جو فلسفہ آپ نے مجھے تعلیم کیا ہے وہ ایسے مسائل پر مشتمل ہوتا۔ تو میں  
اُس سے بھی زیادہ کچھ احسان ماننا جتنا کہ یہ ممکن نہ آئے۔ اور اُسٹو کا ماننا تھا :

اور اُسٹو سے بھی زیادہ آپ کو انعام عطا کرتا : ملا جی ! ناقدِ دانی کا  
جھوٹا الزام خواہ مخواہ مجھ پر نہ لگائیے۔ کیا تم یہ نہ جانتے تھے کہ شاہزادہ کو

اسی بات کو ضرور ہی سکھانی چاہیے کہ انگور عایا سے اور رعایا کو اُن کے  
ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا لازم ہے۔ اور کیا تم کو اقل ہی یہ خیال کر لینا واجب

نہ تھا کہ میں کسی وقت تخت و تاج کی خاطر بلکہ اپنی جان بچانیکے لیے تلوار  
پکڑ کر اپنے بھائیوں سے لڑنے پر مجبور ہوں گا۔ کیونکہ تم خوب جانتے ہو

کہ سلاطین ہند کی اولاد کو ہمیشہ یہی معاملے پیش آتے رہے ہیں۔ پس میں نے  
کبھی لڑائی کا فن یا کسی شہر کا محاصرہ کرنا یا فوج کی صف آرائی کا طریقہ

مجھے سکھایا تھا؟ گہ میری نوش طالعی تھی کہ سینے ان معاملات میں ایسے  
لوگوں سے کچھ سیکھ لیا تھا جو تم سے زیادہ عقلمند تھے۔ پس اپنے گائوں

کو پہلے جائیے۔ اور اب سے بعد کوئی نہ جانے کہ تم کون ہو اور تمہارا کیا حال  
انہیں دنوں میں ایک ایسا امر وقوع میں آیا کہ

بچوں میں سے حق میں بہت غیر مفید تھا۔ بات یہ ہے

بادشاہی منہج کی انہائی موت  
اور عالم نجوم کی نسبت لوگوں کی  
ماننے اور خیالات کا ذکر۔

کریا شائی لوگ اکثر احکام نجوم کے لیے معتقد ہیں کہ اُن کے نزدیک دنیا کا کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے جو کواکب اور افلاک کی گردش پر منحصر نہ ہو اور ایسے وہ ہر ایک کام میں نجومیوں سے مشورہ لیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عین لڑائی کے وقت جبکہ دونوں طرف صف بندی بھی ہو چکی ہو کوئی سپہ سالار اپنے منہم سے ساعت نکلوائے بدون لڑائی شروع نہیں کرتا۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی نامبارک لگن میں لڑائی شروع کر دی جائے بلکہ نجوموں سے پوچھے بغیر کوئی شخص سپہ سالاری پر مامور بھی نہیں کیا جاتا۔ علیٰ ذہن قیاس بدون اُن کی اجازت کے نہ شادی بیاہ ہو سکتا ہے نہ کہیں سفر کیا جاتا ہے۔ بلکہ ذرا سی باتیں بھی اُن سے پوچھے بغیر نہیں کیا جاتیں مثلاً کسی لونڈی غلام کا خریدنا یا نیا کپڑا پہننا۔ اور اس احمقانہ توہم نے خلائق کو عموماً ایسی وقت میں ڈال رکھا ہے۔ اور اس سے ایسے اہم اور نامغرب نتیجے پیدا ہوتے ہیں کہ مجھے سخت تعجب ہے کہ اس قدر مدت سے یہ عقائد کیونکر قائم چلا آتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک تجویز سے خواہ وہ کسی سرکاری کام کے متعلق ہو یا نج کے۔ اور ہر ایک معاملے سے خواہ وہ معمولی ہو یا غیر معمولی بخوبی کو واقف کرنا ضروریات سے ہے۔

۴۔ اثر عالمگیری اور سیر السارخین سے معلوم ہوتا ہے کہ آدنگ زیب نے انچولوس کو اٹھارہ سال (۱۵۵۰ء) میں تمام نجوموں کو جو بادشاہ اور شاہزادوں اور صوبہ داروں کے پاس ملازم رہتے تھے و قوت کر دیا تھا۔ بلکہ اس حکم کی تعمیل اس شخص سے کی گئی تھی کہ اسکے مقرب خاص شخص نے ان سے جھگڑے لکھوائے کہ آئندہ تقویم (ختری) ہمک بھی نہ بنائیں اور باوجودیکہ حسابوں کی صحت کو نجومی سرکاری دفتر میں ختروں کا موجب و رہنما ایک ضروری امر تھا۔ اور مذہب کی رو سے

وہ واقعہ جسکا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ خاص بادشاہی منجم کسی اتفاق سے پانی میں گر پڑا اور ڈوب کر مر گیا۔ اس افسوس ناک واقعہ سے دربار میں بڑی حیرت پیدا ہوئی۔ اور ان منجموں کی شہرت کو جو اسرار غیبی کے جاننے والے گئے جاتے ہیں بڑا ضرر پہنچا۔ چونکہ یہ شخص ہمیشہ بادشاہ اور اُمراء کے لئے ساعتیں نکال کرتا تھا اسلئے لوگوں کو اسکے اس طرح پر جان دینے سے بالطبع نہایت تعجب ہوا کیونکہ ایک ایسا مشاق منجم جو برسوں تک اُوروں کے لئے مبارک اور خوش آئند باتوں کی پیشگوئی کرتا رہا ہو اُس آفت سے جو خود اپنے انبوالہی تھی واقف نہ ہو سکا۔ اور لوگ یہ کہنے لگ گئے کہ فرنگستان میں جہاں عالم کا بڑا چرچا ہے منجموں کو وہاں کے لوگ مثل فریبیوں اور شبیدہ بازوں کے گنتے ہیں اور اس علم کو عمدہ اور صحیح اصول پر مبنی نہیں سمجھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مکار لوگوں نے بڑی آدمیوں کے درباروں میں رسائی پیدا کرنے اور ان کو اپنا محتاج الیہ ثابت کرنے کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے۔

الغرض لوگوں کے ان خیالات اور علی الخصوص مندرجہ ذیل واقعہ سے جسکا عموماً بڑا چرچا تھا منجم بہت ناخوش ہوئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایران کے نامور بادشاہ شاہ عباس لے کہیں اپنے محل میں بائیں باغ لگانے کا حکم دیا تھا اور اس کام کے لئے دن بھی مقرر ہو چکا تھا۔ اور

کچھ منج بھی نہ تھا اگر فراموشی سے ان کا رکھنا اور دیکھنا بھی ہوتو کیا کیا اور ہر رات نکل کر اسے کرنے کی جگہ یہ ہوتو مقرر کیا گیا کہ دو شبہ اور چھ شبہ کو کوچ ہو کر۔

باغبان شاہی نے میوہ کے چند درختوں کے لیے ایک مناسب موقع  
 بھی تجویز کر لیا تھا۔ مگر بادشاہی منجم نے اک بھوں چڑھا کر کہد یا کہ اگر عمت  
 دریافت کیے بغیر درخت لگائے جائینگے تو ہرگز! سرسبز نہ ہونگے!!  
 پس شاہ عتّاس نے جو اسکی بات مان کر رعایت تجویز کرنے کو کہا تو  
 اسنے کچھ پانسہ دانبا ڈال اور اپنی کتاب کے ورق الٹ پلٹ اور حساب  
 لگنا کر عرض کیا کہ ستاروں کے فلان فلان مقام پر ہونے کی وجہ سے ضروری  
 معلوم ہوتا ہے کہ دوسری گھڑی کے گزرنے سے پہلے پہلے درخت  
 لگادیے جائیں! شاہی باغبان جو نجومیوں سے پونچھ گچھ کرنے کو  
 ایک لاحاصل بات خیال کرتا تھا اس حکیمانہ! تجویز کے وقت حاضر تھا  
 پس بغیر اسکے کہ اُسکے آنے کا انتظار کیا جائے گئے تھے کھدوائی گئے  
 اور بادشاہ نے خاص اپنے ہاتھ سے درختوں کو جا بجا لگادیا تاکہ یادگار  
 کے طور پر رکھا جائے کہ وہ خود شاہ عتّاس کے لگائے ہوئے ہیں۔ مگر  
 باغبان جب اپنے معمولی وقت پر پہری کو آیا تو درختوں کو لگا ہوا دیکھ کر بہت  
 متحیر ہوا۔ اور یہ خیال کر کے کہ اُس قرینہ سے نہیں لگائے گئے جو  
 اسنے تجویز کر رکھا تھا مثلاً سید کی جگہ زرد آلو اور بادام کی جگہ ناشپاتی  
 لگائے ہوئے تھے تو اُن کو اُکھاڑ کر اور جڑوں کی چمٹی ڈال کر رکھ دیا۔ اور  
 رات بھر اسی طرح ڈالے رکھے۔ منجم کو بھی فوراً کسی نے جا کہا اور اُسنے  
 بھی فوراً ہی شاہ عتّاس کے پاس جا کر باغبان کی اس حرکت کی سخت  
 مذمت کی۔ پس یہ گنہگار! باغبان اُسی وقت طلب ہوا اور بادشاہ نے

نہایت غضبناک! ہو کر کہا کہ تو نے یہ کیا حرکت کی کہ جن دختروں کو ہم نے نیک ساعت نکلو کر خود اپنے ہاتھ سے لگایا تھا اُن کو اکھاڑ ڈالا۔ اور اُن کیا اُسید ہے کہ اس باغ کا کوئی درخت چل لائے گا۔ کیونکہ جو ساعت نیک تھی وہ گزر گئی اور پھر کہاں آسکتی ہے۔ یہ صاف باطن اور سادہ لوح و ہشامانی جو اس وقت شیرازی شراب کا ایک قلع بھی چڑاے ہوئے تھا نجومی کی طرٹ ترچھی نظر سے دیکھ کر بولا "واللہ باللہ خوب ہی ساعت نکالی۔ ارے کم بخت بنگلہ کی ذرا خیال ترک کر کہ بس یہی تیرا نجوم ہے! کہ جو درخت تیرے کہنے سے دوپہر کو لگائے گئے وہ شام سے پہلے ہی اکھڑ گئے! شاہ عباس یہ بے ساختہ اور مرنے والے طیفہ سن کر بے اختیار تہقہ مار کر سنس پڑا اور نجومی کی طرف پیٹھ پھیر کر وہاں سے چلا گیا۔

اب دو قصے میں اُور بیان کرتا ہوں جو اگرچہ شاہ عباس کے زمانہ کے ہیں مگر اُن کے بیان سے اس امر کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس ملک میں یہ کیسی ظالمانہ پُرانی رسم چلی آتی ہے کہ جب کوئی شاہی ملازم مرتا ہے، اُسکی جائداد حق سرکار متھو یہ جو کہ ضبط ہو جاتی ہے۔ پس اُن میں سے ایک قسط تو یہ ہے کہ اُمرا کو دربار میں نیکٹ نام خاں نامے ایک نامور امیر تھا جسے چالیس پچاس برس کے عرصہ میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور رکھ کر بہت مال دولت جمع کی تھی۔ یہ شخص اس ظالمانہ اور مکروہ رسم کو ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا کیونکہ اسکے باعث سے بڑے بڑے امیروں کی بیگمیں بکا بک ایسی محتاج

اُمرا کے مرنے کے بعد اُنکی جائداد کے ضبط کا طریقہ جو جانے کا ذکر

اور فقیر ہو جاتی ہیں کہ بادشاہ سے اُنکو اپنی تھوڑی سی معاش کیواسطے التجا کرنی پڑتی ہے اور اُن کے بیٹے کسی امیر کے ماتحت عام سپاہیوں میں نوکری کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں پس اس کا اخیر وقت جب قریب آن پہنچا تو اسنے مخفی طور پر اپنا تمام خزانہ تو مصیبت زدہ بیواؤں اور ایسے غریب امیر زادوں کو جو بیچارے سواروں میں نوکری کر کے بسر اوقات کرتے تھے تقسیم کر دیا اور خالی صندوقوں کو لوہے کے ٹکڑوں۔ ہڈیوں۔ پرانی جوتیوں۔ اور پھٹے پڑنے پکڑوں سے بھر کر خوب طرح سے مہرے لگوا دیں۔ اور وصیت کی کہ ان میں جو مال اسباب بندہ سے وہ خاص! اعلیٰ حضرت کے لئے ہے۔ میرے مرنیکے بعد با احتیاط تمام حضور میں پہنچا دیا جائے۔

پس نیک نام خاں کے انتقال کے بعد جب یہ صندوق نکلے میں آئے تو اتفاقاً بادشاہ دربار میں بیٹھا تھا۔ اُنکو دیکھ کر اسکا دل ایسا لمچا یا کہ! سر دربار! اُن کے کھولے جائیکا حکم دیا۔ مگر اُن کے کھلتے ہی جو انفعال اور پادوسی اُسکو ہوئی وہ محتج بیان نہیں ہے۔ اور اشہر شرمندہ ہوا کہ فوراً دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ نیک نام خاں کے مرنیکے چند سال بعد ایک دولتمند بنیا جو ہمیشہ سے بادشاہی ملازم تھا۔ اور اپنے ملک کے دستور کے موافق بڑا بیاج خورا تھا مگر کیا تو اُسکے بیٹے نے اپنی ماں سے کچھ روپیہ لینے کیواسطے لڑنا جھگڑنا شروع کیا مگر اُسنے اسکی عباسی اور ہولناکی

کی وجہ سے جو دینے سے انکار کیا تو اس احمق نے شاہ جہاں کے پاس جا کر کہہ دیا کہ اسکا باپ دو لاکھ "کرون" یعنی پانچ لاکھ روپیہ چھوڑ کر اس پر بادشاہ نے فوراً اس بیوہ مہاجنی کو دربار میں بلا کر یہ حکم دیا کہ ایک لاکھ روپیہ تو خزانہ شاہی میں بھیج دے ! اور باقی میں سے پچاس ہزار روپیہ اپنے بیٹے کو دیدے۔ اور حکم قطعی دیکر چوبداروں سے کہا کہ اس بڑھیا کو دربار سے نکال دو۔ یہ سنا کر اگرچہ یہ عجیب سی بہت متحیر ہوئی اور اسکو اس بات کا بھی بڑا رنج ہوا کہ بلا سماعت اس کے عذر کے دربار سے نکالے جانے کا حکم ہوا لیکن تاہم یہ بہت بڑھیا گھبرائی نہیں اور چوبدار کو جھڑک بولی کہ بھو ! میں ابھی بادشاہ سے کچھ عرض کیا چاہتی ہوں ! اس پر شاہجہاں نے فرمایا اچھا جو کہنا چاہتی ہے کہنے دو۔ پس اس نے عرض کیا کہ حضرت !! میرا بیٹا جو اپنے باپ کے مال کا دعویٰ کرتا ہے کچھ عجیب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا بیٹا اور ہمارا وارث ہے۔ مگر میں اتھ چوڑ کر عرض کرتی ہوں کہ سرکار کا میرے خاوند کے ساتھ کیا رشتہ ہے جو حضور ایک لاکھ روپیہ مانگتے ہیں ! شاہجہاں یہ مختصر اور بیاختہ سوال سن کر بہت خوش ہوا اور اس خیال سے کہ شہنشاہ ہند ہو کر ایک نئے کاغذ دار کہلائے اسکو بڑی ہنسی آئی اور کئی بار تہنہ مارا اور حکم دیا کہ اچھا اسے جاؤ دو اور اسکے مال و دولت سے کوئی متعرض نہو۔

خانہزادوں کی باہمی لڑائی تقریباً سن ۱۶۶۱ء سولہ سو ساٹھ عیسوی میں جب ختم ہو چکی اسوقت سے لیکر کوئی چھ برس بعد تک جبکہ میں ہندوستان

سے رخصت ہوا جو واقعات قابل غور پیش آتے رہے اب مین ان سب کو لکھنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ کچھ شک نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کے لکھ دینے سے میرا ہمہ ہنگامہ منلوں اور ہندوستانیوں کے طور و طریق اور ذہن و فکر کا حال ناظرین کتاب کو واضح ہو جائے بہت کچھ پورا ہو جاتا اسی فروگزاشت کی وجہ سے مجھے وہ واقعات تمام و کمال کہیں پھر لکھنے پڑینگے۔ لیکن سر دست میں صرف انہیں خاص خاص لوگوں کے بعض اہم حالات بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جنکے نام سے ناظرین واقف ہو چکے ہیں۔ اور اس بیان کو شاہجہاں کے حال سے شروع کرتا ہوں۔

اگرچہ آؤنگ زیب نے شاہجہاں کو قلعہ آگرہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ قید کیا ہوا تھا اور کسی ایسی بات میں مطلقاً غفلت نہیں

شاہجہاں کے قید کے زمانہ میں  
اُسکے ساتھ آؤنگ زیب کے  
طرز سلوک کا بیان —

کیجاتی تھی جس سے اُسکے نخل بھاگنے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اور سب طرح اویس اور ملائمت سے سلوک کیا جاتا تھا۔ اور ان شاہی محلوں میں رہنے سننے کی بھی اجازت دیدی گئی تھی کہ جن میں وہ پہلے رہا کرتا تھا۔ اور اُسکی بیٹی معروف بیگم صاحب سے ملنے کی بھی اجازت تھی۔ اور محل کی کل متعلقہ عورتیں مثلاً عمالہ بادچیانہ اور ناپنے گانے والیاں وغیرہ سب حاضر ہوتی تھیں۔ اور ایسے معاملات میں اُسکی کوئی خواہش رد نہیں کیجاتی تھی۔ اور اب جو یہ بڑھا عابد و زاہد بن گیا تھا بعض ملاؤں کو بھی اُسکے پاس جا کر تلاوت قرآن کی پروا لگی تھی اور خاصے گھوڑوں اور بازوڑے وغیرہ



شکاری جانوروں کے منگالینے اور ہرنوں اور سیڑھوں وغیرہ کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کی بھی اجازت تھی غرضکہ اورنگ زیب کا بڑا و شاہ جہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی تھا اور حتی الامکان وہ اپنے بوٹے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا تھا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اُسکی رائے اور مشورہ کو مثل ایک پیر و مرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا۔ اور اُسکے عرضوں سے جو اکثر کھتا رہتا تھا ادب اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی تھی۔ پس اس طرح شاہجہاں کی گردن کشی اور اُسکا غصہ آخر کار پہنائیک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملات سلطنت میں بیٹے کو کھٹے پڑھنے لگ گیا۔ اور دادا اشکوہ کی بیٹی کو بھی اُسکے پاس بھیج دیا۔ اور وہ بیٹیں بہا جاہرات جنکے دینے سے پہلے انکار کر کے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر پھر مانگو گے تو کوٹ کر چور کر ڈالوں گا مگر دو ٹکا نہیں انہیں سے بھی بعض جوہر اورنگ زیب کے پاس از خود بھیج دیئے بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب کستان خانہ حرکتیں معاف کر کے اُسکے حق میں دعائے خیر بھی کر دی۔ حالانکہ اورنگ زیب بڑی ساجت سے بارہ معافی مانگ چکا تھا اور شاہ جہاں اس بات کو قبول نہیں کرتا تھا۔ مگر میرے اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ شاہ جہاں کی ہر ایک بات بلا عذر تسلیم کر لی جاتی تھی۔ کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ ایک عریضہ کی طرز تحریر سے معلوم ہوا کہ جب کبھی یہ بڑھا بادشاہ حکم کے طور پر اُسکو کچھ لکھتا تھا تو یہ اُسکے جواب میں جُرأت کے ساتھ اپنی ہی بات پر قائم رہنے کا اظہار کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے اُسکے چند فقرے پڑھے ہیں جنکا مضمون

یہ تھا کہ کیا حضور یہ چاہتے ہیں کہ میں سختی کے ساتھ پہلے ہی رسوں کو پانچ ہوں  
 اور جو کوئی بہار ان کو چاکر کر جائے اسکی جائداد ضبط کر لوں؟ اگرچہ شاہنشاہ کیلک  
 یہ دستور ہا ہے کہ اپنے کسی امیر یا کسی دولت مند مہاجن کے مرثیے بعد بلکہ  
 بعض اوقات تو دم کھل جانے سے بھی پہلے ہی اُسکے تمام مال اسباب کا تعلق  
 کرتے تھے اور جب تک اُسکے لوگ چاکر جزو کل مال دولت بلکہ عورتوں اور بچوں  
 زیور بھی نہ بتلا دیں ان پر اسٹ اور قید و بند کا تشدد کیا جاتا تھا اور یہ دستور بیشک  
 فائدہ مند بھی ہے۔ لیکن جزا انصافی اور بری محبتیں اس سے کون نکال  
 کر سکتا ہے۔ اور اگر ہر ایک امیر نیک نام خاں کا سامعہ کرے یا کوئی عورت  
 اُس بیوہ مہاجنی کی طرح اپنے مال کو پوشیدہ کرے تو اُسکے حق بجانب ہو  
 یا نہیں؟ میں حضور کی خشکی سے بہت ڈرتا ہوں اور اس امر کا تحمل نہیں  
 ہو سکتا کہ حضور میرے طور و طریق کی نسبت غلط فہمی سرا میں۔ اور جیسا کہ  
 حضور خیال فرماتے ہیں سخت نشین ہونے نے مجھے خود راے اور غرور  
 نہیں بنادیا۔ چالیس برس سے زیادہ کے تجربے سے حضور خود ہی خیال  
 فرما سکتے ہیں کہ تاج شاہی کس قدر گراں با چیز ہے۔ اور بادشاہ جب  
 دربار سے اٹھتا ہے تو کس قدر انکار اُسکے دل کو عمیق اور درد مند بنائے ہو  
 ہوتے ہیں۔ ہمارے مشہور معروف جد امجد تھلال الدین محمد اکبر نے  
 اسی غرض سے کہ انکی اولاد دانائی اور نرمی اور تیز کے ساتھ سلطنت کرے  
 اپنے عہد سلطنت کی تاریخ میں امید تیمور گورکان کا ایک ذکر بطور نمونہ لکھا کہ انکی اولاد  
 کو انکی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ”جب بایزید یلدا دم گرفتار

ہو کر امیر کے حضور میں لایا گیا اور امیر نے بہت غور کے ساتھ اس  
مغز و قلب کی طرف دیکھ کر سوچا۔ تو بایزید نے اس حرکت سے  
نا راض ہو کر امیر کو کہا کہ تم کو اپنی فحشندی پر استغناء کرنا نہ چاہیے عزت و دولت  
سب جانب اتنا ہے اور ممکن ہے کہ جس طرح تم آج فتحیاب ہوئے ہو  
کل میری طرح پکڑے جاؤ۔ امیر نے جواب دیا کہ میں دنیا اور اس کے چاہ  
و دولت کی بے ثباتی سے خوب واقف ہوں اور خدا نکرے کہ میں اپنے  
کسی مغلوب دشمن کا ہتھک کروں۔ اور میری تفسی کا سبب یہ نہ تھا کہ تمہارا  
دل دکھاؤں بلکہ مجھے تمہیں دیکھ کر اپنی اور تمہاری بد صورتی کے خیال نے  
بے اختیار پیدا کیا۔ کیونکہ تم تو کانے ہو اور میں سنگڑا ہوں! اور یہ  
بات میرے دل میں گزری کہ تاج سلطنت ایسی کیا چیز ہے جسکو اگر بادشاہ  
اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اسکو اپنے ایسے بند کو  
عطا کرتا ہے جو کانے اور لنگڑے ہوں“ ۱۷

معلوم ہوتا ہے کہ حضور یہ خیال فرماتے ہیں کہ میری ضرورت  
بہ نسبت ان آدمیوں کے جن کو میں نظم و نسق ملک داری۔ اور سلطنت کے  
اذرونی احکام کے لیے نہایت ضروری جانتا ہوں نئی نئی فتوحات اور  
ملک گیری کی جانب زیادہ ہونی چاہیے۔ اس امر سے میں ہرگز انکار  
نہیں کر سکتا کہ ایک بڑے شہنشاہ کا عہد دولت نئی نئی فتوحات کی وجہ سے  
۱۷ سلطان بایزید کا نام کے مغلوب اور عید ہونے کے ذکر میں یہ رہایت نہ نمودار میں لکھی  
ہے نہ اکبر نامہ میں۔ س م ح

میز اور ممتاز ہونا لازم ہے اور اگر زمین ایسا نیکروں تو گویا اپنے نامور بزرگ  
امید تیمور گورکان کی نسل کو دھتلا گاؤنگا۔ مگر بہر حال یہ بات قرینہ  
نہیں ہے کہ مجھے کاہلی اور خاموش بیٹھے رہنے کا الزام دیا جائے۔

کیونکہ بنگال اور دکن میں میری فوجوں کی مصروفیت کو حضور بھی غائب  
نہیں فرما سکتے۔ اور میں حضور کو یہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ بڑے سے بڑا ملک

بھی ہمیشہ سب سے بڑا بادشاہ نہیں ہوا۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کبھی دنیا کے

الفر حصے بالکل فحشی اور تار بیت یافتہ قوموں سے فتح کر لئے ہیں اور ہتھ  
وسیع سلطنتیں تھوڑے ہی عرصہ میں بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں۔

پس حقیقت میں سب سے بڑا بادشاہ وہی ہے جو رعایا پروری اور عدل  
انصاف ہی کو اپنا چل عمر جانے۔

اس عرصہ کے باقی حصہ کے پڑھنے کا مجھے موقع نہیں ملے گا

اب میں چند کلمے اس مشہور شخص کے باب میں  
کہنے چاہتا ہوں جو کو مدینہ منورہ میں

مدینہ منورہ کی بابت اور ہم تمام  
اور اس کی موت کا ذکر۔

اور ان معاملات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے شانزادوں کی باہمی لڑائی  
کے بعد اس کا تعلق رہا اور یہ کہ اس نامور شخص کا خاتمہ کس طور پر ہوا۔

بنگال پر قبضہ حاصل کرنے میں اسے سلطان غنیمت کے ساتھ وہ

بیرحمی اور بے ایمانی نہیں کی جو جینوں خاں نے دارالشیکوہ سے

اور میری نگر کے راجہ نے سلیمان شیکوہ سے کی تھی۔ بلکہ اس نے اپنے ہند

سپہ سالار کی طرح ملک پر قبضہ حاصل کیا اور بغیر اس کے کہ کسی دغا و فریب سے

سلطان شجاع کو گرفت کر کے صرف اس پر قناعت کی کہ سلطنت کے چھوڑ دینے اور سمندر کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ سلطان شجاع کی مہم کے خاتمہ کے بعد میڈیٹھلہ نے ایک خواجہ سر کو عرضی دیکر آڈرنگ زینب کے حضور میں بھیجا اور اتنا مس کیا کہ میرے اہل عیال کو اسکے ساتھ بنگالہ کو چلے آنے کی اجازت بخشی جائے اور لکھا کہ ”اڑائی بنجیر خوبی ختم ہو گئی اور چونکہ میں ضعیف اور بوڑھا ہو گیا ہوں حضور کی نوازش سے مجھے امید ہے کہ اس سے زیادہ اہل عیال سے میری جدائی کو پسند فرمایا جائیگا۔ لیکن آڈرنگ زینب اس چالاک مدبر کے مطلب کو فوراً پا گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اسکے بیٹے محمد امین خان کو بنگالہ بھیجا جائیگا تو میڈیٹھلہ بالضرور بنگالہ کا خود سر بادشاہ بننے کا ارادہ کرے گا اور شاید کہ یہ عجیب شخص اس پر بھی قناعت نہ کرے۔ کیونکہ میڈیٹھلہ بیدار مغنہ اولوالعزم۔ شجاع اور دولت مند ہونے کے علاوہ ہر وقت ایک فتعیاب فوج کا سپہ سالار تھا۔ اور اس سے اہل سپاہ کو محبت بھی تھی۔ اور اس کا عرب بھی تھے۔ اور ہندوستان کا سب سے عمدہ صوبہ اسکے قبضہ میں تھا۔ اور گو لکھنؤ میں جو معاملات پیش آئے تھے ان سے ثابت ہو چکا تھا کہ میڈیٹھلہ کیسا ایک بے صبر اور میاں طبیعت کا انسان ہے۔ پس ایسے شخص کی درخواست کو قطعاً رد کر دینا بالضرور خطرناک نتائج کا باعث ہوتا۔ لہذا زینب اس موقع پر بھی اپنی معمولی احتیاط اور داناہی کو کام میں لایا۔ یعنی میڈیٹھلہ کی جوی اور پوتے پوتیوں کو بنگالہ کو روانہ کر دیا۔ اور امیر الامرا کا خطاب عنایت کیا۔ جو ایک حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے کہ اسکو خان خانان سپہ سالار بنگالہ کہا جاتا تھا۔ امیر الامرا

ایک ایسا خطاب ہے جس سے بڑھکر شہنشاہ ہند کوئی خطاب نہیں مل سکتا۔ اور اُسکے بیٹے محمد اکبر بن خاں کو میڈل بخشی، کا منصب عطا کیا جو سلطنت کے منصبوں میں دوسرے یا تیسرے درجہ کا منصب ہے۔ مگر اس منصب کو ہمیشہ دربار میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ اور بادشاہ سے اُسکا علیحدہ ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل تو بیشک ہے۔ اسکے علاوہ میڈل بخلا کو بنگالہ کی مستقل صوبہ داری بھی عنایت فرمائی۔

میڈل بخلا جب اپنی مراد پر کامیاب نہوا تو اُسے سوچا کہ اگر بیٹے کے جانے کی مکرر درخواست کرونگا تو یہ امر بالضرور بادشاہ کے عتاب کا باعث ہوگا۔ اسلئے اُسے بھی اسی کو بہتر جانا کہ ان انعامات شاہی کا شکر بھالائے اور خاموش ہو رہے۔ ان معاملات پر جبکہ ایک سال کے قریب گزر چکا تو آدنگ زیب نے صحیح طور پر یہ خیال کر کے کہ ایک اولوالعزم سپاہی اب زیادہ عرصہ تک بنگالا نہیں بیٹھ سکتا۔ اور اگر اُسکو لایا گیا غیر کے ساتھ لڑائی بھڑائی میں مشغول رکھا جائے تو خود اپنی ہی سلطنت کے اندر کوئی کھیر اٹھ کر دیگا۔ میڈل بخلا کو آسام کے راجہ پر فوج کشی کی تیاری کا حکم دیا جو ایک زبردست اور دولتمند راجہ ہے اور جسکا ملک ڈھاکہ کے شمال میں خلیج بنگالہ کے کنارے پر ہے۔

اُدھر میڈل بخلا خود بھی بس مہم کی فکر میں تھا کیونکہ اُسکو امید تھی کہ اس طرح پر سرحد چین تک ملک فتح کر کے ایک دائمی شہرت حاصل کرونگا۔ غرض کہ آدنگ زیب کے پیغام رساں نے میڈل بخلا کو اس مہم پر پہلے ہی سے

آبادہ پایا اور فوراً ایک سپاہ جزار ڈھاکہ سے کشتیوں میں اُس دریا کے رتہ روانہ ہوئی جو آسام سے نکلتا ہے اور گوشہ شمال و مشرق سے چکر ایک قلعہ چبکو آڈو کہتے ہیں اور جو ڈھاکہ سے قریب تین سو میل کے ہے اور چبکو آسام کے راجہ نے بنگالہ کے ایک صوبہ دار سے سابقہ میں مصیبتیں لیا تھا جا پہنچی۔ اور دس بارہ دن کے محاصرہ میں متعلق فتح ہو گیا۔ اور پھر چھڈا کی طرف جو آسام کا دروازہ سمجھا جاتا ہے بڑھا اور اٹھا میٹل دن کے لئے سفر کے بعد ماں جا پہنچی۔ اور یہاں ایک لڑائی ہوئی اور راجہ شکست کھا کر کوگانو کی طرف جو آسام کی راج دھانی اور چھڈا سے ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے بھاگ گیا۔ لیکن مینٹھلہ کے پرنس اور ارجیت تعاقب نے وہاں بھی دم لینے نہ دیا۔ اور بغیر اسکے کہ کچھ مورچہ بندی وغیرہ کر سکے مجبوراً پیچھے کوٹھٹا ہٹا مملکت لاسا کو کوہستان میں جا گھسا اور چھڈا اور کوگانو لوٹ پے گئے۔ خصوصاً کوگانو سے بہت مال و دولت فرج کے ہاتھ آیا (کوگانو ایک بڑا اور عمدہ شہر ہے۔ اور تجارت کی بڑی بندوبست ہے اور یہاں کی عورتوں کا شن شہور ہے) مگر کثرت بارش کی وجہ سے جو موسم سے ذرا پہلے شروع ہو گئی تھی سپاہ آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ اُس ملک میں اس قدر مینہ برتا ہے کہ بجز گانوؤں کی آبادیوں کے جو چھانٹ کر اونچی اونچی زمینوں پر بساے جاتے ہیں سب جگہ پانی ہی پانی ہو جاتا ہے اور راجہ نے موقع پا کر لشکر کے اُس پاس کے ملک کو مویشی اور ہر قسم کے سامان سے خالی کر ڈالا۔ اور اگرچہ فرج نے بہت سا مال دولت جمع کر لیا تھا۔ مگر قبل اسکے کہ برسات

ختم ہو دے رسد کی طرف سے نہایت دقت اور تکلیف میں پڑ گئی۔ اب میڈیخلہ  
 نے آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ کیونکہ سامنے جو پہاڑ تھے وہ نہایت ہی  
 ڈنڈا گزارتے اور پیچھے ہٹنا سب سے مشکل تھا کہ پانی اور دلدل کی کثرت کے علاوہ جب  
 نے ہوشیاری کر کے وہ پشتہ بھی ٹڑوا ڈالا تھا جس پر سے چمدا کا راستہ تھا۔  
 پس برسات بھر مجبوراً وہیں ٹھہرنا پڑا۔ مگر خشک موسم کے آنے تک رات دن  
 کی تکلیفوں اور رسد کے نکلنے سے فوج ایسی شکستہ خاطر ہو گئی کہ میڈیخلہ کو  
 آسمان کی فتح کا ارادہ مجبوراً ترک کرنا پڑا۔ اگر یہ فوج کسی اذکم لیاقت سردار کے  
 ماتحت ہوتی تو جیگا کر واپس آنا مشکل تھا۔ کیونکہ سرد بہت مشکل سے بہم پہنچتی تھی۔  
 اور راستہ میں دلدل اب بھی اس کثرت سے تھی کہ سپاہ جلد جلد کوچ نہیں کر سکتی  
 تھی۔ اور راجہ چستی کے ساتھ پیچھے لگا چلا آتا تھا۔ مگر میڈیخلہ اپنی معمولی ہوشیاری  
 سے لشکر کو ایسے ڈھنگ سے ہٹا لایا کہ اُس کے حسن تدبیر کی اور بھی وضوح ہو گئی  
 اور مال دولت بھی خوب ساتھ لایا۔ اور واپس آنے ہوئے قلعہ آذکو خوب  
 مستحکم کر کے ایک جہاز سپاہ و ماں اس غرض سے چھوڑ آیا کہ اگلے برس کے  
 شروع میں برسات سے پہلے پہلے پھر چڑھائی کی جائے۔ لیکن یہ نامی سردار  
 مرض جیش سے جو اُس کے لشکر میں بگال پہنچتے ہی پھیل گیا تھا۔ مر گیا۔ اور جیسا  
 کہ ہونا چاہیے تھا اُسکی وفات سے تمام ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا۔ مگر بہت  
 سے عقلمند لوگوں کا قول یہ ہے۔ کہ حقیقت میں آذنگ زنب بگال کا بادشاہ  
 ابھی ہوا ہے۔ اگرچہ آذنگ زنب میڈیخلہ کی خدمات کا مستحق اور لشکر گزار  
 تھا۔ لیکن شاید ایک ایسے نائب السلطنت کے مرجانے سے جس کا اقتدار



اور دانشمندی اسکو ہمیشہ متوش کھتی تھی ممکن نہیں ہوا۔ چنانچہ سرور ہمار  
 فتح علی امین خاں سے کہا ”افسوس ہے کہ تہارا شفیق باپ اور ہمارا نہایت  
 قوی اور نہایت خوفناک دوست چل بسا“ مگر بہر حال آؤ رنگ زیب  
 نہایت مہربانی اور فیاضی کے ساتھ فتح علی امین خاں سے پیش آیا۔ اور  
 اسکو یقین دلایا کہ اپنے باپ کی جگہ آپ ہمکے سمجھو اور بجائے اسکے کہ اسکی  
 تنخواہ میں کچھ کمی کرے۔ یا میری جگہ کے مال دولت کو ضبط کرے فتح علی امین خاں  
 کو میری بخشی کے عہدہ پر متعلق کر دیا۔ بلکہ تنخواہ میں ایک ہزار روپیہ مہوار کا ضما  
 کر دیا۔ اور اسکے باپ کے کل مال دولت کو بھی کچھ تعرض نہیں کیا۔ \*

اب میں تھوڑا سا حال آؤ رنگ زیب کے ماموں  
 شائستہ خاں کا جسکا کچھ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا  
 ہے اور جسکی مؤثر تقریریں اور جوڑ توڑ اسکے

شائستہ خاں اور مہم اراکان  
 اور پرتکلیز قوم کے بحری قزاقوں  
 اور ان کے ظلم و ستم کا ذکر۔

بھانجے کے لئے ایسے عظیم الشان مرتبہ پر پہنچنے کے باعث ہوسے ناظرین  
 کی خدمت میں ظاہر کرتا ہوں۔ تم پڑھ چکے ہو کہ کھجور کی لڑائی سے پہلے جبکہ

\* میری جگہ کا ایک مخلوقانہ طور پر آسمان سے واپس آنا جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے درست  
 نہیں ہے۔ اور اسکے علاوہ اور بھی غلطیاں ہیں۔ اور اس مہم کا صحیح اور مفصل حال جو  
 کوچ بھاد اور آسمان دونوں پر ایک ہی وقت میں کی گئی تھی عالمگیر نامہ میں اس  
 خوبی سے لکھا ہے کہ اسوقت کی فاسق تاریخوں میں ایسے عہدہ طور کا بیان شاذ و نادر ہی پایا  
 جاتا ہے اور اگر تفصیل اور جزئیات کے سبب نہایت ہی دھپپ اور قابل دید میں لیکن اگر انکو بہر نقل  
 کیا جاتا تو سب سے زیادہ ایک چھوٹی سی کتاب بخانی اسکو کچھ اضافہ کھڑے طور پر ایک شہید کہ اس جلد کو خاتمہ  
 میں لکھا گیا ہے اسکو ملاحظہ کرنا چاہیے۔ س م ح

ختم ہووے رسد کی طرف سے نہایت وقت اور تکلیف میں پڑ گئی۔ اب میڈیجنل  
 آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ کیونکہ اس نے جو بہانے تھے وہ بہت ہی  
 ڈھونڈا رہے تھے اور پیچھے ہٹنا اس کے لئے مشکل تھا کہ پانی اور دلدل کی کثرت کے علاوہ راج  
 نے ہوشیاری کر کے وہ ہشت بھی نثر وادلا تھا جس پر سے چمدا کا راستہ تھا۔  
 پس برسات بھر مجبوراً وہیں ٹھہرنا پڑا۔ مگر خشک موسم کے آنے تک رات دن  
 کی تکلیفوں اور رسد کے نکلنے سے فوج ایسی شکستہ خاطر ہو گئی کہ میڈیجنل کو  
 آسام کی فتح کا ارادہ مجبوراً ترک کرنا پڑا۔ اگر یہ فوج کسی اڈم لیاقت سردار کے  
 ماتحت ہوتی تو بنگالہ کو اس کا مشکل تھا۔ کیونکہ سرد بہت مشکل سے بہم پہنچتی تھی۔  
 اور راستہ میں دلدل اب بھی اس کثرت سے تھی کہ سپاہ جلد جلد کوچ نہیں کر سکتی  
 تھی۔ اور راجہ چستی کے ساتھ پیچھے لگا چلا آتا تھا۔ مگر میڈیجنل اپنی معمولی ہوشیاری  
 سے لشکر کو ایسے ڈھنگ سے ہٹا لایا کہ اُس کے حسن تدبیر کی اور بھی دھم دھم پڑ گئی  
 اور مال دولت بھی خوب ساتھ لایا۔ اور واپس آنے ہوئے قلعہ آڈو کو خوب  
 مستحکم کر کے ایک جوار سپاہ وہاں اس غرض سے چھوڑ آیا کہ اگلے برس کے  
 شروع میں برسات سے پہلے پہلے پھر چڑھائی کی جائے۔ لیکن یہ نامی سردار  
 مرض عیش سے جو اُس کے لشکر میں بنگالہ پہنچتے ہی پھیل گیا تھا۔ مر گیا۔ اور جیسا  
 کہ ہونا چاہیے تھا اُسکی وفات سے تمام ہندوستان میں ہلکے پڑ گیا۔ مگر بہت  
 سے عقلمند لوگوں کا قول یہ ہے۔ کہ حقیقت میں آڈنگ زنب بنگالہ کا بادشاہ  
 ابھی ہوا ہے۔ اگرچہ آڈنگ زنب میڈیجنل کی خدمات کا معترف اور لشکر گزار  
 تھا۔ لیکن شاید ایک ایسے نائب السلطنت کے مرجانے سے جس کا اقتدار

اور دانشمندی اسکو ہمیشہ متوش رکھتی تھی ممکن نہیں ہوا۔ چنانچہ سرور ہمار  
 فتح علی امین خاں سے کہا ”افسوس ہے کہ تمہارا شفیق باپ اور ہمارا نہایت  
 قوی اور نہایت خوفناک دوست چل بسا“ مگر بہر حال اورنگ زیب  
 نہایت مہربانی اور فیاضی کے ساتھ فتح علی امین خاں سے پیش آیا۔ اور  
 اسکو یقین دلایا کہ اپنے باپ کی جگہ بہت جلد سمجھو اور بجائے اسکے کہ اسکی  
 تنخواہ میں کچھ کمی کرے۔ یا میزِ محلہ کے مال و دولت کو ضبط کرے فتح علی امین خاں  
 کو میر بخشی کے عہدہ پر مستقل کر دیا۔ بلکہ تنخواہ میں ایک ہزار روپیہ ماہوار کا اضافہ  
 کر دیا۔ اور اسکے باپ کے محلِ حال و دولت کو بھی کچھ تعرض نہیں کیا۔ \*

اب میں تھوڑا سا حال اورنگ زیب کے ماموں  
 شائستہ خاں کا جسکا کچھ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا  
 ہے اور جسکی مؤثر تقریریں اور جوڑ توڑ اسکے

شائستہ خاں اور مہم اراکان  
 اور پرتکلیز قوم کے بحری قزاقوں  
 اور ان کے ظلم و ستم کا ذکر۔

بھانجے کے لئے ایسے عظیم الشان مرتبہ پر پہنچنے کے باعث ہوئے ناظرین  
 کی خدمت میں ظاہر کرتا ہوں۔ تم پر یہ چمکے ہو کہ کھجور کی لڑائی سے پہلے جبکہ

\* میلہ محلہ کا ایک منلو باہر پر آسمان سے واپس آنا جیسا کہ صنف نے لکھا ہے دست  
 نہیں ہے۔ اور اسکے علاوہ اور بھی غلطیاں ہیں۔ اور اس مہم کا صحیح اور فصلِ حال جو  
 کوچ بھارا اور آسمان دونوں پر ایک ہی وقت میں کی گئی تھی عالمگیر نامہ میں اس  
 خبر سے لکھا ہے کہ اس وقت کی فانی تاریخوں میں ایسے عمدہ طوکار بیان شاد و نادر ہی پایا  
 جاتا ہے اور اگر تفصیل اور جزئیات کے سبب نہایت ہی دم چسپ اور قابلِ دید ہیں لیکن اگر نگاہِ پور نظر  
 کیا جائے تو سب کو خود ایک چھوٹی سی کتاب بخانی سنو کہ اسکا خلاصہ لکھ کر بطور ایک شبہ کہ اس جلد کو خاندانہ  
 میں لکھا گیا ہے اسکو ملاحظہ کرنا چاہیے۔ س م ح

اورنگ زیب دارالخلافہ سے شجاع کے مقابلہ کو گیا تھا شایستہ خاں  
 اگرہ کا صوبہ دار مقرر ہو چکا تھا۔ پس اسکے بعد وہ دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا  
 اور وہاں کی سپہ سالاری بھی اسی کے متعلق کی گئی۔ اور اب میر جملہ  
 کی وفات کے باعث بنگالہ کا صوبہ دار اور وہاں کی فوج کا سپہ سالار بھی  
 مقرر ہوا۔ اور امیر الامرا کا خطاب بھی اُسکو دیا گیا۔ شایستہ خاں کی ناموسی  
 کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بنگالہ پہنچنے ہی جو ہم عظیم اُس نے اپنے  
 ذمہ لی تھی۔ اُسکا بیان کیا جائے۔ اور جب یہ خیال کیا جائے کہ خدا جانے  
 کس باعث سے اُسکے نامور جانشین سابق (میر جملہ) نے اُسکو اختیار نہیں  
 کیا تھا تو یہ ہم اذہنی زیادہ توجہ کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور میرے اس بیان  
 سے مملکت بنگالہ اور اراکان کی گزشتہ اور موجودہ حالت جو اب تک لوگوں کو  
 چنداں معلوم نہیں ہے منکشف ہوگی۔ اور کچھ اور حالات بھی جو توجہ کے  
 لائق ہیں ظاہر ہوں گے۔ مگر اس مہم کی کیفیت معلوم ہونے اور اُن واقعات  
 کے بخوبی سمجھنے کے لیے جو خلیج بنگالہ میں واقع ہوئے یہ بیان کرنا ضروری  
 ہے کہ اراکان میں جسے گھہ لوگوں کا ملک بھی کہتے ہیں برسوں سے  
 بہت سے نواباؤں، ٹیکڑ اور عیسائی غلام اور دو غلے پوکین اور اوز  
 اہل فرنگ جو ادھر ادھر کے ملکوں سے آن کر جمع ہو گئے تھے رہتے  
 تھے۔ اور یہ ریاست اُن بچلن لوگوں کے لیو جا میزا نہ تھی جو گوآ، سیلان  
 کوچین، ملاکا اور ہندوستان کے اوتھات سے جو قبل ازیں پرتگیزیوں کے  
 قبضہ میں تھے یہاں چلے آتے تھے۔ اور جو بد معاش فقیر اپنی خانقاہوں کو چھوڑتے

تھے یا جو بد اطوار لوگ دو تیس عورتوں سے شادی کر کے ایسی اور بڑے  
 گناہ کے مرتکب ہو کر بھاگ آتے تھے یہاں انکی بڑی آدھگت ہوتی تھی۔  
 یہ صرف نام کے عیسائی تھے۔ اور اداکان میں ان کا طرز معاشرت  
 نہایت قابل نفرت تھا۔ چنانچہ بد صرک ایک دوسرے کو قتل کرتے یا زہر  
 دیدیتے تھے۔ اور بعض اوقات اپنے واعظ پادریوں کو بھی جو سچ پوچھو تو وہ  
 بھی ان سے کچھ کم نیکے مار ڈالتے تھے۔ اور اداکان کے راجہ نے جو ہمیشہ  
 سلاطین مغلیہ سے خالی رہتا تھا۔ اپنے ملک کی سرحد پر ان کے وجود کو ہنزلہ  
 ایک جنگی چوکی کے کارآمد سمجھ کر چاٹ کام کی بندرگاہ اور میٹ  
 سی زمینیں آبادی کے لیے ان کو دے رکھی تھیں۔ اور چونکہ وہ ان لوگوں  
 سے کسی طرح کی مزاحمت اور باز پرس نہیں کرتا تھا۔ تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں  
 ہے کہ ان بد معاشر اور بے لگام لوگوں کا پیشہ لوٹ کھسوٹ اور سمندری غارتگری  
 کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ یہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر چڑھ کر اودھر اودھر مند  
 میں گشت لگاتے اور لٹکا کی بیشمار شاخوں اور کھاڑیوں میں جا گھستے۔ اور  
 بنگال کے حصہ پائین کے جزیروں کو تباہ و برباد کرتے۔ اور اکثر سو ڈیڑھ سو  
 میل تک ملک کے اندر چلے آتے تھے۔ اور جہاں کہیں بازار لگا ہوا ہوتا یا کوئی  
 شاوی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہوتی وہاں یکایک جا پڑتے اور تمام لوگوں کو  
 کپڑ کر بیجاتے۔ اور بد نصیب قیدیوں کو غلام بناتے۔ اور جو چیز اٹھائی نہ جاتی  
 اُسکو چلا ڈالتے تھے۔ اور یہ اس پیشہ کی لوٹ مار ہی کی وجہ سے تو ہے کہ  
 ہم گنگا کے دانہ پر ایسے عمدہ جزیروں کو جو کسی وقت خوب آباد اور مہمور تھے

دیران اور سنسان پڑا ہوا دیکھتے ہیں۔ اور سوا سے شیروں اور جنگلی جانوروں کے اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔ اور ان قیدیوں کے ساتھ وہ بڑی مہرچی اور بدسلوکی سے پیش آنے لگے کہ ان کو یہاں تک جرات ہوگئی تھی کہ بڈھے ادمیوں کو نکتے اور بیکار جانکر انہیں مقامات میں بھیجے کو بیچاتے تھے جہاں سے ان کو کپڑا لے لیتے تھے۔ اور اکثر دیکھا جاتا تھا کہ وہ جوان شخص جو کل اتفاقاً جہاں کران کے ہاتھ سے بچ گئے تھے آج اپنے بڈھے باپ کو خرید کر ان کے پنجہ سے چھوڑانے میں کوشش کرتے تھے۔ اور جوان قیدیوں کا یہ حال تھا۔ کہ یا تو ان کو قزاقی سکھاتے تھے یہاں تک کہ وہ خود قتل و غارت کے شاہین بنجاتے تھے۔ یا ان کو آستیرا اور سینٹ ٹاماس کے پرتکیزوں کے ہاتھ بیچ دیتے تھے۔ ان کا خاص بنگالہ میں ہوگلی کے رہنے والے پرتکیز بھی ان بیچاروں کے خرید لینے میں کچھ تاثر نہ کرتے تھے اور یہ مولناک تجارت گالیس تک بھی ہوتی تھی جو اس ڈاس بال ماس کے قریب ایک جزیرہ ہے۔ ان قزاقوں نے یہ معمول ابندہ رکھا تھا کہ فروختہ طلب غذاؤں کی کشتیاں کی کشتیاں بھر کر مقررہ مقامات کو لیجا کر یہی توراؤ کے موافق پرتکیزوں کے آگے منتظر رہتے تھے۔ اور وہ ان سب کو نہایت ہی ارزاں قیمت پر خرید لیتے تھے۔ اور نہایت انہیں ہے کہ پرتکیزوں کے زوال قوت کے بعد فولگستان کی اور قوموں نے بھی چالنگام کے ان قزاقوں کے ساتھ (جو یہ شیخی بگھارتے ہیں کہ ہم ایک سال کے اندر ہندوؤں کو

\* راس ڈاس بال ماس۔ افریقہ کے اس مغربی ساحل کے نزدیک واقع ہے جسکو انگریزی

Cape Daspalmas

عیسائی بناتے ہیں جو پادری لوگ تمام ہندوستان میں دہلی میں بھی نہیں بنا سکتے) اس مذہب کو تجارت کو جاری رکھا۔ سبحان اللہ! مذہب عیسائی کے پاک ادا کر کو اس طرح سے متواتر توڑنا اور اس کے مزاحی کی تحقیر کر کے علانیہ اس کے برخلاف عمل کرنا کیا ہی عمدہ طریقہ ہمارے دین مقدس کے پھیلانے کا ان کے ہاتھوں نے نکالا ہے۔!

یہ لوگ ہوگی میں جہانگیر کی مہربانی سے آباد ہوئے تھے جو عیسائیوں سے بالکل تعصب نہ کرتا۔ اور انکی تجارت سے فوائد کثیر

جہانگیر کے وقت میں پرتگیزیوں کے ہوگی میں آباد ہونے اور شاہجہان حکمران کے تخت تباہ ہونے کا ذکر

حاصل کرنے کی امید رکھتا تھا۔ علاوہ بریں ان لوگوں نے اُس سے یہ عہد بھی کیا تھا۔ کہ ہم خلیج بنگالہ کو بحری قزاقوں سے محفوظ رکھنے کے لئے شاہجہان نے جو باپ کی بنیبت مذہب اسلام کا زیادہ پابن تھا ان کو اس سبب سے سخت سزا دی کہ وہ نہ صرف اردکان کے قزاقوں کو جرأت دلاتے تھے۔ بلکہ خود بھی بہت سے غلام جو بادشاہی رعیت تھے اپنے پاس رکھ کر ان کے آزاد کر نیسے انکار کرتے تھے۔ پس اُسے اول تو دھمکا کر اور پھلکا کر بہت سا روپیہ وصول کیا مگر اس کے علاوہ بادشاہ کے اخیر احکام کے موافق جن جن باتوں کی تعمیل انکی طرف سے

میں گولڈ کوسٹ (یعنی ساحل الذہب) کہتے ہیں اور جزائر سینٹا ماس اور گالاس میں بھی گولڈ کوسٹ میں۔ یہ سب مقامات سابق میں پرتگیزیوں کی تحت حکومت تھے۔ اور چونکہ سینٹا ماس ایک جگہ مدد اس کے قریب بھی پرتگیزیوں کے قبضہ میں تھی۔ اسلئے سابق کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ وہ افریقہ کا سینٹا ماس مراد نہیں ہے۔ س م ح

مطلوب تھی جب اُنہوں نے اُسکو قبول کیا تو آخر کار محاصرہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا گیا اور عموماً سب کو غلام بنا کر اگر کبھی بھیج دیا۔ زمانہ قریب کی تاریخوں میں ان لوگوں کی مصیبت کی کوئی مثال پائی نہیں جاتی۔ بلکہ وہ اُس گروہ بنی اسرائیل کی مصیبت سے بہت کچھ مشابہ تھی جو بَیْتُ الْمُقَدَّس سے قید کیے جا کر سب کے سب بابل کو بھیج دیے گئے تھے۔ کیونکہ شاہجہاں کے

یہ اجرائی اسرائیل کے قصص تاریخی سے متعلق ہے اور مختصر بیان اسکا اس پر ہے کہ  
 اِلْيَاقِيم ابن يَوْشِيَا بَيْتُ الْمُقَدَّسِ مِی اَلْ يَهُودَا بنِ يَعْقُوبِ  
 علیہ السلام کا ۱۲۴۱ء جاہلِ زمانہ آٹھ سو چوڑھ سو مل میں جب کو اُن (۱۸۸۶ء تا ۱۹۰۱ء) سے دو ہزار چھ سو ستادہ برس کا عرصہ گزرا ۲ اس طرح پر بادشاہ ہوا تھا کہ مصر کے بٹ پرست بادشاہوں میں سے جو فرعون کہلاتے تھے اُسکے ایک مہر فرعون نے اُسکے بھائی یوہان کو مغلوب اور ضیاع کر کے اِلْيَاقِيم کو بطور اپنے خراج گزار کے اور یوِیَاقِيم نام رکھ کر بنی یھودا کا بادشاہ بنا دیا تھا۔ یہ بادشاہ بہت ظالم تھا اور جیسا کہ اُن بنی اسرائیل بھی بعض اوقات کرتے رہتے تھے اسنے شریعت موسوی کے برخلاف بُت پرستی اختیار کر کے اس طریق کو رواج دینا شروع کیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت دُوریا نبی کو جو حضرت یوئیمیا نبی کی طرف سے شرع موسوی کے موافق بنی اسرائیل کو گمراہیوں اور جور و جفا اور سخت بدعتوں اور اعمالِ قبیحہ اور بُت پرستی سے منع کرتے اور قہر الہی کے نازل ہونے سے ڈرتے تھے ناراض ہو کر اس بادشاہ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آخر کار مصر سے کہ جہاں وہ بھاگ کر چلے گئے تھے وہیں ڈاکر اور اہل ہنر مرقی و فرعون کی منہزت پر کوسٹا لگا کر بَیْتُ الْمُقَدَّس میں قتل کر دیا ۲ پھر انتقام الہی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔

کہ مَنُحْ نَصْرَ شَانِي پَر نَبْ بَلَسْکَا۔ یَلْدَ اَنِیوں کے پت پرست بادشاہ نے جسکے خاندان کی سلطنت عمارتِ عرب میں تھی اور وہاں فوات کے



حکم کی تعمیل سوچی نہ کوئی بچہ ہی مستثنیٰ را نہ کوئی واعظ اور نہ کوئی درویش! چنانچہ  
حسین اور خوبصورت عورتیں تو کیا سیاہی کیا کنواری لوٹریاں بنا کر مجلس سے  
شاہی میں بھیج دی گئیں۔ اور جو زیادہ عمر کی تھیں یا انکی شکل چھٹی تھی اسید و لکھو  
تقسیم کی گئیں! اور کم سن لڑکے ختنہ کیے جا کر غلام بنائے گئے۔ اور جو  
جوان تھے وہ بڑے بڑے وعدوں کی اسید پیا تھی کے پانوں سر کچلاؤ بنا کی

نزدیک شہر کئے تو آ اور بابل (کر بلائے علی اور بندو کے قریب) انکے دار الحکومت میں  
علاء علیہ السلام میں بادشاہ کو کراؤل نوائ قابل کو جو ملک فلسطین میں رہتے تھے ملکات  
بابل کا مکر مطیع کیا۔ اور بعد ازاں یو یاقیم کے گیا یہوں سال جلوس میں ایک شکر  
عظیم کے ساتھ اپنے داد الملک نے تو آ سے بیت المقدس پر چڑھائی کی اور  
یو یاقیم جو اسکے مقابلہ میں محض بے حقیقت تھا بجز اعانت کے کوئی چار  
نہ دیکھ کر مع سرداران آل یہود حاضر ہو گیا۔ چنانچہ بضع تنصیر کئے بلا مقابلہ محرمات  
شہر میں داخل ہو کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور جب کل بندوبست حسبِ نخواستہ کر دیا  
تو یو یاقیم کو باہر بھیج کر کسبِ اسکی ماں اور ملک اور بیٹوں اور دل ہزار اور یہودیوں کے  
کو جنین سے ایک ہزار شہزادے اور سردار اور جنرل اور شات ہزار سپاہی تھے اور  
دو ہزار اور عوام الناس اور جن میں حضرت دانیال پیغمبر پر یوحنا یو یاقیم کے  
ہتھیے بھی بارہ برس کی عمر میں مع بعض اور صلحائے قوم کے تھے سب کو قید کر کے  
بابل بھیج دیا اور اپنے پسر اور بوزردان کو حکم دیکر بیت المقدس کو جلا کر خاک سیاہ اور نشان  
کر ڈالا۔ اور شہزادہ گان ملک کو قتل کرایا۔ اور جو مال و دولت کہ جسکی فصیحی اور خزانہ شاہی  
اور رعایا کے گھروں میں تھا سب لوٹ کھسوٹ کر اور شہر ہزار بجھ لا کر نئے تو آ کو  
جلا آیا۔ اور بنی اسرائیل بابل میں سے ایک اور شخص کو اپنی طرف سے  
وہاں کا حاکم بنا کر یہود۔ بن یوسف کے خاندان کی سلطنت کا نام کر دیا چونکہ بیت المقدس کی خرابی  
عبر ہی کیا ہیں جنو آب کی نوین تاریخ کو وہی تھی اسلئے بنی اسرائیل ایک ایسے ن سوگ ستائیں جس میں  
مغزوہ ازناخ تاریخ

متواتر دھکیوں سے مسلمان ہو گئے۔ البتہ چند درویش اپنے مذہب پر قائم رہے۔ اور سترہ جیسویٹ کے عیسائیوں اور بادریوں کی مہربانی سے جنہوں نے اس آفت کے زمانہ میں بھی آگاہ کارہنہ ترک نہ کیا اور بہت سارے پیچہ خرچ کر کے اور دوستوں سے سہی سہاوش کر کے اپنے فیاضہ ارادہ میں کامیاب ہو کر آؤ اور مقامات مقبوضہ اہل بدنگال کو بھیجے گئے مگر ہو گئی کو حادثہ سو پہلو بہ پادری بھی شاہ جہاں کو غائب ہو کر بچے تھے۔ چنانچہ اُس نے آگاہ کا عالیشان اور خوبصورت گرجا جو جہانگیر کے عہد میں مع ایک آؤ گرجا کے جو لاہور میں بنایا گیا تھا سمار کر دیا تھا۔ اس گرجا کے مینار پر ایک گھنٹہ لگا ہوا تھا جسکی آواز تمام شہر میں سنائی دیتی تھی۔ \*

\* شاہ جہاں کے مرنے خاص مُلّا عابد الحُمید کا ہوسوی نے ہو گئی کے پڑتکیزوں کے اس واقعہ کو بادشاہ نامہ میں یوں لکھا ہے کہ ”بنگالیوں کو عہد میں (یعنی ہمایوں اور اکبر کے زمانہ سے پہلے جبکہ بنگالہ میں تھیودہ خاندان کی حکومت تھی) فرنگی سوداگروں کا ایک گروہ جو سرانڈیپ (نکام) کے رہنے والے تھے سات گانوں (چاٹ کام) میں آمدورفت کرتا تھا۔ ان لوگوں نے سات گانوں سے آگے بڑھ کر کھاڑی کے کنارے (جسکو مُلّا عابد الحُمید ”خور“ لکھا ہے) اس بہانہ سے کہ خرید و فروخت کے لیے کوئی جگہ چاہیے بنگالیوں کی اجازت سے جہاں اب شہر ہو گئی آباد ہے اول چند گھر بنائے۔ اور مبرور آباد مقام بنگالہ کی بے شعوری اور لاپرواہی سے اس نئی آبادی میں بہت سے فرنگی جمع ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے یہ کام کیا کہ ایک طرف تو دیبا سو دہی تھا باقی تینوں طرف عیسائی خندق کھدوا کر اور پانی سے بھر کر اس تمام کو ایک جزیرہ کی شکل بنالیا۔ اور اس کے اندر مضبوط اور عالیشان عمارتیں بنا کر توپ بندوق اور سامان جنگ سے خوب تحکم کر لیا۔ اور یہ آبادی ایسی ہی تھی

گواہ کے دیر گواہ اکاں پر ہم کر نیکی ہو  
پنکیزوں کی قزاقوں کا تحریک کرنا

ہو گلی کے چھین جانے سے پہلے جبکہ

بائسٹان کان سالو ارکان کے قزاقوں

کا سر غنہ تھا اور ایسا نامی اور زبردست شخص ہو گیا تھا کہ شاہ ارکان کی بیٹی سے اسے شادی کر لی تھی! ان قزاقوں نے گواہ کے دیر سے کی خدمت میں باقاعدہ طور پر یہ درخواست پیش کی تھی کہ اگر آپ چاہیں تو تمام ملک ارکان پر ہم آپکا قبضہ کر سکتے ہیں۔ اگرچہ بلحاظ پنکیزوں کی اس وضع اور رویت کے جو انہوں نے جاپان۔ پیگو۔ ایتھوپیا

کہ بندر سات گانوں کا بازار سرد ہو گیا۔ اور جہازات فرنگ کی آمد و شد اور خرید و فروخت اسی جگہ پر مقرر ہو گئی۔ اور یہ مقام ایک بڑا شہر بن کر بندر ہو گلی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں نے ہو گلی کی کھڑی کے دونوں طرف جو پرگنے تھے تھوڑے تھوڑے معاملہ پر وہ بھی اجارے لے لیے اور وہاں کی رعایا کو زبردستی اور طمع دونوں طور سے کر سجن بنا کر فرنگستان کو بھیجا شروع کیا۔ اور اگرچہ رعیت کے کم ہو جانے سے اجارہ کا روپیہ گرہ سے جڑا پڑا تھا۔ مگر باوجود اسکے وہ اس فعل کو موجب ثواب سمجھا کہ اس نقصان کو سوداگری کے نفع سے پورا کرتے تھے اور آخر کار انکی یہ کارروائی محال اجارہ کے دیہات پر ہی محدود نہ رہی بلکہ دریا کنارہ کا جو کوئی آدمی قابو چڑھ جانا اسکو بھی بیکر کر اسی طرح عمل کرتے تھے۔ شاہ جہاں کو جو اپنے باپ کے عہد میں بنگالہ جانے کا اتفاق ہوا تو بادشاہی رعایا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا یہ طرز سلوک بہت ناگوار گزارا اور اُس وقت سے ان کی بیچ کنی کا خیال اُس کے دل میں ایسا جما کر جب بادشاہ ہوا۔ اور قاسم خاں کو بنگالہ کی صوبہ داری پر مقرر کیا تو اس نے ”عقدہ دشوار کٹ“ کے کھولنے کو خشکی اور تیزی دونوں طرف سے حملہ کرنے کی تدبیریں اُس کو اپنی زبان خاص سے سمجھائیں جس کے موافق خان مذکور نے صوبہ کے اور ضروری انتظاموں سے فارغ ہو کر سردی کے اخیر

پنکیزوں کا دیر گواہوں اور اکاں کی تحریک کرنا

اور اور ملکوں میں اختیار کیا تھا۔ اسکے قبول کر لینے میں کوئی نئی اور قابل تعجب بات تھی۔ مگر کہتے ہیں کہ ویسے گو آنے غرور اور حسد کے مارے اسکو منظور کیا۔ اور اسکو یہ امر نازیبا معلوم ہوا کہ شاہ بدنگال ایک ایسے بڑے معاملہ میں ایک ایسے چھوٹے اور کم صل شخص کا حسان اٹھا

انیر میں باہر شہان سلطنتا ایک ہزار اکتالیس ہجری الہ یار خاں نامے ایک سردار کو مع عنایت اللہ اپنے بیٹے اور کئی اور سرداروں اور امیروں کے ہم تدبیر سمجھائی کہ اول بدوان جا کر ٹھہریں۔ اور بجائے ہو گلی کے یہ شہر کر دیں کہ بدوان کی طرف مقام جھنگلی کی تخت و تاج کے لیے یہ فوج آئی ہے۔ اور بھادر نے ایک سردار کو اسکا ذاتی ملازم اور نہایت محل عقاد تھا مخصوص آباد (شہر آباد) کے محل خالصہ کے بندہ بہت کے ہانہ سے اسکو یہ سمجھا کر روانہ کیا کہ ضرورت کو وقت الہ یار خاں اور عنایت اللہ کے پاس پہنچ کر شامل ہو جانا اور یہ سب احتیاطیں اس اندیشہ سے تھیں کہ کہیں اس ارادہ کی خبر باکر بدنگالین لوگ مال و عیال کو لیکر اپنی کشتیوں میں نہ جا چکے ہیں۔ علاوہ بریں یہ تدبیر کی گئی کہ چند سرداروں نے سرچاپور بندر سے نواڑہ میں ٹھہر کر اول کھاڑی کے دن کو جہاز کا اور بعد ازاں الہ یار خاں اور عنایت اللہ نے بدوان سے دفعتاً کوچ کر کے ایک جگہ سات گالوں اور ہو گلی کے بیچ میں آویزا کیا۔ اور بھادر نے پانچ سو اوروں اور پیادوں کی جمعیت کثیر سے مخصوص آباد سے آکر اور خواجہ شید و غیرہ کے ساتھ جو نواڑہ میں سرچاپور سے آئے تھے شامل ہو کر ہو گلی کی کھاڑی میں ایک تنگ جگہ کشتیوں سے پہلے باندھ کر ان کے سمندر میں بھاگ جانے کا راستہ بند کر دیا اور بعد اسکے دوسری ذی الحجہ سلطنتا ایک ہزار اکتالیس ہجری کو کھاڑی اور شکی دونوں طرف سے آگے کو بڑھے۔ اور قصبہ بالی میں پہنچ کر جو یہ بستی بھی خندق سے اس طرف بدنگالوں ہی کے متعلق تھی ان کے ایک گروہ کو تہ تیغ کیا۔ اور جو کچھ مالاوٹ لیا۔ اور کچھ سپاہ نے کھاڑی کے دونوں طرف ان کے اجارے

فیہ ما یستحقون

پرتگیزیوں کی بداعمالی کا ذکر  
 امر واقعی یہ ہے کہ ہندوستان میں پرتگیزیوں  
 کے زوال طاقت کا باعث انکی بداعمالی ہے۔ اور جیسا کہ وہ خود بھی قبول  
 کرتے ہیں اسکو غضب الہی کا ایک نشان سمجھنا چاہیے۔ اگلے زمانہ کے  
 پرتگیزیوں کا ہندوستان میں بڑا نام تھا۔ اور تمام ہندوستانی رؤسا  
 انکی دوستی کے خواہاں تھے۔ اور وہ جراث اور دینداری اور دولت مندی اور

کے پرگنوں میں داخل ہو کر "نفرانی اجارہ داروں" کو قتل و قید کیا اور سب سے زیادہ  
 کار آمد تدبیر یہ کہ ان کے نواذہ کے ملازموں کے اہل و عیال کو بھی جو سب بنگالی  
 تھے پکڑا لے۔ جسکے باعث سے ایسی ضرورت کے وقت چار ہزار ملاح انکی نوکری  
 چھوڑ کر بادشاہی لشکر میں حاضر ہو گئے۔ اسکے بعد بادشاہی سرداروں نے خاص ہو گلی  
 کو جا گھیرا۔ اور ایام محاصرہ میں ساڑھے تین مہینے تک انکی یہ حالت رہی کہ کبھی تو لڑائی  
 لڑتے تھے اور کبھی صلح کے پیغام و سلام بھیجتے تھے اور اس کجدار و مرز سے اصل  
 مقصود یہ تھا کہ فرنگستان سے کمک آنیکے منتظر تھے۔ چنانچہ اسی پیغام و سلام  
 میں اگرچہ بظور تنہید صلح اور غدر و غدورت کے ایک لاکھ روپیہ نقد بھی نذر کر دیا گیا باوجود  
 اسکے تقریباً سات ہزار سپاہ و فوجی جو حالت محاصرہ میں انکے پاس موجود تھے انکو لڑنے کے  
 لیے بھی مامور کئے رکھا۔ اور جس باغ میں بادشاہی سپاہ آتری ہوئی تھی اسکے دختوں کو  
 بھی چھڑوا دیا تاکہ ہندوؤں کی زد سے پناہ نہ مل سکے۔ آخر کار بادشاہی سرداروں نے  
 (جو دیوانی لڑائی میں عموماً لاجپاتھے) یہ تدبیر کی کہ بیلدار لگا کر گر جا کی طرف کی خندق میں  
 (جسکا عرض اور عمق کم تھا) چھوٹی چھوٹی ٹالیاں ٹھکڑا کر اسکو پانی سے خالی کر ڈالا  
 اور اپنے مورچوں میں سے تین ستر گیس لگائیں جنہیں سے دو کو تو خبر پا کر انہوں نے  
 خراب کر دیا۔ مگر تیسری ستر تک ٹھیک اُس مکان تک جا پہنچی جو سب میں اوستا اور  
 زیادہ مضبوط تھا اور جس بہت سے فرنگی جمع رہتے تھے۔ اور جب اُس ستر تک میں  
 باروت بھر دی گئی تو چوڑھویں برج الاول کو اُسی مکان کے سامنے صف لشکر اُسنے کی گئی  
 تاکہ لڑائی کا رد۔ اُسی طرف سمجھ کر وہ سب اُدھر ہی اُن کر جمع ہو جائیں۔ اور جب ایسا ہی ہوا

فوجی حسیہ کی طرف سے

بڑی بڑی غظیم الشان مہموں کے کرنے میں مشہور تھے \* اور وہ ایسے  
تھے جیسے کہ آجکل کے پرتکیز ہیں جو ہر ایک معیوب فعل کو عادی  
ہیں اور جبکہ ہر ایک ذلیل اور پاجیانہ کام میں دل لگتا ہے۔

اس کتاب کے مترجم انگریزی مسٹر ڈارونگ براک نے پرتکیزوں کے ہندوستان  
میں آنے اور ان کے عروج و زوال کا حال ایک حافیہ میں بہت تفصیل سے لکھا تھا۔ چونکہ  
وہ دل چاہنے والوں کی قدر طولانی ہے اسلئے خیف کمی بیشی کے ساتھ ہنسنے اس جلد کے  
خاتمہ میں لگا دیا ہے۔

تو اول توپ اور بندوق سے لڑائی شروع کر کے آخر کار رنگ کو آگ دیدی جس سے  
وہ مکان، اور بہت سے فرنگی دھوئیں کی طرح اڑ گئے۔ اور باقیانہ جوانی کشتیوں  
میں جا چڑھے کو بھاگے تو مارے گھبراہٹ کے اکثر توپانی میں ڈوب گئے۔ اور جو  
لوگ ڈوبتے اچھلے کشتیوں تک جا بھی پہنچے انکو بادشاہی نواہ کی فوج نے جالیاں تک  
کے پرتکیزوں نے اپنی تباہی کو یقینی جانکر اپنے ایک بیسے جہاز کو جس میں قریب دو  
ہزار کے مرد و عورت اور بہت سال و اسباب اور بارود کا ذخیرہ تھا اس خیال سے کہ  
غیرم کے ہاتھ نہ پڑے بارود میں آگ دیکر از خود جلا دیا۔ اور اس طرح جو لوگ چھوٹی کشتیوں  
میں چڑھ گئے تھے انہوں نے بھی اپنے آپ کو جلا کر لاک کر ڈالا۔ غرض کہ چھوٹے بڑے  
ڈونگوں اور شتاؤں غراب اور ڈونگو چلوں میں سے صرف ایک غراب اور دو چلے  
تو (محض اسوج سے کہ پوش کے وقت چند تیل کی شای کشتیوں میں آگ لگ کر  
کچھ رہتے کھل گیا تھا) بجکر نکل گئے مگر اسکے سوا کچھ آگ اور پانی سے بچا سب بادشاہی  
لشکر کے قابو میں آگیا۔ اور شروع جنگ سے اسوقت تک اگرچہ لشکر شاہی میں سے  
تو صرف ایک ہی ہزار آدمی مارے گئے۔ مگر محصوروں کی طرف عورت مرد بوڑھا  
جوان ان سب قسم کی آفتوں اور لڑائی میں دنوں ہزار کے قریب ضائع ہوئے۔  
اور باقی انھوں نے مرد و عورت، چار ہزار چار سو قید ہوئے۔ اور رعایا بادشاہی میں  
جو دنوں ہزار آدمی کے قریب انکی قید میں تھے انکو رامی دیکھی اور امر محمد علی شاہی

تاریخ ہندوستان

جزیرہ سوندیب اور فرانچین نامے  
ایک بنام پتلیگز درویش کا ذکر۔

اسی زمانہ کے قریب سبکا میں ذکر کر رہا ہوں  
جزیرہ سوندیب کو ان درامی قزاقوں

نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جو گنگا کے دہانہ کے اکثر روکے رکھنے کو  
اُن کے لیے ایک بہت کارآمد کام تھا۔ اور وہ نامی بد معاش فرانچین  
جھاگشاہین فرقہ کے درویشوں میں سے تھا۔ معلوم کن فن و فریب سے  
وہاں کے حاکم کو کال کر ایک مدت تک اس جزیرہ کا ایک چھوٹا سا راجہ بنا رہا

\* یہ چھوٹا سا جزیرہ خلیج بنگالہ میں چاند کا گام کے نزدیک ہے۔ س م ح  
Fra Juan Augustine

(ایک ہزار بیالیس) کو قاسم خاں کر بیٹے غلام اللہ نے مذکورہ بنگالہ سے آکر چھوٹے بڑے  
چار سو مرد و عورت "اسیران فرنگ" (یا اگر چھاپا میں کچھ غلطی ہو گئی ہو تو وہی چار ہزار چار سو)  
میں اُن کے بتوں کے رجوع کرنا کیتھنک عیسائیوں کے گرجاؤں میں اکثر ہوا کرتے ہیں) بادشاہ  
کی نظر سے گزرنے جتنے انکی نسبت یہ حکم دیا کہ سختی کے ساتھ قید رکھے جائیں اور جو کوئی مسلمان  
ہو جائے اسکا گزارہ قہر کیا جائے اور جو مسلمان نہ ہو وہ براہ قید رہے۔ چنانچہ بعض تو مسلمان ہو کر سرور  
غلیات ہو گئے اور بعض قیدی ہی میں مر گئے۔ اور اُن کے بتوں میں سے جو جو تین کہ بعض غیر میں کی  
تیس اُنکو تو اوب کو خیال سے دریائے جھنا میں ڈبوایا جاتی کو ٹوڑا ڈالا۔

صاحب سپر الماخرین نے ملا عبدالحمید کی طرح اُنکو محض ہرنڈ پیکے فرنگی نہیں  
بنایا بلکہ عیساکر جائے تھا بقیہ فیض قومیت "پونکلیس" لکھا ہے۔ اور اس صیبت کا اثب  
اُنکا "تمد اور بنادت" اور قیدیوں کی تعداد چار ہزار چار سو زن و مرد لکھی ہے۔ اور چونکہ  
سُرنگ اُن کے بعد بادشاہنا میں بھی اتنے ہی آدمیوں کا قید ہونا لکھا ہے ایسے غلب  
ہے کہ یہی شمار صحیح ہو گا ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ چار ہزار چار سو نصرانی قیدیوں میں سے  
ہندو وستانی نصرانیوں کو چھوڑ کر صرف چار سو گور سے چٹے فرنگی مردوں اور  
عورتوں ہی کو چھانٹ کر غلامی کے پیشے حاضر کیا گیا ہو۔ ۱۲ س م ح

فرانچین پتلیگز درویش کا ذکر

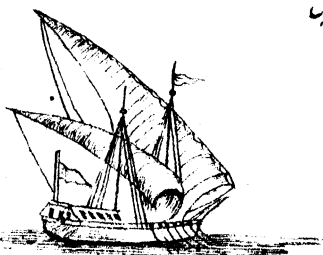
تھا۔ اور یہ وہی قزاق تھے جنکا ذکر میں نے پہلے کیا ہے کہ اپنی گیلی اس قسم کی کشتیوں میں بٹھکر سلطان شجاع کے پاس ڈھاکہ میں اس غرض سے آئے تھے کہ اسکو اداکان لیجائیں۔ اُس موقع پر بھی ان بد معاشوں نے ایک عجیب چالاکی کی تھی کہ کسی طرح اسکی اسباب کے صندوقوں میں سو بہت سے جواہرات نکال لیے تھے اور اداکان پہنچ کر جزوی قیمت پر خفیہ بیعت پھرتے تھے جن میں سے ڈبچوں اور اور فرنگیوں نے اکثر میرے یہ دم دیکر کہ یہ کچے ہیں ان بیوقوفوں سے تھوڑی سی قیمت پر اڑا لیے تھے

ابل فرنگ گئے بلی اور گئے بلی آس مندرجہ ذیل شکل کی ایسی کھلی کشتی کو کہتے ہیں جیسی کہ اکثر پنجاب اور ہندوستان کے بعض بڑے دریاؤں پر ہوتی ہیں۔ چٹنوں سے لکھٹی جاتی ہیں۔ ضرورت کے وقت انہر پالیں بھی چڑھا سکتے ہیں۔ ایک مختصر سا بنگلہ بھی ایک سرے پر بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور گئے اور گئے بلی آس میں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ گئے بلی آس قد میں اُس سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور باقی ترکیب اور وضع سب وہی ہے۔ اُسوقت کی فارسی تاریخوں میں بنگالہ کی ان دریائی لڑائیوں کے ذکر میں تین قسم کی کشتیاں لکھی ہیں (۱) غراب یعنی ڈونگہ (۲) ڈونگہ کلاں (۳) جلیہ فرنگی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ ڈونگہ کلاں تو گیلی سے مراد ہے۔ اور جلیہ فرنگی گیلی آس سے

Galley

Galiass

اور انہر توپوں کے  
پڑانے کی جلی کشتی  
ہوتی تھی۔





شاہستہ خاں کا ان پرتکلیز قزاقوں پر  
چڑھائی کرنا۔ اور ان کے مطیع کرنے  
میں ڈچوں سے مدد لینا۔

میں خیال کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے بیان  
کیا ہے اس امر کے اندازہ کر نیکی  
لیئے کافی ہے کہ سلاطین مغلیہ کو

کس قدر تکلیف اور اذیت اور خراجِ ان ظالم اور زبردست لٹیریوں کے  
سبب سے اٹھانا پڑتا تھا۔ اور ان کے ہنگامہ میں گھس آنیکے خوف  
سے ہمیشہ فوج اور گینچی آس قسم کی کشتیوں کے نواڑے ناکوں کے  
روکنے کے یڑ تیار رکھنے پڑتے تھے۔ اور اسپر بھی ان کے ہاتھ سے ملک  
ہمیشہ تباہ و برباد ہوتا رہتا تھا۔ اور یہ قزاق اس قدر ولیر اور اپنے فن میں  
ایسے مشاق ہو گئے تھے کہ صرف چار پانچ گینچی آس کشتیوں میں بٹھکر  
چڑھ آتے تھے اور عموماً چودہ پندرہ گینچی قسم کی بادشاہی کشتیوں کو گرفتار  
کر لیتے یا تباہ کر ڈالتے تھے۔ اسلئے شاہستہ خاں نے ہنگامہ کا صوبہ  
مقرر ہو کر ان کی بیخ کنی کی تجویز کی۔ اور اس میں اسکے دو مطلب تھے کہ سرت  
توان بیرجم وحشی قزاقوں کے متواتر اور برباد کن حملوں سے اپنے صوبہ  
کا بچانا اور آخر کار ارکان کے راجہ پر چڑھائی کرنا۔ اور اس بیرجمی کی سزا  
دینا جو اُس نے سلطان شجاع اور اُسکے اہل عیال کی نسبت کی تھی  
کیونکہ اودنگ ذیب کا مستقل ارادہ تھا کہ ان عالی منزلت لوگوں کے  
خون کا انتقام لے اور اس مثال سے قرب و جوار کے تمام رئیسوں کو  
یہ سبق دے کہ خاندان شاہی کے لوگ خواہ کسی حالت میں کیوں  
نہ ہوں انسانیت اور ادب کے ساتھ سلوک کئے جانیکے مستحق ہیں۔

چنانچہ شائستہ خاں نے اپنی تجویز کے ابتدائی امور کو غایت درجہ کی ہوشیاری کے ساتھ پورا کیا۔ اور چونکہ دریاؤں اور ندی نالوں کی وجہ سے جو راستہ میں پڑتے ہیں خشکی کی راہ سے ارکان میں فوج کا ایجا بہت مشکل تھا اور بسبب اُس فوقیت کے جو ان بحری قزاقوں کو چہارمی لڑائی میں حاصل تھی سمندر کے راستہ سے فوج کشی کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار تھا اسیلئے اُس نے ڈچ لوگوں سے مدد لینا مناسب سمجھا اور جس طرح پر شاہِ عثمانی بادشاہ ایران نے انگریزوں کے اتفاق سے جزیرہ ہُرمُز پر قبضہ کر لیا تھا اُسی طرح اس نے بھی ڈچوں کی امداد سے ارکان پر قبضہ کر لینا چاہا۔ اور بیٹیویا کے گورنر کے پاس اپنے ایجنسی کو چند خاص شرطوں کے ساتھ عہدہ بیان کرنے کو بھیجا۔ اور یہ پیغام دیا کہ آؤ ہم تم ملکر ارکان پر مشترکہ قبضہ کر لیں۔ بیٹیویا کا گورنر اس تجویز کے قبول کر لینے پر اس وجہ سے آسانی کے ساتھ مائل ہو گیا کہ اسکے ذریعہ سے انکو ہندوستان کے معاملات میں پرتکلیفوں کی مداخلت کے کم کرنے کا (جس سے ڈچ کمپنی کا بہت فائدہ تھا) زیادہ تر موقع ہاتھ آتا تھا۔ اور اُس نے اپنے دو جنگی جہاز بنگالہ کو

۱۷ اس مقام کو پرتکلیفوں نے ایرانیوں سے چھینا ہوا تھا۔ مگر ۱۷۲۲ء سولہ سو بائیس عیسوی میں ایرانیوں نے انگریزوں کی مدد سے پھر واپس لے لیا۔ (تاریخ ہند متنی ذکا م اللہ)

۱۸ ہندوستان کی دولتہندی کی شہرت نے مدتوں سے یورپ کی اکثر قوموں کو ان ملک کے ساتھ تجارت کا سلسلہ جاری کرنے کے پیچھے بچین کر رکھا تھا۔ گزشتہ کی راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب لاپرواہ تھے لیکن پرتکلیفوں کے بادشاہ امان دیل کے عہد میں اُسکا اولوالعزم امیر البحر و اشکو ڈی شکامنا

بھیج دیئے تاکہ شانت خاں کی فوج کو آسانی کے ساتھ چاٹ گام میں پہنچاں  
چونکہ اس عرصہ میں شانت خاں نے بھی گیلی آس وغیرہ قسم کی بڑی بڑی  
کشتیاں جمع کر لی تھیں پس اُس نے ان قزاقوں کو اس طرح پر دھمکا یا کہ  
اگر فوراً اطاعت قبول نہ کرو گے تو نیست و نابود کر دیئے جاؤ گے۔ کیونکہ  
اؤرننگ رینب نے ارکان کے راجہ کی سزا دی کا ارادہ مصمم کر لیا ہے۔  
اور ڈچوں کے جنگی جہازوں کا ایک طاقت ور بیڑا بھی جس کا ٹیم مقابلہ کر چکے  
بہت جلد آنے والا ہے۔ پس اگر تمکو کچھ عقل ہے۔ اور اپنی اور اپنے  
اہل و عیال کی خیریت چاہتے ہو تو راجہ کی نوکری چھوڑ کر شاہی ملازمت  
اختیار کر لو اور جس قدر تمکو ضرورت ہو بنگالہ میں زمین غنٹا کیجائیگی اور راجہ  
کے ماں سے جتنی تنخواہ ملتی ہے اُس سے دو چاند دیجائیگی۔

جب اپنے اہل و عیال کی فوجوں کے ذریعہ سے ایک پرمسوت اور خطرناک اور طولانی سفر  
طے کر کے ۱۷ جولائی ۱۸۵۹ء کو وہ سواٹھانویں عیسوی میں ساحل ہلابار پر  
پہنچا (جس کا مفصل حال اس حاشیہ میں درج ہے جو اس جلد کے خاتمہ میں لگایا گیا ہے)  
تو اس وقت سے سو برس کے عرصہ تک تو مشرقی سمندروں اور جزیروں اور وہاں  
ہندوستان میں انہیں کا غلبہ اور دور دراز۔ مگر جب سن ۱۸۵۸ء سولہ سو عیسوی  
میں ڈچ لوگ سپین کی حکومت سے آزاد ہو گئے تو انہوں نے بھی ہندوستان  
کی تجارت کے لئے کہنیاں بنائیں اور ایسے بڑھے کہ بحر الہند میں دواستوا کے قریب  
جزیرہ جاوا وغیرہ پر جہاں اب تک شہر بلیویا انکی حکومت کا صدر مقام تھا بعض  
ہو گئے۔ اور پھر جہاں کہیں قابو پایا پوتلیزوں کو بھی پس پا کر ان شروع کیا یا تاک  
کہ مشہور اور زرخیز جزیرہ لنکا بھی جو اب گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں ہے ڈچوں  
نے پوتلیزوں سے چھین لیا۔ اور اس قدر ترقی پائی کہ پوتلیز بہت ہو گئے۔ اور  
خاص ہندوستان کی تجارت اور بندرگاہوں میں بھی آخر کار انہیں کا غلبہ ہو گیا۔  
ایسی زمانہ کے قریب یعنی ۱۸۵۹ء اندرہ سوٹانوسے میں انگریزوں نے بھی اپنی ناک

۱۸۵۹ء میں  
۱۸۵۹ء میں  
۱۸۵۹ء میں

اتفاقاً انہیں ایام کے قریب ان قزاقوں نے راجہ دارکان کے ایک بڑے عہدہ دار کو مار ڈالا تھا۔ اب اگرچہ یہ بات تو ٹھیک معلوم نہیں کہ راجہ کی سزا وہی کے اندیشہ نے انہیں ڈرایا یا شاشتہ خان کی دھمکیوں اور وعدہ و وعیدوں نے اثر کیا۔ مگر یہ امر متحقق ہے کہ ایک دن ان مالائی قبیلوں پر ایسا خوف طاری ہوا کہ ایک سخت چالینس پچاس گالیاں میں بیٹھ کر بنگالہ کو چل پڑے۔ اور ایسے خطر اب سے روانہ ہوئے کہ اس ٹرپڑا میں جو روٹے اور مال اسباب بھی مشکل ساتھ لاسکے۔ شاشتہ خان ان نئے ملاقاتیوں سے بڑے اخلاق کے ساتھ ملا اور بہت سارے روپیہ ان کو دیا اور شہر ڈھاکہ میں ان کے اہل و عیال کے رہنے کے لیے عمدہ بندوبست کر دیا۔ اور اس طرح پران کو اس کے حسن سلوک کا ایسا بھروسہ ہو گیا کہ از خود بادشاہی لشکر کے ساتھ مہم پر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اور خیرہ

ملکہ کوئین الزبتھ کی اجازت سے ہندوستان کی سوداگری شروع کی۔ اور ان کے بعد سولہ سولہ میں ڈنمارک والوں نے جوہر پ کی ایک چھوٹی سی قوم پر اور جنگ ڈیو کہتے ہیں اول مدراس کی طرف سمندر کے کنارے تونکی بادیں (جسکا صحیح نام تلنگم باڑی معلوم ہوتا ہے) جو قنچور کے راجہ سے خرید لیا تھا۔ اور پھر کلکتہ کے قریب سینڈھام پور میں اپنی کوشیاں کھولیں اور سب سے پہلے ۱۷۷۳ء سولہ چٹھ میسری میں فرانسیس کے قابل دلائن وزیر کوئل بڑٹ نے چلی جیکو ڈاکٹر برنڈ نے اپنا ذخیرہ جس جگہ کے خاندان بنے مذکور تھا) تجارتی کمپنی بھڑی کی اور فرانس نے قصبہ چندرنگر معروف فرانسیس ڈانگا کے علاوہ جو کلکتہ کے پاس ہے وہاں کے قریب پانڈے چوری کو اپنا صدر مقام قرار دیکر ایسے زور و شور سے قدم جما چاہے کہ گریہ ہندوستان کے مالک ہو جائے۔ مگر اتفاقات وقت سے ان سب قوموں کا فروغ یکے بعد دیگرے گھٹا گیا۔ اور خداوند تعالیٰ نے صرف انگریزوں کو

بقیہ کتابت و تصانیف

سوندیپ پر چڑھائی کرنے اور فتح کر لینے میں (جو کچھ دنوں سے راجہ اراکان کے قبضہ میں چلا گیا تھا) شریک ہوئے اور پھر یہاں سے بادشاہی فوج کے ساتھ چاٹ کام کو گئے۔ اب اگرچہ ڈپوں کے وہ دونوں جنگی جہاز بھی آپہنچے مگر شائستہ خان نے ان کے سرداروں کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنے پر یہ کہلا بھیجا کہ اب آپ کے تکلیف کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی۔

بنگالہ میں یہ جہاز مینے بھی دیکھے تھے اور ان کے عہدہ داروں سے ملاقات بھی ہوئی تھی جو اس بات کے شاکی تھے کہ اس ہندوستانی مٹرا نے محض زبانی جج سرچ اور خشک شکریہ پر ہی انکو کالا اور شرموط مقررہ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔

شائستہ خان کا برتاؤ ان پرتگیزیوں کے ساتھ اگرچہ ویسا نہیں ہے جیسا کہ شائد لمحات

پرتگیزیوں کے ساتھ شائستہ خان کے طرز سلوک کا ذکر -

انکی خدمات کے ہونا چاہیے تھا مگر ہاں وہ ان سے اس سلوک سے پیش

جو ان سب میں دور جزیرہ کے رہنے والے اور تعداد میں چار پونے چار کروڑ سے زیادہ تھے اوصاف و اقبال خدا واد کی وجہ سے اس ملک کا شہنشاہ اور یہاں کے چھائیس شاہنشاہوں باشندوں کا مختار مطلق بنادیا۔ بھلا ان پانچوں قوموں کے ہندوستان میں اپنے چوں اور ڈنارک لوں کی حکومت کسی جگہ نہیں ہے۔ البتہ گونٹ آلمیری کی رعایت اور اس باہمی محاط و ملاحظہ سے جو ان سلطنتوں کے باہم یورپ میں جو فریبوں کی حکومت پانڈیچری میں آج کے علاقہ شملہ کے اور نیز قصبہ چند رنگر میں ملتی ہے اور پرتگیزیوں کی حکومت بھی گواڈیز اور نیز جزیرہ دیو شملہ کا ٹھکانہ اور باقی د مرنی راناشا یہ دونوں حکومتیں ہندوستان کو عام نظم و نسق کے اعتبار سے ایسی غیر محسوب اور بے وقعت میں کہ یہاں سے فور پورٹل میں ان کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔

اتاہے جسکے کردہ واقع میں لائق ہیں۔ اُسے چاٹ گام سے نوان کو اکھیر  
 ہی دیا ہے۔ اور وہ اب اپنے اہل و عیال سمیت اُسی کے قابو میں ہیں۔  
 اور اُن کی امداد کی بھی کچھ حاجت نہیں رہی اسیلئے اُسے سمجھ لیا ہے  
 کہ جو عدے ان سے کیے گئے تھے اُن میں سے اب کسی کے بھی ایذا  
 کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ کئی کئی مہینے گزر جاتے ہیں کہ خواہ کی بابت  
 پھوٹی کوڑی تک نہیں ملتی۔ اور وہ علانیہ کہا کرتا ہے کہ یہ ایسے دغا باز اور  
 نالائق ہیں کہ جس راجہ نے ان سے اس قدر سلوک کیے تھے یہ باجی اُسی  
 کے ساتھ بے ایمانی سے پیش آئے۔ اور اسیلئے ان پر بھروسہ کرنا نادانی  
 ہے۔ اور اس طرح سے اُسے چاٹ گام میں ان پرنکیزوں کی طاقت کے چراغ  
 کو بجھا دیا جنہوں نے بنگالہ کے نیچے کے حصہ میں اس قدر اندھیر مچا کر تمام ملک  
 کو ویران اور بے چراغ کر دیا تھا۔ اور یہ امر زمانہ کے گزرنے پر معلوم ہو گا کہ  
 آیا شادستہ خاں کو ایسی ہی کامیابی اراکان کی مہم میں بھی ہوتی تھی یا نہیں؟

✽ دریائی غارتگری اور۔ عیاے بادشاہی کوٹ بننے اور پکڑ بیانی کے الزام جس تفصیل  
 توفیق سے مصنف نے اپنے اس تمام بیان میں چاٹ گام کے پرنکیزوں کی  
 نسبت لکھی ہیں۔ سبب اسکے کہ اُسکی یہ تحقیقات ایک یورپین قوم کے حالات سے  
 متعلق ہے ہمارے نزدیک بے نسبت کسی غارتگری کی تحریروں کے یہی بیان زیادہ  
 اعتماد اور سند کے لائق ہے۔ مگر صاحب عالمگیر نے جس طرح پر اس مہم کے واقعات  
 کو لکھا ہے وہ یوں ہے کہ اُسے چاٹ گام کے پرنکیزوں کی نسبت کوئی الزام  
 نہیں لگایا۔ اور بیان واقعات میں عموماً بذریعہ کے بیان کے قریب قریب ہے ان  
 کل حرکتوں کا ملزم خود اراکانیوں کو بتایا ہے اور دریائی لڑائی اور فتنہ کشی رانی میں جو  
 فزیت اُسے پرنکیزوں سے منسوب کی ہے صاحب عالمگیر نے اسکو بھی اراکانیوں

## اورنگ زیب کے بیٹوں محمد سلطان اور محمد معظم کا ذکر

محمد سلطان تو اب تک قلعہ گوالیار میں قید ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ اسکو وہ پوتوں کا معمولی تاج اب نہیں پلایا جاتا۔ اور محمد معظم بدستور اپنی ہوشیاری اور سلامت روی کی چال پر چلے جاتا ہے۔ لیکن ایک واقعہ سے ایسا پایا جاتا ہے کہ شاید بادشاہ اُس سے کچھ ناراض تھا۔ اور اس ناراضی کا سبب یا تو یہ ہو گا کہ اپنے باپ کی شدت مرض کے زمانہ میں کوئی خفیہ کارروائی کی ہوگی یا کوئی اور نامعلوم سبب ہو گا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی مخفی بخش کے صرف اُسکی جرات اور اطاعت کا امتحان ہی منظور ہو۔ مگر بہر حال اورنگ زیب نے ایک روز بھر سے دربار میں اسکو

ہی سے مشورہ کیا ہے۔ بلکہ بلا ساختہ و چالوسی اپنے بادشاہ با حکام سلطنت اس امر کو صاف صاف لکھ دیا ہے کہ بہ نسبت بادشاہی نواڑہ کے اپنے فن میں یہ لوگ شائق بھی زیادہ تھے۔ اور ان کی جنگی کشتیاں سامان تو پختہ اور مضبوطی اور استحکام میں بھی ان کی کشتیوں سے بہت بڑھ کر اور زیادہ عمدہ تھیں اور وجہ فوج کشی کے متعلق شجاع کے واقعہ کا تو کوئی اشارہ نہیں صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنی کشتیوں میں چڑھ کر چونکہ چاٹ گام کے رستہ سے صوبہ بنگالہ میں داخل ہو کر مذکورہ بالا بدعتوں کے متکسب ہوئے تھے اسلئے شائستہ خاں نے علاوہ اموری و گشت نواڑہ بادشاہی اور زیادہ تمنا کر کے اپنی سرحد کے مقاموں نو اگھالی اور سنگرام گڈھ اور بھلوہ وغیرہ سے خود چاٹ گام کا چھین لینا مناسب جانا۔ اور اس ارادہ کی تکمیل کے لئے اول تو میرہ سو ندیب کو جو چاٹ گام کے قریب نو اگھالی کے محاذی ہے۔ چکاؤر نامی ویاں کے زمین دار یعنی راجہ سے جو شائستہ خاں کے فرستادہ سرداروں کے ساتھ ایک دو بہت خاصی

نہایت عمدہ و چالوسی

یہ حکم دیا کہ "ایک شیر جو پہاڑ سے اُتر آیا ہے اور گرد نوح کے لوگوں کو تکلیف دیتا ہے اُسکو جا کر مارتے" اور اگرچہ بادشاہی میرٹھکار نے ذرا جرات کر کے عرض کیا کہ جہاں پناہ وہ بڑے بڑے جال بھی تو ساتھ جانے مناسب ہیں جو اس خطرناک شکار کی واسطے مخصوص ہیں۔ لیکن بادشاہ نے نہایت رکھائی سے کہا کہ نہیں !! اُنکی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ ایام شہزادگی میں ہمنے تو کبھی اس قسم کی احتیاطوں کا خیال بھی نہیں کیا۔ اور یہ حکم ایسے قطعی طور پر دیا کہ شہزادہ کو بلا عذر جانا ہی پڑا۔ اور اگرچہ اس سفر کے میں دو تین آدمی کام آئے اور کچھ گھوڑے بھی زخمی ہوئے اور شیر زخم کھا کر اور جست کے شاہزادہ کے ہاتھی کے سر پر بھی آن پڑا مگر مار لیا گیا۔ اور جب سے یہ جرات

اڑائیاں لڑا تھا چھین لیا۔ اور اُسکو اور شہنشاہ نامے اُسکے بیٹے کو جو لڑائی میں زخمی ہو گیا مع اہل عیال کے قید کر لیا۔ کیونکہ یہ شخص ظاہر میں مطیع سلطنت اور باطن میں اراکانیوں کا مددگار تھا۔ اور باوجودیکہ بذات خود حاضر ہونے اور امداد دینے کے وعدے کر چکا تھا۔ مگر اس ہم میں شریک خدمت ہوا تھا بعد اسکے لکھا ہے کہ اُن "فرنگیوں" کی اہمات جو چاٹ گام میں رہتے اور راجہ اراکان سے موافقت رکھتے تھے اس ہم کے سرانجام کے لیے امر ضروری تھی۔ اسیلئے امیر اکھرا نے اُن "فرنگیوں" کو جو اسکے ماتحت بنگالہ کی اُور بندر گاہوں میں رہتے تھے بہت سے وعدہ آئینہ خطوط لکھ کر اُسکی معرفت چاٹ گام کے فرنگیوں کے پاس روانہ کئے۔ اتفاقاً ان میں سے بعض خطوط کو ام کبری نام ایک اراکانی سردار نے جسکو راجہ نے اپنے معمول کے موافق دریائی ترقائی کے لیے سونڈیپ کی طرف بھیجا ہوا تھا پکڑ لیے اور راجہ کے پاس بھیج دیے۔ اسیلئے چاٹ گام کے فرنگیوں نے راجہ بظن ہو گیا۔ اور کوام کبری کو لکھا کہ تم ان سب کو مع انکے متعلقین کے اراکان کو بھیجو۔ نتیجہ اس حکم کا یہ ہوا کہ اراکانیوں سے فرنگی لڑ پڑے اور

فرنگیوں کے ساتھ



اور دلاوری شانزادہ سے ظہور میں آئی ہے بادشاہ اُس سے بڑی محبت سے پیش آتا ہے۔ اور یہاں تک اُسکو بڑھا دیا ہے کہ دکن کی صوبہ داری بھی دیدی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُسکے اختیارات خصوصاً صرف زر کے باب میں ایسے محدود ہیں کہ اُس سے کسی تکلیف کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔

اُن کی کچھ کشتیوں کو جلا چھونک کر مع اپنے متعلقوں اور توسلوں کے پچاس جلیوں میں جو سامان جنگ اور توپ بندوق سے بخوبی تیار تھے چاٹ گام سے بھلوہ کے تھانہ دار فرہاد خاں کے پاس بواکھالی میں چلے آئے اور اسنے اُن کے بعض سرگروہوں کو امیرالاکھڑا کے پاس بھیج کر باقی کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ امیرالاکھڑا نے اُن کی بہت خاطر کی اور اُن کے ساتھ کئی طرح کی رعایتیں کیں غرض کہ چاٹ گام کی فتح کے لیے جب یہ ابتدائی بندوبست پورے ہو چکے تو امیرالاکھڑا نے اپنے بیٹے بزرگ امید خاں کو مع چند مسلمان اور ہندو امرا اور منصبداروں کے خشکی کے راستہ سے اور فرہاد خاں مذکور اور ابن حسین داروغہ نواڑہ (جو غالباً کوئی عرب تھا) اور میر محمد قضا داروغہ توپخانہ کو مع کپتان مودر سرگروہ فرنگیان چاٹ گام اور بعض اُن کے اور سرداروں کے انعام و اکرام وغیرہ سے خوب نرح راضی اور خوش کر کے مع اُن کے کل نواڑہ کے بادشاہی نواڑہ کے ساتھ دریا کے راستہ سے روانہ کیا۔ چونکہ بزرگ امید خاں کو منزل مقصود تک پہنچنے میں جنگلوں کو کٹوا کر اور ندیوں اور دریاؤں کو عبور کر کے بڑی شکلوں سے کوچ کرنا پڑا تھا اسلئے بادشاہی نواڑہ پر خوشکی کی فوج سے لیتے آگے بڑھ گیا تھا اداکانیوں کے نواڑہ نے حملہ کیا۔ اور جانبین سے توپ بندوق اور نیروں سے ایک درمیانی لڑائی ہو کر آخر کار اداکانی مغلوب ہو گئے اور دس غراب اور تین جلیے چھڑ کر بھاگ گئے۔ چونکہ ابھی پیچھے سے بڑی بڑی بادشاہی کشتیاں نہیں پہنچ سکتی تھیں اسلئے ابن حسین نے زیادہ تعاقب کیا۔

فیاضیہ کتب خانہ

## مہابت خاں صوبہ دار کابل کا ذکر

(اور مختصر بیان اُن لڑائیوں کا جو ایران اور ہندوستان کے باہم قتل پر ہوتی ہیں)

ابن میں مہابت خاں صوبہ دار کابل کا ذکر کرتا ہوں کہ اس نے بھی آخر کار کابل کی حکومت سے دست بردار ہو کر حاضر ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔ اور اورنگ زیب نے بھی ازراہ عالی ہمتی اس کا قصور مان کر دیا۔

اور فرمایا کہ ایسے سپاہی کی جان بہت قیمتی ہے۔ اور اپنے آقا (شاہ جہاں) کے ساتھ اس کی وفاداری تعریف کے لائق ہے بلکہ غوثی تصور کے علاوہ

اور اپنے نواسہ کو اُن کے نواسہ سے کس قدر فاصلہ پر روک لیا۔ جب بزرگ اُمید تھا اس کا سپاہی کے حال سے مطلع ہوا تو اُس نے خیر فرقتی اور فساد خاں کو تاکید سے حکم دیا کہ جنگل وغیرہ کو اکر اور راستہ بنا کر کوچ کرنے کا خیال تو چھوڑ دیں اور بس سب سے ابن حسین کی مدد کو جانچیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ بھی ابن حسین کے نواسہ کے پاس دریا کے کنارے پہنچے تو ابن حسین نے دریا سے کون پھولی میں جہاں اراکانیوں کا نواسہ ٹھہرا ہوا تھا پتھر حملہ کر دیا۔ اور جانبین سے چھ گھنٹہ تک سخت دریا ئی لڑائی ہوئی جس میں بہت سے اراکانی مارے گئے۔ بہت سے ڈوب گئے۔ بہت سے بکڑے گئے اور ابن حسین نے قہیاب ہو کر اپنے بیٹے کو قلعہ چاٹ گام کے نیچے جا بٹھرایا۔ اور اس لڑائی میں کپتان مورد کورہ صدر نے بھی۔ نہایت عمدہ خدمتیں کیں اور جو فرنگی چاٹ گام میں اب تک کس قدر موجود تھے اور جو اراکان سے اُن کی مدد کو آئے تھے سب ابن حسین کے پاس حاضر ہو گئے۔ اور اس سے دوسرے دن خشکی کے رتہ سے فرج لیکر بزرگ اُمید خاں بھی اُن نیچا اور قلعہ چاٹ گام پر دیا اور خشکی و دونوں طرف سے حملہ شروع ہوا۔ اہل قلعہ نے اگرچہ

بقیہ کتابت و تصانیف

لَا جَہَ جَسُونَتْ سِنَکَ کی جگہ (جو شائستہ خاں کی مدد کو سینوا جی مرثہ کی بیخ کنی کے لیے) دکن کو بھیجا گیا تھا گجرات کا صوبہ دار بھی مسر کر دیا۔ مگر اس جگہ یہ بات بھی بتا دینے کے قابل ہے کہ علاوہ ان تحائف کے جو اسے روشن ارا بیگم کو دینے تھے پندرہ سولہ ہزار اشرفیاں اور بہت سے ایوانی اونٹ اور گھوڑے خود بادشاہ کی ذریعہ تھے۔ پس تعجب نہیں ہے کہ ان تحفوں ہی نے بادشاہ کے دل کو نرم کر دیا ہو۔ مہابت خاں کے ساتھ چونکہ کابل کا ذکر آگیا ہے تو اس وجہ سے اس کا ہمایہ صوبہ قندھار کا خیال بھی خواہ مخواہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ لازم ہے کہ اسکے بیان میں بھی دو ایک منفہ لکھ ڈالوں۔ یہ صوبہ فی زمانہ

کچھ عرصہ تک بہت سے ہتھ پاؤں اسے مگر ازمان پانی اور عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس میں آخر حجب شہنا ایک اور چھپتے عسبری کو چاٹ گام کا مشہور و متکلم قلعہ اور بندر گاہ جبہ بقول صاحب عالمگیر نامہ اس سے پہلے کسی سلطان بادشاہ کا تسلط نہ ہوا تھا مع ولایت چاٹ گام اور توپخانہ اور نوادہ کے حوالہ کر کے چاٹ گام کا کام جو راجہ اراکان کے چچا کا بیٹا تھا مع اپنے بیٹے اور چند رشتہ داروں اور کسی سوہا المانی ممالی کے قید ہو گیا۔ اور ایک سو تیس جنگی کشتیاں اور ایک سو چھپتے عسبری اور آہنی توپیں اور بہت سی بندہ تیس اور زہرورک اور سکہ و باروت میٹھا مع آٹھ مصالح توپ خانہ اور چند اٹھویں کے تہذیب میں آیا۔ اور بنگالہ کی رعایا میں سے جو ایک خلق کثیر مدتوں سے انکی قید میں تھی انہوں نے رانی پانی اگرچہ اسکے بعد بزرگ اُمید خاں کے حکم سے میلہ فریقہ نے قلعہ بندر دہامبو کو بھی بوجھاٹ گام سے چار منزل آگے امین چاٹ گام اور اراکان کے تھا اور بیچ میں دشوار گزار پہل اور ندیاں اسے اور پہاڑ واقع تھے راجہ اراکان کے بجائی سے جنگ و بدال کے بعد چھپتے عسبری گیا۔ مگر چونکہ ایام برسات میں چاٹ گام اور دہامبو کے درمیان پانی ہی پانی ہو جاتا ہے۔ اور گھنے جنگلوں اور زمینوں

فیض الحیات و جنتی گلستان

سلطنت ایران کا باج گزار ہے۔ اسکے حالات اور خصوصاً اُس پولیٹکل حسد اور مخالفت کے خیالات سے جو اس ملک کے باعث ایران اور ہندوستان کے بادشاہوں کے باہم پیدا ہوتے رہتے ہیں لوگ بہت کم واقف ہیں۔

پس واضح ہو کہ یہ ملک اور اس کا دارالحکومت جو اس زرخیز اور خوشنما صوبہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے دونوں کو قندھار ہی کہتے ہیں۔ اور اس پر قبضہ حاصل کرنے کی خاطر ایرانیوں اور سلاطینِ ہند کے باہم ایک مدت سے برابر خونریز لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ شہنشاہ اکبر نے اسکو ایرانیوں سے چھین لیا تھا۔ اور اُس کے عہد تک برابر اس پر قبضہ رہا مگر شاہ عباس نے اُس کے بیٹے جہانگیر سے پھر لے لیا۔ اور شاہ جہان کے وقت میں علی محمد خان کی نگرانی سے جو یہاں کا حاکم تھا اور شاہ جہان سے سازش کر کے فوراً اپنی اس نئے آفاقی پناہ میں چلا آیا تھا پھر سلطنتِ ہند کے قبضہ میں آگیا۔ اور باعث اس کا یہ ہوا تھا کہ دربارِ ایران میں علی محمد خان کے بہت سے دشمن تھے اور وہ خوب جانتا تھا کہ اگر ان فرسوں کی تعمیل کرونگا جو

اور ہماروں کے علاوہ دوائے دریا بھی ہیں کہ جن سے بدون کشتی کے عبور نہیں ہو سکتا۔ اسلئے قریب ہر سات کے اندیشے اور قناتِ رسد کے خیال سے فوج کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا گیا۔ اور عالمگیر نامہ میں جو تفصیلات ہیں اُن کا سبب لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں دلتل بارہ ہزار سے کم فوج مامور نہ تھی۔ ۱۲

ہندوستان کا اکتوبر

صوبہ کا حساب سمجھانیکے بارہ میں صادر ہوئے ہیں تو کیا نتیجہ ہوگا۔  
 اسکے بعد شاہ عباس کے بیٹے نے محاصرہ کر کے اسکو پھرتیج کر لیا اور  
 اگرچہ شاہ جہاں نے دو دفعہ فوج بھیجی مگر دونوں دفعہ ناکامیاب ہی ہوا  
 - چنانچہ پہلی دفعہ کی ناکامیابی کا سبب تو ان پرانی اُمر کی نکلھرمی  
 تھی جو شاہ جہاں کے دربار میں سب سے بڑھکر ذی اقتدار تھے اور  
 باطن میں اپنے لاک کو نہایت عزیز جانتے تھے۔ جنہوں نے اس  
 محاصرہ میں نہایت قابل شرم پہلو تھی کی اور راجہ سرفراز کو جسے  
 اپنا نشان اُس دیوار پر جاگاڑا تھا جو سب سے زیادہ پہاڑ کے قریب تھی  
 مدد نہ دی۔ اور دوسری بار ناکامیاب رہنے کا باعث اورنگ زیب  
 کا شک و حسد تھا جس نے اُس راستہ سے جو انگریزوں پرتکیزوں جرم  
 اور فرانسیسیوں کی توپوں نے دیوار قلعہ کو توڑ کر خاصہ گزر کے قابل بنادیا  
 تھا حملہ کر کے داخل ہی ہونا نہ چاہا۔ کیونکہ اس مہم کا آغاز نادر اشکوہ نے  
 کیا تھا جو اُس وقت باپ کے ساتھ کابل میں تھا اور اورنگ زیب کو یہ  
 بات گوارا نہ تھی کہ اس قابل قدر ارادہ میں کامیاب ہونے کی ناموسی  
 دارا شکوہ کو حاصل ہو۔ اگرچہ شاہ جہاں نے شاہزادوں کے باہمی  
 جنگ سے چند سال پہلے تیسری دفعہ بھی قندھار کا محاصرہ کرنا چاہا  
 تھا لیکن میڈیچل نے اس مہم سے روک دیا۔ اور جیسے کہ میں پہلے لکھا ہوں  
 اسکی عوض دکن پر فوج کشی کرنے کی صلاح دی اور علی محمد خان  
 نے بڑے زور سے اُسکے دلائل کی تائید کی بلکہ یہ عجیب لفظ کہے کہ

”حضور قندھار کو کبھی فتح نہ کر سکیں گے جب تک کہ کوئی مجسما ہی نہ ہو حرام  
اسکا پھاٹک نہ کھول دے یا حضور تمام ایوانیوں کو جو سپاہ میں ہیں  
فوج محاصرے بالکل خارج کر دیں۔ اور اس مضمون کا اشتہار جاری  
نہ فرمادیں کہ بازاری لوگوں سے جو فوج کی بیڑی رسد لائیں کسی طرح کا محصول  
نہ لیا جائیگا“

چند سال ہوئے کہ اورنگ زیب نے بھی یہ تقلید اپنے بزرگوں کے  
یا تو اس نامہ سے جو شاہ ایوان نے لکھا تھا یا اس کم الفتاحی سے جو  
اسکے غیر تربیت خاں کی تعظیم و تکریم کے باب میں دربار ایوان کی طرف  
سے وقوع میں آئی تھی ناراض ہو کر قندھار پر ہم کی تیاری کی تھی۔ لیکن  
شاہ ایوان کے انتقال کی خبر سنکر ملتوی کر دی اور یہ بات بنائی کہ ہمارا دل  
گوارا نہیں کرتا کہ ایک لڑکے پر جو ابھی تخت نشین ہوا ہے چڑھائی کریں !  
حالانکہ میرے قیاس میں شاہ سلیمان کی عمر جو باپ کی جگہ تخت نشین  
ہوا ہے پچیس برس سے کم نہیں ہے۔

## اورنگ زیب کے گہرے ہوا خواہوں کا ذکر

آب بین اورنگ زیب کے سر گرم رفیقوں کا جنہیں سے اکثر کوڑے  
بڑے منصب اور عہدے دیئے گئے تھے ذکر کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ اورنگ زیب کا ماموں شانت خاں تو جیسا کہ میں نے  
اوپر ذکر کیا ہے وکن کا صوبہ دار بنا لگیا۔ اور جو فوج و ماں کام دے رہی

تھی اسکی سپہ سالاری بھی اسی کو دی گئی اور آخر کار بنگالہ کی صوبہ داری پر سرفراز ہوا۔ اور امیر خاں کو کابل - نعلی اللہ خاں کو لاہور - فیروز آباد - کشن خاں کو پٹنہ اور الہ ویدہ خاں کے بیٹے کو جسکے باپ کی صلاح سے سلطان شجاع نے بھیجے کے مقام پٹنہ لکھائی تھی مسندہ کا صوبہ وار مقرر کیا گیا۔ فاضل خاں کو جسکی مقبولیت اور دانشمندانہ صلاح مشوروں سے اورنگ زیب کو بہت بڑی مدد ملی تھی خاسا نامانی کا عہدہ ملا۔ دہلی کی صوبہ داری دانشمند خاں کو عنایت ہوئی اور اس رسم قدیم کے بجالاتے کہ ہر ایک امیر کو صبح و شام بیٹ کے واسطے دربار میں حاضر ہونا لازم ہے (اور اگر آپس کبھی فرد گزاشت ہو جائے تو جہانہ بھرنا پڑتا ہے) خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے ممتاز کیا گیا کہ سیر کتب اور مطالعہ کا اسکو نہایت شوق ہے۔ اور اسکے علاوہ صفیہ دول خارجہ کے متعلقہ کاموں میں بھی بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔

دیانت خاں کو کشمیر کی صوبہ داری عطا ہوئی۔ جو اگرچہ دشوار گزار اور مختصر ملک ہے۔ مگر ایسا پُر فضا قطعہ ہے کہ ہندوستان کا بہشت گنا جاتا ہے اور جسکو اکبر نے ایک حیلہ سے فتح کر لیا تھا۔ اور اس بات کا فخر اسکو حاصل ہے کہ اسکی صحیح تاریخ خود وہیں کی زبان میں موجود ہے جس میں شاہان سلف کے ایک طول طویل سلسلہ کا دل چسپ حال مندرج ہے جو کسی زمانہ میں ایسے طاقتور تھے کہ تمام ہندوستان کو لٹکا تک فتح کر لیا تھا۔ ان تاریخوں کا ترجمہ خلاصہ کے طور پر جہانگیر نے فارسی زبان میں کر لیا تھا جسکی ایک نقل

میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس موقع پر یہ امر بھی ذکر کے لائق ہے کہ اورنگ زیب نے بجا بٹ خاں کو جسے ستموں لگے اور کھجور کے معرکوں میں بڑی شجاعت دکھلائی تھی اُس کے منصب سے گرا دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بغیر قیاس کو ایسے نصیب ہوئی تھی کہ اُس نے اپنی امتیں بار بار بھلائی تھیں اور منجملہ اُن دو بند اتوں یعنی جیون خاں اور نذیر کے جیون خاں کے مقدر کی سرگزشت کہ جس کا وہ حقیقتاً مستحق تھا میں پہلے ہی لکھ آیا ہوں اور یہ بات کچھ تحقیق نہیں کی گئی کہ نذیر کا خاتم کیا ہوا۔

### راجہ جسونت سنگھ اور جے سنگھ اور سیواجی مرہٹہ کا ذکر

جسونت سنگھ اور جے سنگھ کی حالت اگرچہ کچھ مبہم سی ہے مگر میں اسکی توضیح میں کوشش کر دگا۔ واضح ہو کہ بیجاپور میں ایک ہندو نے بغاوت کر کے کئی بڑے بڑے قلعوں اور بندر گاہوں پر جوشاہ بیجاپور کے متعلق تھے قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس قسمت آزمائی کرنے والے نڈر شخص کا نام سیواجی ہے جو ایک بڑا ہوشیار صاحب دماغ اور ایسا مہو آدمی ہے کہ اپنے مرنے جینے کی اسکو پرواہی نہیں ہے۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ شاہ خاں دکن کا صوبہ دار تھا وہ اسکو شاہ بیجاپور کی تمام سپاہ اور ان راجاؤں کی متفقہ قوت کی نسبت جو کسی دشمن عام کے مقابلہ میں اسکے ساتھ شامل ہو جایا کرتے ہیں زیادہ خوفناک پاتا تھا۔

شاہ خاں پر سیواجی کا ہر شخص کی جرأت و جسارت کو اسی پر قیاس



کر لینا چاہیے کہ باوجودیکہ شاہستہ خان کی سپاہ گرداگرد اُترتی ہوئی تھی اور شہر اور ننگ آباد فصیل سے بھی محصور تھا مگر سپہ بھی ایک رات صرف چند سپاہیوں کے ساتھ شاہستہ خان کے مکان کے اندر اس ارادہ سے جا ہی گھسا کہ شاہستہ خان کو پکڑ کر اُس کے تمام مال و دولت پر قابض ہو جائے اور اگر تھوڑی دیر اور خبر ہوتی تو کچھ شک نہیں ہے کہ یہ اپنے منصوبے میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔ چنانچہ شاہستہ خان اس موقع پر سخت زخمی ہوا۔ اور اُسکا بیٹا میان سے تلوار نکالتے ہوئے مارا گیا۔

سیدوہی کا بندر گاہ سورت کوٹوٹا اس سے تھوڑے ہی دنوں بعد اسے اور جسوت سنگھ کی سازش کا شہ

کامیابی ہوئی۔ یعنی چپکے سے دو تین ہزار چیدہ سپاہی ساتھ لیکر اپنے لشکر گاہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور یہ مشہور کیا کہ ایک راجہ بادشاہ کے سلام کو دھلی جاتا ہے اور جب شہر سُورٹ کے قریب پہنچا اور وہاں کا حاکم اُسکو ملتا تو اسے یہ دم دیدیا کہ میرا قصد شہر میں جانے کا نہیں ہے سیدھا باہر جاؤ گا دھالا نکلا اس منصوبہ کا اصل مدعا اسی مشہور اور دولت مند بندر گاہ کو لوٹنا تھا اور آپ تلوار پکڑ کر شہر میں آن گھسا اور تین دن تک لوگوں کو سخت تکلیفیں اور عذاب دے دیکر خوب نیچوڑا اور بقدر کئی ملین روپیہ کے سونے۔ چاندی۔ اور موتیوں اور دشتی کپڑوں اور عمدہ ملبوں اور تجارتی جنسوں سے لا کر چلتا پھرتا نظر آیا۔ اور جو چیز اٹھانے کا اُسکو بھونک

س م ح

ایک ملین دس لاکھ روپیہ کا ہوتا ہے۔

جلا کر خاک سیاہ کر گیا۔

چونکہ اس موقع پر کسی نے اس سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں  
کے دانت ہیں اس وجہ سے یہ شہید پیدا ہو گیا کہ اسکے اور راجہ جسٹوٹ سنگ  
کے باہم خفیہ سازش ہے۔ اور شاکستہ خاں پر حملہ کرنا اور سوڈن کو لوٹنا سب  
اُسکے علم و اشارہ سے ہے۔ اسلئے راجہ دکن سے واپس بلایا گیا۔ مگر وہ  
دھیلی آنے کی جگہ اپنی ریاست کو چلا گیا۔

نو! یہ کہنا تو میں بھول ہی گیا کہ سینیوا جی۔ نہیں نہیں وقرم آتما  
سینیوا جی صاحب!! نے سوڈن کو لوٹتے وقت ریورینڈ فادر ایمپروز  
Amproz کے مکان کو جو ہندو کے پوشش میں سے ایک مشنری تھے اُن  
تک نہیں لگایا اور کہا کہ فرنگیوں کے پادری نیک شخص ہیں ان کو ستانا  
نہیں چاہیے! اسی طرح ایک ہندو کے مکان کو بھی (جو ڈیج سو داگروں  
کی دلائی کا کام کرتا تھا) اسلئے نہ چھیڑا کہ وہ بہت سخی اور پُر و ان مشہور تھا  
۔ انگریزوں اور ڈچوں کے مکانات بھی بچے رہے۔ لیکن اس کا سبب یہ تھا  
کہ سینیوا جی ان کا کچھ لحاظ کرتا تھا بلکہ انہوں نے اپنی ہمت اور دلیری سے  
اپنے آپ کو بچایا۔ اور انگریزوں نے تو اپنے جہاز کے خلاعیوں وغیرہ کی مدد  
کمال ہی کر دکھایا اور صرف اپنے ہی مکانات بچائے بلکہ پڑوسیوں تک کے  
مکانوں کو بھی آگ لگائی۔ اس موقع پر ایک قسطنطنیہ کے رہنے  
والے یہودی نے عجیب ہٹ دکھلائی جس سے لوگ حیران رہ گئے۔ سینیوا جی  
کے پوشین عورتوں کی طرح برقع پہننے والے عیسائی وراثوں کے ایک فرقہ کا نام ہے۔ ۱۹۴۴

نے یہ سن کر کہ اسکے پاس نہایت قیمتی یا قوت ہیں (جنکو وہ بیچنے کے لئے اورنگ زیب کے پاس بیجانا چاہتا ہے) اُسکو تین دفعہ گھٹینوں ٹھلا کر اورنگی تلواریں تول تول کر ہرچند ڈرایا۔ مگر اُس نے ہرگز نہ بتایا۔ اور یہودیوں کی اس عادت کو کہ روپیہ کو جان سے زیادہ عزیز جانتے ہیں خوب ہی بنا۔

سُورنٹ کے واقعہ کے بعد اورنگ زیب  
راجہ جیننگ کا سپہ سالار دکن  
مقرر ہونا اور سیوا جی کے ساتھ چلنا

قبول کرنے پر رضامند کیا اور سلطان محمد عظیم کو بھی اُسکے ساتھ بھیجا مگر شاہزادہ کو کئی قسم کا اختیار نہیں دیا۔ اب راجہ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ سیوا جی کے سب سے بڑے قلعہ پر زور شور سے حملہ کرنے شروع کر دیئے۔ مگر اُسکے ساتھ اپنے معمولی فن کے موافق جوڑ توڑ اور اور وعدہ و وعید سے بھی کام لیتا راجہ کا حسب درخواست یہ نتیجہ ہوا کہ قبل اس سے کہ اہل قلعہ نہایت لاجپور ہو کر مغلوب ہوتے سیوا جی نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اور یہ شرط بھی قبول کر لی کہ اگر بیجا پور پر فوج کشی کی جائے تو بادشاہی فوج کا ساتھ دوں گا۔ اور اورنگ زیب نے بالطاف شانہ اُسکو راجہ کا خطاب عطا کیا اور اُسکے بیٹے کو اُمرا کی ذیل میں داخل کر کے مثل اور امیروں کے وظیفہ مقدر کر دیا۔

سیوا جی کے دھبلی میں حاضر ہونے  
اور پھر خوف کھا کر بھاگ جاسنے کا ذکر  
اس سے کچھ دنوں بعد جو ایران پر چڑھائی  
کا ارادہ ہوا تھا اورنگ زیب نے سیوا جی

کو نہایت غنایت آمیز اور خوش آئند الفاظ میں فرمان لکھا اور اسکی فہم فراست اور سخاوت و شجاعت وغیرہ کی بہت تعریف کی اور راجہ جیسنگہ بھی جان اور آبرو کی حفاظت کا ضامن بنا۔ اسلئے سیوا جی بھی مطمئن ہو کر دھلی میں حاضر ہو گیا تھا۔ مگر اتفاق وقت سے شناخت خاں کی بیوی بھی اسوقت دھلی میں موجود تھی اور برابر اس امر پر مصر تھی کہ ایسا شخص جسے میرے بیٹے کو قتل کیا۔ شوہر کو زخمی کیا۔ اور بندر شوڈنٹ کو لوٹا ضرور گرفتار اور قید ہونا چاہیئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سیوا جی یہہ دیکھ کر کہ تین چار امیر اُسکے خیموں کو ہمیشہ ٹاک میں رکھتے ہیں ایک رات بھیس بد لکر بھاگ گیا۔ اور اسوجہ سے کہ یہ شخص قابو سے نکل گیا شاہی محل میں میگات کو بہت سچ اور افسوس ہوا اور جیسنگہ کے بڑے بیٹے پر قوی شبہ ہوا کہ اُسے سیوا جی کو مدد دیکر بھگا دیا ہے۔ اور اُسکو دربار میں حاضر ہونے سے ممانعت کی گئی۔

چونکہ اورنگ زیب راجہ جے سنگہ اور اسکے بیٹے دونوں ہی سے خواہ بدل خواہ محض

جیسے سنگہ کی وفات اور اورنگ زیب کا اُسکے بیٹے کے ساتھ دشمنی ہو کر پیش آتا۔

ظاہری طور پر ناراض معلوم ہوتا تھا اس سبب سے راجہ جے سنگہ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اورنگ زیب اس حیلہ سے میری ریاست ہی ضبط نہ کرے۔ پس نہایت عجلت کے ساتھ اپنے ملک کے بچائے کو دکن سے واپس آیا لیکن راستہ ہی میں بڑھان پور پہنچ کر مر گیا۔

یہ خبر سنکر جے سنگہ کے بیٹے کی نسبت اورنگ زیب نے جو اظہار غنایت کیا اور اسکی اس مصیبت پر اپنا دلی افسوس ظاہر فرمایا اور اُسکے باپ

کے منصب اور جاگیر وغیرہ پر اسکو بھال کر دیا تو اس سے بہت لوگوں کی یہ سزا ہو گئی کہ میوہاچی کا بھاگ جانا خرد اور نگ زیب ہی کی چشم پوشی اور انعام سے ہوا ہے اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ چونکہ بیگمات کو سیوہاچی سے ہنایت ہی نفرت تھی اور ان کے بیچ اور لہنی وندی کا کچھ ٹھکانا تھا اور وہ یہ سمجھتی تھیں کہ وہ ایک ایسا خبیث ہے کہ جسے ان کے عزیزوں اور قرابت داروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ اسیلئے اور نگ زیب بھی دربار میں اسکی موجودگی سے دق ہو گیا ہوگا۔

**ملک دکن میں سلطنت گولکنڈا اور بیجاپور کی صل و بنا اور شان**  
منغلیہ کے ساتھ انکے تعلقات اور لڑائی جھگڑوں وغیرہ کا ذکر

اب میں دکن کے واقعات پر ایک مجمل نظر ڈالنا چاہتا ہوں جو ایک ایسا ملک ہے کہ چالیس برس سے زیادہ عرصہ سے برابر لڑائیوں بھڑائیوں کا گھر رہا ہے۔ اور جسکے واسطے سلاطین منغلیہ شان گولکنڈا اور بیجاپور اور ان سے کم درجہ کے رئیسوں کے ساتھ اکثر اُچھے ہی رہتے ہیں تاوقتیکہ اسکے فرمانرواؤں کی حالت اور ان بڑے بڑے واقعات سے جو اس ملک میں ہوتے رہتے ہیں بخوبی واقفیت نہو۔ ان لڑائی جھگڑوں کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آنی ناممکن ہے۔

ملک دکن کی وسعت واضح ہو کہ قریب دو سو برس سے ملک ہند کے اُس قطعہ کی جو مغرب کی طرف خلیج کھسبایت سے شروع ہو کر مشرق کی

جانب جگن ناتھ کے قریب خلیج بنگالہ تک اور جنوب میں راس کماری تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جواہل یورپ کے جغرافیہ کی اصطلاح میں گریٹ انڈین پیننٹن شلہ کے نام سے معروف ہے یہ حالت تھی کہ شاید باستان چن پہاڑی ضلعوں کے یہ تمام ملک ایک خود مختار خاندان کے زیر فرمان چلا آتا تھا۔ مگر راجہ رام راج کی نالیاقتی سے جو اسی خاندان میں سب سے اخیر راجہ تھا یہ بڑی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب یہ ملک مختلف مذہب کے کئی فریادواؤں کے زیر حکومت نظر آتا ہے۔

گوکندٹا اور بیجاپور کے بادشاہوں کا راجہ رام راج کی غلامی بہ بادشاہ بننا

بات یہ ہے کہ رام راج کے پاس گوکھتا کے رہنے والے تین غلام تھے جنکو اس نے ہر قسم کی عنایات سے ممتاز کر رکھا تھا یہاں تک کہ آخر کار انکو تین بڑی بڑی صوبوں کا حاکم بنایا۔ چنانچہ ایک تو تقریباً ان تمام اضلاع کا جو بالفعل سلطنت منلیہ کے قبضہ میں ہیں حاکم مقرر ہوا۔ اور یہ صوبہ شہر بیدر اور پرہید اور سوڈت سے لیکر دریائے نوبڈا تک پھیلتا تھا۔ اور دولت آباد اسکا دار الحکومت تھا۔ دوسرا اُس ملک کا حاکم بنایا گیا جو بالفعل سلطنت بیجاپور کے نام سے مشہور ہے۔ اور تیسرے کو وہ ملک سپرد ہوا جو گوکندٹا کی سلطنت کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ تینوں غلام نہایت ہی دوتند اور طاقتور ہو گئے۔ اور چونکہ ان تینوں نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا جواہل ایران کا عام مذہب ہے۔ اسلئے رام راج کے دربار کے

\* اصل میں رام راس لکھا ہے۔

ایروانی اُمر سے اُن کو بہت مدد ملتی تھی۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ ہندو کیوں جنگی  
 سیلے کہ ہندو نہیں چاہتے کہ کوئی غیر شخص اُن کے مذہبی اسرار سے استفادہ  
 ہو۔ پس اگر وہ چاہتے تب بھی ہندو نہیں بن سکتے تھے۔ قصہ ان  
 تینوں نے متفق ہو کر بغاوت کی جسکا انجام یہ ہوا کہ رام راج مارا گیا۔ اور  
 یہ اپنے اپنے صوبوں میں واپس آکر بادشاہ بن بیٹھے۔ اور چونکہ رام راج  
 کی اولاد میں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو ان کا مقابلہ کر سکتا۔ اسلئے وہ ہند  
 اُس ملک میں چپ چاپ بیٹھ رہے جو کوناگ کہنے نام سے مشہور ہے  
 اور جسکو ہمارے جہاز رانی کے مختص نقشوں میں (جنگو چارٹ کہتے ہیں)  
 بٹننگز لکھا ہے اور جہاں اُسکی اولاد اب تک راج کرتی ہے۔ اور اس  
 جزیرہ نما کے باقی قطعات اُسی وقت سے اُن تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں  
 میں تقسیم ہو گئے جو اب تک قائم ہیں اور جنکے رئیس راجہ یا نایک کہلاتے  
 ہیں۔ ان تینوں غاصبوں کی اولاد میں جب تک اتفاق رہا اُنہ کوئی ہتھ  
 نہیں ڈال سکا۔ اور سلاطین مغلیہ کا خوب مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن جب تو  
 باہمی رشک و حسد نے جگہ پائی اور انہوں نے یہ چاہا کہ ایک دوسرے  
 کی مدد کے بغیر خود سر ہو کر رہیں تب سے وہ اتفاق کے خوفناک خمیازے  
 اُٹھا رہے ہیں اور پندرہ<sup>۳</sup> یا چالیس برس ہوئے کہ شہنشاہِ غل نے یہ دیکھ کر  
 کہ اُن کے باہم اتفاق نہیں ہے نظامِ شاہ کی سلطنت پر جو بانی ریاست  
 سے پانچویں یا چھٹی پشت میں تھا چڑھائی کر کے اُسکو فتح کر لیا۔ اور  
 \* ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ بچے نگو کی خرابی ہو جو راجہ رام راج کا دار الحکومت تھا ۴۴

دیر ہوئی کہ نظام شاہ اپنے سابقہ دار الحکومت دولت آباد ہی میں قید  
رہ کر قیدِ زندگی سے بھی چھوٹ چکا ہے۔

البتہ شاہانِ گولکنڈا اب تک حملہ سے محفوظ

گولکنڈا کی ضعیف حالت اور سلطنت  
منفیہ سے اُس کے تعلقات کا ذکر۔

رہے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ بیچارہ شاہان کی  
زور و قوت کے سبب سے نہیں ہے بلکہ صرف اسوجہ سے کہ شاہ  
مغل کو اول اسکی دونوں ہم جنس اور ہمسایہ ریاستوں پر ہم کرنے اور  
اُن کے مستحکم مقامات اُمڈن۔ برہمپور۔ اور بیدر کے لئے لینے کی  
زیادہ ضرورت تھی تاکہ اسکے بعد گولکنڈا پر حملہ کرنا اور بھی آسان ہو جا  
اور اُنکی یہ داناہی اور حسن تدبیر بھی کچھ اُن کے بچاؤ کا باعث تھی کہ  
اپنی بشارتِ دولت میں سے مخفی طور پر شاہ بیجا پور کو ہمیشہ مدد بھیجتے  
رہتے تھے۔ اور جب کبھی بیجا پور پر حملہ کا اندیشہ ہوتا تھا تو یہ اپنی فوج  
بھی سرحد پر بھیجا کرتے تھے تاکہ شاہ مغل کو یہ بات جتلائی جاوے  
کہ گولکنڈا نہ صرف اپنے بچاؤ کے لئے مستعد ہے بلکہ اگر بیجا پور پر  
سخت وقت آن پڑے گا تو ہم اُسکے بھی آرمے آنے کو تیار ہیں۔ علاوہ ازیں  
یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغل یہ سالاروں کو بہت کچھ شہوتیں بھی دی جایا کرتی  
ہیں اور وہ اسوجہ سے گولکنڈا کے عوض بیجا پور پر ہم کرنے کی راہ  
کو ہمیشہ اس دلیل سے ترجیح دیتے رہتے ہیں کہ وہ دولت آباد سے زیادہ  
قریب ہے۔ اور جب سے اورنگ زیب اور گولکنڈا کے باہنہ حال کے  
باہم ایک عہد نامہ ہو چکا ہے تب سے تو اصل میں بھی اورنگ زیب کا



چندال میلان خاطر اسپر چڑھائی کرنے کی طرف معلوم نہیں ہوتا۔ اور اُس روز سے غالباً وہ اُسے اپنا ہی سمجھتا ہے۔ اور چونکہ وہ مدت سے باجگزار ہے۔ اور بہت سارو پیر اور واں کی بنی ہوئی نہایت عمدہ عمدہ چیزیں اور بیگو اور سرخند پیپ اور سیام کے ماتھی سال بسال خراج کے طور پر بھیجتا رہتا ہے اور اب گولکنڈا اور دولت آباد کے مابین کوئی ایسا قلعہ بھی باقی نہیں ہے جو کسی مخالف کے قبضہ میں ہو ایسے اورنگ زیب کو یقین ہے کہ ایک ہی دفعہ کی چڑھائی اس ملک کی فتح کے لیے کافی ہوگی۔ لیکن میری رائے میں اورنگ زیب کو گولکنڈا کی فتح سے بجز اسکے اور کسی بات نے نہیں روکا کہ مبادا شاہ بیجا پور اپنے اس اندیشہ سے کہ کل کو یہی دن اُس کے لیے بھی پیش آنے والا ہے کہیں خود صوبہ دکن ہی کی تاخت و تاراج شروع کرے۔ بیان بالا سے اُمید ہے کہ ناظرین تصور کر سکیں گے کہ سلطنتِ معلیہ اور گولکنڈا کے باہم کس قسم کے تعلقات ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ گولکنڈا کے قیام و بقا کی حالت بالکل غیر متیقن ہے۔

اور جب سے کہ وہ مکروہ معاملہ پیش آچکا ہے جو میڈیٹھلہ کی تجویز کے موافق اورنگ زیب نے اُس سے برتا تھا۔ شاہ گولکنڈا کے وائے دماغی میں بھی بالکل فتور آگیا ہے۔ اور سلطنت کی باگ اُسے نہایت ڈھیلی چھوڑ دی ہے۔ اور رسم ملک کے موافق نہ کبھی بار میں آکر بیٹھتا ہے اور نہ انصاف و عدالت کرتا ہے۔ بلکہ اتنی جہت بھی نہیں رہی کہ کبھی قلعہ کی دیوار سے باہر نکلے۔ جسکا طبعی اور لازمی نتیجہ یہ ہے

کہ ملک میں بتری اور بے انتظامی پھیل رہی ہے۔ اور امر اور حکام جو نہ اب بادشاہ کا کچھ حکم ہی مانتے ہیں اور نہ اُس سے کچھ محبت ہی۔ کھتے ہیں بیکہ ظلم کرتے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ اگر کبھی موقع ہوا تو رعایا جو اس ظلم و بدعت سے تنگ آ رہی ہے بہت جلد اورنگ زیب کی اطاعت قبول کر لیگی جسکی حکومت کو لکھنڈا کی پسنبت بہتر اور نفعانہ ہے۔

اب میں چند باتیں وہ بیان کرتا ہوں کہ جن سے اُس مبتذل حالت کا ثبوت ہوتا ہے جسکو یہ بد بخت بادشاہ پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک تو یہ ہے کہ ۱۶۶۷ء میں سو سرٹھ میں جبکہ میں گول کنڈا میں تھا اورنگ زیب کی طرف سے ایک سفیر خاص یہ پیغام لیکر آیا کہ یا تو دس ہزار سوار بیجا پور کی ہم کے لئے حاضر کرو۔ یا تم بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو۔ پس اگرچہ اس نے فوج کا بھیجنا تو قبول کیا لیکن اُس قدر روپیہ جو دس ہزار سواروں کی خواہ کے لئے کفنی ہو سکتا ہے۔ اور جس سے اورنگ زیب اُڑ بھی زیادہ خوش ہوا ویدیا اور سفیر کی بہت ہی آؤ بھگت کی۔ اور بہت سے گرلں بہا تھایف خود اُسکو دیئے اور ایک بڑا بھاری پیشکش اورنگ زیب کے لئے روانہ کیا۔

دوسری یہ کہ اورنگ زیب کا معمولی سفیر جو گول کنڈا میں متعین تھا وہاں سے احکام جاری کرتا ہے! راہداری کے پر دانے دیتا ہے! اور لوگوں کو دھمکاتا اور بدسلوکی کرتا ہے! غرض کہ اُسکی گفتار و رفتار ایسے مطلق العنان طور کی ہے کہ گویا بجائے خود ایک بادشاہ ہے۔

تیسری یہ کہ میڈیجملہ کا بیٹا محمد امین خان جو زاہد ترین مسیحی کہ اورنگ زیب

کے دربار کا صرف ایک امیر ہے گولکنڈا میں اسکا استعرا د ب کیا جاتا ہے کہ اسکا ثابتا یعنی دلال یا گماشتہ جو چھلی پٹن میں رہتا ہے۔ بندرگاہ کے حاکم کا اختیار رکھتا۔ تمام تجارتی جنیں خریدتا ہے۔ بیچتا ہے۔ جہانپور مال چڑھاتا ہے۔ آتا رہتا ہے۔ مگر محصول کی ایک کوڑی تک نہیں دیتا۔ اور نہ اس کے کام میں کوئی دخل دیکھتا ہے۔ عجب بات ہے کہ میزبانی کا رعب و داب اس ملک میں اس درجہ تک ٹھاکر اس کے مرنے کے بعد گویا وہ بھی وراثت میں محتمل امین خل کو مل گیا ہے۔

چوتھی یہ کہ کبھی کبھی ڈچ لوگ گولکنڈا کے سوداگروں کے تمام جہازوں کو چھلی پٹن کی بندرگاہ میں روکے رکھتے ہیں اور جب تک یہ بادشاہ انکی بات نہیں مان لیتا ان کو باہر نہیں جانے دیتے۔ اور خود سینے اس بادشاہ پر ان کو یہ بیہودہ اعتراض کرتے دیکھا ہے کہ چھلی پٹن کے حاکم نے ہملو انگریزوں کے ایک جہاز پر قبضہ کر لینے سے کیوں روکا اور لوگوں کو ہمارے مقابلہ کے لئے ہتھیار دیکر ہمارے اس ارادہ میں کیوں مزاحم ہوا اور ہملو یہ دھمکی کیوں دی کہ تمہاری کوٹھی کو جلا دوں گا اور تم پر دیسی برعاشوں کو قتل کر دوں گا۔

پانچویں علامت اس سلطنت کے زوال کی یہ ہے کہ یہاں کا چلنی سکے نہایت مبتذل حالت میں ہے اور اسلئے اس ملک کی تجارت کے حق میں نہایت مضر ہے۔

چھٹی یہ کہ یہاں تک تو زبوت پنچ ہوئی ہے کہ پرنکلیز بھی باوجود ہنسی

شکستہ حالی اور افلاس اور حقیر حالت کے اسکو لڑائی کی دھمکی دینے میں بند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر مقام سین طامس (جو چند سال ہونے لہنوں نے خود ہی شاہ گول کندا کو اس خیال سے دیدیا تھا کہ ڈچ جو ان سے طاقت میں زیادہ ہیں انکو اس کے حوالہ کر دینے کی ذلت اٹھانی نہ پڑی) ہکونہ دید گے تو ہم چھلی پٹن اور اور مقامات پر قبضہ کر لینگے اور لوٹ لینگے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے گول کندا ہی میں چند ذی فہم لوگ مجھ سے یوں بھی کہتے تھے کہ بادشاہ کے فہم و فراست میں کچھ بھی فرق نہیں اور اسنے ضعیف العقلی اور ناقایم مزاجی اور سلطنت کے معاملات سے بے پرواہی کی یہ سالٹ صرف اپنے دشمنوں کے دھوکہ دینے کو بنا بھی ہے۔ اور اسکے ایک ایسا جاری بیٹا بھی ہے جو نہایت تیز مزاج بلند خیال۔ گویا ایک پرکالہ آتش شانزادہ ہے۔ جسکو مصالحتاً عوام کی نظروں سے چھپا رکھا ہے اور کبھی موقع پا کر اسکو تخت پر بٹھلا دینگا۔ اور جو تہہ و پیمان اور گنگے سے کر رکھا ہے اسکو بالائے طاق رکھ دینگا۔

**بیجاپور کی کیفیت** اب میں ان رایوں کی غلطی اور صحت کے فیصلہ کو آئندہ زمانہ پر چھوڑ کر چند اضافہ بیجاپور کی بابت کہنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ شہنشاہ منغل کی طرف سے اس سلطنت کے ساتھ اکثر لڑائی پڑائی رہی ہے مگر اب تک یہ خود سر اور آزاد کہلاتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو پہلا بیجاپور کی مہم پر مامور ہوئے ہیں ان سرداروں کی طرح جو ایسی ہی اور مہموں پر بھیجے جاتے ہیں پہ سالار بننے رہنے کے شوق میں اس امر کو غنیمت جانتے ہیں

کہ دربار سے دور رہ کر فوج پر سفارمانہ طور سے حکومت کرتے ہیں۔ اور ایسے اپنے کام میں دیر و دیر لگ کرتے اور صبح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے لڑائی کو جو ان کے اغراض و اکرام کے علاوہ ان کی آمدنی کا بھی ذریعہ ہے خواہ مخواہ طول دیتے رہتے ہیں اور اسوجہ سے یہ بات ہندوستان میں ایک ضرب المثل ہو گئی ہے کہ ملک دکن تو ہندوستانی سپاہی کی ردٹی اور گزراہ ہے۔

علاوہ بریں سلطنت بیجاپور میں پہاڑیوں کے اندر دشوار گزار مقاموں میں استقر قلعے اور گڑھیاں ہیں کہ جنگ فوج کرنا بہت ہی مشکل ہے اور جو ملک سلطنت مغلیہ سے ملتا ہوا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ چارے اور پانی کے موجود نہ ہونے کے باعث دشوار گزار ہے۔ خصوصاً شہر پانچت ایک نہایت بے آب و علف زمین پر واقع ہونے کی وجہ سے نہایت ہی مستحکم مقام ہے یہاں تک کہ پینے کے قابل پانی صرف شہر ہی کے اندر ملتا ہے۔ مگر با اینہم اس سلطنت کو بھی چراغ سحری ہی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ شہنشاہ محل نے قلعہ پر بند پر جو اس ملک کا دروازہ سمجھنا چاہیے اور بید پر جو ایک مستحکم اور خوبصورت شہر ہے اور اور بڑے بڑے مقامات پر داخل کر لیا ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ بادشاہ لاولد مر گیا ہے اور اسکی بیگم نے جو شاہ گولی کھنڈا کی بہن ہے ایک لڑکے کو جو اپنا مہینے بنانے پرورش کیا تھا اسنے اسکا یہ اجر دیا ہے کہ ابھی چند روز ہوئے جو یہ شاہزادی حج کر کے واپس آئی تو اس سے سرد مہری اور خفا

کے ساتھ پیش آیا۔ اور یہ بہانہ بنایا کہ ڈچوں کے جہاز میں (جس پر وہ سوار ہو کر بھاگ کر گئی تھی) اسکا روپیہ اُسکے رتبہ اور ستورات کی حالت کے مناسب نہ تھا۔ بلکہ یہاں تک کہ اسکا دو تین جہازوں سے (جو اپنے جہاز سے ملے) ملے ہو کر کم تک اُسکے ساتھ گئے تھے، ناجائز تعلق رکھتی تھی۔ \*

\* گول کنڈا اور بیجاپور کے بادشاہوں کا حسب نسب جس طرح پر بنیاد بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بادشاہ راجہ رام راج کے غلام تھے بلکہ بھنیہ خاندان کے بادشاہوں کے غلام تھے۔ چونکہ بھنیہ خاندان کا ذکر لکھے بدون یہ ضمن کمال نہیں ہو سکتا اسلئے یہ ہم کچھ ہی کا حال لکھیں اور بعد ازاں اُن کا۔

پس واضح ہو کہ سلطنت بھنیہ کا بانی حسن نامے ابتدا میں ایک گنام اور ایسا شخص تھا جو فضل الدین جو نا المشہور سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ دہلی کے ایک بھمی برہمن کے پاس گیس سے آکر نوکر ہو گیا تھا۔ اور دہلی کے پاس جو کچھ سکریٹین تھے ان میں کاشکاری کیا کرتا تھا۔ اس جو تیشی کا نام تاریخ دہلی میں کانکو بھمن لکھا ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے نواب و سلطان صحیح لفظ کان کبج برہمن کی جگہ اُسکو کانکو بھمن کہتے ہوں گے۔

اتفاقاً حسن مذکور کو اپنے مالک کی اسی زمین میں مل چلا تھے ہوئے کچھ دینے مل گیا جو اُسے اپنے آقا کی خدمت میں بیکم و کاست حاضر کر دیا۔ اس پر بادشاہی کے باعث سے وہ جو تیشی ہو کر بھمن بن گیا۔ لگا کر تعریف و توصیف کر کے بھمن شاہ کی سرکار میں نوکر کر دیا۔ اب حسن نے یہ ایک اور حق شناسی کی کہ بادشاہ کا ملازم ہو کر جو کچھ عروج پایا تو ہر میں اپنا نام ہی حسن کا کانکو بھمن کنہ کر لیا۔ جب محمد شاہ تغلق نے دیو گڑھ واقعہ گنگا کا نام دولت آباد رکھا اُسکو ہندوستان کا دارالسلطنت بنا دیا۔ تو یہ شخص بھی مثل اور تحت سرداروں کے قتلِ خاں اور قتلِ لاجپن اُسکے ناموں کے پاس دیو گڑھ میں تھا اور جب اس بادشاہ کی خطبہ اور خطابہ

بقیہ حاشیہ ص ۳۲۰

حکومتوں سے سلطنت میں خلل پیدا ہوئے۔ اور دکن میں بناوت ہو کر مملکت لاجپن مار گیا۔ اور تغلقوں کی حکومت جاتی رہی تو اتفاقات وقت سے مسئلہ ساٹ سو اڑھائیس ہجری میں شہنشاہ دکن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اور اپنے پہلے نام اور لقب پر علاء الدین کا لفظ پڑھا کر علاء الدین حسن کاکو بھمن کہلانے لگا۔ حسن آباد گلبرگ اور احمد آباد بیدر (بدر) اس خاندان کے دارالحکومت تھے۔ اور اس گھرانے کے شہرہ بادشاہ ایک سو ستتر برس تک ممالک دکن کے فرمانروا رہے۔ گولکنڈا اور بیجاپور کے سوا ملک بڑا۔ د خاندانیں وغیرہ بھی ہی سلطنت میں داخل تھے۔

نظام شاہ بھمنی باہو میں بادشاہ سے لیکر اس خاندان کے اخیر شخص دلی اللہ شاہ بھمنی تک اور شاہی کا تو ایک نام ہی نام تھا۔ کیونکہ امر اور سلطنت اپنے اپنے متعلقہ صوبوں میں خود مختار حکومتیں کرتے تھے۔ مگر آخر کار سلسلہ نو سو پینتیس ہجری میں انہوں نے اس نام کو بھی مٹا ڈالا۔ اور بیجاپور۔ گولکنڈا۔ بڑا۔ خاندانیں۔ وغیرہ میں خود اپنے اپنے نام سے جدا جدا بادشاہتیں قائم کر لیں۔ چونکہ اگلوں کے وقت سے شاہجہاں کے زمانہ تک خاندانیں بڑا۔ وغیرہ کی حکومتیں سب دھننی کی شہنشاہی میں جذب ہو چکی تھیں۔ اس لیے ہم انکا ذکر قلم انداز کرتے ہیں اور خاندان گولکنڈا اور بیجاپور کا حال لکھتے ہیں۔

گولکنڈا کے خاندان کا بانی سلطان قلی نامے ہمدان کا رہنے والا ایک ترک اور محمود شاہ بھمنی کا غلام تھا۔ اور رفتہ رفتہ ایسا بڑھا کہ اس سلطنت کا وزیر ہو گیا۔ قطب الملک کا خطاب پایا۔ گولکنڈا کا طرفدار یعنی صوبہ دار بنا۔ اور آخر کار (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) سلسلہ نو سو پینتیس ہجری میں خود اپنے ہی نام سے سکہ ضرب جاری کر کے قطب شاہ بن بیٹھا۔ اسکی نسل کے پادشاہ ایک سو چھپیس برس تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن جب اس خاندان کا اخیر فرمانروا

عبد اللہ قطب شاہ ساٹھ برس بادشاہت کر کے مر گیا تو اسکا راجا دوسرا دوسرا پورا حکمران مودت نانا شاہ اسکا جانشین ہوا۔ ڈاکو بوزید اپنے بیان مندرجہ متن میں غفلت اور شیشی کا اشارہ اسی کی طرف کرتا ہے۔ اور فی الواقع یہ بادشاہ اپنے وقت کا ابراہام

بیجاپور کی تہذیب کا نقشہ

اور گویا عیش و عشرت کا بیلا تھا۔ جسکے عیش و نشاط اور لطافت و نفاست مزاج کے ساتھ  
ایک زبان زد فعلایت اور غریب الشل چلے آتے ہیں چونکہ یہ ہندوستان اور کابل مزاج  
تھا کہ اپنی پندرہ برس کی حکومت کے زمانہ میں شہر حیدر آباد اور قلعہ گولکنڈا یا اپنے  
باغ میں جانے آنے کے سوا اسنے اپنے ملک کو کبھی سیر و سفر کی خاطر ہی جا کر دیکھا  
تھا۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسنے سابقہ حکمرانوں کی طرح آخر یہ بادشاہی بھی دھلی کی  
اعلیٰ سلطنت کا ایک بزد ہو گئی۔ یعنی جفاکش اور اولوالعزم شہنشاہ اورنگ زیب  
نے اپنی عمر کے بہتر بیس سال مطابق سولہ ایکڑ اچھا نوے بھری میں شہر حیدر آباد  
کو اور بعد ازاں سولہ ایکڑ اٹھانوے بھری میں قلعہ گولکنڈا کو مدت کے محاصرے  
اور سخت محلوں کے بعد تانا شاہ سے چھین لیا۔ اور اسکی بجایاں ستر ہزار روپیہ سالانہ  
پنشن مقرر کر کے قلعہ دولت آباد میں نظر بند کر دیا۔

اسی طرح بیجاپور کی سلطنت کا بانی گو جستان کا رہنے والا محمد یوسف نام  
ایک دوسرا غلام تھا جسکو بعض خوشامدی سرخوں نے سلاطین آل عثمان یعنی  
روم کے ترک بادشاہوں کی نسل میں جا ملایا ہے۔ اسکو شہاب الدین محمود بھٹی  
نے خریدا تھا جو خوش قسمتی سے رفتہ رفتہ بیجاپور کا بزرگ اور آخر کار نو سو کر عادل خاں  
سے عادل شاہ بن گیا۔ اسی کے پوتے ابوالہیم عادل شاہ کی کتاب نورس پر  
ملا نور الدین پھوری تو شہزادی نے اپنی وہ نصیح و بلغ نثریں جو خوبی و لطافت و  
مکی وجہ سے ایران و ہندوستان میں اب تک شہر اول و شہر اور شہر پوری کے  
نام سے معروف ہیں لکھی تھیں۔ یہ سلطنت بھی سولہ ایکڑ اٹھانوے بھری میں  
اورنگ زیب نے چھین لی۔ اور سکندر عادل شاہ کو جو ایک لڑکا تھا اپنے  
امپروں کی ذیل میں داخل کر کے اور خان کا خطاب دیکر لاکھ روپیہ سالانہ گزارہ مقرر  
کر دیا۔ اگرچہ یہ دونوں گھرانے اخیر تک بادشاہ کہلاتے اور اپنے آپ کو خود مختار  
سمجھتے تھے۔ مگر سلاطین سلیمان تو ان کو خود مختار ہی مانتے تھے۔ اور نہ ان کے  
لقب شاہی کو ہی تسلیم کرتے تھے۔ اور ہمیشہ پیشکشوں اور نذرانوں کے متقاضی اور طلبگار  
اور اسوقت تک دستور کے موافق ہر ایک جائز و ناجائز حیل سے ان کے ہمال کرنے  
کے لیے آمادہ اور تیار رہتے تھے۔ اور خط کتابت میں ان کے وہی اصلی خطاب



قطب الملک اور عادل خاں اور الفاہ القاب اپنے نوکروں اور صوبہ داروں کی طرح کھی کرتے تھے۔ چنانچہ غونے ان دونوں کے القابوں کے یہ ہیں۔

عنوان فرمان از طرف شاہ جہان بنام قطب شاہ شاہ

”ایالت و امارت پناہ ارادت و عقیدت و شنگاہ عمدہ اما جہ کرام سلامہ اکادم غلام نقادہ خاندان عز و علا غصادہ دودمانی مجد و اعتلا زبدہ فخلصان صلاح اندیش ملا و متجربہ خاندان سعادت کیش مورد الطاف شاہنشاهی مسد رکیات خیر خواہی جوہر مرآۃ صفات و صفوت فروغ ناصیہ دولت و وقت سزا و اعطافت بیکران المخصوص بنایت الملک الحسن قطب الملک مشمول عنایات بادشاہانہ بودہ بداند۔“

ایضاً بنام عادل شاہ شاہ مذکور

”ایالت و شوکت پناہ عدالت و نصفت و شنگاہ زبدہ ارباب دول عمدہ سبحانی غلام صمدیان عادل خاں بوفور عنایات بادشاہانہ مفتخر و مستظهر بودہ بداند۔“

بھمنیہ خاندان کے غلام اور متوسل بادشاہ (جس کا کہ بونیو نے لکھا ہے) سب کے سب شیونہ تھے۔ مگر ان گولکنڈا اور بیجاپور واسے ضرور شیعہ تھے چنانچہ سلطان نے ان سے کادش کرنے کے لئے کبھی کبھی کسی ندیسی کشت کو بھی حیدہ بنائے تھے مگر آخری وجہ گولکنڈا اور بیجاپور کی بربادی کے لئے یہ بھی کہ یہ لوگ سیواہی کے بیٹے سنہاہی کو مدد دیتے تھے۔ اور اورنگ زیب نے بذات خود دکن میں پہنچ کر گولکنڈا، بیجاپور اور سنہاہی تینوں پر ایک ہی زمانہ میں فوج کشی شروع کی تھی اور راجہ رام راج کا ذکر جس طرح پر ڈاکٹر بونیو نے لکھا ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ (بقول سرمنٹ الفنسٹن صاحب) صحیح حال اسکا یوں ہے کہ وہ خاص دکن میں (یعنی مدراس کی طرف) شہر بنے دکن میں ایک بہت بڑا راجہ تھا۔ بھمنیہ خاندان کے سب غلام بادشاہوں نے جنگاؤں اور پرہیزگار تھے متفق ہو کر اسکا ملک چھیننے کا ارادہ کیا اور پچیسویں جنوری ۱۶۵۵ء ایک بڑا فوجی مطالبہ بستم جادی النانی پیش کیا۔ نوسو ہتھوڑی کو دریا کو شندھا کے کنارے تالی کوٹ کے قریب جانیپن سے بڑے اتھام اور جوش و خروش کے ساتھ ایک نہایت خونریزی ہوئی۔ جس میں چھینٹیم اور مہاراجہ مغلوب ہو کر پٹا اور مارا گیا۔ مگر اصل مطلب

سیوا جی کی خود سری اور اُسکی روز افزوں طاقت کا ایک کمر زکریہ

سیوا جی جسکا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اس سلطنت کی یہ حالت دیکھ کر بہت سے قلعوں پر جو اکثر بہاروں کے اندر میں قابض ہو گیا ہے۔ اور خود سہراؤ شاہ کی طرح جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اور شہنشاہ مغل اور شاہ بیجا پور جو کبھی اُسکو دھمکاتے ہیں تو اُن کی باتوں پر ہنس دیتا۔ اور سورت سے لیکر گوا کے دروازے تک ملک کو تاخت و تاراج کرتا رہتا ہے۔ اور اگرچہ وقتاً فوقتاً بیجا پور کی ریاست کو سیوا جی بڑے بڑے صدمے پہنچاتا رہتا ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہ جبری شخص عین وقت پر اُسکے کام بھی آجاتا ہے۔ کیونکہ اورنگ زیب کو ہمیشہ اسی کی تاخت و تاراج کا فکر رہتا ہے۔ اور اُسکی فوجیں ہمیشہ اُسکے پیچھے لگی رہتی ہیں اور

کے محاذ سے فوج اسکا نفعندوں کے حق میں چنداں مفید نہوا۔ کیونکہ ملک مفتوحہ کی تعمیر پر باہم جھگڑے پیدا ہو گئے۔ اور اسوجہ سے اس راج کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وہاں کے "پالی کاڈ" یعنی زمیندار ہی اپنے اپنے علاقوں میں راجا بن گئے۔ اور رام لاج کے بھائی نے بچے لگو سے اپنی دارالریاست کو مشرق کی جانب منتقل کیا۔ اور آخر کو چند گوٹھی کو اپنی ریاست گاہ بنایا۔ جو مدداس سے شمال مغرب کی طرف شترہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور زمین کا وہ قطعہ جو انگریزوں نے اپنے کارخانہ کے لیے پہلے پہل مدداس میں لیکر آخر کار قلعہ سین جادج تعمیر کیا اسی شخص کی اولاد کے ایک راجہ سے منسلک ہے

ایک ہزار چھ سو چالیس عیسوی میں لیا تھا۔

(مانوڈ از تاریخ فرشتہ - عالمگیر نامہ - اثر عالمگیری - سہر المتاخرین - تاریخ الغنائل - تاریخ فنی ذکا ماللا)

اس طرح پر بیجا پور کا چھپا چھوٹا رہتا ہے۔ اور ب سے مقدم کام ہی سمجھا جاتا ہے کہ سیواجی کی جڑ کس طرح اکھاڑی جائے۔ سیواجی کو منوڈ میں جو کامیابی ہوئی ناظرین اسکو بڑھ چکے ہیں۔ اسکے بعد اسے جنرل مارڈینز <sup>Bardens</sup> پر جو گوا کے نزدیک پرتگیزیوں کی ایک بستی ہے قبضہ کر لیا ہے۔

سیوا جی کا مختصر حال جو ڈاکٹر برنیل نے لکھا ہے اُسکو پڑھ کر خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس عجیب شخص کا حسب و نسب کیا تھا۔ اور اس نے اقتدار کس طرح پایا۔ اور اسکے متعلق جو واقعات برنیو نے لکھے ہیں انکی مفصل اور صحیح روداد کیسے تھی پس واضح ہو کہ افسانہ نگار ویلڈیا پوٹانیکا میں اُسکو غیصیح النسب طور پر اودے پور کے رانا کی نسل سے (یعنی چھتری) لکھا ہے۔ گریس مونسٹ الفسنٹ صاحب سابق گورنر بمبئی جنکی تحقیق اُدھر کی قوموں وغیرہ کے بارہ میں زیادہ بڑے کے قابل ہے اپنی مشہور تاریخ ہندوستان میں سیوا جی کے اُن تمام عقوم لوگوں کو جو ہمہما را اشیاء دیس کی سکونت کے باعث مرھٹے کہلائے عوامی شودر رہتے ہیں۔ اور سیوا جی کے حسب و نسب کی حقیقت کو اس طولانی تمہید سے بیان کرتے ہیں کہ گو لکھنڈا۔ بیجا پور۔ اور احمد نگر کے مسلمان بادشاہوں کے وقت میں مرھٹوں کو قلعوں وغیرہ کے پیدل سپاہیوں میں نوکریاں ملا کر تھی تھیں۔ مگر حسب معلوم ہوا کہ جنگی سواروں میں بھی اچھی خدمت دیتے ہیں تو رسالوں میں بھرتی ہونے لگے۔ اور ان میں سے ایسے لوگ جو ہمارے ملک کے راجہ میں چودہ سی اور نہر دار وغیرہ کہلاتے ہیں اور اُن ملک میں اُن کا لقب ٹیل اور دیس کھ وغیرہ ہوتے تھے مرہٹی عزت کے باعث سے رسالداروں اور حمدا روں کے عہدوں

ہندوؤں کی حکومت کے قدیم زمانہ میں مہاراشٹر کا اطلاق ملک کے اُس وسیع قطعوں پر ہوا تھا جو بدایوں کے جنوب کی طرف فی زمانہ چیف کشری ناگپور اور ریاست حیدر آباد دکن اور میریز پورسی بیسی کی مختلف حکومتوں میں تقسیم ہے۔ چنانچہ خاندیس و ثوار و کوکن وغیرہ کے علاقے جو علی الترتیب مذکورہ بالا حکومتوں میں واقع ہیں مہاراشٹر کے عامہ فہم میں داخل تھے۔

ایک امر جو جاتے تھے۔ منجھان کے اگرچہ بعضوں نے قدر و منزلت بڑھانے کو راجپوت  
 ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر الفنسٹن صاحب کی تحقیق میں قومیت کی حیثیت سے سارے  
 ہی شہود رہتے۔ اور سولہویں صدی عیسوی سے پہلے نہ تو مرہٹے بطور ایک قوم  
 اسی کے مشہور تھے۔ اور نہ ان میں کوئی ایسا سردار تھا جو پولیٹیکل بحاط سے نامور اور  
 ذمی اقتدار گننا جاتا ہو۔ مگر اس صدی کے آغاز میں ان کے اقبال کا زمانہ اسی طرح شروع  
 ہوا۔ کہ ملک عیسائی (جو احمد نگر والوں کے ہیں ایک مشہور اور نہایت زبردست  
 ایسے تھا) مرہٹوں کو اپنے سواروں میں زیادہ بھرتی کیا۔ چنانچہ اسکی فوج میں لکھچی  
 اسے ایک سردار نے (جو بطور اعزازی لقب کے جادو داد کہتے تھے) ایسی  
 ترقی پائی کہ دس ہزار سواروں کی سرداری کے منصب پر فراز ہو گیا اور یہاں تک اقتدار  
 حاصل کیا کہ شاہ جہاں اور احمد نگر والوں کی ڈائی کے زمانہ میں جب اس نے  
 شاہ جہاں سے سازش اور پستکی کر لی تو ملک عیسائی کی تقدیر لٹ گئی اور ڈائی ہار گیا  
 الفنسٹن صاحب خیال کرتے ہیں کہ مرہٹوں میں اگر کسی کو راجپوت ہونے  
 کا دعویٰ پہنچا ہو تو البتہ یہ دعویٰ اسی کے گھرانے کو شایاں دسرا دار ہو سکتا تھا لیکن دیو گن  
 (دولت آباد) کا وہ راجہ جو دکنی راجاؤں میں سب سے بڑا تھا۔ اور جس سے مسلمانوں نے  
 ملک دکن فتح کیا تھا جادویشی ہی کہلاتا تھا۔ اچھے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شیخ  
 غالباً دیو گڈہ کے کسی قریب منسلک کا دلیر ملکہ اور جادویشی راجپوتوں کی نسل  
 سے ہونے کے باعث جادو داد کہلاتا ہوگا۔ انھیں مالوچی بھونسلہ۔ سیواچی  
 کا دادا اسکے متوسلوں میں ایک ایسا شخص تھا جو اگرچہ کسی قدر خاندانی اور ذی عزت گنا جاتا تھا  
 مگر حیثیت اسکی اس سے زیادہ نہ تھی کہ چند خود اسے سواروں سمیت اسکے بھٹوں میں تھا  
 قنائے کرد گا را یک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جادو داد کے یہاں کسی تہوار وغیرہ  
 کی تقریب میں بہت سے لوگ جمع ہوئے جس میں مالوچی بھی اپنے بانی پر کے بیٹے  
 کو ساتھ لیکر آیا تھا۔ اس محل میں جہاں حسب معمول ہنسی خوشی کی باتیں ہو رہی تھیں اتفاقاً جادو  
 داد نے مسالوچی اور اپنی سہ سالہ لڑکی دونوں کو زانوؤں پر بٹھا کر ہنسی اور ہار کے طور پر کس  
 یہ بات کہہ دی کہ یہ دونوں بالک تو بنانی بنانے کے قابل ہیں! جادو داد کو کایہ کہنا تھا

کہ مالو جی فوراً بول اٹھا کہ ساری سبھا گواہ رہے میرے بیٹے کا شہ جادو جی کی لڑکی سے ہو گیا !!! اگرچہ جادو داؤ اپنے خاندان و منصب کے غور کے باعث مالو جی کے اس بڑے بول سے ایسا راض ہوا کہ دونوں کے باہم بدترکی ہو گئی مگر مالو جی برابر اس سنگائی کا دعوہ کیے جاتا تھا۔ اور چونکہ تھڑے ہی عرصہ میں خوش قسمتی سے یہ بھی ایسا طرعا کا اسی ریاست میں پانچ ہزار سواروں کی رسالہ دہری کے منصب پر سر فراز اور صاحب جمیت ہو گیا۔ اور مصافات ملک کو کھن میں بغاصہ ہونا (جواب پریڈینسی بمبئی میں ایک مشہور شہر ہے) اس کا ایک بڑی سی جاگیر مل گئی جس میں چٹا کنڈ اور سوپا کے دو قلعے بھی شامل تھے تو آخر کار لکھ جی جادو داؤ کو بھی یہ خواہ مخواہ کی سنگائی کا دعوہ سامانی پڑا اور ساھو جی کی شادی اسکی بیٹی سے ہو گئی جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک ونگا جی۔ دوسرا سیوا جی اور تیسرا سواہو ستائیس عیسوی میں پیدا ہوا۔

جب شاہ جہاں نے دایے بیجا پور کے اتفاق سے راجننگ نگر کی حکومت کو ہال کر کے ملک کو آپس میں بانٹ دیا اور بھو اسکے کوکھ کا علاقہ بیجا پور کے حصہ میں آیا تو ساھو جی نے دایے بیجا پور کی نوکری اختیار کر لی۔ اور اسکی جاگیر داغ بڑا بھی جو بیجا پور کے حصہ میں آگئی تھی برتنور اسکے قبضہ میں رہی اور وہ بیجا پور کی طرف سے کرناٹک میں ملک گیری کرتا رہا جسکے باعث سے ملیسور کے نزدیک بھی اسکو ایک بہت بڑی جاگیر حاصل ہوئی جس میں بنگلور وغیرہ بڑے بڑے شہر داخل تھے۔

انرض ونگا جی تو اپنے باپ کے ساتھ کرناٹک میں رہتا تھا۔ اور خود سال سیلیجی پونٹا میں۔ اُس زمانہ میں رہتے سردار خود تو ناخاندانہ ہوتے تھے۔ اور ان کے کاروبار کا انتظام ان اہل قلم رہنوں کے اختیار میں ہوتا تھا۔ جو دکن کے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑے بڑے کارآمد چندوں پر امور ہو کر رہتے تھے۔ چنانچہ ساھو جی کی اس جاگیر کا انتہام اور سیوا جی کی سرپرستی دادا جی کٹنڈ ونا سے ایک برہمن کو سپرد تھی اُس وقت کے نوجوان مرہٹوں کو شہسواری۔ شکار بازی۔ اور نیزہ بازی وغیرہ سب کامیاب رفتوں کے سیکھے کا شوق ہوتا تھا۔ اور چونکہ پونٹا ایسی جگہ ہے کہ وہاں میدان اور پانی کی کمی

آپس میں تہاں سپاہیانہ شوق اور سیر و شکار کے سہاؤں کے باعث سے  
سیواچی کے بڑے رفیق ابتداء ہی سے لیے لوگ ہرے جو یا تو اس کے باپ کے  
سواروں میں بھرتی تھے یا گھاٹوں (یعنی کوستان سیتاڈی کے سلسلوں کے)  
پاس پر دوسرے رہنے والے ڈاکو اور لٹیرے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا  
بھی اتفاق ہوا کہ بعض ڈکیتی کی وارداتوں میں مخفی طور سے یہ ان کا شریک بھی ہوتا رہا  
غرض کہ ان جاکش اور مضبوط آدمیوں کی صحبت سے اور ان دیہاتی راگوں (یعنی مالگوں)  
کے سننے سے جن میں اس ملک کے بعض سوراٹوگوں کی کہانیاں گائی جاتی تھیں  
اسکی طبیعت میں بڑے بڑے خیال پیدا ہوئے۔ اور جب یہ آفت کا پرکالہ تولد برس کی  
عمر کو پہنچا تو اپنے اُمایق دادا جی کے قابو سے بھی نکل گیا۔ اور باپ کی جاگیر کے کاہلار  
میں خواہ مخواہ دخل دینے لگا۔ اور جب تھوڑے عرصہ بعد وہ برہمن بھی مر گیا۔ تو قلعہ  
چاکندہ پر قلعہ دار سے ملکر قبضہ کرایا۔ اور قلعہ منوہا کو چھاپہ مار کر چھین لیا۔ اور وہ  
جاکش رہنے جو پونا کی سمت مغربی کے اُچار علاقہ کے رہنے والے (اور ایک  
پرانے قصبہ ماہول متصل شولا پور کے قرب و جوار کی سکونت کی مناسبت سے)  
ماہولی کہلاتے تھے۔ اور بھیل اور کولی اور راموسی وغیرہ کثیرے  
لوگوں کو جو پونا کے پاس ملک کوکن کے پہاڑوں اور جنگلوں میں بستے اور اسکی  
سب بیجا پور کی رعایا تھے جمع کر کے اس پاس کے ملک کوکن جہاں کے حالات  
سے سیر و شکار اور چوریوں و کیتھوں کی شرکت اور ان لٹیروں کی رہنمائی سے بخوبی  
واقف ہو چکا تھا بڑا ناشروع کیا اور کہیں زور سے کہیں تابعداری سے اور کہیں سب  
اور مکاری سے محلِ عادل شاہ فرمانروا سے بیجا پور کی حکومت کے  
انیر زانہ میں بسبب حاکموں کی غفلت اور ضعف وغیرہ کے علاقہ کوکن کے بہت سے  
قلعوں پر اپنا دخل کر لیا۔ اور نجد انہیں حرکتوں کے ایک حرکت یہ بھی تھی کہ اپنے مقام  
کا مخالف سمجھ کر ایک راجہ کو جو پونا کے جنوب میں اکثر بیڑی علاقوں پر حکومت رکھتا  
تھا کسی حکمت سے قتل کر لیا تھا۔ اور علی عادل شاہ کے اہم خورد سالوں میں باوجودیکہ  
اسکا باپ اور بڑا بھائی ان کے نوکر تھے اور اسکو ان حرکتوں سے بہت منع کرتے

تھے۔ علانیہ باغی ہو کر یہ عجیب دانوں کھیلانے لگا۔ ۱۹۹۹ء سول سونا نوے عیسوی میں افضل خاں نامے اُن کے ایک بہت بڑے سردار کی خدمت میں جو اسکی نزدیکی کے لیے فوج لیکر آیا تھا اور جسکی شجاعت اور زور و قوت سے فی الحقیقت یہ خائف تھا یہ درخواست پیش کی کہ اگر خان صاحب میرے حال پر ترس کھائیں تو میری فرائض سیرا خوف اور اندیشہ دور کرنے کے لیے ایک جگہ دیکھ کر سے اکیلے ہو کر تشریف لائیں اور اسی طرح میں بھی اکیلا ہی حاضر ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری معروضات سن کر تسلی و تشی فرما دیں گے تو فرائض برداری اور اطاعت سے مجھے کچھ غم نہیں۔ چنانچہ جب اس قرار داد کے موافق خان صاحب باریک عمل کا چارہ چنے ہوئے۔ اور صرف شان و ریشہ کے لیے ایک سیف اٹھ میں اٹھائے اور محض ایک خدمتگار ساتھ لیے ہوئے خزانہ خراں آگے کو بڑے اور سیواچی بھی قلعہ پر تاب گدھ سے سہمی صورت بنا کر زرتا کا بتا سامنے سے صرف ایک ہمراہی سمیت نظر آیا۔ اگرچہ ظاہر میں کوئی ہتھیار اُسکے پاس موجود نہ تھا۔ مگر ردی کے دگلے کے نیچے زرہ پہنے اور ایک ابدار تینہ چھبائے ہوئے اور انگلیوں پر فولادی کانٹے جسکو نگہ نوہ یعنی ناخن شیر کہتے تھے چڑھائے ہوئے تھا۔ افضل خاں نے اُسکو خوف زدہ دیکھ کر اظہار عنایت کے لڑ بنگلیہ ہونے کو جوں ہیں اٹھ بھلائے تو اسنے چھپ سے فولادی بیچ کو آستین میں چھپا ہوا تھا بڑے زور سے اُسکے پیٹ میں گر دیا۔ اور ہنوز وہ اس حرکت سے بھاگنے کی بجائے سے فارغ ہوا تھا کہ بغیل سے تینہ نکال کر کام تمام کیا اور خان صاحب سننے پر پہنچے کھا کر سیف کا دار کیا تھا وہ اسکی زرہ کے باعث سے کا گر نہوا۔ اس کامیابی کے بعد اور اس دشوار گزار پہاڑی ملک میں جسکی حد سمندر تک پھیلی ہوتی ہے ایسا بدست شخص ہو گیا کہ ۱۹۹۹ء سول سو باسٹھ عیسوی تک اُسکے پاس سات ہزار سوار اور پنچاس ہزار پیدل کی جمیئت ہو گئی جنکی معاش کا مدار پر نہت مقررہ تنخواہ کے زیادہ تر لوٹ کھسوٹ پر تھا۔ اور سمندر کے کنارہ تک سچ چنبد رگاہوں کے اپنی حکومت کو سوت دیکر کچھ کچھ مغلیہ سلطنت کے طاقتوں واقع دکن میں بھی غارتگری اور دست دراز می شروع کر دی تھی اسنے اسیوں کا ہوا تھا ایشیت، خاں صوبہ دار نے عالمگیری کے دوسرے

بقیہ تاسیخاجی

سال طوس میں دولت آباد سے فوج کشی کر کے قصبہ پونا اور چاکنہ کے مضبوط قلعہ کو  
سیلواجی سے چھین لیا۔ مگر اسکے نامہوار اور پہاڑی ملک کی دشوار گزاری اور سردیوں  
کی سخت جفاکشی کی عادت سے شائستہ خان کو حسبِ درخواست کامیابی نہ ہوئی۔ اگرچہ طاہر  
نہ سیلواجی کے اس ابتدائی زمانہ میں اُسکے گرد و کے لوگ اور بھی زیادہ جفاکش ہوں گے  
مگر اسکے جوانیکہ بعد بھی مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ جب وہ لگنے لپٹنے پڑے تو ان میں گولکنڈا اور  
بیجاپور کو نیست و نابود کر کے مرہٹوں کے پیچھے دوڑ دھوپ کر رہتا تھا اور الفنسٹن نے  
نے اس عالی مرتبت بڑے بادشاہ کی ناکامیابی کی وجوہات کے ذکر میں مرہٹوں کی عادت  
جفاکشی کا بیان اس طرح پر لکھا ہے کہ وہ انکی سواری میں چالاک اور دور دم گھوڑے  
ہوتے تھے جن پر چارے زین کے کبل کے تھرو پر صرف ایک گدھی سی کس لیتے تھے  
اور توڑہ دار بندوق اور ڈال تلوار کے علاوہ عموماً ایک لمبا برچھا رکھتے تھے خوراک و  
لباس میں اسی پر قناعت تھی کہ جوار کی ٹکلیہ اور کچی پیاز انکی معمولی غذا تھی اور لباس  
میں ایک پگڑی جبت جاگیدہ اور ایک چھوٹی سی کمڑی! سوائے سرداروں کے نیمہ  
کسی کے پاس نہ ہوتا تھا۔ اور لڑائی پھڑائی کے موقعوں میں مرہٹے سوار اپنے جھوپا  
اور جانوں کو زمین میں گاڑ کر گھوڑوں کی لگامیں اپنے اپنے بازو سے بندھ کر زین  
پر بیٹھ کر رہتے تھے "غرض کہ اس شعر کے مصداق تھے۔ شعرا  
"لنگے زیر لنگے بالا" نے غم فرو نے غم کالا" نہ بابر داری کی ضرورت نہ کہ مرہٹ  
کی حاجت۔ اور ان کے مقابل میں غلیہ فوجوں کی یہ صورت تھی کہ اگرچہ بیادری اور  
سپاہ گہری کی توان میں بھی کچھ کمی نہ تھی مگر عموماً یہ شرابی پھیلی ہوئی تھی کہ امیر سے ٹیکہ  
سپاہی تک ساز و سامان بہت رکھتے تھے بہانہ کہ ان کے لشکروں میں اہل خدمت  
اور اہل بازار وغیرہ کی یہ بھرتی تھا ہوتی تھی کہ بہرے کے لوگ سپاہیوں سے دس گئے  
بہت جاتے تھے جسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ رسد اور بار برداری دونوں کی نہایت ہی  
غیر ضروری ضرورت پڑتی تھی اور اسکے باعث سے کچھ وقت نام میں وہ جیتی و چالاک  
جو مرہٹوں جیسے جفاکش اور سبک بار دشمنوں کے منسوب کرنے کو خود متاثر ہے  
پہاڑی ملک میں ضروری تھی۔ اسنے نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ جہاں کہیں انکا لشکر جا کر



ٹھہرتا تھا رسد و بار برداری کی ضرورتوں کی وجہ سے وہاں کے باشندوں پر ایک تباہی آن پڑتی تھی۔

غرض کہ جب شاہستہ خان کو کامیابی نہ ہوئی تو ہمارا جہ جسونت سنگھ راٹھوڑ صوبہ دار گجرات کو بھی اس کی کُل فوج کے مدد کے لیے بھیجا گیا۔ اگرچہ ہم بھی مدت تک مار و زور لگے کوئی کار نمایاں اس سے بھی ظہور میں نہ آیا۔ بلکہ اورنگ زیب کے جلدوں سے

چھٹے سال ۱۷۷۸ء (ایکڑا تہتر) ہجری میں جبکہ شاہستہ خان پٹوٹا میں اُترا ہوا تھا سیو اچی نے یہاں تک جرات کی کہ ایک روز سہ شام اپنے بہاڑی قلعہ سنگم دیر سے جو پٹوٹا سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔ اور راستہ میں تھوڑے تھوڑے

سپاہی اس خیال سے پھوڑا آیا کہ اگر ضرورت پڑے تو کام آئیں اور خود صرف پھوڑے باہر کی مری مہلوں کو ساتھ لیکر ایک برات میں جو حسب اتفاق پٹوٹا کو جاتی تھی مکہ شہر میں داخل ہو گیا۔ اور اس طرح پر شاہستہ خان کے چوکی ہیروں کی فراحت

سے بے غلغلہ۔ چونکہ شاہستہ خان اسی مکان میں رہتا تھا جس میں سیو اچی نے پرورش پائی تھی۔ اور اس وجہ سے اس کو اس مکان کی کُل حالت بخوبی معلوم تھی اس لیے اسکے ایک دروازہ سے جو پشت مکان کی طرف تھا چپکے سے شاہستہ خان

کی خوابگاہ میں جا گھسا اور یکایک اس طرح سے حملہ کیا کہ اس پڑ پڑا ہٹ میں ایک کٹھن کی کے ساتھ بیچے کے مکان کی طرف کو دوکر بھاگتے ہوئے شاہستہ خان کی تو ایک انگلی کٹ گئی اور ابوالفتح اس کا میٹھا مقابلہ میں مارا گیا۔ چونکہ سیو اچی اپنا ارادہ

کے موافق شاہستہ خان کو قتل یا گرفتار کر لیا تو قبل اسکے کہ باہر کے ہیروں اس حادثہ سے خبردار ہوں پھرتی سے باہر نکل آیا۔ اور جوں جوں آگے بڑھتا گیا تودہ لوگ جو راستہ میں بٹھائے ہوئے تھے ساتھ ملنے گئے اور معیج و مسامت اپنی

قلعہ میں جاد داخل ہوا اور اس کا کامیابی کی ہمدرد خوشی منائی گئی کہ چراغوں اور شعلوں کی روشنی بادشاہی فوج کو پٹوٹا میں بخوبی دکھائی دیتی تھی سیو اچی کے ہر کارنامہ سے اسکے اور اس کی قوم کے حق میں ایک نہایت ہی مفید اثر پیدا ہوا۔ بادشاہ نے

اس حادثہ کو امید لاکرا کی غفلت پر محمول کیا اور ملیر محلہ کی وفات کے باعث

بقیہ حاشیہ سیوا جی

سے بنگالہ کی صوبہ داری پر بدل دیا اور بجائے اسکے شاہزادہ محمد معظم کو دکن کا  
 صوبہ دار مقرر کر کے راجہ جی سنگھ کچھواہ کو جو لیٹ اور دانی میں مشہور اور  
 ایک بڑا کین ملطنت تھا راجہ جی صونٹ سنگھ کی جگہ جسکی نسبت سیوا جی کے  
 ساتھ سازش کھنے کا شبہ تھا اپنے جلوس کے ساتویں سال ۱۸۰۱ء (ایکڑا چوتھی ہجری  
 میں مع دلیو خاں و راجہ راسے سنگھ مسعودیہ اور آؤر دس بارہ ہندو اور  
 مسلمان بڑے بڑے سرداروں کے چوڑہ ہزار سواروں کی جمعیت سے روانہ کیا۔  
 خلاصہ یہ کہ راجہ جی سنگھ نے اورنگ آباد پہنچ کر اول شاہزادہ سے ملازمت  
 حاصل کی۔ اور بعد ازاں پونا میں جا کر راجہ جی صونٹ سنگھ سے ہم کاجایا  
 اور قلعہ دودر مال وغیرہ غصہ مناسیوا جی کے کلاں ترقلہ پورن دھر کو کہ  
 جسیں اُسکا بہت سا ساز و سامان اور چار ہزار لڑاکے سپاہی اور تین ہزار اور مرد و عورت  
 اور بعض عزیز و اقارب اور کتنے ہی کارآزمودہ افسر موجود تھے زور شور سے دلیو کا  
 اور کیرت سنگھ نے گھیر لیا سیوا جی جو اسوقت قلعہ راج گڈہ میں مع اہل و  
 عیال خود موقعہ جنگ سے قریب ہی تھا حملہ آوروں کی شجاعت و لیاقت کے باعث  
 پورن دھر کے بجائے سے مایوس ہو گیا اور مجبور ہو کر مجرورنیزہ کا انہار شروع کیا جسکے  
 جواب میں راجہ نے یہ کہلا بھیجا کہ اگر مجرموں کی طرح ہتھیار کو ہلکا کر حاضر ہو جا تو اسکی اطاعت  
 قبول بھیجائیگی غرض کہ جب وہ سنا (ایکڑا چوتھی ہجری عالمگیر کے آٹھویں سال طبر  
 میں اسطرح حاضر ہو گیا تو راجہ نے اسکی بہت خاطر کی اور اول قلعہ پورن دھر کو جو  
 قریب الفتح ہو گیا تھا مع کل سامان جنگ وغیرہ اُس سے لیکر آخر ان شرائط پر صلح کر لی  
 کہ ملک کو کن کے پینیس قلعوں میں سے جو اسوقت اُسکے قبضہ میں تھے تینس  
 قلعے مع بندر چول و علاقجات جمعی دس لاکھ ہن کے سرکار بادشاہی میں آگئے۔ اور

ہندوستان کے ساحل مغربی و جنوبی پر ملک کا وہ تنگ اور طولانی قطعہ جسکو کنھڑ  
 کہا جاتا ہے اور شمال کی طرف علاقہ کوکن سے شروع ہو کر جنوب کی سمت میسور  
 کے قریب ختم ہوتا ہے وہاں کی زبان میں جسے کنھڑی کہتے ہیں ہن یا ہونو  
 سونے کو کہتے ہیں اور اسجگہ اس سے سونے کا تکہ مراد ہے۔ اور تعجب نہیں ہے

بقیہ حاشیہ سیوا جی

بقیہ حاشیہ سیواچی

باقیہ بارہ قلعے مع علاقہ جمعی ایک لاکھ تین سیواچی کے پاس چھوڑے گئے اور اُس کے پشت سالہ بیٹے سنبھاجی کے نام پینڈاری پنڈار سوار کا منصب عطا ہو گیا۔ اور سیواچی نے یہ بھی قبول کر لیا کہ اُس فوج میں اگر کوئی ہمیشہ آئیگی تو بذات خود بادشاہی فوج میں شامل ہو کر خدمت کر دے گا۔ غرض کہ جب شرطیں طے ہو چکیں اور سنبھاجی بھی راجہ کے لشکر میں بیٹھ گیا تو سیواچی کو جو بغیر ہتھیار باندھے دربار میں آیا کرتا تھا راجہ جے سنگھ نے اپنے سامنے ہتھیار بندھوا دیئے۔ اور خلعت دیکر عزت کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور چونکہ راجہ کو یہی جگہ سے بیجا پور پر فوج کشی کرنے کا حکم لگایا تھا۔ ۱۔ لیتے سیواچی بذات خود مع پندرہ سو سواروں اور سات ہزار پیادوں کے اس مہم میں کام دیتا رہا اور اگرچہ اس سے کچھ عرصہ بعد اُسے اول سنبھاجی کو عالمگیر کے دربار میں بھیجا اور راجہ جنونت سنگھ کی معرفت جان و عزت کی حفاظت اور جن ملوک کا وعدہ لیکر اور اپنی جگہ فوج کی سرداری پر اپنے داماد کو راجہ کے پاس چھوڑ کر دربار جنن سالانہ کے موقع پر بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے بطور جریدہ اکبر آباد کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے بھی یہ مدارات ہوئی کہ نو درام سنگھ پر راجہ جے سنگھ اور محاصرہ خان اسے ایک اور امیر اُسکو ہتھیار کر کے دربار جنن میں لائے اور بادشاہ کے حضور میں اُسکے کھڑے ہونے کو بقول صاحب عالمگیر نامہ جگہ بھی

کہ فاسی اور بھنا میں جو ستین اور تھام ہوز کہیں کہیں (مثل آماہیدن و آماہیدن)۔ و ماہ و ماس۔ و دہ و دس یا ہور و سور۔ و پس و پوہ دیاس و بیاہ وغیرہ) باہم بدل بایا کرتے ہیں اس طرح اس لفظ میں سونے کا ستین ہونے کی جیسے سے بدل گیا ہو۔ اگرچہ یہ امر تحقیق ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے ممالک دکن میں سکھ رائج الوقت سونے ہی کا ہوتا تھا۔ لیکن ٹھیک طور پر یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ بودھ مت والوں کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے ان سکوں کا عام نام کیا تھا۔ مگر البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں

بقیہ حاشیہ لفظہن

تقریر حاشیہ سیویسی

ایسی مقول دی گئی کہ جو امرا خاص کے لئے تھی اور اسی دن کچھ اور اعزاز و اکرام بھی ہو گیا  
تھے اور یہ امر مقرر ہو چکا تھا کہ چند روز حاضر دربار رکھ کر عزت و توقیر کے ساتھ فرصت کر دیا  
جائے گا۔ مگر اس اکٹھڑے شخص کو اپنے کھڑے ہونے کی جگہ پر بعض موزوں کے  
نزدیک تیسرے درجہ کے امیرین یعنی پنجزاری کے منصب والوں کے لئے  
مقرر تھی۔ اور اور رسوم و رباری کچھ ایسی ناگوار اور اپنی عزت کے منافی معلوم ہوئیں  
کہ اسے کمزور رام سنگھ کو علیحدہ بجا کر اُسی وقت سخت شکایت کی اور بقول صاحب  
عالمگیر نامہ جو "توقعات بجا و مقاصد دور از کار و خیال اسے خام" پکائے ہوئے  
تھے نہایت بخجیدگی سے اٹھا اٹھا کر کیا۔ اگر یہ بعض موزوں نے لکھا ہے کہ اسکو  
مارے بیچ وغیرت کے دربار میں غشی ہو گئی تھی۔ مگر یہ قول کچھ معتبر نہیں معلوم  
ہوتا۔ کیونکہ صاحب عالمگیر نامہ کو اسکے چھپانے کی حسب ظاہر کچھ فرسوت  
نہ تھی المختصر بادشاہ نے اس حرکت سے ناراض ہو کر بغیر من مراسم اعزاز و عنایت  
کے جو اسکے لئے تجویز ہوئے تھے حکم دیا کہ ڈیرہ کو چلا جائے اور کمزور رام سنگھ  
کو جو اسکے معاملات میں متوسط تھا یہ ارشاد ہوا کہ اسکو اپنے ڈیرے پاس (جو شہر  
سے باہر تھا) اتار کر گرانی کرتا رہے۔ اور اسکے بیٹے منبھاجی کو جو منصب  
پنجزاری پر بدستور مامور تھا کبھی کبھی اپنے ساتھ دربار میں لاتا رہے اور اسکے  
بھاگ جانیکے اندیشہ سے فولاد خاں کو توال کو حکم ہوا کہ اسکے ڈیرہ کے

اُس خاندان کے راجاؤں نے جنکو ڈاکٹر میڈیسی صاحب چلوکیہ لکھے ہیں  
جب اودہ سے جاکر دکن میں اپنی بادشاہی قائم کی تو بھلہ کن علامتوں کے  
جو بطور اپنے نشان کے وہ سکوں وغیرہ پر لگاتے تھے ویراہ کی تصویر  
(جو سنسکرت میں شوڑ کو کہتے ہیں خواہ ویراہ اوتار کی مناسبت سے یا  
کسی اور وجہ سے) اسکے سکہ پر نقش ہوا کرتی تھی۔ چونکہ اس خاندان کی شاہانہ  
حکومت مدد اس - حیدر آباد دکن - اور بمبئی کے ایک بہت بڑے  
حصہ پر تقریباً آٹھ نو سو برس تک بڑی شان و شوکت سے قائم رہی تو اسوجہ سے

تقریر حاشیہ سیویسی

بقیہ حاشیہ سیاحی

اور گرد پہرے لگا دے۔ اور راجہ جج سنگھ کو کہ جسکی وساطت سے وہ حاضر ہوا تھا لکھا گیا کہ اسکے معاملہ میں جو مناسب جانے رہوٹ کرے۔ اس عرصہ میں اگرچہ سنبھراجی و ربار میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ مگر سیدواجی کو ایسا ہر اس غالب ہوا کہ وہ سب ہوا اسکے۔ باغ سے نکل گئی اور اُس کے پاس جا جا کر گر کر گر کر لگا۔ اسی اثناء میں راجہ جج سنگھ کا جواب بھی آگیا کہ چونکہ میں اسکے ساتھ عہد کر چکا ہوں اور ہنوز بیجا پور کی مہم میں مشغول ہوں اگر درگزر کیجائے تو اس میں میری بھی سرخرویٰ ہے۔ اور کاروبار ہم کے لینے بھی بہ امر مناسب اور قرینت ہے۔ اسپر بادشاہ نے انکی خطا مافات کر دی۔ اور پہرے اٹھوا دیئے اور سنبھاجی پر بھی کچھ اور زیادہ انہار غنایات ہونے لگا۔ اور ارادہ تھا کہ چند روز بعد خود اسکو بھی حاضر دربار ہونے کی اجازت دیکر باعزاز و اکرم خست کر دیا جائیگا۔ مگر سیدواجی کو اپنی سابقہ اور حالیہ حرکتوں کے باعث اور بادشاہ کے ”قہ و غضب“ کو اندیشہ سے ایسی ہتھیلی تھی کہ جب اُس نے دیکھا کہ پہرے اٹھ گئے اور کچھ دیر بعد سب سنگھ نے بھی خواہ غفلت سے خواہ سازش سے نگرانی میں کوتاہی کی تو شاید بیستون صفر ۱۱۷۰ (ایکڑا چھتر) ہجری مطابق سال نہم جلوس عالمگیری کو بھیس بدل کر اگر وہ سے ایسا بھاگا کہ پھر کبھی قابو میں نہ آیا۔ اور جب آٹھ نو مہینے کے بعد خاجا نے کن کن حکمتوں اور تدبیروں سے اپنی اور اپنے بیٹے کی تلاش اور تعاقب کرنے لگا تو جان بچا کر ماہ دسمبر ۱۱۷۰ (سولہ سو چھیاسٹھ) عیسوی میں راجگڑھ واپس جا پہنچا۔

بقیہ حاشیہ سیاحی

اُس ملک میں انکا سکہ عموماً دیراھا مشہور تھا۔ اور اگرچہ ان کی حکومت تقریباً ۱۱۷۰ (بارہ سو چھاس) عیسوی میں جاتی رہی تھی مگر اس ملک کے سونے کے سکے بلفظ دیراھا کا اطلاق بعد میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ کمال الدین عبدالرزاق سمٹھانی نے جو نویں صدی ہجری مطابق ۱۱۷۰ (چودہ سو اٹھارہ) عیسوی میں سلطان شاہ نسخ والی خراسان کی طرف سے راجہ دیورا سے کے پاس (جسکو چلوکید خاندان سے کچھ تعلق نہ تھا) اسکی دارالحکومت دھجنگر

تہذیب سیدو اچھی

سے بنگالہ کی صوبہ داری پر بدل دیا اور بجائے اسکے شاہزادہ محمد معظم کو دکن کا صوبہ دار مقرر کر کے راجہ جی سنگھ کچھواہ کو جوبلیات اور داناہی میں مشہور اور ایک ہزار کن سلطنت تھا راجہ جسونت سنگھ کی جگہ جسکی نسبت سیدو اچھی کے ساتھ سازش کئے کا شبہ تھا اپنے جلوس کے ساتویں سال ۱۷۷۸ء (۱۱۸۲ھ) چوہدری جی میں مع دیلور خاں و راجہ رائے سنگھ سسودیہ اور اورڈوئس بارگاہ ہندو اور مسلمان بڑے بڑے سرداروں کے چوڑہ ہزار سواروں کی جمعیت سے روانہ کیا۔ خلاصہ یہ کہ راجہ جی سنگھ نے اورنگ آباد پہنچ کر اول شاہزادہ سے ملازمت حاصل کی۔ اور بعد ازاں پونا میں جا کر راجہ جسونت سنگھ سے ہم کا باج لیا اور قلعہ رودر مال وغیرہ خصوصاً سیدو اچھی کے کلاں تر قلعہ پورن دھڑ کو کہ جس میں اسکا بہت سا ساز و سامان اور چار ہزار اس کے سپاہی اور تین ہزار اور مرد و عورت اور بعض عزیز و اقارب اور کتنے ہی کار آزمودہ افسر موجود تھے زور شور سے دلیز کا اور کدیت سنگھ نے گھیر لیا سیدو اچھی جو اسوقت قلعہ راج گڈہ میں مع اہل و عیال خود موقعہ جنگ سے قریب ہی تھا حملہ آوروں کی شجاعت و لیاقت کے باعث پورن دھڑ کے بجائے یلوس ہو گیا اور مجبور ہو کر مجرور نیاز کا اظہار شروع کیا جسکے جواب میں راجہ نے یہ کہلا بھیجا کہ اگر مجرموں کی طرح اٹھیا رہو کہ حاضر ہو جاؤ اسکی اطاعت قبول کیجاگی غرض کہ جب وہ ۱۷۷۸ء (۱۱۸۲ھ) چوہدری عالمگیر کے آٹھویں سال جلوس میں اسطرح حاضر ہو گیا تو راجہ نے اسکی بہت خاطر کی اور اول قلعہ پورن دھڑ کو جو قریب الفتح ہو گیا تھا مع کل مسلمان جنگ وغیرہ اس سے لیکر آخر ان شرائط پر صلح کر لی کہ ملک کو کن کے پینتیس قلعوں میں سے جو اسوقت اس کے قبضہ میں تھے تینس قلعے مع بندر چول و علاقہات جمعی دس لاکھ ہٹن کے سرکار بادشاہی میں آگئے۔ اور

ہندوستان کے ساحل مغربی و جنوبی پر ملک کا وہ تنگ اور طولانی قطعہ جسکو کنھڑ کہا جاتا ہے اور شمال کی طرف علاقہ کوکن سے شروع ہو کر جنوب کی سمت میشور کے قریب ختم ہوتا ہے وہاں کی زبان میں جسے کنھڑی کہتے ہیں ہن یا ہونو سونے کو کہتے ہیں اور اسجگہ اس سے سونے کا تکہ مراد ہے۔ اور تعجب نہیں ہے

تہذیب سیدو اچھی

بقیہ حاشیہ سیواچی

باقیادہ بارہ قلعے ج علاقہ میں ایک لاکھ پن میں سیواچی کے پاس چھوڑے گئے اور اسکے مرثت سالہ بیٹے سنہاچی کے نام پر چھڑا دیئے۔ چھڑا دیئے سو اکر منصب عطا ہو گیا۔ اور سیواچی نے یہ بھی قبول کر لیا کہ اس فوج میں اگر کوئی ہمیشہ آئنگی تو بذات خود بادشاہی فوج میں شامل ہو کر خدمت کر دے گا۔ غرض کہ جب شریط سے ہو چکیں اور سنہاچی بھی راجہ کے لشکر میں پہنچ گیا تو سیواچی کو جو بغیر ہتھیار باز سے دربار میں آیا کرتا تھا راجہ سے سنگ نے اپنے سامنے ہتھیار بندھوا دیئے۔ اور خلعت دیکر عزت کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور چونکہ راجہ کو یہی جگہ سے بیجا پور پر فوج کشی کرنے کا حکم لگایا تھا۔ اس لئے سیواچی بذات خود مع پندرہ سو سواروں اور سات ہزار پیادوں کے اس ہم میں کام دیتا ہوا اور اگرچہ اس سے کچھ عرصہ بعد اسے اول سنہاچی کو عالمگیر کے دربار میں بھیجا اور راجہ جس وقت سنگ کی معرفت جان و عزت کی حفاظت اور جن سلوک کا وعدہ لیکر اور اپنی جگہ فوج کی سرداری پر اپنے داماد کو راجہ کے پاس چھوڑ کر دربار جن سالانہ کے موقع پر بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے بطور جیدہ اکبر آباد کو چلا آیا۔ اور بادشاہ کی طرف سے بھی یہ مدارات ہوئی کہ نو درام سنگ پر راجہ جی سنگ اور مخلص خاں نات ایک اور امیر اسکو استقبال کر کے دربار جن میں لائے اور بادشاہ کے حضور میں اس کے کھڑے ہونے کو بقول صاحب عالمگیر نامہ جگہ بھی

کہ فارسی اور بھاشا میں جو سین اور ہاء ہوز کہیں کہیں (مثل آماہیدن و آماہیدن - و ماہ و آس - و دہ و آس یا ہور و سور - و پس و پوہ و دیاس و بیاہ وغیرہ) ہم بدل بیا کرتے ہیں اس طرح اس لفظ میں سونے کا سین ہونے کو کہتے ہیں سے بدل گیا ہو۔ اگرچہ یہ امر تحقیق ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے ممالک دکن میں سکھ رائج الوقت سونے ہی کا ہوتا تھا۔ لیکن ٹھیک طور پر یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ بودھ مت والوں کے زمانہ میں یا اس سے پہلے ان سکوں کا عام نام کیا تھا۔ مگر البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی مسوی میں

بقیہ حاشیہ لفظی

تقریر حاشیہ دیواری

ایسی معقول دی گئی کہ جو امراء خاص کے لئے تھی اور اسی دن کچھ اذرا عزازو اکرام بھی ہو چکا تھے اور یہ امر مقرر ہو چکا تھا کہ چند روز حاضر دربار رکھ کر عزت و توقیر کے ساتھ خدمت کرو یا جائیگا۔ مگر اس اکٹھ مناج شخص کو اپنے کھڑے ہونے کی جگہ پر بعض مہربانوں کے نزدیک تیسرے درجہ کے ایئرین اپنی پیچہ زاری کے منصب والوں کے لئے مقرر تھی۔ اور اور روم درباری کچھ ایسی ناگوار اور اپنی عزت کے منافی معلوم ہوئے کہ اُسے کنور رام سنگھ کو ملندہ بجا کر اُسی وقت سخت شکایت کی اور بقول صاحب عالمگیر نامہ جو "توقعات بیجا و قاصدہ دوران کار و خیال اسے خام" پکارتے ہوئے تھے نہایت رنجیدگی سے اٹکا اٹھا کر کیا۔ اگرچہ بعض مہربانوں نے لکھا ہے کہ اُسکو مارے ریخ و غیرت کے دربار میں غشی ہو گئی تھی۔ مگر یہ قول کچھ مقبر نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ صاحب عالمگیر نامہ کو اسکے چھپانے کی حسب ظاہر کچھ فرقت نہ تھی، مختصر بادشاہ نے اس حرکت سے ناراض ہو کر بغیر من مراہم اعزاز و عنایت کے جو اس کے لئے تجویز ہوئے تھے حکم دیا کہ ڈیرہ کو چلا جائے اور کنور رام سنگھ کو جہاں کے معاملات میں متوسط تھا یہ ارشاد ہوا کہ اُسکو اپنے ڈیرے پاس (جو شہر سے باہر تھا) اُتار کر گرائی کر رہے۔ اور اُس کے بیٹے سنبھاجی کو جو منصب پیچہ زاری پر بدستور مامور تھا کبھی کبھی اپنے ساتھ دربار میں لاتا رہے اور اُس کے بھاگ جانیکے اندیشہ سے فولاد خاں کو توال کو حکم ہوا کہ اُس کے ڈیرہ کے

اُس خاندان کے راجاؤں نے جنگ و ڈاکڑ میڈی صاحب چلوکیہ لکھے ہیں جب اودہ سے جا کر دکن میں اپنی بادشاہی قائم کی تو بھیلان ملاٹوں کے جو بطور اپنے نشان کے وہ سگوں وغیرہ پر لگاتے تھے ویراہ کی تصویر (جو سنسکرت میں شوڈ کو کہتے ہیں خواہ ویراہ اوتار کی مناسبت سے یا کسی اور وجہ سے) اُس کے سگ پر نقش ہوا کرتی تھی۔ چونکہ اس خاندان کی شان و حکومت مدد راس - حیدر آباد دکن - اور بیٹی کے ایک بہت بڑے حصہ پر تقریباً آٹھ نو سو برس تک بڑی شان و شوکت سے قائم رہی تو اسوجہ

تقریر حاشیہ دیواری



بقیہ حاشیہ سیواچی

اور گرد پہرے لگا دے۔ اور راجہ جج سنگھ کو کہ جسکی وساطت سے وہ حاضر ہوا تھا لکھا گیا کہ اسکے معاملہ میں جو مناسب جانے رہو پڑ کرے۔ اس عرصہ میں اگرچہ سنبھراجی و ربار میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ مگر سیدو اچھی کو ایسا ہمیں غالب ہوا کہ وہ سب ہوا اسکے باغ سے نکل گئی اور اُس کے پاس جا جا کر گر کر لگا لگا۔ اسی افشار میں راجہ جج سنگھ کا جواب بھی آگیا کہ چونکہ میں اسکے ساتھ عدم کرچکا ہوں اور ہنوز بیجا پور کی ہم میں مشغول ہوں اگر درگزر کیجائے تو اس میں میری بھی سرخروئی ہے۔ اور کاروبار ہم کے بیٹے بھی ہم امر مناسب اور مصلحت ہے۔ اسپر بادشاہ نے اسکی خطا صاف کر دی۔ اور پہرے اٹھوا دیئے اور سنبھاجی پر بھی کچھ اور زیادہ انہار غنایات ہونے لگا۔ اور ارادہ تھا کہ چند روز بعد خود اسکو بھی حاضر دربار ہونے کی اجازت دیکر باعزاز و اکرام خصمت کر دیا جائیگا۔ مگر سیدو اچھی کو اپنی سابقہ اور حالیہ حرکتوں کے باعث اور بادشاہ کے ”تہ و غضب“ کی اندیشہ سے ایسی ہتھکڑی تھی کہ جب اُس نے دیکھا کہ پہرے اٹھ گئے اور کچھ دیرام سنگھ نے بھی خواہ غفلت سے خواہ سازش سے نگرانی میں کوتاہی کی تو سائیسویں صفر ۱۱۷۱ھ (ایکڑا چھتر) ہجری مطابق سال نہم جنیس عالمگیری کو بھیس بدل کر اگر وہ سے ایسا بھاگا کہ پھر کبھی قابو میں نہ آیا۔ اور جب آٹھ نو مہینے کے بعد خدا جانے کن کن حکمتوں اور تدبیروں سے اپنی اور اپنے بیٹے کی تلاش اور تعاقب کرنے لگا تو جان بچا کر ماہ دسمبر ۱۱۷۱ھ (سولہ سو چھیاسٹھ) عیسوی میں راجگڑھ واپس باہر بھاگا۔

بقیہ حاشیہ سیواچی

اُس ملک میں ایسا سکھ ہوا و دیواھا مشہور تھا۔ اور اگرچہ ان کی حکومت تقریباً ۱۱۷۱ھ (بارہ سو چھاس) عیسوی میں جاتی رہی تھی مگر اس ملک کے سونے کے سکے برلفظ دیواھا کا اطلاق بعد میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ کمال الدین عبدالرزاق سمہ قلعی نے جو نویں صدی ہجری مطابق ۱۱۷۱ھ (چودہ سو اٹھاس) عیسوی میں سلطان شاہ رخ والی خراسان کی طرف سے راجہ دیو داس کے پاس (جسکو چلوکیہ خاندان سے کچھ تعلق نہ تھا) اسکی دارالحکومت دھجنگر

قیاس فیض

توفیق اُسکا زیادہ سے زیادہ ہو گیا۔ بہانہ کہ اُس نے تیرہویں سال جلوس مطابق  
سندھ (ایکھڑا تھی) ہجری میں نہ صرف ہندوؤں کو ہی لوٹا اور جلایا بلکہ اکثر  
قلعے وغیرہ بھی جو اُس سے چھین لیے گئے تھے اُنہی بھی بھر قابض ہو گیا۔ اور  
جو کہ وہ کسی طرح بادشاہی فردوں کے قابو میں نہ آتا تھا اور رنگ زیب نے وہ دیکھ کر  
اُس مناسبت سے کہ اُس ملک کے پہاڑوں اور جنگلوں میں جو ہرے بہت کثرت  
سے ہوتے ہیں اُسکا نام "موش کوہی" رکھ دیا تھا۔

اس نے عالمگیر کے جلوس کے تیئیسویں سال میں چھٹیوں سے جغرافیہ  
سندھ (ایکھڑا تھی) ہجری کو (حسب قول مصنف مائٹ عالمگیری) و بقول الفسٹن  
صاحب پنجم اپریل سندھ (سولہ سو اسی) عیسوی کو تیرہویں برس کی عمر میں اجلہ  
میں جو اُسکا دارالریاست تھا انتقال کیا۔ اسکی موت کا باعث مائٹ عالمگیری میں یہ  
لکھا ہے کہ "کہیں سواری سے اگر شدت گرمی سے دو دن خون کی نفع کی  
اور مر گیا" اور انسائیکلو پیڈیا میں اُسکا مرنا ذات الصدہ کی بیماری میں اور  
مرہٹوں کی تاریخ میں مرنے سے پہلے وجہ المغاصل یا نفوس کے باعث کھٹنوں  
کے درد اور تب میں اُسکا مبتلا ہونا لکھا ہے۔

میں مغارت پڑا تھا اپنی کتاب مطلع السورین و مجمع البحرین میں وجہ لنگر  
کے عظیم الشان راجہ کے سکے کا نام دیا تھا ہی لکھا ہے۔ اور وزن اسکا ایک  
مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) بتایا ہے۔

اغلب ہے کہ جب مسلمانوں کی حکومت دکن و مدداس میں قائم ہوئی  
تو دیواہ (سور) کے لفظ کو مکروہ سمجھ کر اس سکے کو اسکی جگہ کے نام سے بجائے  
دیواہا کے ہٹن کہنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ فی زمانہ بجا خدا کے سونے کے  
سکے کو عموماً طلا کہتے ہیں۔ غرض کہ دکن میں زمانہ دراز سے ہندوؤں کے تحفظ و  
سونے کے سکوں کا نام ہٹن ہے۔ مگر اقوام یوڈپ اور اہل اسلام کے سکوں  
کی طرح انہی اکثر صاحب سکے کا نام اور سال مقام ضرب نہیں ہوتا۔ ایسے ان سے

قیاس فیض

بقیہ حاشیہ سیوا جی

انتقال کے وقت اسکی حکومت چار سو میل طول اور ایک سو گیس میل عرض کے قطعہ زمیں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور راج ملک کی رسم باقاعدہ اور ازادانہ طور پر بڑی شان و شوکت سے ادا کر کے خود سر راجہ بن چکا تھا۔ جبکہ چھٹی جون ۱۸۵۷ء (سولہ سو چہتر) عیسوی کو ایسٹ انڈیا کمپنی انگریزی کے کارخانہ بدیشی کے ایک ایجنٹ نے جو مبارکباد دینے کے لئے اپنی بنگلیا تھا بچشم خود دیکھا تھا اور اُس نے ایک ایسی مستقل اور دیر پا حکومت قائم کر لی تھی اور اپنی قابلیت اور تدبیروں سے پورٹیکل اغراض کو مذہبی تعصبات کا رنگ چڑھا کر اور ملاح لوگوں کو ایسے اشارے اور کرشمے دیکھا کر جس سے معلوم ہو کہ اُسکے حال پر دیوی دیوتاؤں کی طرف سے بھی دیا کی نگاہ ہے۔ جیسا کہ دنیا کے اکثر حصوں میں ہوتا رہا ہے اپنے ملک کے بھوکے اور جاہل باشندوں میں ایک ایسی سپاہیانہ امنگ اور مذہبی جوش پیدا کر دیا اور اپنے ملک کے گناہم باشندوں کا پیشرو بنکر انکو بہادر اور جنگجو قوم مرہٹہ کے نام سے ہندوستان کی تاریخ میں نامور اور مشہور کر دیا۔ اور ایک ایسی بنیاد ڈال گیا جو اُسکے پیچھے آنے والوں کے لئے مصلحت سلطنت کے ضعف کے زمانہ میں ملک و حکومت حاصل کرنے میں بہت ہی کار آمد ہوئی۔

بقیہ حاشیہ سیوا جی

علم تاریخ کے لئے چندان فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور اگر یہ ان سکوں کا مقدار وزن کیس قدر مختلف رہا ہے اور ایک بڑے مقدار کا سکہ دایم نگہ کے نام سے بھی مضروب ہو چکا ہے۔ مگر اکثر یہ وزن اس سکہ کا قریب ایک تہائی مروجہ شرفی کے رہا۔ چنانچہ ایک ہن جو ہمارے کونفرامولوی چلچل عیلتاں صاحب بہادر عہدہ دار گورنمنٹ نظام نے مع بعض کوائف تاریخی متعلقہ سکہ ہن کے حیدر آباد دکن سے بھیجا ہے۔ اسکا وزن ساڑھے تین ماشہ ہے اسکے رد کی طرف تین ہندوستانی مورتیں ہیں جنہیں سے ایک بچ کی بڑی اور دو آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اور پشت کی جانب صرف بائیں بائیں دانے یا نقشے سے ہیں اور اسکا قطر انگریزی دو انچی سے کچھ کم ہے اور سیر

عالمگیر نامہ وغیرہ فارسی تاریخوں میں جو اسکے مخالفوں کی لکھی ہوئی ہیں جہاں اسکی  
مکاری اور غارتگری اور ظن و فزیب وغیرہ کی جو لکھی ہے اسی کے ساتھ اسکی سچی  
چالاک کی اور بچہ دلاوری و جراثیم کا بھی اقرار کیا ہے۔ اور الفنسٹن صاحب لکھتے  
ہیں کہ بجا طاس وقت کے اسکا ملکی اور فوجی انتظام دونوں عمدہ تھے۔

بقیہ حاشیہ سیواچی

ستہ بہر کف قدر متدرب یعنی کچھ اُبھرا ہوا ہے۔ اور ایک اُوڑھن جو ہمارے کرمزرا  
کرنل سی۔ ایچ۔ ٹی۔ مارشل صاحب بھادرنے حیدر آباد ہی سے بھا  
ہے اُس سے چھوٹا ہے۔ اور اسکے نقوش بھی اُس سے مختلف ہیں۔ یعنی  
رو کی طرف گروڈ پرندہ (نیکلنڈ) بنایا ہوا ہے۔ اور اسکی دونوں چونچوں اور  
دونوں پنجوں میں ہاتھی لگتے ہیں۔ اور پشت کی جانب سنکرت کے کچھ حروف  
میں اور حسب ظاہر شکل اسکی مطابق اُس نقشہ کے پائی جاتی ہے جو ڈاکوٹ میڈی نے  
راجہ دیورائے وجے نگر داس کے ایک سنگ کا اپنے مضمون کے خاتمہ میں چھاپا  
ہے۔ جب پرتگیزیوں۔ ڈچوں۔ انگریزوں نے ہندوستان کے  
ساحل جنوبی و مغربی پر ابتدائے دخل پایا۔ تو بعض راجاؤں کے ہنروں پر مندر کی  
صورت مضروب دیکھ کر انہوں نے بجائے اپنے ناموں و پراہا یا ہن کے عموماً  
اسکا نام پیگوڈا رکھ دیا۔ جسکو بعض انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ بتلکہ کی خرابی بتایا  
ہے۔ لیکن بارٹال میونائے ایک یورپین محقق تیار نے جو مدد اس میں  
ششہ (سترہ سو چھتر) عیسوی سے لیکر ششہ (سترہ سو نواسی) عیسوی تک لکھا  
اسکی اصل یہ بتائی ہے کہ بعض پر "ہلگوئی یا بھگوڈی (دیوی) کی تصویر مورتی  
تھی۔ اسوج سے اسکو بھگو تید یا بھگو دتہ کہتے تھے تو ان نووارد فرنگیوں  
نے اسکو پیگوڈا بنالیا۔ بہر حال حیدرنا ایک اور اسکے بیٹے سلطان شیو  
کے زمانہ میں بھی ہن مضروب ہوتے تھے جو بہادری اور سلطانی ہن  
کہلاتے تھے۔ اور آئریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی دکن کی کٹالوں میں بھی  
برابر ششہ (اٹھارہ سو اٹھارہ) تک پیگوڈا مضروب ہوتے رہے۔

بقیہ حاشیہ سیواچی

بقید شمشیر سیوا جی

اور انسان کو پیڈیا میں لکھا ہے کہ اسکی حکومت کا کل زمانہ مسلسل پڑائیوں اور پولیٹیکل سازشوں کا ایک ایسا منظر ہے کہ جیسے وہ ایک نہایت ہوشیار جنرل اور ایک قابل مگر سنگار تیر کی سی لیاقتیں ظاہر کرتا رہا۔ اور ہر ایک خوفناک ضرورت کے وقت خواہ وہ کیسے ہی انتہا درجہ کی اور کیا یک پیش آئی ہو اسکی شجاعت و جرات میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ بلکہ فی الغور اسکا ایسا تذکرہ کرتا جو عین موقعہ وقت کے موافق ہوتا۔ اور کسی جان جو کھوں میں پڑتے وقت موت و زندگی کی اسکو مطلق برافروہتی تھی۔

خلاصہ یہ کہ حضرت محمد اللہ بنی اورنگ زیب عالمگیر دہلی سے اور سیوا جی محلہ سراج اپنے اپنے طور پر دونوں ہی عجیب و غریب شخص تھے۔ اور اگرچہ مختلف قابلوں میں ڈھلے ہوئے تھے مگر مادہ ایک ہی تھا۔  
س م ح

بقید شمشیر سیوا جی

اور سرکاری حساب کتاب اولین دین میں بھی بجائے رویہ کے پیگوڈا ہی کا چلن تھا۔ مگر ۱۸۱۹ء (۱۲۳۷ھ سوائیس) عیسوی سے حکام انگریز نے آخر کار سب اُس غلامی سکہ کے رویہ کو تمام ہندوستان کے لیے سکہ رائج الوقت قرار دیا اور دیراھا۔ ہن۔ پیگوڈا۔ سب متروک ہو کر انکے نام کتابوں میں لکھنے کو رکھے۔

خط مولوی چمن انصاری علیہ السلام

عہدہ دار گورنمنٹ نظام۔

جبھی مسٹر چارلس راجس جسے سابق پرنسپل شری نائل کول امرتسر حال از جیو لاجی کل سرور۔

ماخوذ از

رسالہ ڈاکٹریٹ ڈی صاحب سرجن میجر سوپرٹنڈنٹ عجائب دہلی  
مندرجہ جنرل انشیاٹک سوسائٹی بنگال مطبوعہ ۱۳۴۷ء جلد ۳  
صفحہ اول نمبر اول۔  
س م ح

شاہ جہاں کی وفات کا ذکر میں ابھی گولکنڈا ہی میں تھا کہ شاہ جہاں کے انتقال کی خبر سنی گئی اور یہ بھی سُننے میں آیا کہ درنگ زیب نے باپ کے مرنے کا بڑا غم کیا اور سوگ کی وہ تمام علامتیں ظاہر کیں جو بیٹے کو باپ کے ماتم میں کرنی چاہئیں۔ اور فوراً لگی کو کوچ کر دیا۔ اور وہاں پہنچنے پر بیگم صاحبہ نے بڑی دھوم سے اُسکا استقبال کیا اور کمخواب کے تھکان لگنا کہ بادشاہی مسجد سجائی گئی۔ اور اسی طرح وہ مکان بھی سجایا گیا جہاں قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ اور جب محل میں پہنچا تو شاہزادی نے ایک بڑا سا سونے کا تھال جواہرات سے بھرا ہوا نذر کیا جنہیں سے کچھ تو شاہ جہاں کے متروکہ تھے اور کچھ اُس نے اپنے پاس سے پیشکش کیے تھے۔ بہن کی طرف سے یہ گر مجبوشی اور محبت کا برتاؤ دیکھ کر اورنگ زیب کا بھی دل سیج گیا۔ اور اُس نے اُسکی گزشتہ باتوں سے درگزر کی۔ اور اُسوقت سے اُسکے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے پیش آتا ہے۔ ۷

۷ شاہ جہاں کی وفات کا احوال جو کچھ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے اُسکا حاصل یہ ہے کہ اس قیدی بادشاہ کو بارہویں رجب ۶۵۸ (ایکڑ چہتر) ہجری کو صوبہ مل کا دہی پُرانا عارضہ جسکو مرض الموت کہنا چاہیے پھر لاحق ہوا۔ حکیم مومناسے شیرازی نے جو اُسوقت کے شاہی طبیوں میں ایک مشہور شخص تھا ہر چہ نہ علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ اسہال وغیرہ کئی طرح کے اُور عوارض پیدا ہو کر زندگی سے یاس ہو گئی۔ جب یہ خبر عالمگیر کو پہنچی تو باپ کی آخری زیارت کو دلی سے آگوا جانے کا ارادہ کیا۔ مگر چونکہ بادشاہی کوچ و مقام کے لئے

خانہ اور اورنگ زیب  
کی نسبت مصنف کی رائے

اب میں اپنی تاریخ کو ختم کرتا ہوں۔ جن جن  
ذریعوں سے اورنگ زیب نے یہ عروج  
اور اقتدار حاصل کیا یقیناً ناظرین انکو بہت نایند کریں گے کیونکہ وہ حقیقتاً جڑ  
اور نامنصفانہ تھے۔ لیکن شاید یہ ناانصافی ہوگی کہ ہم انکو اسی سخت نظر سے  
جانچیں جس سے اپنے ملک یورپ کے شاہزادوں کے افعال کو جانچتے  
ہیں۔ کیونکہ ہمارے ملک میں جانشینی کے لئے معقول قواعد مقرر ہیں

دستور سلطنت کے موافق نہایت بھاری سامانوں کی ضرورت تھی اسلئے باوجود تاکہ  
اختصار سامان کے بھی چند روز کا توقف ہونا ضروری تھا۔ اسوجہ سے اپنے بڑے بیٹے معظم  
کو اپنی روانگی سے پہلے احتیاطاً جلدی سے روانہ کر دیا ابھی شاہزادہ اگرہ سے سات  
کوس اس طرف ہی تھا کہ مشاہد جہاں پر حالت نزع طاری ہو گئی۔ اور جھیلوں رجب  
شب یکشنبہ کو آدھی رات سے پہلے انتقال ہو گیا۔ بیجاری مصیبت زدہ بیگم صاحبہ نے  
جو باپ کے ایام قید میں ایک ہی اسکی غمخوار اور بیخ ورت کی شریک تھی رخصلا نماز  
قلعہ دار اور بھلولی خواجہ سرکوجہ قیدی بادشاہ اور قلعہ کے محافظ تھے مکان معروف  
غسلخانہ میں طلب کر کے اور اگلی صوفت اسوقت قلعہ کے دروازوں کی کھڑکیاں کھلو کر  
غسل و کفن کی تیاری کے لئے سیپہ محمد قنوجی کو جو بڑے عالم اور درویش  
مسک تھے۔ اور اس قید کے زمانہ میں اکثر مشاہد جہاں کی صحبت میں رہا کرتے تھے  
مع ملا قوبان قاضی داراغلخانہ اگرہ قلعہ میں بلوایا۔ چنانچہ آدھی رات کی وقت  
جب وہ دونوں حاضر ہوئے تو قضاے روزہ و نماز کے عوض (اگرچہ بقول صاحب  
عالمگیر نامہ اسکی نماز و روزہ کبھی قضا نہ ہوئے تھے) برسم اسقاط اول بہت سارے  
خیرات کیا گیا۔ اور بعد نماز سچ مثنیٰ سے کہ جہاں انتقال کیا تھا لاش کو اٹھا کر ایک  
قریب کے مکان میں غسل و کفن دیکر مندل کے نابوت میں رکھا گیا۔ اور برج مثنیٰ  
کے نیچے کا دروازہ جو سد و دکیا ہوا تھا کھلوا کر اسے رات سے اور فیصل بیرونی کے

بقیہ خانہ کی صفحہ ۳۶۲

اور بڑے بیٹے کے سوا کوئی جانشین نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہندوستان میں باپ کے بعد شاہزادوں میں سلطنت کے لئے ہمیشہ جھگڑا ہوتا ہے اور ان دو بیرخانہ باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی پڑتی ہے۔ سلطنت کی خاطر خود سربان ہو جائیں یا بھائیوں کو سربانی بنائیں۔ تاہم ان

اُس دروازہ سے جو اُس کے محاذی تھا جنازہ کو باہر لائے اور ہوشدار خان صوبہ دار نے مع اور بادشاہی ملازموں کے ساتھ ہو کر ”بائیں شاہ“ (یعنی مراسم اغراض و احتیاط شہانہ کے ساتھ) علی الصباح جھنا کے کنارہ جا پہنچا یا اور دریائے پار ہو کر سید محمد قنوجی قاضی قربان وغیرہ علماء و صلحا نے جنازہ کی نماز پڑھ کر اُس کی زوجہ ممتاز الزمانی اور چند بانو بیگم معروف بہ تاج محل کے مقبرہ میں کہ جسکا حال اس کتاب کے بعض اور مقامات میں مفصل درج ہو دفن کر دیا۔ کہا ہے کہ اورنگ زیب کو جب باپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو بہت رونا اور سوگاری کی اور رسموں کے علاوہ اُس نے اور تمام اہل دربار نے جیسا کہ اب بھی ہندوستانی ریاستوں میں دستور ہے لباس سفید پہنا۔ اور سیوار می کشتی دھلی سے آگے پہنچ کر زیارت قبر کے وقت بھی بہت سا گریہ و بکا کیا۔ اور مجالس مولود اور غم و فاقہ جیسا کہ بادشاہوں کی وفات کے موقع پر دستور تھا منعقد کر کے دھوم دھام سے خیر و خیرات کی۔ اور اپنی غمزدہ بڑی بہن بیگم صاحب کے پاس بھی کئی قلعہ میں گیا۔ اور نہایت تسلی و تشفی کی بلکہ ہندو بڑے ہکر خاطر و مدارات کی کہ تمام اہل دربار کو حکم دیا کہ انکی دیودھی پر حاضر ہو کر نذرین پیش کریں۔ چنانچہ جب ایسا ہی ہوا تو بیگم صاحب نے بھی جو دریا دلی اور فیاضی میں مشہور اور بڑی ہی جبر و جبر شہزادی تھی تمام اہل دربار کو عموماً انڈیا کے منصب تک، بھاری بھاری خلعت مرحمت کیئے اور اسکے بوجب اورنگ زیب پھر ملنے کو گیا تو رسم پاسے آواز و رسم نثار بجا کر ایک نہایت قیمتی پیشکش جسکا بدلیو نے اشارہ کیا ہے نذر کیا۔ اگرچہ صاحب

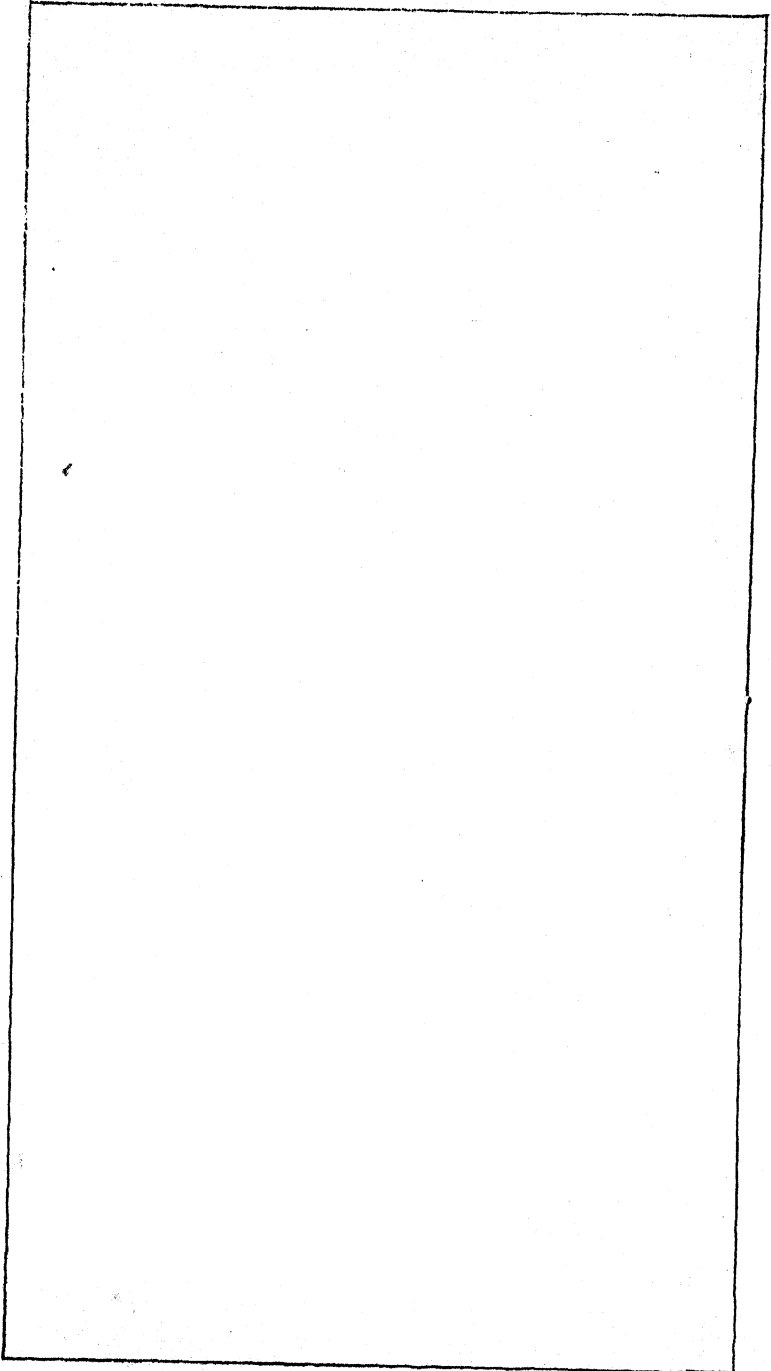
فیض الحاشیہ صفحہ ۳۶۲



لوگوں کو بھی جو ملک کے دستور اور رسم خاندان اور تعلیم و تربیت کے اثر کے عذر کو قبول نہیں کرتے یہ تو مانا ہی پڑ گیا کہ اورنگ زیب کو خدا نے مستثنیٰ طور کی عقل و فکر اور اتعالیٰ فرہن عطا کیا ہے۔ اور یہ کہ وہ بڑا ہی مدبّر اور عالی شان بادشاہ ہے۔ فقط

عالمگیر نامہ اس امر کو نہیں لکھ سکتا تھا کہ شاہ جہاں کا جنازہ شانہ و عتہ نام سے نہیں اٹھایا گیا۔ اور ایسے سادہ طور سے دفن کیا گیا جو اسکے مرتبہ کے شایاں تھا اور یہ عمل خواہ عالمگیر کے حکم سے ہوا ہو خواہ قلعہ دار و صوبہ دار کی کم نہی سے کر دیا۔ علیٰ صلح نے اس امر کو بہت ہی رنج و افسوس کے ساتھ عبرت ناک الفاظ میں بتایا ہے۔ اور چونکہ شاہزادہ محمد معظّم (مبوجب بیان مندرجہ عالمگیر نامہ) شاہ جہاں کے انتقال کی وقت اگرچہ سے صرف سات کوں کے فاصلہ پر ہوا تھا اور ابھی بچپن ہی تھا کہ جنازہ بہت سویرے ہی دفن دیا گیا۔ تو اس سے مضف علیٰ صلح کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال اورنگ زیب کے جلوس کے آٹھویں سال (۱۶۵۷ء) (ایکڑا بیچتر) ہجری کے ماہ رجب میں بجایے شاہ جہاں نے جو ہندوستان کے نہایت نیک نام بادشاہوں میں سے تھا چھتر برس ترقی پہنچے شائیں دن کی عمر میں بحساب قمری اور تین دن کم چھتر برس کی عمر میں بحساب شمسی قلعہ آگرہ میں آٹھ برس کے قریب قید کر قید گاہ سے رانی پانی جس میں سے انہیں آٹھ برس دو پہنچے تین دن بحساب قمری اور تین برس چار پہنچے اٹھارہ دن بحساب شمسی تحت نشین رہا۔ فقط صاحب عالمگیر نامہ نے اسکے سال انتقال کی نسبت اپنی تصنیف کی ہوئی ایک تاریخ لکھی ہے جسکو ہم بھی پریمون سمجھا اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

چوں شاہ جہاں مدبوہ قدسی ملکات  
برفاست بجزم غمی از تخت حیات  
جسم از عقل سال تا بخشش را  
گفتا فردم شاہ جہاں کرد وفات



مصنف کا عریضہ مانشیور کول برٹ <sup>Col Bert</sup> وزیر فرانس کے  
نام جس میں مفصلہ ذیل اُمور کا دلچسپ بیان ہے۔

ہندوستان کی وسعت۔ سونے چاندی کا اہلک میں پہنچکر ہیں کھپ جانا۔ ملک  
کی دولت مند سی۔ سپاہ۔ انتظام عدالت۔ ایشیائی سلطنتوں کے زوال کے پہلی سبب

خداوند من۔ ممالک ایشیا میں اُمرا اور حکام کی خدمت  
میں کوئی شخص حالی ہاتھ نہیں جاتا۔ چنانچہ شہنشاہ نعل کے دامن قبلا کو بوجہ  
دینے کا اعزاز جب نجلو حاصل ہوا تو سینے بھی نذر کے طور پر جو تعظیم کی ایک  
علامت ہے آٹھ روپیہ پیش کیے تھے۔ اور ایک نائف کیس۔ ایک کانٹا  
اور کھربا کے دستہ کا ایک قلم تراش فاضل خاں کی نذر کیا تھا۔ کیونکہ نانیہ مور

یہ عالی منزلت شخص جس کا پورا نام <sup>Jean Baptiste Colbaret</sup> جی آں بیپ شٹ کو لبرٹ ہے اور مارکوش  
آفس سگنی لے کے خطاب سے مخاطب تھا فرانس کے وزیر میں ایک ایسا ہادر  
<sup>Marequis of signelay</sup> مہر سلطنت ہو کر رہا ہے کہ ایسے لائق فائق وزیر کم ہوتے ہیں اسلئے اگر سولہ سو اُنیس  
میں بمقام دیور میں پیدا ہوا تھا اور کہتے ہیں کہ اس کے بزرگ دراصل سکاتلینڈ کے

شاہان منلیہ جو جلال و عظمت اور ترف کے اظہار کے لئے دیوان علم کے شہنشین میں زمین  
سے کئی اٹھ اونچے ہو کر تخت پر بیٹھتے تھے دامن قبلا وغیرہ کو بوسہ دینے کی رسم اُن کے  
دربار میں تھی چنانچہ بعض سفیروں کے حاضر و بار ہونیکے چشم دیدہ حالات جو خود مصنف نے

شخص وزراء سلطنت میں سے تھا۔ بڑے بڑے کام اسکے متعلق تھے اور طبیعوں کی ذیل میں میری تنخواہ کا تجویز کرنا اسی کی رائے پر منحصر تھا۔ اگرچہ میری یہ مجال نہیں ہے کہ فرانس میں کسی نئی رسم کو جاری کرنے لیکن جبکہ میں ہندوستان سے مدت کے بعد ابھی واپس آیا ہوں تو یہ امر خلاف توقع ہے کہ میں اُس دستور کو جس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں ایسی جلدی سے بھول جاؤں پس اگر میں اپنے بادشاہ کے حضور میں جس کا ادب میرے دل میں نسبت اور نگ زیب کی تعظیم کے اور ہی قسم کا ہے یا اسکے وزیر کی خدمت میں جو فاضل خاں کی نسبت بہت زیادہ ادب کا مستحق ہے بغیر ایک

رہنے والے تھے اور کسی اتفاق سے فرانس میں جا رہے تھے۔ اسکا دادا شراب کا سوداگر تھا۔ مگر اسکا باپ کچھ عرصہ کے بعد بیہوش چھوڑ کر لوگری پیشہ ہو گیا تھا کولونٹ نے بعد تحصیل علوم و فنون بذریعہ اپنے برادر نسبتی کے جو اسوقت فرانس کا (منسٹر آفٹ) یعنی وزیر السلطنت تھا۔ امور سلطنت میں دخل پایا۔ اور رفتہ رفتہ حسن لیاقت اور کارگزاری اور ایمانداری کے باعث لوٹیشن چار و ہم کا جو اسوقت کے یورپین بادشاہوں میں نہایت ہی نیک نام بادشاہ تھا وزیر ہو گیا۔ اس خوش تدبیر شخص نے اپنے عہد وزارت میں انواع و اقسام کی ایسی عمدہ عمدہ اصلاحیں کیں اور ایسے مفید قاعدے اور قانون جاری کیے کہ جن سے حقیقتاً اسکی قوم اور سلطنت کو بڑی ہی ناموری اور ترقی حاصل ہوئی۔ (از انسائیکلو پیڈیا اٹالیکا) س م ح

اسی کتاب میں لکھے ہیں اُس نے بھی یہی ظاہر ہے کہ ایسا دستور تھا اور درحالیکہ برابر کے باغیاں کے سفیروں کو بھی اسقدر قرب نصیب نہ تو غریب ہندو کو یہ رقم کہاں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اسوقت دربار فرانس میں کوئی ایسی تعظیمی رسم ہوگی جسکے لحاظ سے مصنف نے شرف باقی اس عام مطلب کو بجا ان الفاظ خاص میں استعمال کیا ہوگا یا ایک ایسا مسلمان بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی رسم کو جسکے درباری آداب رسوم سے مصنف کے ہونٹوں کو واقفیت تھی اسوجہ سے ان لفظوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ نمبر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ نمبر

حقیر پیشکش کے جو پیش کر چو اے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی ندرت کے اعتبار سے قابل قدر و قیمت پہنے حاضر ہونے میں تامل کروں تو مجھے اُمید ہے کہ معاف کیا جاوے گا۔

ہندوستان کا گزشتہ انقلاب جو عجیب و غریب حادثوں پر مشتمل ہے ہمارے عظیم الشان بادشاہ کی توجہ کے لائق ہے۔ اور یہ عریضہ جمیل السی بڑی ٹی بی بین مندرج ہیں اسکا ملاحظہ فرمانا اُس رتبہ کے شایان ہے جو ایک دودار شاہی میں حاصل ہے اور بیشک اسکا ایسے ہی شخص کی خدمت میں پیش کیا جانا زیادہ تھا جسکی خوش تدبیری سے سلطنت کے بہت سے صیغوں کا جو میرے جیسے وقت نا قابل علاج حالت میں پڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے نہایت عمدہ طور پر انتظام ہو گیا ہے۔ اور جس نے اپنی کوشش اور محنت سے ہمارے بادشاہ کی شان و عظمت کو تمام عالم میں پھیلا دیا اور یہ نہایت کر دیا ہے کہ قوم فرینچ اُن باتوں کو کس قلبیت سے عمل میں لاتی ہے جو اُس کے فوائد اور نام آوری کی خاطر تجویز کی جائیں۔

میں بیان کیا ہو گا کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں اُنکی تہن و غیرہ کو بوسہ دینے کی رسم تھی جسکی تاریخی حالات سے اہل یورپ اکثر واقف تھے۔

☆ صفحہ گزشتہ اور اس صفحہ کے اُن الفاظ سے جنہر خط ہے۔ اور بادشاہ اور وزیر و وزیر کو علیحدہ علیحدہ نذریں دینے کی مندرجہ ہمد و تمہید سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کا یہ پہلا حصہ جس میں شہا جہاں کے بیٹوں کی لڑائیاں اور انقلاب سلطنت کے واقعات لکھے ہیں اپنے بادشاہ کو نذر کیا۔ اور پہنچا اُسکے وزیر کو۔

**خداوند من** - میں ہندوستان سے بارہ برس کے واپس آیا ہوں۔ اور میں وہیں تھا کہ فرانس کی خوشحالی اور اُس نیکنامی کی شہرت بخوبی سُن لی تھی جو اپنے اپنی غیر منقطع توجہ اور نمایاں قابلیتوں سے اُسکو ترقی دینے میں حاصل کی ہے۔ اگرچہ فرانس کی خوشحالی اور اُسکی نیکنامی کا دلچسپ مضمون میں بڑے شوق و رغبت سے لکھتا۔ لیکن تمام عالم جن باتوں کا پہلے ہی معترف اور تراج ہو وہ میرے بیان کی محتاج نہیں ہیں اسلئے بہتر ہے کہ اپنے وعدہ کے موافق صرف وہی غیر معلوم اور نئی باتیں لکھ کر ذکر کروں جن سے ہندوستان کی واقعی حالت کا نقشہ کسی قدر آپ کے خیال عالی میں آسکے اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھی زیادہ تر اسکی کو پسند فرمائینگے۔

ہندوستان کی وسعت کا بیان [ممالک ایشیا کے نقشوں سے ظاہر ہے کہ سلطنت

مغلیہ جو سلطنت ہند کے نام سے مشہور ہے کیسا لمبا چڑا ملک ہے۔ اگرچہ میں نے قواعد مساحت کے موافق صحیح طور پر پیمائش نہیں کی لیکن ایک معمولی سفر کی مسافت کا اندازہ کر کے اور یہ دیکھ کر کہ گولکنڈے کی سرحد سے غزنویں بلکہ اُس سے بھی پرے قندھار کے قریب تک جو سلطنت ایران کا پہلا شہر ہے تین مہینے کا سفر ہے یہ حساب لگایا گیا ہے کہ ان دونوں مقاموں میں ڈیرہ ہزار میل سے کم فاصلہ نہیں ہے۔ یعنی جس قدر پیرس اور لائسن میں فاصلہ ہے اُس سے گچھنا سمجھنا چاہیئے۔

ہندوستان کی قدرتی اور مصنوعی چیزیں۔ یہ امر قابلِ محاط ہے کہ اس ملک کا ایک بڑا حصہ نہایت زرخیز ہے۔ مثلاً ایک بنگالہ ہی ایسا ہے

جو نہ صرف باعتبار گہول اور چاول وغیرہ اشیاء کے محتاج کی پیداوار کے مصر سے افضل ہے بلکہ بلحاظ ریشم روئی اور نیل وغیرہ بیشمار تجارتی جنموں کی پیداوار کے بھی جو مصر میں پیدا نہیں ہوتیں اُس سے کہیں بڑھ کر ہے اسکے علاوہ ہندوستان کے اُور حقے بھی بخوبی آباد ہیں اور زراعت بھی خاصی ہوتی ہے اور اگر جہاں کے اہل حرفہ بالطبع کامل ہیں مگر تاہم کچھ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً قالین کنخاب چکن۔ کارچوبی اور زردوزی وغیرہ کے کام اور اُور قسم کی ریشمی اور سوتلی چیزیں جو ملک کے اندر برتی جاتی یا باہر کو بھیجی جاتی ہیں بناتے رہتے ہیں۔

یہ امر بھی نذر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ سونا چاندی دنیا میں پھر پھر اگر جب ہندوستان میں پہنچا ہے تو یہیں کھپ جاتا ہے۔ چنانچہ افریقہ

غیر ملکوں سے سونے چاندی کے ہندوستان میں آنے اور یہیں کھپ جانے کا سبب

جو روپیہ اگر فرنگستان کے ملکوں میں پھیلتا ہے اُس میں سے کیتھرتوان چیزوں کے مبادلہ میں جو ٹرکی (روم) سے آتی ہیں مختلف ذریعوں سے ٹرکی میں چلا جاتا ہے۔ اور کیتھرت بندرگاہ سمیرنا کے راستے سے ایران میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں سے ریشم فرنگستان میں آتا ہے۔ اب ٹرکی کا یہ حال ہے کہ وہاں کے لوگ قہوہ کے بغیر نہیں رہ سکتے جو بمبئی سے آتا ہے۔ اور ٹرکی اور یمن اور ایران میں کو ہندوستان کی چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے۔ پس طرح پر بند رخنہ میں جو مجرا جس کے کنارے عربیہ کے قریب ہے اور بصرہ میں جو خلیج فارس کے سر پر ہے اور بندر شہر

میں جو جزیرہ ہُڈر کے نزدیک ہے اُن ملکوں سے روپیہ آتا ہے اور یہاں سے اُن جہازوں کے ذریعہ سے جو ہر سال ہوائے موافق کے موسم میں ہندوستان کا مال سیکران مشہور بندرگاہوں میں آتے ہیں ہندوستان میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہندوستانینوں - ڈچوں - انگریزوں اور پرتگیزیوں کے تمام جہاز ہر سال ہندوستان کا مال لینگو - تانسیم (ضلع) سیام - سیلان - آچین - مکاسر - جزائر مالڈیپ - مؤزمینق وغیرہ مقامات کو لیجاتے ہیں وہ بھی اُسکے مبادلہ میں سونا چاندی ہی لاتے ہیں اور یہ بھی اُس روپیہ کی طرح جو بندرگاہوں - بھڑہ - اور بندرعباس سے آتا ہے یہیں رہ جاتا ہے۔ اور جو سونا چاندی ڈچ لوگ جاپان کی کانوں سے نکالتے ہیں اُنہیں سے بھی تھوڑا بہت کسی نہ کسی وقت یہاں آ رہتا ہے۔ اور جو روپیہ براہ راست فرانس اور پرتگال سے آتا ہے وہ بھی شادونا اور ہی یہاں سے پھر باہر جاتا ہے کیونکہ اُسکے عوض بھی مال و سبب ہی دیا جاتا ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ ہندوستان کو تانبا - لوہہ - جاپھل - دارچینی وغیرہ چیزوں اور ہاتھیوں کی ضرورت رہتی ہے کہ جنکو ڈچ فرنگستان - جاپان - ملاکا اور سیلان سے لاتے ہیں اور سیہ بھی باہر ہی سے آتا ہے۔ جس سے تھوڑا سا انگلستان سے انگریز بھیجتے ہیں۔ اور فرائض سے ہات اور چیزیں آتی ہیں اور غیر ملک کے گھوڑوں کی بھی احتیاج رہتی ہے۔ جو ہر سال ۲۵ پچیس ہزار سے زیادہ ملک انبک (ترکستان) سے اور بہت سے قندھار



کے رستے ایران سے۔ اور بندر مَحْمَا اور کَبَضْطُ اور بندر عَتَبَانَس کی راہ سے اٹھوپیا (حبش) اور عرب اور فارس سے آتے ہیں۔ اسی طرح بہت سا تر و خشک میوہ سَمَقَنْد - بَلَج - بُخَارَا - اور اِیْرَان سے آتا ہے مثلاً سرِوے - سیب - ناشپاتی - اور انگور جو کثرت سے دِہْلِی میں خسیج ہوتے ہیں۔ اور جاڑے بھر بڑی قیمت پر بکتے رہتے ہیں اور بادام - پستہ - فندق - زرد آلو - خوبانی - کشش وغیرہ جو بارہ مہینے ملتے ہیں۔ اسی طرح کوڑیاں جزائرہ مالِ دیپ سے آتی ہیں جو بنگالہ اور آذر مقامات میں سجا پیسے دھیلے وغیرہ کم قیمت سکوں کے متعل ہیں۔ اور غبر جزائر مالِ دیپ اور مَوْرَمُ بِنِق سے آتا ہے۔ اور گینڈی کو سنگ اور ماتھی دانت اور غلام اٹھوپیا سے اور مُشک اور چینی کے برتن چین سے اور موتی بحرین اور ٹوٹی کارن سے جو سیلان کے نزدیک ہے آتے ہیں۔ مگر باوجود اسکے ان چیزوں کے بے ستوا چاندی نہیں جاتا کیونکہ جو سود اگر یہ جنسیں لاتے ہیں وہ اس میں زیادہ فائدہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مبادلہ میں یہاں کی جنسیں ہی اپنے ملک کو بچائیں۔ پس اگرچہ ہندوستان میں غیر ملکوں سے قدرتی یا مصنوعی چیزیں آتی ہیں مگر وہ دنیا بھر کے سونے یا چاندی کے ایک بڑے حصہ کی جو بہت سے ذریعوں سے یہاں آتا ہے یہیں رہ جانے کی مزا جم نہیں ہیں۔ اور پھر وہ بمشکل ہی یہاں سے کہیں کو الپ جاتا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب کوئی امیر یا منصبہ چھوٹا یا بڑا مرتا ہے تو اس کی جائداد سرکار بادشاہی

شاہنشاہ منسل کی دولت مندی کے  
ذریعوں اور اس کے مخالف امور کا ذکر

میں ضبط ہو جاتی ہے اور اس سے بڑھکر یہ امر ہے کہ ہندوستان کی تمام زمین مکانات اور باغات کے سوا بچنے فروخت وغیرہ کی اجازت بعض اوقات رعایا کو دیدی جاتی ہے بادشاہ کی ملکیت ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس تمام بیان سے میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگرچہ سونے چاندی کی کانیں یہاں نہیں ہیں مگر تاہم سونا چاندی یہاں کثرت سے ہے اور یہ کہ شہنشاہ منغل جو اس ملک کے ایک بڑے حصہ کا مالک ہے اسکا محل بیشمار اور وہ نہایت ہی دولت مند ہے۔ لیکن باوجود اسکے بہت سے ایسے اسباب مخالف بھی ہیں جو بالموازنہ اسکی دولت مندی کے نقصان کے باعث ہیں۔ مثلاً ملک کے بہت وسیع حصے جن سے ہندوستان کی شہنشاہی مرکب ہے۔ خشک پہاڑوں اور ریت کے بیا بانوں سے کچھ ہی اچھے ہیں۔ طریق زراعت بھی خراب ہے۔ اور آبادی بھی بہت ہی کم ہے۔ اور قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ کاشتکاروں کی قلت کی وجہ سے جو اکثر حکام کی بدسلوکی سے تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں خالی پڑا ہوتا ہے \* چنانچہ یہ بیچارے غریب آدمی جب اپنے سخت گیر اور لالچی حاکموں کی خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتے تو نہ صرف اُن کے رزق کا ذریعہ ہی چھین لیا جاتا ہے بلکہ اُن کے بال بچے بھی پکڑ کر لوٹدی غلام بنائیے جاتے ہیں۔ اور یہ بیچارے اپنا گھر بار چھوڑ کر سیدہ آرام سے دن کاٹنے کے لیے شہروں یا لشکر گاہوں میں چلے جاتے اور حالی سقائی یا سائسی وغیرہ کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اور بعضے کسی راجہ کے علاقہ میں جہاں یہ ظلم و ستم سیدہ قدم دیکھتا

دیتا ہے اور یہاں کی نسبت کچھ آرام ملتا ہے جگ جاتے ہیں۔ اور اس سلطنت میں بہت سی قومیں ایسی بھی آباد ہیں جن پر بادشاہ کی کامل حکومت نہیں ہے اور اکثر ان میں سے ایسی ہیں جن کا رئیس انہیں میں کا ایک شخص ہے اور صرف اقتدار خراج ادا کرتے ہیں جبکہ سلطنت کی طرف سے کچھ زور ڈالا جاتا ہے۔ اور ان میں سے اکثر تو بہت تھوڑا خراج دیتے ہیں۔ اور بعض کچھ بھی نہیں دیتے۔ اور بعض ایسی ہیں کہ دینا تو کیا الٹا کچھ لیتے رہتے ہیں۔ مثلاً وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو سرحد ایران پر ہیں شاذ و نادر ہی ایران یا ہندوستان کو کچھ خراج دیتی ہیں۔ ایسا ہی حال بلوچستان اور اڑیسہ میں بھی ہے جو ہندو بادشاہ

یہ بات بالکل سچ ہے۔ چنانچہ ان سبوں کے بیان میں جتنے بحث کچھ ہمارے فتنے کے بعد اس علاقہ کی رعایا نے بغاوت کی اور اپنے بھائی کے ہوئے راجہ پیچم نرائن کو واپس بلا کر پھر قائم کر لیا خود صاحب مالگیر نامہ نے بعض باتوں کا تذکرہ بھی مطابق سال چہارم و پنجم جلوس اورنگ زیب جو کچھ لکھا ہے مزید وثوق کے لئے ہم جگہ جگہ نقل کرتے ہیں۔ وائس اسٹورم جہت وقوع یافت کہ جسے کہ بنظم و نسج ہات مالی آن ولایت تعین گشتہ بودند با تقضا سے مصلحت تدبیر کا ذکر وہ بدستور کے در ملک محروسہ بادشاہی حوالہ شروع و جب بعد ان ولایت و مطالبہ احوال رعیت نمودند۔ از انجا کہ زمینداران مملکت ہندو بقضا تدبیر بہت تعمیر قلوب و استمالت رعایا کہ سر از رقبہ اطاعت و مالگذا ری آئینہ بر نماندند حال زمینداری خویش شہادہ و اعتماد کار می برند و دستور و قانون سے کہ در ملک محروسہ معمول بہ عمل نمی آزند و پیچم نرائن نیز برین قریہ عمل سکزد کا نہ رعایا انجا از وقوع آن معاملہ و قرار آن دستور کہ از آئین مہود آن دیدار بعد بود و بایستے تدبیر سست نمود و استرا گریہ و خوش و غم و خوش و غم آن زمینداران شدند و اورا بغور و آدن از کوشان و تحریک سلسلہ فساد ترغیب نمودند و گلی مل آن دیار۔ کہ چونند و اگر بارہ اورا حکومت و ریاست برگزیدہ بر سر تخت سلطنت نام کے زمینداران بادشاہی کے در موضع کمل باڈی بود و کفایت۔

مغل کو بجز قدرِ قلیل کچھ نہیں دیتیں اور اپنے آپکو قریب خود سر اور آزاد کے سمجھتی ہیں اور انکی خود سہی اور آزادی اس سے ثابت ہے کہ شہنشاہِ مغل نے جب قندھار کے محصرہ کی غرض سے کابل جانیکے لیے مقامِ انگست کوچ کیا (جو دریائے سندھ کا کنارہ آباد ہے) تو ان قوموں نے پہاڑوں سے پانی کا ان میدانوں میں پھینکا بند کرو یا جو شاہراہ کے متصل تھے اور جنگِ بادشاہ سے انعام حاصل نہ کر لیا جو خیرات کے نام سے عنایت کیا گیا تھا فوج کا آپ کے کوٹھڑا اس طرح پر بالکل روکے رکھا۔ پٹھان لوگ بھی بڑے سرکش ہیں اور یہ وہ مسلمان قوم ہے جو پہلے بنگال کی جانب گنگا کے کنارے آباد تھی اور مغلوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے اکثر مقامات میں انکو بہت قوت حاصل تھی اور بالخصوص دہلی میں تو بہت ہی زور تھا۔ اور اُسکے قریب جوار کے بہت سے راجہ ان کے خراج گزار تھے اس قوم کے ادنیٰ شخص یہاں تک کہ ایسے لوگ بھی جو سقائی کو کے گزران کرتے ہیں دلیور سپاہی منش ہیں۔ اور جب کسی بات کی مذاقت پر زور دینا چاہتے ہیں تو انکا یہی مولیٰ مقولہ ہے کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو دیہلی کا تخت مجھے نصیب نہو۔

یہ ہندو اور مغل دونوں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے پہلے رتبہ اور اقتدار کو یاد کر کے مغلوں سے (جنہوں نے ان کے بزرگوں کو انکی بڑی بڑی ریاستوں سے بیدخل کر دیا اور دیہلی اور آگرہ سے

۱۷ معلوم ہوتا ہے کہ شیرشاہِ سوری کی سلطنت سے مراد ہے۔ س م ح

۱۸ لودیوں کی سلطنت سے مراد ہے۔ س م ح

دور پہاڑوں کی جانب نکال دیا) سخت نفرت رکھتے ہیں اور ان میں سے اگرچہ بعض بعض پہاڑوں میں چھوٹے چھوٹے رئیس بن بیٹھے ہیں مگر کچھ زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔

شاہ بیجاپور بھی کچھ خراج نہیں دیتا بلکہ اپنے ملک کے بچاؤ کے لیے شہنشاہ ہندوستان سے ہمیشہ لڑتا رہتا ہے۔ لیکن اُس کے ملک کی حفاظت کا ذریعہ صرف اُسکی فوج ہی نہیں بلکہ اُور بھی بہت سی خاص حالتیں ہیں۔ مثلاً اُسکا ملک اگرہ اور دہلی سے جو شہنشاہ مغل کے واسطے تسلط میں بہت فاصلہ پر ہے۔ اور شہر بیجاپور بذات خود بھی ایک مستحکم مقام ہے اور قرب وجوار کے ملک میں گھاس اور پانی کی کمیابی اور خرابی کی وجہ سے حملہ اور فوج کو آسانی کے ساتھ دھاناک پہنچا دینا دشوار ہے۔ اور بہت سے راجہ خود اپنے بچاؤ کی خاطر ضمیمہ کے حملہ کے وقت اپنی اپنی فوجیں لیکر اُسکی مدد کو آجاتے ہیں۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ سیدواچی نامے ایک مشہور شخص نے خاص شاہی علمداری میں گھسکر بندہ سورت کو جو دولت مند سی کے لحاظ سے ایک مشہور جگہ ہے خوب لوٹا اور جلایا۔ اور یہ چال چکر بیجاپور کو عین ضرورت کی وقت بادشاہی فوجوں کے زور اور غلبہ سے بچالیا۔

ان باتوں کے علاوہ شاہ گو لکنڈا بھی جو ایک دولت مند اور طاقتور بادشاہ ہے مخفی طور پر اُسکو روپیہ پیسے سے مدد دیتا رہتا ہے۔ اور سرحد پر ہمیشہ اس غرض سے فوج متعین رکھتا ہے کہ ایک تو اپنے ملک کی حفاظت کرے اور دوسرے اگر بیجاپور پر زیادہ زور پڑے تو اُسکو بھی مدد دے سکے

الغرض جو لوگ شہنشاہِ مغل کو کچھ خراج نہیں دیتے اُن میں تنوے زیادہ اچھے طاقتور ہندو راجہ بھی شامل ہیں جنکی ریاستیں دہلی اور آگرہ سے کوئی دور کوئی نزدیک تمام سلطنت کے اندر جا بجا پھیلی ہوئی ہیں اور ان میں سے پندرہ یا سولہ تو بہت ہی دولت مند اور زبردست ہیں۔ خصوصاً رانا اودے پور

۱۱ فی زمانہ ہندوستان کے چھوٹے بڑے ہندو اور مسلمان والیان ملک جو ملک منظر کو بین و لکھو ریاضہ قیصر ہند کے ظلِ عاطفت شاہنشاہی میں گورنٹ ہند کی پولیٹیکل ایگریکچر ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنے علاقوں میں فرماںروائی کا اختیار رکھتے ہیں چار سو پچاس کے قریب ہیں۔ جن میں بعض سے گورنٹ انگریزی قابلِ برداشت اور عمدہ طور پر کچھ سالانہ خراج لیتی ہے۔ اور بعض سے کچھ بھی نہیں لیتی بلکہ ان کی بقا اور قیام کے لئے اپنی بے نظیر فیاضی سے شہنشاہی سرکار نے اُنکے بے اولاد ہونے کی حالت میں عموماً تینے کر لینے کا بھی اختیار دیا ہوا ہے۔ باعتبارِ رقبہ کے پانچ لاکھ میل مربع زمین اور پانچ کروڑ رعایا پر انکی حکومت ہے۔ اور فوج ان کی ریاستوں کی شمار میں تین لاکھ پینتالیس ہزار ہے۔ مگر باقاعدہ اور کام کے کے لائق کم اور مختلف الکفایت ہونیکل وجہ سے کم ہی زیادہ تر ہے۔ اور بقابلہ اسکے کل سلطنت ہند کا رقبہ ملک برہما مقومہ جدید (مگر باتشہار بلوچستان و نیپال دھکوٹان کی ریاستوں کے جنکی پائش اور مردم شماری بھی نہیں ہوئی) پندرہ لاکھ میل مربع اور قریب چھٹیل کروڑ کے مردم شماری ہو۔ پیراس حساب سے بنجاکل رقبہ سلطنت کے مذکورہ بالا ہندوستانی والیان ملک کے قبضہ میں ایک ثلث زمین ہے۔ اور کل مردم شماری میں سے پانچویں حصہ سر کچھ کم انکی نسبت ہو۔

اور گورنٹ ہند کی آمدنی جو شہنشاہ کی بھٹ کی رو سے چھتر کروڑ روپیہ ہے اسکے مقابلہ میں ان کی ریاستوں کی آمدنی من کل الوجوہ قریب ایک چوتھائی کے ہے۔ مگر گورنٹ انگریزی کی چھتر کروڑ سالانہ آمدنی خزانہ میں وہ کردروں مدپیہ شامل نہیں ہے جسکو کوکل فنڈ لوکل ریٹ میں نیوٹل فنڈ وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جسکا مقصود یہ ہے کہ جس شہر اضلع سے جن مقاصد مخصوصہ رفاہِ رعایا کے لئے لیا جاتا ہے۔ انہیں مقاصد اور انہیں مقامات کے سوا اور کسی کام اور مقام میں صرف نہیں

(جو کیس وقت ان راجاؤں کا شہنشاہ خیال کیا جاتا تھا اور جبکہ اور جبکہ  
 پورن کی نسل سے تباہ ہیں) اور جھنسننگ اور جھنوت سنگ  
 ایسے ہیں کہ اگر یہ تینوں اتفاق کر لیں تو شہنشاہ کے لیے بیشک  
 خطرناک ثابت ہوں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نیک سوار لڑائی  
 کے لیے ہر وقت مہیا کر سکتا ہے اور وہ بھی ایسے عمدہ کہ ہندوستان  
 میں کوئی ان کے مقابلہ کا نہیں ہے۔ یہ سوار راجپوت کہلاتے ہیں  
 جسکے معنی ہیں راجاؤں کی اولاد۔ سپاہ گری انکا آبائی پیشہ ہے  
 اور اس شرط پر ان کو جاگیریں ملتی ہیں کہ ہمیشہ گھوڑے پر چڑھ کر راجہ کی  
 رفاقت میں رہیں۔ یہ لوگ بڑے جھاکش ہیں اور اگر لڑائی کے فن  
 کی تعلیم دی جائے تو نہایت ہی عمدہ سپاہی بن سکتے ہیں۔ یہ بات بھی

نہیں کیا جاتا۔ البتہ چھتر کرور روپیہ کی رقم ایسی ہے کہ سرکارِ جھرج چاہتی ہو اسکے  
 خرچ کی تفریق کرتی ہے۔ مگر ہندوستانی ریاستوں کی طرح اس میں سے بھی خزانہ سلطنت  
 میں پس انداز اور جمع کچھ نہیں کیا جاتا۔ سال وار بقدر آتا ہے اسقدر رعایا کی بہتری اور  
 انتظام سلطنت کے کاموں میں خرچ کروایا جاتا ہے۔ اور برعکس شاہ جہاں اور عالمگیر  
 کے زمانہ کی طرح حکومت کے جس میں ریاستوں کی رعایا شاہی رعیت سے زیادہ آرام پائی  
 تھی۔ اب گورنٹ انگریزی کی رعایا زیادہ خوشحال اور فراخ البال ہے۔ س م ح

یہ وہی شخص ہے جسکا نام نظامی نے سکندر نامہ میں پور لکھا ہے جو ایک زبردست راجا  
 تھا جسکا راج کوہ مکالیوں سے لیکر قنوج تک تھا اور جو ستلج کے شمالی کنارہ پر بسنے سے پہلے  
 تین سو اٹھائیس برس پہلے مقدونیا کے مشہور معروف اڈشاہ سکندر اعظم سے  
 لڑکر مغلوب ہو گیا تھا۔ اور سکندر کی سلطنت ہندوستان میں قنوج تک ہو گئی تھی۔ س م ح

جنگلانی ضرور ہے کہ شہنشاہ مغل مسلمانوں کے ”سُنی“ فرقہ میں سے ہے جیسے کہ ترک لوگ ہیں جو پیغمبر اسلام کا سچا خلیفہ عثمان کو جانتے اور عثمانی کہلاتے ہیں۔ مگر دربار کے اُمرا زیادہ تر ایرانی ہیں جنگل مہرب شیعہ ہے اور اس امر کے معتقد ہیں کہ برحق خلیفہ علی تھے۔ ابن باتوں کے سوا شہنشاہ مغل اس ملک میں اجنبی ہے۔ کیونکہ وہ تیمور کی نسل سے ہے جو ان مغلوں کا سردار تھا جو ممالک تاتار سے آئے تھے۔ اور جس نے سنہ ۱۵۱۹ء (یکہزار چار سو ایک) میں ہندوستان کو تاخت و تاراج اور فتح کیا تھا اور بدین نظر وہ گویا دشمنوں کے ملک میں یا کم سے کم ایسے ملک میں جہاں ایک مغل بلکہ ایک مسلمان کے مقابل میں سیکڑوں ہندو موجود ہیں سلطنت کر رہا ہو جس کی حالت میں کہ جہاں ایسی زبردست اور اندرونی دشمنی موجود ہیں قوت قائم رکھنے اور سرحد پر اذیتوں اور ایرانیوں کے حملوں کے روکنے کے کو مستعد رہنے کے لئے اُسکو صلح کے زمانہ میں بھی ایک بڑی فوج تیار رکھنی پڑتی ہے۔ جس میں یا تو اس ملک کے باشندے بھرتی ہیں جیسے راجپوت اور پٹھان۔ یا مغل اور وہ لوگ جو اگرچہ مغل نہیں ہیں اور اسی وجہ سے اُنکی پوری قدر بھی نہیں ہے۔ مگر پر دیسی اور مسلمان اور گورے رنگ کے ہونے کی وجہ سے مغل ہی کہلاتے ہیں۔ لیکن زمانہ سابق کے موافق اُمرا دربار اب اکثر مغل نہیں ہیں۔ یا تو ازبک (توگستانی)۔ ایرانی۔ عرب۔ توگ (ردھی) وغیرہ لوگوں کا مجموعہ ہیں۔ یا ان سب قسم کے لوگوں کی ہندوستان زاولاد میں سے

۱۔ سلطانیت عثمانیہ کے عثمانی کہلاتی تھے اور مصنف کے اس بیان کی غلطی ہم ایک حاشیہ میں اسی جلد کے سولہویں صفحہ میں لکھ چکے ہیں اُسکو لاحقہ کرنا چاہیے۔



ہیں۔ مگر ان سب اقسام کے لوگوں کو ایک عام لقب کے طور پر نسل ہی کہا جاتا ہے۔ مگر ان مجھے اس بات کا بیان کر دینا بھی مناسب ہے کہ مذکورہ بالا اقسام کے نوادر مسلمانوں کی اولاد کے لوگ جو تیسری چوتھی پشت میں گندمی رنگ اور ہندوستانیوں کے سے کابل مزاج ہو جاتے ہیں انکی قدر تازہ وارد لوگوں کی سی نہیں کیجاتی۔ اور انکو شاذ و نادر ہی کوئی عہدہ دیا جاتا ہے۔ اور وہ اُسکو اپنی خوش طالعی سمجھتے ہیں کہ کہیں سواروں یا پیدلوں میں نوکری مل جائے۔

**شہنشاہ نسل کی فوجی قوت** **حند او ندمن**۔ اب اس بات کا موقع ہے کہ میں شہنشاہ نسل کی سپاہ کا خاص طور سے کچھ ذکر کروں تاکہ آپ بلحاظ اُن اخراجات کثیر کے جو اُسکو فوج کی بابت کرنے پڑتے ہیں اپنی رائے قائم کر سکیں کہ آیا حقیقتاً اُسکی فوج کقدر ہے اور وہ کن لوگوں میں سے بھرتی کیجاتی ہے۔ پس پہلے میں اُس دیسی فوج کا ذکر کرتا ہوں جسکی تنخواہ کا ادا کرتے دینا بادشاہ پر واجبات سے ہے۔

واضح ہو کہ **جھنسننگ**۔ **جسنوٹ** **سنگ** اور اور راجہ جنگو ٹری ٹری رقیں اس غرض سے ملتی ہیں کہ اپنے ہمعوم راجپوتوں کی ایک خاص تعداد شاہی خدمات کے لئے ہمیشہ تیار رکھیں۔ انکی فوجیں اسی ذیل میں ہیں۔ اور اُن سے خواہ اُس فوج میں کام لیا جائے جو ہمیشہ حاضر رکاب رہتی ہے خواہ کسی مصوبہ میں مگر منصب مسلمان اُمراء کے برابر ہیں۔ اور جن قاعدوں کی پابندی اُنپر واجب ہے

۵ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بھی بمقابلہ ولایت زانگریزوں کے مخلوط النسل اور ہندوستان زانگریزوں کی قدر و منزلت کم ہے۔ س م ح

ان پر بھی وجہ ہو یہاں تک کہ اپنی جمعیت کے ساتھ معمولی چوکی دینے کو حاضر ہوئے ہیں۔ مگر اتنا فرق بیشک ہے کہ جب کبھی بادشاہت سلمہ میں ہوتا ہے تو یہاں اپنے خیموں ہی میں کوکری بجالاتے ہیں۔ اور چوکتیل گھنٹے تک قلعہ کی دیواروں کے اندر محصور رہنے کو گوارا نہیں کر سکتے۔ اور جب تک کہ ان کے جاننازا رہنموت سپاہی ساتھ نہوں کسی قلعہ کے اندر جانا قبول نہیں کرتے۔ راجپوتوں کی جاننازیوں کا امتحان ایسے موقعوں پر بخوبی ہو چکا ہے جبکہ کسی راجہ کی نسبت یہ ارادہ کیا گیا کہ فریب سے قید کیا جائے۔

راجپوت راجاؤں کے فوج میں  
بھرتی کیے جانے کے سبب -  
اسکے کئی سبب ہیں۔ اول یہ کہ راجپوت

نہ صرف عمدہ سپاہی ہیں بلکہ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں بعض راجہ ایک نر میں نیس ہزار سپاہی لڑائی کے لئے حاضر کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو راجہ بادشاہی ملازم نہیں ہیں اور سراج دینے یا ضرورت کی وقت جنگی خدمات کے بجائے عوض خود مقابلہ کو تیار ہو جاتے ہیں ان کی مزاحمت اور تنبیہ و تادیب کا کام ان سے لیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ شہنشاہ منغل کی یہ پالیسی ہے کہ ان راجاؤں کے باہم نا اتفاقی اور حسد و رشک قائم رہے۔ چنانچہ جب چاہتا ہے کسی ایک کی نسبت اپنی مہربانی و اتفاقات کا اظہار کر کے ان میں لڑائی کر دیتا ہے جو چھوٹے یہ کہ راجپوت لوگ پٹھانوں یا کسی باغی امیر یا صوبہ دار کے دبانیکے لئے کام نہ مروتے ہیں۔ اور اس کام کے لئے ہمیشہ مستعد اور تیار ملتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ جب کبھی گوکنڈہ سے کا بادشاہ خرچ ادا نہیں کرتا یا لشاکہ بیجا پور یا اپنے

کسی اور ہمسایہ راجہ کی مدد کو جب کوشنشاہ نعل مطہر کو بیچ کر چاہتا ہے تیار ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے مقابلہ کے لئے ان راجاؤں کو اور امراء جو اکثر ایرانی اور بادشاہ گولکنڈہ کے ہم مذہب ہیں ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یہ راجہ اس وقت کام آتے ہیں جبکہ شاہ ایران سے لڑائی کا موقع آن پڑتا ہے۔ اور امراء و راجا جو ایران کے رہنے والے ہیں جیسا کہ میں نے بھی بیان کیا ہے اس خیال سے کاہنتے ہیں کہ اپنے جعلی بادشاہ سے لڑیں خصوصاً وہ اسکو اولاد علیؑ اور اپنا امام اور خلیفہ ماننے کی وجہ سے اُس کے مقابلہ میں تہیاد اٹھانیکو نہایت گناہ سمجھتے ہیں۔

پٹھانوں کی فوج کے  
 لازم رکھنے کا سبب  
 اور جن خیالات سے راجپوتوں کی فوج رکھی جاتی ہے اسی  
 قسم کے وجوہات سے شہنشاہ غل کو پٹھانوں کی بھی  
 ایک فوج موجود رکھنی پڑتی ہے۔

ولایت زایا سپاہ خلیہ کا بیان

اب ولایت زایا سپاہ مغلیہ کا (جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں) تیار رکھنا بھی ایسا ہی ضروری ہے اور چونکہ سلطنت کی اصل فوج ہی سپاہ ہے۔ اور اسپر بٹار و پیہ صرف ہوتا ہے۔ پس اُمید ہے کہ آپ کے نزدیک بھی اس کا سہ تہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جانا ہی موقع نہ ہوگا۔ اس فوج میں سوار بھی ہیں اور پیادے بھی۔ اور اسکے دو حصے خیال کیے جاسکتے ہیں جنہیں سے ایک تو ہمیشہ حاضر رکاب اور دوسرے مختلف صوبوں میں متعین رہتا ہے

✽ مصنف کے زمانہ میں یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ شاہان صفویہ فرمانروا سے ایوانِ دولت کے یہ تھے مگر ان کا امام یا خلیفہ ماما جانا بالکل غلط ہے۔ گویا دت کے باعث سے کہے ہی واجب الادب سمجھے جاتے ہوں۔

س م ح

فوج حاضر رکاب میں سے نین پہلے اُمر اچھر منصبدار پھر روزیہ دار اور سب سے اخیر میں معمولی سواروں کا ذکر کر کے اُسکے بعد فوج پیادہ اور اُسکے ضمن میں بند و قچیوں اور تمام سپہیل سپاہیوں کا جو دونوں قسم کے توپچانوں میں کام دیتے ہیں بیان کرتا ہوں۔

در بارہ مغلیہ کے ہیروں کے موروثی اور خاندانی امیر نہ ہونے کی وجہ۔  
یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دربار مغلیہ کے امیر بھی امرا فرانس کی طرح موروثی امیر ہیں۔ کیونکہ سلطنت

کی تمام زمین بادشاہ کی ملکیت ہے اور ایسوجہ سے یہاں کوئی ایسی خاندانی ریاست نہیں ہے جیسے کہ ہمارے کسی ڈیوک یا مارکوائس کی ہوتی ہے اور نہ کوئی ایسا خاندان پایا جاسکتا ہے جو خود اپنی ملکیت کی زمین اور جائداد جدی و خاندانی کی وجہ سے صاحب ثروت گنا جاتا ہو۔ اور ایسی کی آمدنی سے اُسکے اخراجات چلتے ہوں۔ بلکہ برعکس اسکے یہاں کے اہل دربار تو اکثر ایسے ہیں جنکے باپ تک بھی امیر نہ تھے۔ اور چونکہ اُمرا کی کل جائداد اُن کے مرتے ہی ضبط سرکار ہو جاتی ہے اسلئے ظاہر ہے کہ کسی خاندان کا اعزاز و امتیاز و تیر تک کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ بلکہ اکثر تو امیر کے مرتے ہی سب کچھ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اور اُسکے بیٹوں کی نہیں تو پوتوں کی حالت تو ضرور فقروں کی سی ہو جاتی ہے۔ اور عام لوگوں کی طرح کسی امیر کی فوج کے سواروں میں نوکری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مگر اُن اتنی رعایت ضرور ہوتی ہے کہ جو امیر مرجاتا ہے جائداد ضبط کر لینے کے بعد بادشاہ اُسکی بیوہ کے لئے تو عموماً اور اہل خاندان کے لئے اکثر سیکندر و ظیفہ مقرر کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی امیر بڑی عمر پاتا ہے

تو اپنے جیتے جی اپنی اولاد کے لئے بشرطیکہ بادشاہ کی مہربانی ہو کوئی منصب بھی حاصل کر سکتا ہے خصوصاً اُس حالت میں جبکہ وہ ذلیل ڈول اور چہرے بہرے کے اچھے اور رنگ کے بھی گورے چٹے ہوں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ اصل نسل ہیں۔ لیکن شاہی عنایت کی صورت میں بھی بیٹا باپ کا نشان نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ یہ معمولی قاعدہ ہے کہ چھوٹے اور قلیل تنخواہ کے منصب بڑی ذمہ داری اور کثیر تنخواہ کے منصب تک رفتہ رفتہ اور بہت تدریج کے ساتھ ترقی ملتی ہے۔ ایسے امراء سلطنت ایسے مختلف الاقسام شخصوں کا مجموعہ ہیں۔ جو ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی قسمت آزمائی کے لئے ممالک غیر سے یہاں آگئے ہیں۔ اور اکثر کم نسلے بلکہ غلام۔ اور باستان بعض خاص شخصوں کے عموماً علم سے بے بہرہ ہیں اور ان کا اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر پہنچا دینا بالکل ذلیل و خوار بنا دینا محض بادشاہ کی خوشی اور تلون طبع پر موقوف ہے۔

امراء کے درج اور تنخواہ وغیرہ کا ذکر بعض امیروں کا منصب اور لقب ہزار می

یعنی ایک ہزار کا مالک اور بعض کا دو ہزار می اور بعض کا بیڑ ہزار می اور بعض کا ہفت ہزار می۔ اور بعض کا دہ ہزار می۔ اور کیسوت کوئی امیر دوازدہ ہزار می بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ شہنشاہ مغل کا بڑا بیٹا تھا۔ مگر ان کی تنخواہ کا اندازہ سوار کے شمار پر نہیں ہے۔ بلکہ بجاظ گھوڑوں کی تعداد کے ہے۔ اور عموماً ہر ایک سوار کو دو گھوڑے رکھنے کی اجازت ہے تاکہ نوکری میں حرج نہ ہو۔ کیونکہ اُس گرم ملک میں یہ ایک کہاوت ہے کہ ایک گھوڑے کا سوار لنگڑا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امیروں کو فی الواقع دوازدہ ہزار می وغیرہ بڑے بڑے

القابوں کے موافق اتنے ہی گھوڑے ضرور رکھنے پڑتے ہیں۔ بلکہ عظیم الشان  
 لقب جو زود اعتقاد اور اجنبی لوگوں کے ہر کانے اور دھوکا دینے کو لینے  
 ایجاد کیے گئے ہیں ٹھیک ٹھیک انہیں کے موافق تنخواہ ملتی ہے۔ بلکہ  
 اہل بات یہہ سے کہ بادشاہ خود مقرر کرتا ہے کہ ہر ایک امیر کو حقیقتاً کتنے  
 گھوڑے رکھنے لازم ہیں اور کتنے رعایا سمات اور فرضی ہیں جنکی تنخواہ اُسکو  
 ملتی رہیگی۔ اور یہہ فرضی سواروں کی تنخواہ ہی امیروں کی تنخواہ کا ایک بہت  
 بڑا حصہ ہے۔ مگر یہہ لوگ ہر ایک سوار کی تنخواہ میں سے کچھ وضع کر کے اور  
 اُن گھوڑوں کی جو حاضر رکھنے لازمی ہیں جھوٹی فرویں پیش کر کے اپنی آمدنی  
 اُوپر بھی بڑا لیتے ہیں جو اس طرح مل جل کر بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ خصوصاً  
 جبکہ خوش قسمتی سے تنخواہ کے عوض جاگیر مل جائے۔ چنانچہ میں ایک پنجہزاری  
 امیر کے ماتحت ملازم تھا جبکہ پاس جاگیر بھی تھی اور صرف نقد تنخواہ خزانہ سے  
 ملتی تھی۔ مگر اسپر بھی پانسو گھوڑوں کی تنخواہ وغیرہ کے ادا کرنے کے بعد جو اُس کو  
 حاضر رکھنے لازمی تھے پانچہزار کراؤن یعنی ساڑھے بارہ ہزار روپیہ ماہوار ملتی  
 آمدنی تھی۔ مگر باوجود اِن بڑی بڑی آمدنیوں کے میں نے یہہ امیر دولت مند بہت  
 کم دیکھے بلکہ بہت مفلس اور نہایت قرضدار ہیں۔ اور یہہ قرضداری اسوجہ سے  
 نہیں ہے کہ اُوں ملکوں کے امیروں کی طرح کھانے کھلانے میں بہت کچھ  
 خرچ کر دیتے ہیں بلکہ نہایت قیمتی پیشکش جو سالانہ جشنوں کے موقعوں پر  
 بادشاہ کو دینے پڑتے ہیں اور انکی عورتوں اور نوکر چاکروں کا ایک شکر اور

اڈنٹوں اور گھوڑوں کی کثرت اسکا باعث ہیں۔ \*

اُمرا کی تعداد اور انکی سواری کے طریقہ کا ذکر اُمرا کے متعینہ صوبہ جات - اور اُمرا کے مامور با افواج اور اُمرا کے حاضرین دربار بہت ہی ہیں مگر کچھ تعداد مقرر نہیں ہے۔ اور میں معلوم نہیں کر سکا کہ سب کتنے ہیں۔ لیکن دربار میں پچیس یا تیس سے کم مینے کبھی نہیں دیکھے جو سب وہ بڑی بڑی تخواہیں پاتے ہیں جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور جو گھوڑوں کی تعداد پر موقوف ہے۔ جو ایک ہزار سے لیکر بارہ ہزار تک مقرر ہے۔ انہیں امر کو افواج ہو مہات اور صوبجات اور دربار میں بڑے بڑے عہدے ملتے ہیں۔ اور یہی لوگ ارکان سلطنت ہیں جیسے کہ وہ خود بھی کہتے ہیں۔ اور دربار کی شان شوکت انہیں کے وجود سے قائم ہے۔ اور یہ نہایت عمدہ پوشاک کے بغیر

\* آمین اکبری میں جو درجہ دار فہرستیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امرا اور منصبدار کو باندازہ اپنے اپنے منصب کے گھوڑے یا بو - ہاتھی - اونٹ - خچر ہیں اور چھکڑے گاڑیوں کا ایک مقررہ تعداد کے موافق اپنے پاس موجود رکھنا امر لازمی تھا۔ مثلاً پنجہزاری امیر کو تین سو تیس گھوڑے اور یا بو اور ایک سو ہاتھی اور انسی قطاراؤں اور بیس قطار خچر اور ایک سو ساٹھ راہ یعنی چھکڑے اور گاڑیاں رکھنی واجب تھیں اور ان کے خرچ خوراک وغیرہ کے لئے پنجہزاری کے منصبدار کو (علاوہ تخواہ فوج کے جو اسکو رکھنی پڑتی تھی) تیس ہزار روپیہ مامور سہ کار شاہی سے ملتا تھا۔ اور چارہزاری کے منصبدار کو دو سو تیر گھوڑے - اور انسی ہاتھی اور پندرہ قطاراؤں اور سترہ قطار خچر اور ایک سو تیس راہ رکھنے پڑتے تھے۔ اور بائیس ہزار روپیہ مامور ملتا تھا۔ س م ح

کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ اور کبھی ہاتھی اور کبھی گھوڑے پر اور اکثر مالکی میں سوار ہوتے ہیں جنکے ساتھ بہت سواروں کے علاوہ بہت سے نفر خدمتگار وغیرہ ہوتے ہیں جو سوار کی آگے آگے اور دونوں طرف پیادہ چلتے ہیں جو نہ صرف راستہ میں سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں بلکہ مورچیل لاتے اور گردوغبار جھاڑتے اور خلال اور پیکدان اور پانی کی صراحی اور کبھی کبھی کوئی قصہ کہانی کی کتاب یا کاغذ لیکر ساتھ رہتے ہیں۔

ہر ایک امیر پر واجب ہے کہ ہر روز صبح کو غسل گیارہ بجے جبکہ بادشاہ دربار میں تھا کر نیکو بیٹھا ہے۔ اور پھر شام کو چھ بجے تسلیم

امراء کے تسلیمات کے لئے حاضر ہونے اور چمک دینے اور شاہی غایت سے کھانا غایت ہونے کی کیفیت۔

کے لئے حاضر ہو ورنہ سزا ملتی ہے۔ اور ہر ایک کو اپنی اپنی باری پر تسلیہ میں حاضر ہو کر مہفتہ وار ایک رات دن چوکی دینی پڑتی ہے۔ اسوقت یہ لوگ اپنا بستر اور قالین اور اور سامان ساتھ لاتے ہیں مگر کھانا شاہی خاصہ میں سے غنایت ہوتا ہے جسکے لینے کی وقت ایک خاص رسم ادا کی جاتی ہے۔ یعنی کھڑے ہو کر اور بادشاہ کے محل کی طرف رخ کر کے امیر تین دفعہ تسلیمات بجا لاتا ہے۔ یعنی اپنا ماتھہ اول زمین تک لیجا کر پھر ہاتھی تک اٹھاتا ہے۔

جب کبھی بادشاہ بالکی یا ہاتھی یا تخت رواں پر سوار ہو کر نکلتا ہے تو تمام امراء کو بجز اُن کے جو بیمار

بادشاہ کی سواری کے وقت امراء کے حاضر رکاب رہنے کا ذکر۔

یا ضعیف العمر یا کسی خاص کام کی وجہ سے معاف ہوں حاضر رکاب رہنا ضروری ہے۔ البتہ جب کبھی شہر کے قرب وجوار میں شکار کو یا کسی باغ کو یا نماز کے یو



سجدہ کو جانا ہے تو بعض اوقات جریدہ بھی چلا جاتا ہے۔ یعنی صرف وہی امراء ساتھ ہوتے ہیں جنکی اس روز چوکی ہوتی ہے۔ اور دستور ہے کہ بادشاہ پرتو خواہ شکار میں ہو خواہ فوج کو ساتھ لیکر کسی جہم پر جائے خواہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو جانا ہو بخوبی سایہ ہوتا ہے۔ مگر امراء کو خواہ کیسی ہی دھوپ یا بارش کیون ہو اور گرد و غبار سے دم کیوں نہ گھٹا جائے عموماً گھوڑے پر چڑھ کر بغیر کسی طرح کے سایہ کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔

منصبداروں کی تنخواہ وغیرہ کا بیان

منصبدار ایک قسم کے سوار ہیں جو منصب کی تنخواہ پاتے ہیں۔ اور وہ ایک خاص قسم کی پیش قرار اور عزت کی تنخواہ ہے۔ اور اگرچہ امراء کی تنخواہ کے برابر نہیں ہے۔ مگر معمولی سواروں سے بہت زیادہ ہے اور اس وجہ سے یہ کم درجہ کے امراء میں شمار ہوتے ہیں۔ اور انہیں میں سے امراء منتخب کیئے جاتے ہیں۔ اور یہ بادشاہ کے سوا کسی کے ماتحت نہیں ہیں اور جو کام امراء سے لیئے جاتے ہیں وہی ان سے لیئے جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے پاس بھی کس قدر سوار ہوں جیسا کہ پہلے دستور تھا تو یہ بھی امراء کے برابر ہو جائیں مگر آج کل ان کے پاس صرف دو یا چار یا چھ گھوڑے ہوتے ہیں چہر بادشاہی داغ لگا ہوا ہوتا ہے۔ انکی تنخواہ بعض اوقات ڈیڑھ سو روپہ مہینہ ہوتی ہے۔ اور سات سو روپہ ماہوار سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی۔ ان کی تعداد معین نہیں ہے۔ لیکن امراء کی پست بہت زیادہ ہیں اور ان کے سوا جو صوبوں میں یا افواج یا سورہ قہات میں تعین میں مینے دربار میں دو تین سو سے کم کبھی نہیں دیکھے\*

\* امراء اور منصبداروں کی اسم دار فہرستیں جو بادشاہ نامہ میں موجود ہیں ان سے ظاہر ہے

روزینہ فاروں کی تنخواہ اور انکی  
خدمات اور مندریں بجا بکلیا جانا

روزینہ دار بھی ایک قسم کے سوامی ہیں جنکی تنخواہ  
روزمرہ لمبائی ہے جیسا کہ خود لفظ روزینہ دار سے

ظاہر ہے۔ مگر انکی تنخواہ بیش قرار ہے۔ اور بعض اوقات تو اکثر منصبداروں سے  
بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یہ تنخواہ چونکہ خاص طور کی ہوتی ہے اسوجہ سے کچھ  
زیادہ عزت کی بات خیال نہیں کیجائی۔ اور منصبداروں کی طرح یہ لوگ "اجناس"  
یعنی ایسے قالین اور فرش فروش وغیرہ کے قیما لینے پر بھی مجبور نہیں ہیں جو  
بادشاہی مکانوں میں استعمال میں آنیکے بعد منصبداروں کو حکماً لینے پڑتے  
ہیں۔ اور بعض اوقات ایک غیر واجب قیمت لگا دی جاتی ہے۔ ان لوگوں کی  
تعداد بہت زیادہ ہے اور چھوٹے چھوٹے کام انکے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان

کہ شاہ جہاں کی حکومت کے دہ سالہ اول کے خاتمہ تک کل امیر اور منصبدار ہفت ہزاری  
سے پانصدی تک پانسو اٹھ سو تھے جنہیں سے ایک سو اٹھ سو شخص اسی دہ سالہ میں مر گئے  
تھے اور ان کے علاوہ شہزادہ داراشکوہ پندرہ ہزاری اور شجاع اور اورنگ زیب  
دوازدہ ہزاری تھے اور شاہزادہ مراد بخش کو محض پانسو روپہ روزینہ ملتا تھا۔ کیونکہ  
شاہزادوں کے لئے (بقول غانی خاں) دستور یہ تھا کہ جب تک امر کی طرح کسی ہم وغیرہ  
پر امور ہنوں منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ اور مرثیمین اللہ ولہ آصف خان  
خانخانان سپہ سالار و وزیر اعظم (بطور ایک غیر معمولی عنایت کے) نہ ہزاری تھا  
۔ اور دہ سالہ دوم کے خاتمہ میں جو ہفت ہست ہے اس میں شاہزادہ داراشکوہ  
بست ہزاری اور شجاع اور اورنگ زیب پندرہ ہزاری اور مراد بخش  
دوازدہ ہزاری تھے۔ اور آصف خان کے مرچا نیکے بعد نہ ہزاری کا منصب  
پھر کسی کو نہیں ملا۔ ہفت ہزاری کے درجہ تک (جو معمولی طور پر اس سے زیادہ منصب  
ہی تھا اور "بقول غانی خاں" ایک وقت میں چار امیروں سے زیادہ ہفت ہزاری ہوتے

قابل حاضریہ

میں سے بہت سے مقصدی اور نائب مقصدی ہیں اور بہت سے اس کام پر مامور ہیں کہ برات یعنی ان احکام پر جو روپیہ کے ادا کرنے کے باب میں صادر ہوتے ہیں سرکاری مہر لگائیں اور وہ ان احکام کے جلد جاری کر دینے کی عوض بیدھڑک رشوتیں لیا کرتے ہیں۔

عام سواروں کی تنخواہ وغیرہ کا بیان عام سوار امرا کی ماتحت کام دیتے ہیں اور دوسرے کے ہیں۔ ایک دوا سپہ جنگا بادشاہی خدمت کی واسطے حاضر رکھنا امرا پر لازم ہے اور جنگے گھوڑوں کی رانوں پر ان امیروں کے داغ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرے ایک اسپہ۔ دو گھوڑوں والوں کی تنخواہ اور قدر بہ نسبت ایک گھوڑے والوں کے زیادہ ہے۔ اور اگرچہ سرکار سے ایک اسپہ سوار کی بابت پچیس

تھے اس دہ سالہ میں صرف چھ امیر پہنچے تھے۔ خان دوزاں بھادرنہ جنگ علیمرخان خاں امیر الامرا۔ سعید خاں بھادرنہ جنگ۔ اسلام خاں علاء سعید اللہ خاں۔ افضل خاں۔ اور ششزاری کا منصب سید خان جہاں بارہ وال۔ اعظم خاں۔ عبداللہ خاں بھادرنہ جنگ۔ صدالصدر سعید بجلال بخاری۔ خسرو ولد نذر محمد خاں ازبک دلی توکستان صرف پانچ شخصوں نے پایا تھا۔ ہندو امرا کی خدمت (جنگجو بھل

بھادرنہ جنگ

کی انگریزی اصطلاح کے موافق لکھنا چاہیے) دوسرے دہ سالہ تک پنجزاری سے زیادہ تھی اور اس دہ سالہ کی فہرست میں کل پانسوا سنی نام ہیں جن میں سے ایک سو آٹھ یا بقدر پانچویں حصہ کے ہندو ہیں۔ اور ایک آذرہ فہرست سے جو تاریخ علی صالح کے خاتمہ میں مندرج ہے شہاہ جہاں کے عہد اخیر تک امراء اور منصبداروں کی تعداد آٹھ سو اسی معلوم ہوتی ہے۔ جس میں ایک سو تیرے ہندو امیروں کے نام درج ہیں۔ مگر چونکہ اس میں آصف خاں و علیمرخان خاں و سعید اللہ خاں

روپیہ ماہوار کے حساب سے تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن سواروں کو کم یا زیادہ دینا بہت کچھ امیر کی فیاضی پر موقوف ہے۔

پیدل سپاہیوں کی تنخواہ سب قسم کے منکورہ بالا کی تنخواہ وغیرہ کا ذکر۔

جو لوگ بند و قچی میں حقیقت یہ ہے کہ وہ تو اچھے خاصے آرام کے وقت میں بھی بہت ہی بدبٹ معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً بند و ق چلانے کو جب زمین پر پھسکا مار کر بیٹھتے ہیں اور اپنی بند و قوں کو کلڑی کے سہ پائوں پر رکھ کر جو بند و ق کے ساتھ لٹکتے رہتے ہیں!! چلاتے ہیں تو انکی یہ صبح دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ اور ماشاء اللہ اس احتیاط پر بھی یہ خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ہماری لمبی لمبی داڑھیاں اور آنکھیں نہ جل جائیں!!! کسی جن بھوت کے خلل سے ہماری بند و ق نہ پھٹ جائے!!!

پیدل سپاہ میں کسی کی تنخواہ بنیں روپیہ مہینا ہے کسی کی پندرہ اور کسی کی دس۔ مگر گولہ اندازوں کی تنخواہ بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً فرنگی

دغیرہ کے نام بھی درج ہیں جو شاہ جہاں کے عقید ہونے سے پہلے ہی مرچکے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس فہرست میں اس بادشاہ کے سب زندہ و مردہ امیروں کو گن ڈالا ہے۔ اور اگرچہ سب شج بالا دہ سال اول و دوم میں کوئی فیٹو املا پنخزاری سے زیادہ نہ تھا۔ مگر دور اخیر میں یہ قید بھی توڑ دی گئی تھی۔ چنانچہ ہمارے جسٹس سنگھ ہزاری اور راجہ مایر زاج سنگھ شش ہزاری ہو گئے تھے۔ ۱۲ س م ح

فیہد حاشیہ صفحہ ۱۱۱

گولہ اندازوں یعنی پٹکلیزوں - انگریزوں - ڈچوں - جرمنوں - اور فرانسیسیوں  
 جو گوا - اور ڈچوں - اور انگریزوں کی کپنیوں کے کارخانوں میں سے  
 بھاگ آتے ہیں - اول جب منغل توپ کے فن سے بہت کم واقف تھے  
 تو اہل فرنگ کی خواہ زیادہ تھی اور ان میں سے اب بھی کچھ لوگ باقی ہیں  
 کہ جنکو دوسو روپیہ ماہوار ملتا ہے - مگر اب بادشاہ ان لوگوں کو مشکل سے نوکر  
 رکھتا ہے - اور بتیں گروپیہ سے زیادہ خواہ نہیں دیتا -

توپ خانہ کا ذکر توپ خانہ دو قسم کا ہے ایک بھاری دوسرا ہلکا جسکو ہم سب  
 تو پناہ کہتے ہیں - بھاری توپ خانہ کی بابت مجھے یاد ہے کہ جب بادشاہ  
 بیماری کے بعد فوج سمیت لاہور کے راستہ سے گرمی کاٹنے کو کشمیر  
 کو گیا تھا جسکو ہندوستان میں "کیشنیز جنت" (کیشنیز) کہتے ہیں - تو اس  
 سفر میں زنبورکوں کے علاوہ جو دو تین سو چالاک اڈنٹوں پر اسی طور سے  
 کسے ہوئے تھے جس طرح ہمارے چھوٹے جہازوں میں رہنے کے بندھے  
 رہتے ہیں اور جو وزن میں دو دو بند و قوں کے برابر تھے - ستر بھاری  
 نوپیں جو اکثر برنجی تھیں ساتھ تھیں -

بادشاہ کے سفر کشمیر کا حال میں کسی اور موقع پر بیان کر دوں گا - اور  
 یہ بھی لکھ چکا کہ اس لیے سفر میں بادشاہ اکثر اپنا دل شکار میں کس کس طرح  
 بہلاتا رہا - یعنی کبھی شکاری پرندوں کو کلنگ وغیرہ جانوروں پر چھوڑا  
 اور کبھی نیل گائے کا شکار کیا - ایک کی قسم کا جانور ہے - اور کسی دن  
 چیتوں سے ہرنوں کو پکڑوایا - اور کبھی شیر کا شکار کیا جو بالخصوص بادشاہی

شکار ہے۔

ہم کباب توپ خانہ جولاہور اور کشمیر کے سفر میں ساتھ گیا تھا  
مجھ کو نہایت باقرینہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اُس میں سچائش یا ساٹھ چھوٹی چھوٹی  
برنجی توپیں تھیں جو سب مضبوط اور خوبصورت رنگین تختوں پر چڑھی ہوئی تھیں  
جنکے ساتھ گولے بارود کے لیے ایک آگے اور ایک پیچھے دو دو بیٹیاں  
تھیں اور ان پر سجاوٹ کے لیے مختلف وضع کی سرخ جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں  
ان میں دو دو عمدہ گھوڑے جتے تھے۔ جنکو ایک ایک سوار بانٹا تھا اور  
ایک تیسرا گھوڑا اور ایک اور سپاہی مدد کیواسطے ساتھ لیے رہتا تھا۔

بھاری توپ خانہ بادشاہ کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ شکار کھیلنے یا  
پانی سے نزدیک رہنے کی غرض سے بادشاہ شاہراہ سے علیحدہ ہو کر چلتا تھا  
اور یہ توپیں ایسی بھاری تھیں کہ دشوار گزار راستوں یا کشتیوں کے پلوں پر  
سے جو شاہی لشکر کے عبور کے لیے بنائے گئے تھے گزر نہیں سکتی تھیں۔  
لیکن بلکہ توپ خانہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اسی لیے اُس کو ہم کباب  
توپ خانہ کہتے ہیں۔ اور جب بادشاہ علی الصباح کوچ کرتا ہے۔ اور شکار گاہوں  
میں جو بادشاہ کیواسطے محفوظ رکھی ہوئی ہیں اور جانوروں کے روکے  
رکھنے کے لیے جنگلی ناکہ بندی بھی شکار کی وقت کیجاتی ہے بندوق سے یا  
اور طرح شکار کھیلنا چاہتا ہے تو یہ توپخانہ جس قدر جلد ممکن ہوتا ہے سیدھا اگلی  
منزل پر جہاں بادشاہ اور بڑے بڑے اُمراء کے خیمے پہلے سے لگے ہوئے  
ہوتے ہیں جا رہا ہے۔ اور خیام شاہی کے سامنے توپوں کی لیں لگا دیجاتی ہیں

اور جب بادشاہ خیمہ گاہ میں داخل ہوتا ہے تو اہل لشکر کی اطلاع کے لیے سلامی کیجاتی ہے۔

صوبوں کی فوج اور سواروں کی کل فوج کی تعداد کا ذکر۔

جو فوج صوبوں میں مامور رہتی ہے اسکی اور ضرورت فوج کی حالت میں اسکے سوا اور کچھ فرق نہیں ہے

کہ صوبوں کی فوج تعداد میں زیادہ ہے۔ اور ہر ایک صوبہ میں اُمرائے منصبدار روزینہ دار۔ معمولی سوار۔ پیادے۔ اور توپخانہ موجود رہتا ہے۔ چنانچہ ایک صوبہ دکن ہی میں بیس لاکھ بیس اور بعض اوقات تیس لاکھ سوار رہتے ہیں جو گولکنڈے کے طاقتور بادشاہ کے دھمکانے اور بادشاہ بیجاپور اور اُن راجاؤں سے ٹہنیکے لیے ضرورت سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ جو باہمی بچاؤ کی خاطر اپنی اپنی فوجیں لیکر شاہ بیجاپور کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ صوبہ کابل میں جو فوج ہے اور جبکا ایران۔ بلوچستان۔ افغانستان اور اور پٹاوی ملکوں کی مخالفانہ حرکات کی روک تھام کے لیے رہنا ضروری ہے بارہ یا پندرہ ہزار سے کم نہیں ہو سکتی۔ صوبہ کشمیر میں چار ہزار سے زیادہ فوج ہے۔ اور بنگالہ میں جہاں ہمیشہ لڑائی بھڑائی رہتی ہے بہت زیادہ فوج رہتی ہے۔ اور چونکہ کوئی صوبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں بحفاظت اسکی وسعت اور خاص موقع کے کم یا زیادہ فوج کار کھنا ضروری نہ ہو۔ اس لیے کل فوج کی تعداد اس قدر ہے جسے شکل سے اعتبار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فوج پیادہ کو جو شمار میں کم ہے الگ رکھکر اور گھوڑوں کی اُس تعداد کو جو صرف نام کے لیے ہے۔ اور جب کوئی ناواقف شخص دھوکھا کھا سکتا ہے چھوڑ کر نہیں اور اور واقف کار

لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوار جو بادشاہ کے ہمراہ رہتے ہیں راجپوتوں اور بٹھانوں سمیت پنتیس<sup>۳</sup> یا پالیسی ہزار ہونگے جو صوبوں کی فوج کے ساتھ ملکر دلاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں

میں نے بیان کیا ہے کہ پیدل تھوڑے ہیں چنانچہ میری دانست میں پیادہ فوج جو بادشاہ کے ہمراہ

پیدل فوج کی اصلی تعداد اور لوگوں کے غلط انداز کرنے کی وجہ۔

رہتی ہے بند و قچیوں اور توپخانہ کے پیدل سپاہیوں اور اور لوگوں سے جو توپخانہ سے متعلق ہیں بل جگر بندہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اسی سے صوبوں کی فوج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ بعض لوگ پیدل فوج کی تعداد کیوں بہت زیادہ بتاتے ہیں شاید نفروں خدمتگاروں بھٹیاریوں اور تمام اہل بازار کو جو ساتھ رہتے ہیں فوج ہی میں گن لیتے ہوں گے۔ اور واقعی اگر اس سب بھیڑ بہاڑ کو شامل کر لیا جائے تب تو صرف اسی لشکر کی تعداد جو بادشاہ کی ذات خاص کے ساتھ رہتا ہے خصوصاً جبکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کا ارادہ کچھ مدت کے لئے تخت گاہ سے باہر رہنے کا ہے دو تین لاکھ پیادوں سے کم نہیں ہوتی اور جب ان امور پر غور کیا جائے کہ کس قدر ڈیرے خیمے اور باورچیخانے اور اسباب اور ساز و سامان اور عورتیں عموماً لشکر کے ساتھ ہوتی ہیں اور ان سب کے اٹھانیکے لئے کس قدر ہاتھی۔ اونٹ۔ بیل۔ گھوڑے اور محال ضروری ہیں تو اس تعداد میں جو میں نے خیال کی ہے مبالغہ نہیں معلوم ہوگا<sup>۵</sup>

۱۔ بادشاہ نام میں جو شاہ جہاں کے عہد سلطنت کے میں سال کی بہت متبر تاج ہے سوار فوج کی تعداد بموجب تفصیل ذیل دو لاکھ تھی ہے۔ منہدار آٹھ ہزار۔ اجدی اور ہندوستان ہزار



بادشاہ کے لشکر میں ۰ خداوند من - یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس ملک کی طبعی حالت اور طرز حکمرانی کے لحاظ سے (جہاں سلطنت کی زمین کا صرف بادشاہ ہی مالک ہے) اس ملک کی دار الحکومت شہر لکھنؤ یا دہلی کے باشندوں کی معاش کا بڑا دار و مدار صرف فوج کی موجودگی پر ہے۔ اور اسلئے وہ مجبور ہیں کہ جب کبھی بادشاہ کوئی لمبا سفر اختیار کرے تو وہ بھی ساتھ جائیں۔ اور یہ شہر پید میں سے کچھ ہفتا نہیں رکھتے بلکہ انکی زیادہ صحیح تشبیہ ایک کپ سے دیجا سکتی ہے۔ اور صرف اتنا فرق ہے کہ بجائے خیموں کے ان میں مکان ہیں اور آسائش کے اور سامان بھی کپ کی نسبت کس قدر اچھے ہیں۔

عام سوار ایک لاکھ پچاس ہزار - اور پیدل فوج کی تعداد جسیں گولندار - بان اندازہ بند فوجی سب شامل ہیں چالیس ہزار لکھی ہے جس میں سے دس ہزار حاضر رکاب اور بیس ہزار صوبوں اور قلعوں میں تعین ہوتی تھی۔

اور اب ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی اس فوج بڑی کی تعداد جو رگولر یعنی فوج آئین کہلاتی ہے حسب شرح ذیل دو لاکھ سولہ ہزار دو سو دو ہے۔

ہندوستانی	یورپین
۱۴۵۹۳۹	۷۰۲۶۳
تحت نواب کا پیدل و سوار	تحت نواب کا پیدل و سوار
پیدل ۱۰۴۵۸۹	پیدل ۵۲۶۰۱
سوار ۲۱۲۷۵	سوار ۵۶۵۷
توپخانہ ۱۸۳۳	توپخانہ ۱۲۰۰۵
میزان ۱۲۷۶۹۷	میزان ۷۰۲۶۳
تحت گورنمنٹ ہند	تحت گورنمنٹ ہند
پیدل ۱۲۸۳۸	پیدل ۱۲۸۳۸
سوار ۳۸۲۹	سوار ۳۸۲۹
توپخانہ ۵۵۵	توپخانہ ۵۵۵
میزان ۱۸۲۳۲	میزان ۱۸۲۳۲

ٹھیک وقت پرخواہ نئے  
کے خراب نتیجوں کا ذکر

یہ امر بھی بیان کرنا واجب ہے کہ اُمراء سے لیکر  
سپاہیوں تک کی خواہ کا دو ماہہ و تقسیم ہو جانا نہایت  
ضروری ہے۔ کیونکہ تنخواہ کے سوا جو بادشاہی خزانہ سے ملتی ہے کوئی  
اور ذریعہ انکی معاش کا نہیں ہے۔

فرانس میں اگر کسی وجہ خاص سے واجب الادا تنخواہ کے دینے میں  
گورنٹ کی طرف سے کچھ دیر ہو جاتی ہے تو سردار تو کیا سپاہی بھی اپنی کسی  
خاص آمدنی سے گزارہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اگر فوج کو  
تنخواہ کے ملنے میں کبھی غیر معمولی توقف ہوتا ہے تو یقیناً نہایت خوفناک  
نتیجے پیدا ہوتے ہیں! یعنی سپاہی اپنا خفیف سا اسباب جو انکے پاس ہوتا ہے  
بیچ کھچ کر چل دیتے اور بھوکھے مرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ جس زمانہ میں کہ

گر ایک لاکھ پینتالیس ہزار ایک سو چار باقاعدہ فوج پولیس جاندرونی نظم سلطنت کے قائم رکھنے کے  
لیئے مختص ہے اسکے علاوہ ہے۔ جس میں سے تیس ہزار اٹھاسی سواریں اور باقی سب پیدل۔  
اور دیہات میں جو چوکیدار متعلقہ پولیس نامور رہتے اور گاؤں سے تنخواہ پاتے ہیں وہ اس سب  
سے خارج ہیں اور سو فوج آئین اور فوج پولیس کے سترہ ہزار فوج والے ہیں جس میں سوار تھوڑے  
اور پیدل زیادہ ہیں۔ اور اس میں ایک صوفی اور واپسین یا یوریشیائی وغیرہ میسایوں ہی  
کو داخل ہونے کا استحقاق ہے۔ یہ لوگ سرکار سے تنخواہ یا لباس جنگی وغیرہ کچھ نہیں پاتے۔  
البتہ آئین و قانون اور ان کے عہدہ داروں کے منصب اور درجے سرکار مقرر کرتی ہے۔

اور جن بڑے بڑے مقامات میں یوروپین اور یوریشیائی زیادہ رہتے ہیں وہاں  
سوداگر اہل حرفہ و فطرتوں کے کلرک وغیرہ اہل تعلیم اپنی مرضی اور خوشی سے اس جہت میں  
دفعہ ہو کر جنگی قواعد اور آلات حرب کا استعمال کرنا سیکھتے ہیں اور اپنی قوم اور سلطنت کی حفاظت کے  
لیئے بوقت خطر کام دینے کو مستعد رہتے ہیں۔ پس اس حساب سے فی زمانہ میزان کل منوشم کی

شاہزادوں کا باہمی جنگ و جدال قریب ختم ہونیکے تھا میں نے پچھم خود دیکھا ہے کہ سواروں کا میلان اس طرف بڑھتا جاتا تھا کہ اپنے گھوڑے بیچ والیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر لڑائی کو طول ہوتا تو ضرور ایسا ہی کرتے۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہنشاہ مغل کے لشکر میں کوئی ایسا سپاہی مشکل سے مل سکتا ہو جو جو رو نہ پتے نوکر چاکر اور لونڈی غلام نہ رکھتا ہو۔ اور ان سب کی گزران اسی تنخواہ پر موقوف ہو جو اسکو سرکار بادشاہی سے ملتی ہے اور اسوجہ سے میں نے اسکو بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس حالت کو دیکھ کر سخت حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ فرج کے لئے اتنا بیشمار روپیہ کہاں سے آتا ہے کہ جس سے لاکھوں بندگان خدا کی پرورش ہوتی ہے۔ جنکا دار معاش محض بادشاہی تنخواہ کے ذریعہ پر ہے۔

ہنشاہ مغل کے اخراجات کثیر کا بیان

اس ملک میں کس طرز خاص سے حکومت کرتا ہے اور اسکی دولت مندی کے ذریعہ کس قدر ہیں۔ اور میں نے تو اس کے اخراجات کا گویا ابھی ذکر ہی نہیں کیا مثلاً خیال فرمائے کہ اگر کہ دہلی کے صوبہ میں دو یا تین ہزار تو صرف عمدہ گھوڑے ہی ہیں جو اوقات ضرورت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور اٹھ یا نو سو ہاتھی اور بارہ ہائی کے لئے بہت سے ٹٹو اور خچر ہیں اور حال جو ان بیشمار اور بہت وسیع اور بڑے بڑے

فرج کی تین لاکھ اٹھ ہزار روپے کے زیادہ ہے۔ اور ہند کی فرج بحری و خلیجی کے چھائی فرج کے ہے مگر ہند وستان کے لئے بہت ایک جداگانہ امر علی کے امور بہت ہی ہے اور جس کے طول ہمارا بھل حسن سے طبع فارس تک اور لکنا سے خلیج بنگالہ تک اور بعضی سے سواحل افریقہ تک گشت لگاتے رہتے ہیں اس سے بالکل الگ ہو۔ س م ح

خیموں اور اُنکے متعلقہ چھوٹے خیموں اور بیگوں اور محل کی اور عورتوں اور ساز و سامان اور باورچیخانہ کے اسباب اور گنگا جل اور اور بہت سی چیزوں کے اٹھانیکے لیے جنگا بادشاہ کے ساتھ رہنا سفر اور حضر میں ضروری ہے اور جو یورپ میں کسی کے خیال میں بھی نہیں آتیں رکھنے پڑتے ہیں۔ اس کے سوا محاصرہ کے پیشاور اخراجات ہیں جس میں عمدہ مملکین اور زر و زلفت اور لٹیری اور زریدار کپڑے اور موتی اور مشک اور عنبر اور عطر اس قدر صرف میں آتا ہے کہ خیال میں نہیں آسکتا پس اگرچہ ہنشا مغل کے داخل ہیشاہ میں مگر محتاج بھی اُس قدر ہیں اور ایسوجہ سے (جیسا کہ بہت سے لوگ غلطی سے خیال کرتے ہیں) بہت زیادہ روپیہ پس انداز نہیں ہوتا۔

ہندوستان اور ایران  
اور روم کے محل کا مقابلہ  
میں ملتا ہوں کہ سلطان روم اور شاہ ایران دونوں کے محل کو اگر ملائیں تو شہنشاہ مغل کا محل غالباً

اُس سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اگر میں اُس کو دو لٹمنہ بادشاہ کہوں تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ گویا وہ ایک ایسا خزانچی ہے جو ایک ہاتھ سے بیشمار روپیہ لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیتا ہے۔ اور میرے نزدیک واقعی دو لٹمنہ اُس بادشاہ کو کہنا چاہیے کہ جس کا محل اس قدر ہو کہ بغیر اسکے کہ ظلم اور زیادہستانی سے رعایا فقیر ہو جائے اُمر اور اہل دربار کا ایک عظیم الشان مجمع قائم رکھنے اور مفید خلائق اور عالیشان عمارتیں بنانے اور فیاض و کریم الطبع ہونے اور ملک کی حفاظت کے لیے فوج کثیر تیار رکھنے کے علاوہ اس قدر روپیہ پس انداز رکھ سکتا ہو کہ اپنے ہسایلوں کے ساتھ کسی اتفاقیہ اطامی بھڑائی کے وقت جو خواہ کئی برس تک جاری رہے کام میں لاسکے۔ اور اگرچہ شہنشاہ ہند کو ان میں سے اکثر باتیں حاصل ہیں لیکن اس قدر نہیں جتنے کہ لوگ

خیال کرتے ہیں۔

شہنشاہ منغل کی دولت مند ہی کی سبالتہ آمیز شہرت اور خزانے اور جواہرات کا ذکر

شہنشاہ منغل کے اخراجات کثیر اور لازمی کی نسبت جو کچھ سینے بیان کیا ہے اس سے اور ان دو باتوں سے جو منجھو بخوبی تحقیق ہو چکی ہیں غالباً آپ کی رائے بھی یہی قرار پائے گی کہ شہنشاہ منغل کی دولت مندی کی شہرت مبالغہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ گزشتہ لڑائی کے خاتمہ کے قریب اورنگ زیب کو نہایت فکر تھی کہ فوج کی تنخواہ کس طرح ادا کی جائے۔ حالانکہ لڑائی صرف پانچ برس ہی تھی اور فوج کی تنخواہ بھی معمول سے کم تھی اور ہنگالہ کے سوا جہاں سلطان شجاع ایک لڑتا تھا اور سب صوبوں میں بالکل امن و امان تھا اور باپ کے اکثر خزانے بھی اُس کے قبضے میں آچکے تھے۔

دوسری یہ کہ شاہ جہاں جو بڑا کفایت شعار تھا اور کسی جنگ عظیم میں پھسنے اور الجھنے کے بغیر چالیس برس سے زیادہ عرصہ تک سلطنت کرتا رہا کبھی چھ کروڑ روپیہ سے زیادہ جمع نہیں کر سکا۔ لیکن اس رقم میں نین ان کثیر التعداد سونے چاندی کی طرح طرح کی مصروف چیزوں کو جن پر نہایت عمدہ عمدہ کام بنے ہوئے ہیں اور بڑے بڑے قیمتی موتیوں اور قیمتی قسم کے کثیر التعداد جواہرات کو شامل نہیں کرتا اور مجھے شک ہو کہ اس سے زیادہ جواہرات شاید ہی دنیا کے کسی اور بادشاہ کے پاس ہوں۔ چنانچہ اس کا ایک تخت ہی (اگر میری یاد میں کچھ غلطی نہ ہو)

تین کروڑ روپیہ کی قیمت کا ہے۔ یہ سب جواہرات اور قیمتی چیزیں ہیں۔ راجپوتوں کے قدیمی خاندانوں۔ اور پٹھان بادشاہوں۔ اور امراء سے لوٹی ہوئی اور ایک مدت دراز میں جمع کی ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک بادشاہ کے عہد میں امراء سلطنت کے معمولی سالانہ پیشکشوں کے ذریعہ سے جو انکو مجبوراً دینے پڑتے ہیں۔ انکا شمار بڑھتا گیا ہے۔ اور یہ سب خزانہ تخت کا مال سمجھا جاتا ہے اور انکو چھپنا منع ہے۔ یہ بات کہ خود بادشاہ بھی کسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اسکی کفالت پر تھوڑا سا روپیہ ہی نہایت مشکل سے حاصل کر سکتا ہے۔ ۵۷

۵۸ اسکاتھقل حال جلد دوم کے صفحہ ۲۸۹ کے حاشیہ میں دیکھنا چاہیے۔ س م ح

۵۹ شاہ جہاں کی سلطنت کے بیسویں سال کے خاتمہ پر مہلا عبد الحمید لاہوری نے بادشاہ میں جو عبارت خزانہ اور جواہرات کی نسبت لکھی ہے اسکا خلاصہ یہ ہے۔ ”خزانہ کا موزن درخت خداوند فرما ہم آمدہ محاسب ہم و خیال در رک اندازہ آن بجز تصور متعرف بہت۔ اگرچہ خزانہ حضرت عرش شہیانی (محمّد اکبر بادشاہ) در وقت پنجاہ و یک سال فرمانروائی جمع نمودہ بود و اکثر آنرا حضرت جنت مکانی (جہانگیر بادشاہ) در سلطنت بہت و دو سال خرج نمودہ و بیچ کے از طہین ہندوستان را میرنشدہ تا بغیر از دایان دیگر ولایت چہ رسد۔ اما آنچه دریں عہد بمیان نیت عالم آرا و معلّٰی گیتی پیرا با وجود افراد اہل اغراضات گرد آمدہ بمزاتب ازاں افزون بہت و آنچه در سرکار مقدس ازاں افراد کا مذاق جماعت ہر روز میسر و سفید و طلا آلات و نقرہ آلات جمع شدہ غالباً بحسب کیفیت نزول فرمانروایان عالم نباشد۔“

اور میر محمد ہاشم خانی مخاطب بہ ہاشم علیخان و آخر کار مخاطب خانی نظام الملکی نے اکبر اور شاہ جہاں دونوں کے خاتمہ احوال میں جو عبارتیں لکھی ہیں انکا خلاصہ یہ ہے۔ (عبارت مشتق ذکر خزانہ عہد اکبر)

”در وقت وفات محمّد اکبر بادشاہ زیادہ از پنچہزار نیل کہ گاہ قریب شش ہزار

ہندوستان میں سونے چاندی کے بظاہر کم دیکھائی دینے اور لوگوں کے متحمل معلوم نہ ہونے کا سبب -

اپنے اس خط کے ختم کرنے سے پہلے میں یہ بت بیان کرنی چاہتا ہوں کہ اگرچہ سونا اور چاندی اکثر ملکوں میں پھر پھر کر آخر کار ہندوستان میں آجاتا

ہے۔ مگر اس پر بھی بنسبت اور ملکوں کے یہاں زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔ اور ہندوستانی لوگ اور ملکوں کے باشندوں کی طرح متحمل معلوم نہیں ہوتے جس کا سبب یہ ہے کہ اول تو بہت سا مال بار بار کلائے جانے اور عورتوں کے ماتحتوں کی چڑیوں اور پاؤں کے کڑیوں اور تورڑوں وغیرہ اور بالیوں اور نٹھوں اور انگوٹھیوں کے بنانے میں چھج جاتا ہے اور اس سے بھی زیادہ مقدار زر دوزی اور کار چوبی کام کے کپڑوں اور لٹچوں اور پکڑیوں کے ٹکڑوں اور نہری ٹوپری کپڑوں اور اورٹھنیوں اور پٹنگوں اور مندلیوں اور کچا بوں کے بنانے میں خرچ ہو جاتی ہے اور یہ چیزیں اس قدر بنائی جاتی ہیں کہ منسنے والے کو یقین نہیں آ سکتا اور تمام فوجوں

میرسید دریل خانہ اور موجود بود و دوازدہ ہزار اسپ در طویل و ہزار ہزار در چہ نانہ داشت و بعد وفات او کہ عرض خزانہ گرفتہ وہ کرد روپیہ را اشہد فی بازہ ہاشہ و سیزدہ ہاشہ چہا کاہہ ہاشہ سوک اشتر قیاسے کلاں کہ از صد تولہ تا پانصد تولہ ہزار اشرفی در خزانہ موجود بود و دوسہ ہفتاد و دوسن طلا سے غیر سکہ کوک و سہ صد و ہفتاد و سمن نقرہ و یک سمن جواہر خاصہ کہ قیمت آن از سہ کرد روپیہ تجاوز نمودہ بود برآمد۔“ ( عبارت متعلقہ حال خزانہ عہد شاہ جہاں )

” بر عقلا ظاہر ہے کہ اگرچہ در ملک گیری و استقلال بہ از محمد اکبر بادشاہ رونق افزا سے سلطنت ہند وستان در تیموریہ نبودہ اما در بندہ و سبت و رفق و مہم آوردن خزانہ و آباد کاری ملک و قدر دانی سپاہ و رفائیکہ بہ از شاہ جہاں بادشاہ در عرصہ ہر محبت ہند وستان فراں فرماے مگردیدہ۔ سوائے خراج لازم و فزوم سلطنت و آنچہ بخرج عمارات و قلعہ و مسجد شاہ جہاں آباد و دیگر ملاب و بانام امپران و مہم قداہار

میں اُمراء کے لیکر سپاہیوں تک کچھ نہ کچھ ملمع اور طلاکاری کی چیزیں زیب و زینت کے لیے پہنتے ہیں اور ایک ادنیٰ سپاہی بھی (کنہ خواہ بھوکوں کیوں نہ مر جائے جو ایک معمولی امر ہے) اپنی بیوی اور بچوں کو کچھ نہ کچھ زور و زور پہناتا ہے۔

بادشاہ جو زمین کا مالک ہے اہل سپاہ کو سیکندریہ میں تنخواہ میں دیدیتا ہے کہ جسکو یہاں "جاگیر" اور سلطنت ٹرکی میں "تیمار" کہتے ہیں اور جسکے معنی ہیں وہ جگہ

مشاجروں اور جاگیرداروں کے غلام رقعہ داروں اور دوسری کے کافی انتظام ہونے کا ذکر۔

کہ جہاں سے کچھ لیا جائے یا تمام وصول تنخواہ اور اسی قسم کی جاگیریں صوبہ داروں کو بھی انکی اور انکی فوج کی تنخواہ میں اس شرط پر دیجاتی ہیں کہ فاضل آمدنی میں سے ایک خاص رقم سال بسال خزانہ شاہی میں داخل کرتے ہیں اور جو زمینیں جاگیر میں نہیں دیجاتیں اور خاص بادشاہ اور اُسکے اہل خاندان کے متعلق ہیں اور شاذ و نادر ہی کسی کو جاگیر میں دیجاتی ہیں وہ مشاجروں کو دیدیجاتی ہیں جو سال بسال زمینیں ادا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح پرجو لوگ زمین پر قبضہ حاصل کرتے ہیں خواہ تیار دار ہوں خواہ صوبہ دار یا مستاجر۔ کاشتکاروں پر اُنکے اختیارات ایسے غیر محدود ہیں کہ گویا مطلق العنان ہی کہنا چاہیے۔ اور کاشتکاروں ہی پر منحصر نہیں بلکہ اپنے علاقہ کے گانوؤں اور قصروں کے اہل حرفہ اور سوداگروں پر بھی دیباہی اختیار ہے۔ اور جن طریقوں میں یہ اپنے ان اختیارات کو عمل میں لاتے ہیں اُس سے

و بطبع کہ آخر انکا رفتہ رفتہ آمدہ۔ بہشت و جہار کوہ روپیہ و از جنس شرفی۔ سو کہ علا و نقرا غیر مکرک و لغو و طلائی و نقدی و جہاں کہ تخمیناً پانزدہ شانزدہ کہ صدان نیزے شد  
ماندہ بود

س م ح

تاریخ حیات و وفات



زیادہ کوئی برجانہ اور تکلیف دہ امر خیال میں نہیں آسکتا اور ایسا کوئی شخص نہیں ہے کہ جسکے پاس یہ مظلوم کسان اور کاریگر اور سوداگر اپنا استغاثہ پیش کر سکیں یعنی نہ تو فرانس کی طرح یہاں کوئی گریٹ (لاڈ ہے) اور نہ پارلیمنٹ اور پریسائل کورٹ کے جج جو ان برہم ظالموں کے ظلم کو روکیں اور جو قاضی یہاں مقرر ہیں انکو ان بدمعاش لوگوں کی داد دے کا کافی اختیار نہیں ہے۔ مگر ان بلا قید اختیارات کی یہ بدستھالی بڑے بڑے شہروں مثلاً دیلی، اور آگرہ اور بندرگاہوں اور ٹیپے بڑے قصبوں کے قرب و جوار میں اس درجہ تک محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسے مقاموں میں کوئی بڑی نا انصافی کا کام دربار شاہی سے مخفی نہ آسان نہیں ہے۔

رعایا کی یہ غلامانہ حقیر حالت ترقی تجارت کی مانع اور گورنر اوضاع و اطوار اور طریق معاشرت کی خرابی کا باعث ہے اور تجارت کو نہ کرنے کا کسی کو ایسے حوصلہ نہیں ہوتا کہ

غلامانہ حالت سے تجارت اور لوگوں کے اوضاع و اطوار اور طریق معاشرت پر اثر کا ذکر۔

منافع کی صورت میں بجائے اسکے کہ وہ اُسے اپنے عیش و آرام میں صرف کرے اسکو دیکھ کر کسی ظالم اور ذی اختیار ہمسایہ کے موہبہ میں پانی بھرتا ہے۔ جبکہ میلان طبع ہمیشہ اس طرف ہر کہ کسی شخص کو اسکی محنت کے ثمرہ سے محروم کر دے اور اگر کسی کو دولت حاصل ہو بھی جاتی ہے (جیسا کہ بعض اوقات ہونا ضروری ہے) تو بر خلاف اسکے کہ سابق کی نسبت آسودہ حالت میں رہے اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرے مفلسوں کی سی صورت بنا کر رہتا ہے۔ اور لیکن اور مکان اور اسباب خانہ داری بہت ہی ذلیل دکھتا ہے۔ اور سب سے زیادہ کھانے پینے میں خست دکھتا ہے۔ اور اس حالت میں اسکا دپیہ اور شہرہ

زیر زمین کسی عمیق گڑھے میں گڑا رہتا ہے۔ اور سب لوگوں میں خواہ کاشکار ہوں خواہ کاریگر یا اہل بازار ہندو ہوں یا مسلمان عموماً یہی طریقہ جاری ہے علی الخصوص ہندوؤں میں جلے ہاتھ میں ملک کی دولت اور تجارت ہے اور جنکا یہ عقیدہ ہے کہ جو دولت ہم اپنے ایام حیات میں چھپا کر رکھینگے مرنے کے بعد ہمارے کام آئیگی۔ البتہ بعض اشخاص جو بادشاہ یا امرا کے ہاں نوکر ہیں یا جنکا کوئی بڑا وسیلہ ہے انکو اپنی تنگدستی دکھانے کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور عیش و آرام سے عمر بسر کرتے ہیں اور مجھے کچھ شک نہیں ہے کہ سو نو چاندی کو زیر زمین دفن رکھنے اور اس طرح پر اُسکے ایک کو ہاتھ میں سے دوسرے کے ہاتھ میں جانے سے روکنے کی یہ عادت ہی اُس ملک میں سونے چاندی کے بظاہر کم دکھائی دینے کا بڑا سبب ہے۔

اب جو کچھ میں بیان کر چکا ہوں اُس سے طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ زمین کی مالکیت بالکل چھوڑ دے۔ اور یہ

ہندوستان میں رعایا کو حق ملکیت زمین حاصل ہونے سے جو منفعتی حکام اور عساکر کے لیے پیدا ہوتے ہیں ان کا مفصل بیان۔

حق رعایا کو حاصل ہو جائے تو آیا یہ امر رعیت اور بادشاہ دونوں کے حق میں مفید ہوگا؟ یا نہیں؟

اسکے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے فنگلستان کی حالت کا کہ جہاں حق ملکیت زمین رعایا کو حاصل ہے اور ان ملکوں کی حالت کا جہاں یہ

✽ شاید فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ ہونیکے وقت کچھ غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ ہندوؤں میں کوئی ایسا قاعہ عقیدہ نہیں ہے غالباً اصل میں یوں ہوگا کہ مرئی کے بعد اولاد کے کام آئیگا۔ س م ج

حق اُنکو حاصل نہیں ہے امتیاط کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ اور بعد غور میری رائے یوں قائم ہوئی ہے کہ یہ امر نہ صرف رعایا بلکہ خود بادشاہ کے فوائد کے لئے بھی بہت ہی مضر ہے۔ چنانچہ میں یہ امر بیان کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں سونے چاندی کے کم دکھائی دینے کا کیا باعث ہے یعنی جاگیرداروں صوبہ داروں اور مستاجروں کا ظلم کہ جسکا انسداد اگر بادشاہ بھی چاہے تو نہیں ہو سکتا خصوصاً اُن صوبوں میں جو پائے تخت کے قریب نہیں ہیں اور یہ ظلم اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ کاشتکاروں اور اہل حرفہ کے پاس بسر اوقات کے لئے کچھ بھی نہیں رہنے دیتا اور وہ حالت افلاس اور تنگدستی میں پڑے مرتے ہیں اور اسی ظلم کے سبب سے اول تو ان بیچاروں کے کچھ اولاد ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوتی ہے تو فاقوں کے مارے بچپن ہی میں چل بسی ہے خلاصہ یہ کہ اس ظلم و ستم کی وجہ سے کاشتکار اپنے کجخت وطن کو چھوڑ کر سیکندرا سائش ملنے کی امید پر کسی ہمسایہ ریاست کے علاقہ میں جا رہتے ہیں یا فوج میں جا کر کسی سوار کے پاس نوکری کر لیتے ہیں۔ اور چونکہ زمین کا تردد و شاذ و نادر ہی جبر کے بغیر ہوتا ہے اور کوئی شخص اس قابل پایا نہیں جاتا کہ اپنی خوشی سے اُن نہروں اور نالیوں کی مرمت کرے جو آبپاشی کے لئے بنی ہوئی ہیں۔ اسوجہ سے تردد و بخوبی نہیں ہوتا۔ اور خشکی کے سبب سر زمین کا ایک بڑا حصہ خالی پڑا رہتا ہے۔ اور زمین ہی پر کیا موقوف ہے مکانات بھی اکثر دیرانی اور تباہی کی حالت میں رہتے ہیں اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو نئے مکان بناتے یا انکی مرمت کرتے ہیں اور ایک طرف تو کاشتکار اپنے دل میں ہمیشہ یہ خیال کرتے ہیں کہ کیا ہم اسلئے محنت کریں کہ کوئی ظالم

آئے اور سب کچھ چین لجا لیا۔ اور اگر چاہے تو ہماری بسر اوقات کے لیے بھی ہمارے پاس کچھ بچھڑے۔ اور دوسری طرف جاگیر دار اور صوبہ دار اور ستاجر یہ سوچتے ہیں کہ ہم کیوں افتادہ اور ویران زمین کا فکر کریں اور اپنا روپیہ اور وقت اُسکے بار آور بنانے میں لگائیں۔ کیونکہ یہ معلوم کس وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے اور ہماری کوشش اور محنت کا ثمرہ نہ تو ہیکو سی حاصل ہو اور نہ ہماری اولاد کو۔ پس زمین سے جو کچھ وصول ہو سکے کر لیں اور ہماری بلا سے! کاشکار بھوکے مریں یا اچڑ جائیں! اور جب ہیکو اسکے چھوڑ دینے کا حکم ملے گا تو ویران اور غیر آباد چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

خانی خاں نے بھی اپنی تاریخ میں (جراورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے مراد بارہ برس بعد عہد شہاد کے زمانہ میں لکھی گئی تھی) جلال الدین محمد اکبر کے عہد اور اس کے شیر خوش تدبیر راجہ ٹوڈر مال کے ذکر میں زمینداروں کی پرورش اور مالداروں کے عہدہ بندوبستوں کی توصیف و توصیف لکھ کر پھر اپنے زمانہ کے عالموں اور مشاہروں کے ظلم و ستم کی جو دردناک کیفیت نہایت ہی افسوس کے ساتھ لکھی ہے ہم اُس کو اس جگہ نقل کرتے ہیں یہ شخص اس کا باب ابتداء اورنگ زیب کے بھائی ٹوڈر مال کے عہد میں سے تھے۔ اور اپنے شاہ جہاں کے خوشحال عہد سلطنت سے لیکر عہد شہاد کے پرنسپل زمانہ حکومت تک بہت کچھ دیکھا بھلا تھا جن فراموشیوں کا اس نے ذکر لکھا ہے انکی نسبت یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اورنگ زیب کے بعد یا سدا رنگیلے عہد شہاد ہی کے زمانہ میں پیدا ہو گئی تھیں بلکہ ظاہر ہے کہ انتظامیہ اموالوں کی خرابی کے باعث پہلے ہی سے جاری تھیں۔  
 قولہ ابراہیم سے باہوش تجربہ کا ظاہر ہے کہ احوال موافق تقاضا سے وضع روزگار طریقہ خود امور ملکی و رعیتی پروری و آبادی ملک و افزونی محض ازمیاں برخواستہ و حال اجارہ دار کے سببنا خراج و دہار وادہ برسر محاللات میر و مذ و باعث و بال حال رعایا کا مال گزار میگروند انہارا اصلا نظر بر آبادی ملک و خرابی حال رعایا نیست و از انکہ اعشا و بر بحال ماندن

شخصی حکومت سے جو نتیجہ ہندستان  
میں پیدا ہوئے وہی ایشیا کو چک  
اور مسترد نہیں ہوئے۔

پس جو حقائق مینے بیان کیے ہیں وہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ ایشیائی سلطنتیں جلد جلد کس طرح زوال پذیر ہوتی ہیں اور حکومت

کے اسی ناقص طریقہ کا یہ نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے بہت سے شہروں کے مکانات کچے یا گھاس پھوس وغیرہ سے بنے ہوئے ہیں۔ اور یہاں کے شہر اور قصبے خواہ بالفضل مستہ حال اور ویران ہوں مگر ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس میں جلد تباہ اور خراب ہو جائیگی علامتیں موجود نہ پائی جائیں۔ اور ہندوستان ہی پر کیا منحصر ہے یہ تو ہم سے ایک بہت دور کی سلطنت ہے ہم اپنے قریب ہی

سال دیگر ملک تمام سال اندر هر دو حصه محصول را فروخته ميگيرند و از سه خاتري که بر بهر علم انکشاف نموده کار بفروختن کاو و اربا که مادر قلبه را ني برآنت نرساند و باز بخرج در بار و سه بندي نقصان نموده که نموده و فانيد و با قايما نده رعا يا را حتمی اشجا بيوه دار و زمين بلکی و سور و قی آنها را بفروش نيارد و تاخت و تاراج مفسدان آن فواج علا و موجب و يراني ملک و خرابي حال رعا يا ميگردند - از آنست که در که دست کرده زمين نامرور مع افتاده بجا و زحمت اشجار خود را در انگير افروان و نشتر جلجگه داران بے سرمايه است بسيار گرند و فقه جات سير حاصل بخرتبه خراب ويران اندي و حکام بد انجام گرديد که ريشه غير مسکن سباغ گشته و آنقدر ديهات خرابه محض و بچراغ شده که نام آبادي ماه ما بر خاسته اگر چه از فراست نفس رعا يا و تقاضا سه ايام بد فرجام است که روز بروز ملک زياده از اين خراب نشود و رعا يا پال جور و جنايه عال جال گردد و بجا و داران گرفتار و بال آه عيال خزانگان مظلوم گردند اما عظيم و قعدی و بيد و حا کمان از خدا بے بخير بچاسه رسيد که اگر خواهم فخر شيد که از باطن بيان آرد از سر شسته کلام دور سئ افتد در صورتیکه بکي اعزال که في النجمله انديشه روز جزا داشته باشد و خواهد برخلاف و ديگر عظيم نيگان سختی و قعدی را جز و عظيم شيوه عالمي نداند و تر حسي بر حال رعا يا نمايد و در پير و خست حال حريت مال گذارد و از نو في محصول سال بسال در نيکي عاقبت و قتل کار خود و فرزندان خود خانه مردم روزگار او را مطعون ساخته از جلد موقوفان ناکرده کار محسوب مينمايند

بقیہ احادیث میں مذکور ہے

کے بعض ایشیائی ملکوں کی حالت کا مقابلہ کر کے شخصی حکومتوں کے سرِ جانہ برتاؤ کے نتیجوں کی نسبت اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ مثلاً دریائے دجلہ اور فرات کے دو آبے کو اور ایشیاء کو چمک اور فلسطین اور انطاکیہ کے قرب و جوار کے عمدہ میدانوں اور بہت سے اضلاع کو دیکھ لیجئے کہ قدیم زمانہ میں کس کثرت سے زرعیتیں ہوتی تھیں اور کیسے زرخیز اور آباد تھے اور آب ویران پڑے ہیں بلکہ ان کے بہت سے حصے دُندُل ہو جانے اور آب و ہوا کی خرابی سے انسان کی بود و باش کے بھی قابل نہیں رہے۔ یہی اندوہناک صورت مصر کی دکھائی دیتی ہے جہاں کی رعایا غلامانہ حالت میں ہے اور اُشتی ہیں کے عرصہ میں یہ بے نظیر ملک دسویں حصہ سے زیادہ ویران ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس مدت میں کسی نے دریائے نیل کی نہروں کی کچھ خیر نہیں لی جب کیا یہ نتیجہ ہوا کہ دریا اپنے معمولی پاٹ کے اندر نہیں بہتا اور نیچی زمینیں بالکل غرقاب ہو جاتی ہیں۔ اور ریت سے استقراء ٹٹ گئی ہیں کہ بغیر بہت سے روپیے اور محنت کے صاف نہیں ہو سکتیں۔ پس ایسی حالت میں کیا یہ کچھ تعجب کی بات ہے کہ ان ملکوں میں صنعت اور حرفت کو ویسی ترقی نہ ہو جیسی کہ ہمارے خوش نصیب فرانس اور ان ملکوں میں ہے۔ جہاں کا طرز حکومت عمدہ ہے۔

و اگر خدا نکر وہ سال یا تمام نرسانید و تفریر گردید خراب و پامال خرچ سے ہندی وغیرہ ملک گشتہ و بال نقصان بایہ دشمنات ہمسایہ گرفتار میگردد۔ چنانچہ مکرر برسوں و اوراق گزشتہ!! حق سبحانہ و تعالیٰ ہمہ بندہ سے عامی را ازین آفت در پناہ خود نگاہ دارد۔ بحق محمد وآلہ الامجاد»

اس مضمون کو پڑھ کر امید ہے کہ ناظرین کتاب کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہو گا کہ ہمارے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی کی شایستہ حکومت کیسی خیر و برکت کی حکومت ہے۔ ملک کیسا سرسبز و کیسا آباد ہے اور رعایا کس امن و امان سے بے غلظت زندگی بسر کرتی ہے۔ س م ح

کیونکہ کسی صنّاع سے ایسے لوگوں میں رہ کر اپنے پیشہ میں جی لگانے کی اُمید نہیں  
 کیجا سکتی جو مفلس اور غریب ہوں یا اپنے تئیں مفلس ظاہر کرتے اور چسپنری کی  
 خوبصورتی اور عمدگی کی جگہ صرف اُسکے ارزاں ہونے کا خیال رکھتے ہوں اور  
 بڑے آدمیوں کا یہ حال ہو کہ صرف اپنی مرضی سے چیز کی حیثیت سے بہت کم  
 قیمت جو چاہتے ہوں دیدیتے ہوں اور کسی کاریگر یا سوداگر کے اصرار کرنے کی  
 حالت میں اُسکو کوڑوں سے پٹوانے میں بھی اُلگوتا مل نہوتا ہو (کوڑا ایک لمبے اور  
 دھشت ناک چابک کو کہتے ہیں جو ہر ایک امیر کے دروازہ پر لٹکتا رہتا ہے) اور  
 کیا کسی صنّاع کا حوصلہ پست کر دینے کے لئے یہ امر کچھ کم ہے کہ اُسکو کسی عزاز کے  
 پانے یا اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے کسی منصب سرکاری کے حاصل ہونے  
 یا زمین کے خریدنے کی اجازت ملنے کی اُمید نہیں اور اس خوف سے کہ کوئی دولتمند  
 کا شبہ نہ کرے نہ کبھی اچھی پوشاک پہن سکتا ہے اور نہ اچھا کھانا کھا سکتا ہے اور نہ یہ  
 ظاہر کر سکتا ہے کہ اس کے پاس کچھ تھوڑا سا بھی روپیہ ہے۔ ہندوستان کی صنعت  
 کی خوبصورتی اور لطافت مدت سے جا چکی ہوئی مگر بادشاہ اور بڑے بڑے اُمرا کے  
 ہاں بہت سے کاریگر نوکر نہوتے جو خود انہیں کے گھروں پر اور سرکاری کارخانوں  
 میں بیٹھ کر کام بناتے اور اپنے شاگردوں اور لڑکوں کو سکھایا کرتے ہیں اور انعام کی  
 اُمید اور کوڑوں کا خوف اُلگومحنت کے ساتھ اپنے کام میں لگائے رکھتا ہے اور  
 کچھ یہ بھی سبب ہے کہ بعض دولتمند تاجر اور سوداگر ایسے بھی ہیں کہ جنکو بڑے بڑے  
 اُمرا کی سرکاروں سے تعلق اور توشل ہے اور وہ کاریگروں کو شرح مردوج سے کسبِ نقد  
 زیادہ مزدوری دیکر کام بنوایا کرتے ہیں۔ میں نے ”کسی قدر زیادہ مزدوری“ اس لئے

کہا ہے کہ یہ تو سمجھنا ہی بچا ہے کہ اچھی چیزیں بنانے سے کارنگیر کی کچھ قدر کیجاتی ہو یا اسکو کچھ آزادی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ توجہ کچھ کرتا ہے صرف ضرورت یا کوڑوں کے خوف سے کرتا ہے۔ اور چونکہ تمول اور آسودگی حاصل ہونے کی کبھی امید نہیں ہوتی اسلئے اگر روکھا سوکھا کھانا کھانے کو اور مڑا جھوٹا کپڑا پہننے کو ملجائے تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہے۔ اور رویہ حاصل بھی ہو جائے تو اسکو کیا!! کیونکہ وہ تو اس سوداگر کا مال ہے جو خود ہی اسی اندیشہ سے ہمیشہ مضطرب رہتا ہے کہ اگر کوئی زبردست ظلم و زیادتی کرنا چاہے تو اس سے کس طرح بچے۔

ہندوستان کی پہلی اور جہالت کا ذکر لوگوں کی اس حالت کا بالطبع یہ نتیجہ ہے کہ تمام ملک میں علی الغموم سب رجسٹرڈ پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ یہاں ممکن ہی نہیں کہ ایڈوارالعلوم اور کالج قائم ہو سکیں کہ جنکے اخراجات کے لئے کافی سرمایہ بذریعہ وقف کے موجود ہو اور ایسے لوگ کہاں جو اس طرح پر مدرسے اور کالج قائم کریں اور بالفرض ایسے لیگ میسٹر بھی آجائیں تو غالباً بعلم کہاں اور لوگوں میں اتنی استطاعت کہاں کہ اپنے بچوں کو کالج میں رکھ کر انکے اخراجات کا سرانجام کر سکیں اور بالفرض ایسے ذی مقدور لوگ موجود بھی ہوں تو یہ جراث کون کر سکتا ہے کہ اس طرح علانیہ اپنی دولت مندی ثابت کرے اور شاید اگر کوئی شخص یہ محتاج حرکت کر بھی بیٹھے تو عہدہ تعلیم سے جن دنیاوی فوائد کی توقع ہوتی ہے وہ کہاں اور ایسے اعتماد اور اعزاز کے عہدے اور منصب کہاں جو نوجوان طالب علموں کی امیدوں اور ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کے شوق کو ابھارتے رہتے ہیں اور جنکے لئے علم اور قابلیت کی ضرورت ہے۔ \*

\* خدا کا شکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا حال نہیں ہے بلکہ سب سے سن ملک میں گورنمنٹ بنگلے



ہندوستان کی تجارت  
کی بہت حالی کا ذکر۔

جس ملک میں اس قسم کی حکومت ہو وہاں اس ہستی  
اور کامیابی کے ساتھ تجارت بھی نہیں ہو سکتی جیسے  
کہ فرنگستان میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں کہ جو اپنی خوشی  
سے محنت اور تکلیف اٹھانے اور کسی دوسرے شخص کے فائدہ کے لیے خطرے  
میں پڑنے کو گوارا کریں (دوسرے شخص سے میری مراد کوئی ایسا حاکم ہے  
جو لوگوں کی کمائی کو چھین لینے سے فریغ نہیں کرتا) اور خواہ کتنا ہی نفع کیوں  
نہ حاصل ہو کمائی واسے کو مفلسانہ لباس پہنا اور اپنے غریب ہمسایوں سے بڑھ کر کھا  
پینے میں تکلف نہ کرنا ضروریات سے ہے۔ مگر اں جب کبھی کسی فوجی سردار سے  
کسی سوداگر کو تو تسل ہو جاتا ہے تو البتہ وہ بڑے بڑے تجارتی معاملے کرنے لگتا ہے  
مگر اس حالت میں اسکو اپنے مربی کی غلامی میں رہنا ضروری ہے جو حفاظت  
کے بدلے جس قسم کی شرطیں اس سے چاہتا ہے کر لیتا ہے۔

کاسبارک قدم آیا ہے علاوہ اور تدابیر رفاہ و فلاح کے مبدان سلطنت نے ابتدا ہی سے اہل  
ہندوستان کی تعلیم میں نہایت کوشش کی ہے۔ اگرچہ شروع میں ملک کے مذاق کے  
موافق پڑانے طرز پر عساجی۔ فارسی۔ سنسکرت زیادہ پڑھائی جاتی تھی۔ انگریزی اور  
علوم مرد جو یورپ کم۔ اور نہ اتنے سرکاری مدرسے اور کالج ہی تھے۔ اور نہ جی اسٹنڈ۔  
اور ایم اے وغیرہ ڈگریاں جو وٹس باڑہ برس کی محنت شاقہ اور سخت امتحانوں کے بعد  
دیجاتی ہیں۔ مگر آخر کار وہ بران سلطنت کے باہم ایک مدت تک بحث و مباحثہ اور غور و فکر کے  
پہلے ہوا کہ باشندگان ہند کو زبان انگریزی کے ذریعہ سے وہ تمام علوم و فنون ملازمین سکھائی  
چاہئیں کہ جنکے علم و عمل نے ممالک یورپ کو ان کے موجودہ درجہ کمال پر پہنچایا ہے۔ چنانچہ  
۱۷۷۴ء (اتھارہ سو چوتن) عیسوی سے اس ہول پر تعلیم جاری ہے۔ جسکے انتظام و بہار  
کے لیے اول کلکتہ۔ صلاہ اس۔ بعد میں جو تینوں پریذیڈنسیوں کے صدر مقام ہیں

بہار  
بنگلہ  
میرٹھ

امراے ہندوستان کا خاندانی  
اور عالی نسب ہونا اور ان کی  
جہالت اور غرور کا ذکر۔

شہنشاہ ہند کو یہ بات میسر نہیں ہے کہ ملازمت  
کے لئے اپنی رعایا میں سے ایسے لوگوں کو منتخب  
کر سکے جو قدیمی ریش زادے اور خاندانی امیروں

اور شریفوں کے طبقے کے اور بڑے بڑے کا خاندان داروں اور متمول سوداگروں کے بیٹے  
پوتے ہوں اور جنہوں نے بخوبی تعلیم پائی ہو اور اپنی عادات اور اطوار میں مقبولیت  
اور سنجیدگی کا بدرجہ اعلیٰ خیال رکھتے ہوں اور جنکو اپنے بادشاہ سے محبت ہو اور ولیری  
و دلاوری کے کاموں سے اپنے خاندان کی ناموری اور شہرت بڑھانیکے لئے  
مستعد اور بوقت ضرورت اس قابل ہوں کہ اپنی گرہ سے کھاکر دربار یا فوج میں بخوشی کام  
دے سکیں اور کسی اچھے وقت کی امید پر صرف بادشاہ کے ہنس کر بول لینے اور  
شائبہ کش کہدینے پر قانع ہوں بلکہ بجائے اس قسم کے لوگوں کے شہنشاہ ہند کے  
ار و گرد جاہل اور وحشی غلام یا وہ خوشامدی لوگ رہتے ہیں جنہوں نے بہت سی

تین یونیورسٹیاں قائم کی گئی تھیں اور اب لاہور اور الہ آباد میں بھی جو گورنمنٹ پنجاب  
اور ممالک مغربی و شمالی کے صدر مقام ہیں دونی یونیورسٹیاں اور قائم ہو گئی ہیں۔ ان چوبیس  
کے تحت میں بڑے شہروں سے لیکر اکثر دیہات تک بہت سے مختلف حیثیتوں کے کالج اور مدرسے  
اور کتب ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی تعلیم میں علاوہ علوم اور زبان انگریزی کے عربی فارسی سنسکرت تینوں  
میں سے کسی ایک زبان کا تہہ مناسب جاننا بھی ضروریات سے ہے۔ اور تعلیم عام اور بچ  
ارنی کے لئے ہندوستان کے اطفال مختلف کی دسی بولیوں میں سے اٹھارہ زبانوں میں  
مفید کتابیں تصنیف و تالیف ہو کر پڑائی جاتی ہیں۔ بعض مقامات میں خاص طور کے کالج  
اور سکول ہیں۔ جن میں فن انجینیری۔ طبابت۔ زراعت۔ قانون۔ بیٹاری (طب حیوانی)  
صنعت و حرفت۔ فارٹری (مسی طریقوں سے جنگ لگانا اور اسکی حفاظت کرنا) وغیرہ کی  
تعلیم دی جاتی ہے۔ اگرچہ پادری لوگ اپنے قائم کیے ہوئے مدرسوں میں مذہب عیسوی کی

تین یونیورسٹیاں قائم کی گئی تھیں اور اب لاہور اور الہ آباد میں بھی جو گورنمنٹ پنجاب اور ممالک مغربی و شمالی کے صدر مقام ہیں دونی یونیورسٹیاں اور قائم ہو گئی ہیں۔ ان چوبیس کے تحت میں بڑے شہروں سے لیکر اکثر دیہات تک بہت سے مختلف حیثیتوں کے کالج اور مدرسے اور کتب ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی تعلیم میں علاوہ علوم اور زبان انگریزی کے عربی فارسی سنسکرت تینوں میں سے کسی ایک زبان کا تہہ مناسب جاننا بھی ضروریات سے ہے۔ اور تعلیم عام اور بچ ارنی کے لئے ہندوستان کے اطفال مختلف کی دسی بولیوں میں سے اٹھارہ زبانوں میں مفید کتابیں تصنیف و تالیف ہو کر پڑائی جاتی ہیں۔ بعض مقامات میں خاص طور کے کالج اور سکول ہیں۔ جن میں فن انجینیری۔ طبابت۔ زراعت۔ قانون۔ بیٹاری (طب حیوانی) صنعت و حرفت۔ فارٹری (مسی طریقوں سے جنگ لگانا اور اسکی حفاظت کرنا) وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اگرچہ پادری لوگ اپنے قائم کیے ہوئے مدرسوں میں مذہب عیسوی کی

ادنیٰ اور ذلیل حالت سے درجہ اعلیٰ پر ترقی پائی ہے۔ اور جو فاداری اور باطلانی اور معقولیت اور مردانگی اور عزت داری کے خیال سے بالکل خالی اور ناقابلِ شہادت غرور و تکبر سے بھرے ہوئے ہیں۔

دربار اور فوج کے انراجات کیشکے ملک کا یہ حال ہے کہ بسبب اُس مصارفِ کثیر کے (جو باعث سے رعایا کی سخت تباہ حالی۔) و دربار کی شان و شوکت قائم رکھنے اور اُس بڑی فوج

کی تنخواہ ادا کرنیکے لیے لادبی ہے جسکا ہونا رعایا کے قابو میں رکھنے کیو اسطے ضروری ہے) تباہ و برباد ہے اور لوگ ایسی تکلیف اور مصیبت میں ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتی اور صرف قمیوں اور کوڑوں کے خوف سے غیروں کے فائدوں کے لیے کام میں لگے رہتے ہیں اور اگر فوج کا ڈر نہ ہو تو ایسی بیرحمانہ بدسلوکیوں سے مایوس ہو کر کہیں کو بھاگ جائیں یا فساد برپا کریں۔ اور اس بد قسمت ملک کی مصیبت اُسوقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جبکہ کسی صوبہ کی حکومت بہت سارو یہ لیکر کسی کو

تعلیم دیتے ہیں اور ہندو و مسلمان بھی اپنے قائم کئے ہوئے سکولوں اور مدرسوں میں علاوہ تعلیم دنیاوی کے اپنے مذہب کی تعلیم دیتے ہیں مگر اراکہ دانشمندی سرکاری مدرسوں میں کسی قسم کی مذہبی تعلیم مطلقاً نہیں دیتی۔ اور اگرچہ اس سچا پیش برس کے اندر اشاعتِ علوم کے بارہ میں بہت کچھ ہوا ہے اور چھاپہ کے فن کی ترقی نے جسکو گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ سے پہلے اس ملک میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اور ویسی زبانوں میں اخباروں اور رسالوں کے شائع ہونے لڑے (گو ابھی وہ بہت پسند حال میں ہیں) عامِ خلافت کے قواسم عقلی کے تشنگہ کر کے اور خیالات کی عام تارکی کر کے میں بہت بڑی مدد دی ہے۔ لیکن جو کچھ کیا گیا ہے فیاض طبع و مہربان سلطنت اسکو ابھی بہت ٹھوڑا سمجھتے ہیں اور علوم و فنون کی اشاعت و ترقی کے مزید کے کیڑے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کیئے ہی جاتے ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ کی ازن ملکدار کو مشنوں کی بدولت ایک ہفتہ ہی مفید نتیجہ جس سے آئندہ کے لیے بہت بامیاد اور اصل ترقی کی امیدیں بندھتی ہیں پہنچا ہوا

دید جاتی ہے جو عموماً مرتج ہے اور لڑائی اور ہنگامہ کے وقت خصوصیت کے ساتھ جبر عمل کیا جاتا ہے اور جبکا بالطبع بہ نتیجہ ہے کہ جو شخص اس طرح پھٹوٹا حاصل کرتا ہے اسکا مقدم کام یہ ہوتا ہے کہ جو روپیہ اسنے بہت بھاری سود پر قبض لیکر انہی مطلب براری کے لئے خرچ کیا تھا اسکو وصول کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی صوبہ کی حکومت خواہ نذرانہ دیکر لی گئی ہو یا یوں ہی مل گئی ہو ہر ایک صوبہ دار اور جاگیر دار اور ستاجر کو کسی نہ کسی طرح ہر سال بڑے بڑے نذرانے کسی وزیر یا خواجہ سرا یا محل کی کئی معزز میگم یا کسی اور شخص کی خدمت میں کہ جسکو دربار میں ذمی قوت دار خیال کرتا ہو پیش کرنا اور معہذا بادشاہی خراج بھی معمولی وقت پر خزانہ شاہی میں پہنچانے رہنا ضروری امر ہے۔ اور اگرچہ یہ لوگ دراصل صرف ذلیل اور قرضدار غلام ہوتے ہیں اور کچھ بھی بامداد نہیں رکھتے مگر حکومت

کد اب خود باشندگان ملک! ہمیں چندہ وغیرہ کر کے خود اپنے خرچ اور اپنے اہام سے بٹا کر کالج اور مدرسے قائم کرنے کی ضرورت پر متوجہ ہونے لگے ہیں۔

بالفعل قائم کے مدارس میں ۳۵ لاکھ روپے کے اور ایک لاکھ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ کل خرچ ان مدارس کا جو براہ راست سرکار کے اہام میں ہیں۔ یا جنگلی کچھ ادا اور نگرانی وغیرہ سرکار سے ہوتی ہے اسوقت ڈھائی کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ جس میں سے انہی لاکھ تو عام سرکاری خزانہ سے دیا جاتا ہے جو سلطنت کے تمام سول نظام کے بینڈوں حصہ کے مساوی ہے اور باقی لوکل ریٹ لوکل فنڈ اور چندہ اور اوقاف وغیرہ سے ادا ہوتا ہے۔ جو بالعلم یہاں تعلیمی امتحانوں میں علمی رہتے ہیں انکو علاوہ علمی القابوں کے زمرہ اہل قلم میں بھی نوکریاں مل جاتی ہیں یا جو یہاں تکمیل تعلیم کے لیے یورپ جاکر یا کسی جگہ مدارس انجمنی وغیرہ میں انگریزوں کے مساوی علمی لیاقت میں کامیابی کی سندیں حاصل کرتے ہیں تو انکو سول کے کاموں میں کچھ ایسے اعلیٰ عہدے بھی ملنے لگے ہیں جو پہلے صرف انگریزوں ہی کے لئے مخصوص تھے۔

مٹے ہی بڑے دانشمند اور متمول مسیح بجاتے ہیں۔ اور اس طرح پر تمام ملک  
میں ویرانی اور بربادی پھیلی ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں  
یہ تمام صوبہ دار اپنی اپنی جگہ میں چھوٹے چھوٹے فرعون بے سامان ہیں جو  
نامحدود اختیارات رکھتے ہیں۔ اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے کہ جسکے پاس ظلم  
رعایا استغاثہ کر سکے۔ اور خواہ کیسا ہی اور بار بار ظلم کیوں نہوا ہو اُسکو اپنی داوری  
کی کسی طرح ٹپ نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ بادشاہ تمام صوبوں  
میں "واقعہ نویس" مقرر کرتا ہے۔ جسکا یہ کام ہے کہ جو امر وقوع میں آئے  
اُسکی اطلاع دیتے رہیں۔ لیکن ان نالائق واقعہ نویسوں اور صوبہ داروں کے  
باہم خود ہی سازش ہو جاتی ہے۔ پس وہ ظلم جو رعایا پر ہوتا ہے اِکی موجودگی  
سے شاذ و نادر ہی رکتا ہے۔

ہندوستان کے صوبہ داروں کی طرف سے  
جو بیش قیمت ہدیے اور تحفے موقع موقع دیئے  
جاتے ہیں اگرچہ تقریباً وہ اُنکے عہدوں کی

حکام کے تقرر کے باب میں ٹوکی اور  
ایوان اور ہندوستان کے عہد آراء  
اور مول حقیقت ملکیت کے ملحوظ نہ ہونے  
سے جو نتیجہ مترفع ہے اُسکا ذکر۔

قیمت ہی کا کام دیتے ہیں۔ مگر تاہم صوبوں کی حکومت جب قدر علانیہ اور جلد جلد  
سلطان روم کی سلطنت ٹوکی میں فروخت ہوتی ہے اُس قدر علانیہ اور جلد  
سے ہندوستان میں نہیں کُتی اور ہندوستان کے صوبہ دار روم کی بنیبت  
چونکہ اپنے عہدوں پر قائم بھی زیادہ عرصہ تک رہتے ہیں اسوجہ سے بنیبت اُس وقت  
کے کہ جب پہلے پہل وہ افلاس اور لالچ کی حالت میں صوبہ دار مقرر ہو کر جاتے  
ہیں رفتہ رفتہ رعایا کی نسبت اُنکا ظلم کم بھی ہو جاتا ہے۔ اور ایک یہ وجہ بھی کہ ظلم

کرنے کی ہے کہ انکو یہ خیال رہتا ہے کہ ہمیں یہ لوگ ملک کو چھوڑ کر کسی راجہ کی عداوت میں نہ چلے جائیں جو فی الواقع اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اور دوم کی طرح ایوان میں بھی جلد جلد اور علانیہ طور پر حکام کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہاں اکثر باپ کی جگہ بیٹا ہی حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ اور یہ عہد راجہ سلطنتِ روم کے دستور سے اچھا ہے اسکا یہی نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایوان کی رعیت دوم کی رعایا کی نسبت بے تحال ہے اور ایرانی ادب اور شایستگی میں بھی روم کے ترکوں سے بہتر ہیں۔ بلکہ تیسرے کتابوں کے مطالعہ اور پڑھنے لکھنے میں بھی مصروف رہتے ہیں مگر ان مینوں ملک یعنی دوم۔ ایوان۔ اور ہندوستان میں ”ہی ام ایڈ ٹوام“ یعنی حق ملکیت کے اصول کو زمین اور اذیت کی چیزوں کے باب میں کوئی نہیں جانتا اور اس مہول کے ہونے سے جو حقیقت تمام خوبیوں اور برکتوں کی جڑ ہے۔ یہ تینوں ملک لازمی طور پر امورِ مملکت میں باہم مشابہ ہیں اور ایک ہی قسم کی سخت غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور جلد ہی خواہ دیر میں بالضرور ظلم اور بربادی اور مصیبت جو ان غلطیوں کے طبعی نتیجے ہیں ان کو بھگتنے پڑینگے۔

ملکِ فرنگستان کی خوشحالی اور سرسبزی اور روز افزوں ترقی اور اسبابِ خوش ہونا چاہیے کہ ہمارے ملکِ فرنگستان

میں بادشاہِ زمین کے ملک علی الاطلاق نہیں ہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو ہر قدر آبادی اور زرعت کیونکر ہوتی اور ایسے عمدہ اور آسودہ شہر کہاں ہوتے اور شہرِ آئینہ اور فراغِ البال اور پھولی پھلی خلقت کس طرح دیکھنے میں آتی۔ اور اگر یہ بربادوں علی الاطلاق حق بادشاہوں کو یہاں بھی حاصل ہوتا تو ان کی نسبت اتنی دولت اور

انہی رعایا کی وفاداری اور عقیدت مندی کی کچھ اور ہی کیفیت ہوتی اور وہ صرف بیابان  
اور سنسان ٹکڑوں اور وحشیوں اور ٹکڑا گداؤں کے بادشاہ ہوتے۔

حقیقت یہ ہے کہ بادشاہان الیسا شریعت الہی اور قانون قدرت سے  
بڑھ کر ناجائز خود مختاری حاصل کرنے کی حرص میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ چنچر  
کو اپنے ہی ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر کار ہر ایک چیز انکو  
ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ یا اگر ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہو کہ سب کچھ ان کے ہاتھ سے  
نکل جائے۔ مگر تو بھی اتنا تو ضرور ہی ہوتا ہے کہ جب قدر مال و دولت کے جمع کرنے  
کی طمع انکو دنگیر لگا کرتی ہے بخلاف اپنی اس آرزو کے اُسکے حاصل کرنے سے  
ہمیشہ مایوس اور محروم ہی رہتے ہیں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اگر ہمارے ملک کا طرز حکومت بھی یہی ہوتا تو ایسے  
اُمراء علمائے دین متمول اہل شہر ترقی کن اہل تجارت۔ زمین اہل حرفہ  
اور نیز فہم کار خانہ دار کہاں ہوتے اور ایسے شہر جیسے فرانس میں پیرس <sup>پیرس</sup> لاٹس  
تولوز اور ملان <sup>ملان</sup>۔ اور انگلستان میں لندن یا اوڈربے <sup>اوڈربے</sup> بڑے شہر ہیں کہاں  
پائے جاتے۔ اور اہل قصبات دیہات <sup>کٹری</sup> "کٹری" ہوس خوش نامیدان  
پہاڑ اور وادی جنین نہایت ہوشیاری اور ہنرمندی اور محنت سے زراعت  
کیجاتی ہے کس طرح دکھائی دیتے اور ہمارے محاصل کثیر کی جو اس محنت  
اور مشقت کا نتیجہ ہے۔ اور جو بادشاہ اور رعایا دونوں کے لئے مفید ہے کیا

۱۱۱۱۱۱ - طَلَبُ الْكُلِّ فَوْنُ الْكُلِّ - س م ح

۱۱۱۱۱۱ - کٹری ہوس مکان مع باغچہ کہتے ہیں جو اہل یورپ تبدیل آبادی اور تفریح طبع کے لئے  
آبادی سے دور مسافرات شہر میں بنائیتے ہیں۔ نقلا س م ح

حالت ہوتی بلکہ سب کچھ اس خوبصورت تصویر کے برعکس ہوتا۔ اور ہمارے  
 بڑے بڑے شہر ناموافق ہوا کی وجہ سے سکونت کے قابل نہ رہتے اور  
 ڈھکے کرکھنڈر ہو جاتے اور کسی کو انکی مرمت کرنے اور زوال سے روکنے  
 کی فکر نہ ہوتی۔ اور زرخیز بہاڑوں کو لوگ چھوڑ کر چلے جاتے اور میدان اس سر  
 سے اس سرے تک جھاڑ جھنکار اور کھاس پھوس سے بھر جاتے۔ اور مضر  
 اور وبائی امراض پیدا کرنے والی ذلالتیں سطح زمین کو ڈھانک لیتیں۔ اور  
 مسافروں کے آرام و آسائش کے ذریعے معدوم ہو جاتے۔ مثلاً وہ ان  
 جو پیرینی اور لائینس کے راستہ میں بنے ہوئے ہیں اپنے رتبہ سے  
 گر کر دس بارہ کارواں سرائیں رہ جاتیں اور مسافروں کو خانہ بدوشوں کی طرح  
 ہر شے اپنے ساتھ لیے پھرنی پڑتی۔

(2)

ممالک ایشیائی کی کاروائسائیں ایک بڑی باران

ممالک ایشیائی کی کاروائسائیں کا ذکر

(غلہ خانہ) کے مشابہ ہوتی ہیں جنکے چاروں طرف ہمارے پونٹ نیوف  
 کی طرح پختہ دیواریں بنی ہوئی اور پختہ فرش لگا ہوا ہوتا ہے۔ جنہیں سیکڑوں انسان  
 مع اپنے گھوڑوں خجروں اور اونٹوں کے نظر آتے ہیں۔ اور گرمی کے  
 موسم میں تو یہ مکانات ایسے گرم ہوتے ہیں کہ دم گھٹ جاتا ہے۔ اور چاروں  
 میں سردی کے مارے مرنے سے بچنے کا کوئی ذریعہ بخیران بہت سے  
 حیوانات کے سانس کے نہیں ہوتا۔ اس موقع پر اُمید ہے کہ بعض لوگ ہم  
 یہ کہیں گے کہ ایسے کئی ملک ہیں۔ مثلاً سلطان روم کا ملک کہ جہاں می ام اینڈ ٹوم



کے مہول کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ مگر پھر بھی نہ صرف بحال خود قائم اور موجود ہیں بلکہ انکی عظمت اور اقتدار یوں فیوٹا تر تھی پر ہے۔ مگر اسکا جواب یہ ہے کہ ایسی وسیع اور بڑی سلطنت جیسی کہ سلطان روم کی سلطنت ہے اور جس میں بہت سے صوبوں کی زمین ایسی طاقتور اور زرخیز ہے کہ کامل تردد کے بغیر بھی بہت برسوں تک اسکا زور قائم رہتا ہے بالضرورت دولت مند اور طاقتور ہونی چاہیے۔ مگر غور کرنا چاہیے کہ بمقابلہ اسکی وسعت اور قدرتی خوبوں کے اسکی دولت اور طاقت کس قدر کم ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ ایسی ہی آباد ہے۔ اور اُس میں ایسی ہی ہوشیاری سے کاشتکاری اور زراعت ہوتی ہے جیسی کہ بحالت اصل ہونے کی ملکیت زمین کے رعایا کو ممکن ہے۔ تو اس صورت میں مشک یہ ہونا چاہیے کہ سلطنت ایسی ہی بڑی اور عمدہ فوجیں نوکر رکھ سکتی ہے جیسی کہ قدیم زمانہ میں تھیں۔ حالانکہ آجکل تو خاص قسطنطنیہ ہی میں یہ حال ہے کہ اگر پانچ چھ ہزار سپاہی بھرتی کرنے ہوں تو تین مہینے لگتے ہیں۔ چنانچہ میں قریباً اس تمام ملک میں پھر اپنا اور میں نے اسکو نہایت ہی افسوسناک طور پر تباہ اور اُجڑا ہوا دیکھا ہے۔ البتہ عیسائی غلام جو اس سلطنت کے تمام حصوں سے یہاں آتے ہیں اُن سے اس ملک کو کس قدر مدد ملتی ہے۔ لیکن اگر اس سلطنت کا طرز حکمرانی آئندہ بہت برسوں تک ایسا ہی رہا تو بالضرور یہ اپنی ہی اندرونی کمزوری کی وجہ سے تباہ ہو جائیگی اگرچہ بخوبی ظاہر ہے کہ بالفعل یہ کمزوری ہی اسکے قیام کا باعث ہے۔ کیونکہ کسی صوبہ کا کوئی فرمانروا یا کوئی اور شخص اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ کوئی چھوٹی سی بھی مہم کر سکے یا اس قدر سپاہی کہ جو اسکے لئے کتنی ہوں بہم پہنچا سکے کیا عجیب

بات ہے کہ جو امر اس سلطنت کے زوال کا باعث ہے وہی اُسکے چند روزہ قیام کا موجب ہے۔

پیکو کے دبیر کی ایک عجیب اور مضحکہ آمیز تدبیر کا ذکر۔

حقیقت یہ ہے کہ ان صورتوں میں بغاوت اور فساد کے روکنے اور اس قسم کے خطرات کے انسداد کا حل کی غرض سے وہی عجیب و غریب تدبیر اس ملک کے بھی مناسب حال معلوم ہوتی ہے جو ملک پیکو کے ایک برہمن نے اختیار کی تھی کہ بہت عرصہ تک زمین کا جوتنا بونا بند کر دیا۔ ملک کو جنگل اور بن بنا دیا اور سچ سج سج آدھی رعیت بھوکھوں مار ڈالی۔ مگر اس سے بھی کچھ نہ ہوا اور اسکی یہ عمدہ تدبیروں ہی گئی۔ کیونکہ ملک کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ اس ملک کے دار الحکومت شہر آوا پر ٹوٹے سے چینی جو بھاگ کر آئے تھے قبضہ کرنے والے تھے۔

مگر یہ حال ہکو تسلید کرنا چاہیے کہ ہمارے جیسے جی غالباً سلطنت روم کی بالکل برباد ہو جانے کی کم امید ہے۔ اور ہم خوش ہونگے کہ اس سے زیادہ اسکی خراب حالت نہ دیکھیں کیونکہ اسکی ہمسایہ ریاستوں کا تو یہ حال ہے کہ سپر حملہ آور ہونا تو کیا بیرونی امداد کے بغیر اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتیں۔ اور بیرونی امداد کی یہ کیفیت ہے کہ بعد سافت اور حسد اور رقابت کی وجہ سے اُسکے پہنچنے میں دیر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ امداد کافی بھی ہے اور ناقابل اعتماد بھی۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس امر کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ

✽ ملک بڑھما کے باشندے چونکہ بودہ مت کے پیرو ہیں اسیلئے اُنکے مذہب سے مقتدا اگرچہ بہن نہیں ہونے لگے مگر اصل کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے۔ س م ح

ایشیا کی سلطنتیں مفید قوانین سے کیوں مستفید نہیں ہو سکتیں اور صوبجات کے لوگ وزیر اعظم یا خود بادشاہ کے حضور میں استغاثہ کیوں نہیں کر سکتے تو میں قبول کرتا ہوں کہ البتہ وہاں بھی عمدہ قوانین ہیں اور بشرط ان پر کامل طور سے عمل ہو تو ایشیا بھی دُنیا کے اُور ملکوں کی طرح پسندیدہ بود و باش کے قابل ہو جائے۔ لیکن جبکہ اُن پر عمل نہ ہو اور نہ اس امر کا امکان ہو کہ بزور اُن پر عمل کرایا جاسکے تو ایسے قوانین سے کیا فائدہ اور جبکہ حکام صوبجات اُسی وزیر یا خود بادشاہ کے مقرر کردہ ہیں جو انکی نسبت بالمشیت کی طاقت رکھتا ہے۔ اور جبکہ فی الواقع ایسے ہی ظالم لوگوں کے سوا حکام کا مقرر کرنا وزیر اور بادشاہ کی دُشمنی سے بھی خارج ہے یا وہ وزیر یا خود بادشاہ کے نذرانہ لیکر مقرر کیے ہوئے ہیں تو انکی نالاش کسے یاس کیجائے۔ اور بالفرض اگر وزیر یا بادشاہ کا میلان خاطر لوگوں کی سماعت نالاش کی طرف ہو بھی تو یہ کیوں ممکن ہے کہ ایک غریب کسان یا ستم رسیدہ کاریگر چار سو یا پانسویں کے سفر کا خرچ کثیر اٹھا کر دارالسلطنت تک پہنچ سکے۔ اور اسکے سوا ایک یہ آفت ہے کہ یہ زبردست ظالم جیسا کہ اکثر ہوا ہے مستغیث کو راستہ ہی میں قتل کر دیتے ہیں یا پس پیش اس کو اپنے قابو میں لاکر جودل میں آتا ہے سو کرتے ہیں۔ اور اگر کسی اتفاق سے کوئی مستغیث بادشاہ تک پہنچ بھی جاتا ہے تو صوبدار کے ظفدار لوگ اصل حقیقت کو چھپا کر کچھ اور کا اور ہی بادشاہ سے کہہ دیتے ہیں۔ غرض کہ صوبہ داروں کو اُنکے صوبجات کا بالکل مالک اور خود مختار حاکم سمجھنا چاہیئے وہ خود ہی جج ہیں۔ خود ہی پارلیمنٹ خود ہی پریسیڈنٹل کورٹ (عدالت اعلیٰ) خود ہی سیرس (تشخیص جرم کرنیوالے) اور خود ہی محفل شاہی کے وصول کرتے ہیں

چنانچہ ایک ایرانی نے ان ظالم اور لالچی صوبہ داروں اور جاگیرداروں اور مستاجروں کی نسبت کیا ہی خوب کہا ہے کہ ”ایںہا کہ از ریگ روغن میکشند“ اور اصل بات تو یہ ہے کہ ان کی عورتوں اور بچوں اور غلاموں اور لٹیرے مصاحبوں کے اخراجات کے لئے تو کوئی بھی آمدنی کمافی نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ہمارے ملک خزانہ کے بادشاہوں کی ملکیت خاص کی زمینیں ایسی ہی جتنی بوئی جاتی ہیں اور نہایت کثرت سے لوگ اُن میں آباد ہیں جیسی کہ رعایا کی ملکیت کی زمینیں جتنی بوئی جاتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی سلطنت کا جہاں کا بادشاہ صرف چند قطعات کا مالک ہے ایسی سلطنت کے ساتھ کہ جس کی کل زمین بادشاہ ہی کی ملکیت ہے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اس کے علاوہ خزانہ میں آئین و قوانین ایسے معقول ہیں کہ اس کی تعمیل سب سے اول بادشاہ پر واجب ہے۔ اور جو زمینیں اُس کے قبضہ میں ہیں اُن میں جو حق کسی کا شتمنکار کو چل ہے وہ اُس کو زائل نہیں کر سکتا۔ اور اُس کے کارندوں اور مستاجروں پر قانون کے موافق مالش ہو سکتی ہے۔ اور مظلوم کسان یا کاریگر بیشک اپنے انصاف کو پہنچ سکتا ہے۔ لیکن ایشیا میں کمزوروں اور مظلوموں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اور قانون جس سے تمام جھگڑے فیصلہ پاتے ہیں صرف حاکم کا سونپا یا اس کی بے ٹھکانے اور رنگارنگ رائے ہے۔ مجھے امید ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں گے کہ بعض فوائد ایسے ہیں کہ حقیقت حکومت شخصیت ہی کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً وکلاء عدالت بہت کم ہوتے ہیں اور مقدمات بھی زیادہ دائر نہیں ہوتے۔ اور جو دائر ہوتے ہیں وہ بہت جلد

فیصل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مقدمات کے انفصال میں طوالت کا ہونا ہر ایک سلطنت کے لئے سخت عیب ہے۔ اور بالضرور بادشاہ پر اس خرابی کی اصلاح واجب ہے لیکن یہ لوگ خواہ کچھ ہی کہا کریں مگر ہم تو ایران کی اس پرانی مثل کی بہت بڑھ کر تعریف نہیں کر سکتے کہ "ناحق کو تاہ بہتر از حق دراز" کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ اس طوالت کے رفع کرنے کا اس سے زیادہ موثر علاج اور کچھ نہیں ہے کہ رعایا کا حق ملکیت مٹا دیا جائے۔ اور جب یہ حق نہ ہوگا تو میثاق قانونی کا روادائیوں کی ضرورت خود ہی نہیں رہے گی۔ خصوصاً ان کارروائیوں کی جو اہم اور طول و طویل اور پیچیدہ مقدمات میں ہوتی ہیں۔ اور نہ بہت سے مجسٹریٹوں اور ججوں کے رکھنے کی حاجت ہوگی۔ اور نہ بڑے بڑے وکلا اور مختار کاروں کی جماعت کثیر کی۔ جنکی گزراوقات صرف مقدمات ہی پر موقوف ہے احتیاج ہوگی۔ لیکن کچھ شک نہیں ہے کہ یہ علاج مرض سے بدجہا بدتر ہوگا اور جو مصیبت اس سے ملک پر پڑے گی اسکا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور بجائے مجسٹریٹوں اور ججوں کے جنکی دیانت اور امانت پر بادشاہ بھروسہ کر سکتا ہے رعایا کے لوگ اُسی قسم کے حکام جابر کے اختیار میں جا پڑیں گے جنکا مینہ ابھی ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ممالک ایشیا میں اگر کبھی انصاف ملتا ہے تو صرف ان غریب اور کم درجہ کے لوگوں کو ملتا ہے جو قاضیوں کو رشوت دینے کا مقدور نہیں رکھتے۔ یا کچھ دیکر جھوٹے گواہ نہیں بنا سکتے جو ہمیشہ بہت سستے اور کثرت سے مل سکتے ہیں اور جو کبھی سزا نہیں پاتے میرا یہ بیان اپنے کئی برس کے تجربہ پر مبنی ہے۔ اور مجھے مختلف فریبوں

سے ان امور سے واقفیت حاصل ہوئی ہے اور یہ اُس تحقیق کا نتیجہ ہے جو  
 ہندوستانی اور یورپین سوداگروں سے جو عرصہ سے اس ملک میں  
 کاروبار کرتے ہیں اور مختلف سلطنتوں کے سفیروں اور کانسلوں اور ترجمانوں  
 سے نہایت کوشش کے ساتھ مینے کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ  
 شہادت میرے اکثر جموطن سیاحوں کے بیان کے برخلاف ہے شاید  
 انہوں نے کسی شہر میں راستہ چلتے دو ذلیل شخصوں کو دیکھ لیا ہو گا کہ قاضی  
 نے ان میں سے ایک کے یا دونوں کے تلووں پر سخت چوٹیں لگو کر جلدی

لہ مجھوں کے تلوؤں پر قاضیوں کا چوٹیں لگوانا جو مصنف نے لکھا ہے۔ چونکہ تعزیر کا  
 یہ حشیانہ طریقہ نہ تو شرع اسلام کے موافق ہے نہ ہندوستان کی رسوم و عادات سے  
 ہے اسلئے کچھ اسکا حال لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ سرادہی کے اس طریقہ کو ایرانی لوگ چوب و فلک یا چوبے فلک کہتے  
 ہیں۔ اور پایا جاتا ہے کہ اُس ملک میں سیکڑوں برس سے یہ سزا نہ صرف چوروں  
 بدعاشوں کو دی جاتی ہے بلکہ ایرانی میانجی اپنے کنبوں کے شریر لڑکوں کو بھی یہ سزا  
 دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسے ٹیک چند بہادر کی کتاب مصطلحات بہادر عجم میں  
 جو آج سے ایک سو باؤن برس پہلے یعنی ۱۷۷۱ء ہجری کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ ”فلک  
 چوبے باشد طولانی کہ در ہر دو سرش دو جاسور خ کند و ریشا نے ازاں بگنزدانند و مسلمان  
 ہر دو پاسے اطفال بازی کوش را در اں بند کردہ تاب دہند الخ چوب زند و چوبے فلک  
 نیز عبارت از ہمیں عمل است علی خواہیانی گفتہ ۵ تا کتب گردشگی گردید پیدا  
 در فلک ۶ مانند طفلان بشدم پاسے تمنا در فلک ۶ ایضاً محمد قلی سلیم گفتہ  
 ۵ زمانہ کتب اطفال گشتہ پنداری ۶ کہ ہر کہ بہت دو و شکوہ از فلک دارد ۶ ایضاً  
 محمد علی آشف گفتہ ۵ جوں زولم بروں جہدنا بچرخ کرشم ۶ چارہ بے فلک بود طفل  
 گریز پائے را ۶ ملا محسن ناشر گفتہ ۵ رود چو طفل سر شکم بروں ز کتب چشم ۶

سے کچھری سے باہر نکلوا دیا ہوگا۔ ویا دونوں کو ”بے بیل بابا“ (معلوم نہیں کون سے الفاظ کی خرابی ہے) یا کچھ اور ایسے ہی ملائم الفاظ کہہ کر قاضی لوگ اُسوقت کہہ دیا کرتے ہیں جبکہ انکو فریقین میں سے کسی سے کچھ فتوح کی اُمید نہیں ہوتی جلدی سے نصرت کروا ہوگا۔ اور کچھ شک نہیں ہے کہ کارروائی کا یہ مختصر طریقہ دیکھ کر انکو بہت بڑا تعجب ہونا ہی تھا۔ اور وہ اسوجہ سے فرانس میں یہ کہتے ہوئے پہنچے کہ ”واہ واہ کیا خوب اور کیا جلدی انصاف ہوتا ہے اور اسے اِس شہر تراضیان ہندوستان فرانس کے مجسٹریٹوں کو تمہارے نمونہ پر چلنا چاہیے“

ہند: باش رشاں ازبک نم فلک + ملا نور الدین ظہودی گفتہ گرچہ تا دیب خلق بر فلک است + کہکشان ہم بر او فلک است + و اغلب جو بے بود کہ در وسط آن تسمہ شد

اور داسے ٹیک چندہ کے متباد سیراج الدین علی خان آرزو نے اپنی کتاب مصطلحات فارسی سے یہ چرخ ہدایت میں جو بھارجم سے چندال پیشتر کی تصنیف ہے یوں لکھا ہے کہ ”فلک کو دن“ نئے از تہذیب اطفال باشد کہ سلطان کندہ آن وارثہ او بخشن است“ اور اس لٹے لٹکانے کے سنی کا تباد اپنے شاعرانہ خیال میں چھل قلی سلیم کے مذکورہ بالا شعر سے بنا سبت لفظ فلک (یعنی سہان) کر کے پھر ملا نور الدین ظہودی کا وہی شعر نقل کیا ہے اور اس کہکشان کو اپنے تصور میں تسمہ سے مشابہ گردان کر یہ عبارت لکھی ہے کہ ”لیکن از سر شعر ظہوری بمعنی تسمہ کہ سلطان بر اطفال زہد معلوم میشود“ چونکہ فارسی زبان کے ان ہندوستانی نامور محققوں نے ”چوب و فلک“ کے معنوں میں اہمالی باتیں لکھی ہیں اس ظاہر ہے کہ ان کے وقت میں جو سنہ و سال کا حساب لگانے سے محمد شاہ کا عہد حکومت معلوم ہوتا ہے جسے مسلمان ہجری میں تخت نشین ہو کر مسلمان ہجری میں وفات پائی تھی

اور ان بیچاروں کو اسکا خیال بھی نہیں ہوا کہ جھوٹے شخص کو اگر اسقدر استطاعت ہوتی کہ پانچ سہات روپیوں سے قاضی یا اُسکے محرموں کی مٹھی گرم کر دیتا یا دو چار روپیہ خرچ کر کے دو جھوٹے گواہ بہم پہنچا لیتا تو بیشک جیت جاتا یا مقدمہ کو جسقدر طول دینا چاہتا دے لیتا۔

ہندوستان میں یہ نہ رائج نہ ہی تھی۔ انگریزی زبان میں اس طرح سزا دینے کا نام بسٹی فیڈو ہے۔ چنانچہ وہ بیکس کی ڈکشنری میں جو زمانہ حال کی مستشرقینہ کتاب میں سے ہے۔ اسکی تصویر بھی لکھی ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ دراصل یہ لفظ زبان فارسی کا ہے۔ اور اٹلی اور سپین اور فرانس کی زبانوں میں جو لفظ بسٹی فیڈو کے لیے قریب التلفظ الفاظ ہیں مجلہ اُن کے زبان فرینچ میں پہلے اس لفظ کو بسٹن کہتے تھے اور اب بتن کہتے ہیں۔ اور وہی مصنف لکھتا ہے کہ اسکے معنی ہیں ایک سخت مار ساتھ چھری یا سونڈہ کے۔ اور خصوصاً اُس طریق سزا کو کہتے ہیں جو ٹرکی یا چین وغیرہ سلطنتوں میں اس طرح پر دیا جاتا ہے کہ مجرم کے تلوؤں پر لٹائیاں لگائیں اور اسی کتاب میں اسکی تصویر اس طرح بنائی ہے کہ ایک شخص کو مونہ کے بل دندھا لٹایا ہوا ہے۔ اور اُسکے دونوں پاؤں گھٹنوں تک اس طرح اوپنے کئے ہوئے ہیں جیسے کہ پانی میں تیرنیکے وقت اکثر لوگ کر لیا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں کے برابر دو مضبوط کھونٹے گرٹے ہیں اور اُسکے ٹخنوں میں بستیہ یا سی ڈاکٹران کہوٹوں کے ساتھ مضبوط باندھ دیا ہے۔ اس طرح سے کہ تلوے رو با سامان میں اور اُسکے پاں ایک شخص دونوں ہاتھوں میں لاکھی اٹھائے کھڑا ہے جسکو آجکل کے رُوحی مکملوں کا سایہ دو پدین ناما لباس پہنا یا ہوا ہے وہ زور سے اُسکے تلوؤں کو کوٹ رہا ہے جو بوجہ و فلک کی شکل و صورت اور اُسکے طریق شعل کی نسبت جہان تک ہلکواہل اہل اہل سے معلوم ہو سکا ہے۔ خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ ڈنڈے کے طور کی کوئی دو گز لمبی اور ایک فٹ دور کی موٹی لکڑی کے دونوں سروں میں سوراخ کر کے اُن میں کمان کے چلے

بستی فیڈو



جناب من۔ میں نہایت سچائی سے پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر حق ملکیت جائیداد زائل کر دیا جائے تو ظلم بے انصافی۔ اخلاس اور وحشت اسکے لازمی نتیجے ہونگے اور زمین کا تردد موقوف ہو کر ملک سمنسان اور ویران ہو جائیگا۔ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سے بادشاہ اور قوم دونوں کی تباہی اور بربادی کا راستہ کھل جائیگا۔ کیونکہ دنیا میں انسان اسی مسید پر محنت کرتا

کی طرح کوئی تین اہلت طول کی ایک ڈھیلی رتی بالترڈائے رکھتے ہیں اور جب مجرم کو سزا دینا چاہتے ہیں تو اسکے پالوؤں کو اول اس رتی میں بل دیکر کٹ لیتے ہیں اور بعد ازاں دو آدمی اس ڈنڈے کو دونوں سروں سے پکڑ کر مجرم کے منہ سے اٹھ کر سے رو باسمان کر دیتے ہیں گویا گھوڑے کی نعلبندی کراتے ہیں اور تیسرا شخص اکثر ذہبت انار کی شاخوں سے جو چکدار ہونے کی وجہ سے زمانہ حال کی عدالت اسے انگریزی کے ضرب بید کا سا جو چوروں بدعاشوں کی پشت پر مارتے ہیں کام دیتی ہیں مجرم کے تلوؤں کو پٹتا ہے۔ غرض کہ لفظ چوب سے وہ شاخیں مراد اور فلک سے وہ ڈنڈا اور فی زمانہ ایوان کے کتیبوں میں اس ڈنڈے کو فلک بھی کہتے ہیں۔ ہمارے ایک ایوانی دوست نے بھیجی سے کتب کے بچوں اور چوروں کی ہراسے طریق میں جو فرق لکھا ہے بہتر ہے کہ اسکو ہمیں کے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ وہ وہی ہے۔ چوب زدوں مخصوص حکام و سلاطین است کہ دزد و غیرہ را تنبیہ میکند و اسے فلک در کتب خانہ مخصوص اطفال کو چاک است و چوب ان یک ذریعہ و شاخ انار کا دو طفل دیگر گرفت خود معلم میزند بر کف پائے طفل کہ چنداں صدمہ نرسد۔ وے گماشتگان شاہی بقسے چوب میزند بر کف پائے شخص مجسم کہ تمام پائے شخص مجموع میشود و خون می آید بقسے میزند کہ سر چوب بہ قلم یا مخورد و زخم میشود بسیار بد است! حال در ایوان مرقع بہت نفع

تاریخ ملت و صفات

ہے کہ اُسکا پھل اُسکو اور اُسکی اولاد کو ملے اور یہ اُمید ہی ہر ایک فائدہ مند اور  
 عمدہ شے کی بنیاد ہے۔ اور اگر ہم دُنیا کی سلطنتوں کی حالت پر نظر ڈالیں  
 تو ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ انکی ترقی یا زوال صرف اسی اصول کے لحاظ یا عدم لحاظ پر  
 موقوف ہے مختصر یہ کہ اسی اصول کے عمل درآمد یا اس سے غفلت کرنا نتیجہ  
 ہے جو ملکوں کی حالتِ ملتئی اور بدلتی رہتی ہے۔

# میدر جملہ کی فوج کشی کوچ بھار اور آسام کے

راجاؤں پر۔

ان راجاؤں کی پشتدہمی  
مہم کا باعث ہوئی

یہ مہم (جیسا کہ اکثر برہمن نے لکھا ہے) صرف آسام ہی پر نہیں ہوئی تھی بلکہ کوچ بھار اور آسام دونوں پر ایک ہی وقت میں فوج کشی کی گئی تھی۔ اور اصلی سبب اسکا یہ ہوا تھا کہ شاہ ایکھنار سرسٹھم ہجرتی کے اخیر میں جب شاہ جہاں کی بیماری نے طول پکڑا اور طرح طرح کی افواہیں اڑ کر حدود سلطنت میں فہور پیدا ہوئے۔ اور چاروں شاہنشاہوں نے اودھم مچایا اور شجاع نے بنگالہ سے پٹنہ کو کوچ کر دیا تو کوچ بھار کے بالکل اندر راجہ بیہم ناراین نے بھی یہی چل دیکھ کر اپنا اپنا علاقہ یعنی گھوڑا گھاٹ کو آلوٹا۔ اور وہاں کی رعایا میں سے ایک جماعت کثیر کو جس میں اکثر مسلمان تھے قید کر کے اپنے ملک کو لے گیا۔ اور اس پر بھی بس نکر کے بھولانا تھا۔ اپنے وزیر کو ایک انہوہ عظیم کے ساتھ کاھروپ کے علاقہ پر

✽ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ کوچ بھار کے علاقہ کے لوگ ناراین کی موت پر جتے ہیں، ایسے لفظ ناراین ہمیشہ یہاں کے راجہ کے نام کا جزو اخیر ہوتا ہے۔ بلکہ اسوج سے پہلے سنی کے سکھ بھی ناراینی کہتے ہیں۔ اور قدانت خاندان کے ہشت سے کوچ بھار اور آسام کے راجہ اس زمانہ میں اس طرف کے لوگوں کی نظر میں بہت معزز اور محترم خیال کیے جاتے تھے۔ اسکی ریست بنگالہ کے شمال مغرب میں اور شمال مشرق میں کے طول و پچاس کوس کے عرض میں مثل لکھ رو بہ سالانہ آمدنی کی تھی اور دریا منکوش جو بہت لمبا کوٹا ہے آسام اور کوچ بھار میں ملتا ہے۔

تسلط کر لینے کی واسطے مامور کیا۔

آسام کے راجہ جے دھج سنگھ نے جو اس سے بدرجہا زبردست تھا جب یہ طور دیکھا تو اس نے بھی ایک لشکر عظیم خشکی اور تری کی راہ سے علاقہ کامروپ پر روانہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کامروپ کا بادشاہی فوجدار اپنے میں کوچ بہاد اور آسام کے لشکروں سے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر اور بنگالہ کے صوبہ دار (مسلطان شجاع) سے کمک پھینچنے کی امید منقطع سمجھ کر جہانگیرنگر (راج محل) کو ہجاک آیا۔ اور چونکہ بھولا ذاتہ بھی اپنے کو آسامیہاں سے کمزور سمجھ کر پیچھے کو ہٹ گیا۔ اس وجہ سے انہوں نے یہ مقابلہ و مزاحمت بادشاہی ملک پر تسلط ہو کر خوب لوٹا اور اپنے دستور کے موافق بہت سی رعیت کو پکڑ کر قیدی بنالیا۔ اور یہاں تک بڑھے کہ بے روک ٹوک جہانگیرنگر سے تقریباً پانچ منزل کے فاصلہ پر موضع مسنت سلا پر گنہ کوئی بادھی میں اپنا تھانہ بٹھادیا

آسامی ایسے زبردست اور مغرور تھے کہ پہلے بھی کئی بار ایسی چرکنیں جہانگیر اور شاہ جہاں کے عہد میں کر چکے تھے۔ چنانچہ ایک بار سید ابوبکر کو جو جہانگیر کا ایک امیر تمام لشکی فوج کے جملہ ہر کے پاس سے اور دوسری دفعہ فیض علیہ السلام حاکم فوجدار کو شاہ جہاں کے زمانہ میں گواہٹی سے پکڑ کر لینگے تھے اور کبھی بھی کسی مسلمان بادشاہ سے مغلوب نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ ایک تو یہ لوگ وحشی خصال اور جنگجو تھے۔ علاوہ بریں ان کا ملک بسبب کوہستان اور کثرت مذی مالوں اور عقیق دیاؤں اور جنگلوں اور ناقابل گزرنوں وغیرہ کے قدرتی طور پر محفوظ تھا

آسامیوں کے مغرور اور زبردست ہونے کی وجہ

شاہ جہاں کے عہد میں مذکورہ بالا واقعہ کے باعث اگرچہ **میر عبدالسلام** مخاطب بہ اسلام خاں صوبہ دار بنگالہ نے خاص اپنے بھائی کو سپاہ پار بنا کر آسام پر فوج کشی کی تھی۔ مگر یہ حملہ آور سردار صوبہ بنگالہ اور آسام کی سرحد موضع کجلی سے ہنوز آگے نہیں بڑھا تھا کہ اتنے میں شاہ جہاں نے **میر عبدالسلام** کو اپنا وزیر مقرر کر کے شجاع کو بنگالہ کی صوبہ داری پر نامور کر دیا۔ اور جیسا کہ شخصی ارادے اکثر اہل صورتوں سے رہجایا کرتے ہیں اس تغیر و تبدل میں یہ ہم نام تمام رہ گئی تھی۔

میرجلہ کا راج محل پہنچنا  
آسام سے معذرت نامہ کا  
آکا اور سردار داد مصلح

القصد جب **میر محمد** عالم گیر کے تیسرے سال اسی میں شجاع کو داتا ہوا راج محل میں جا پہنچا تو آسام کا راجہ اُس نامور مدبر کی لیاقت اور شجاعت کی شہرت سے اور یہہ دیکھ کر کہ وہ شجاع کو کیسی کامیابی سے مغلوب کر چکا ہے اپنی مذکورہ بالا پیش قدمی اور جسارت کا خیال کر کے خائف ہوا۔ اور وکیل کے ہاتھ **میر محمد** کی خدمت میں ایک معذرت نامہ اس مضمون کا بھیجا کہ ہم فرمایا ہمارا دشمن ہے اور وہ چاہتا تھا کہ کاموہپ کے علاقہ پر جو قدیم زمانہ میں آسام کے متعلق تھا تصرف ہو جائے۔ اس سبب سے میری فوج نے اُس ملک پر قبضہ کر لیا تھا اب جب کہ حکم ہو سوئیپ دیا جائے۔

میرجلہ نے مصلحت وقت سمجھ کر اُسکی معذرت کو قبول کر لیا اور وکیل کو خلعت دیا۔ اور رشید خاں کو مع اور چند سرداروں کے متعین کیا کہ آسامی جو اس قوار واد کے موافق علاقہ کاموہپ کو خالی کر کے مناسب مناسبت کے کنارہ

تک ہٹ گئے تھے جا کر قبضہ کر لیں۔

پہم نادایں کی معذرت اور اسکا قبول ہونا۔

اگرچہ اسکے بعد پہم نادایں نے بھی وکیل بھیج کر معذرت کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس راجہ نے باجوہ

بادشاہی باجگذا رہنے کے خلاف طریقہ اطاعت یہ گستاخی کی تھی اسلئے مینر محلہ نے غدر قبول کر کے وکیل کو قید کر دیا۔ اور راجہ سوجان سنگھ بنڈہ اور مینر ابیگ اپنے ایک ذاتی ملازم کو کچھ اپنی اور کچھ بادشاہی فوج دیکر وسط پاداش اسکی گستاخی کے کوچ بھارہ کو روانہ کر دیا۔

چونکہ راجہ شجیان سنگھ نے شہر کوچ بھارہ کے قریب پہنچ کر یہ اندازہ کیا کہ اپنی موجودہ جمعیت سے وہ اسکو فتح نہیں کر سکتا۔ اسلئے ناچار کچھ دوار کے سامنے جو کوچ بھارہ میں داخل ہو نیلے صدر دروازہ تھا اور جسکا ذکر تفصیل آگے آئیگا متوقف ہو گیا۔

اسامیوں کا انخواف قرار داد صلح سے

اور اوہ سرحد آسام پر یہ معاملہ پیش آیا کہ رشید خاں جو بلحاظ قلت فوج ازراہ احتیاطا کس قدر حجازک جھجکا کہ

آگے بڑھتا تھا اس باعث سے آسامیوں نے انکو ضعیف سمجھ کر انصار و عہدہ کا خیال چھوڑ دیا اور لڑنے کو مستعد ہو گئے۔

کوچ بھارہ اور آسام پر مینر محلہ کا بذات خود کوچ کرنا۔

آخر کار جب شجاع مہابہ و برباد ہو کر بنگالہ سے اراکان کو چلا گیا اور مینر محلہ نے اسکے تعاقب سے فرا

پائی تو کوچ بھارہ اور آسام کے معاملات پر متوجہ ہوا۔ اور ان دونوں پر بذات فوج کشی کرنا مناسب سمجھ کر بادشاہ سے اجازت منگائی اور ان تمام سرداروں اور

امیر دل سمیت جو شجاع کی ہمہ میں اسکے ساتھ مامور تھے خضر پور سے  
رجسٹران بنگالہ کے نقشہ پر نہیں ملا (اٹھارہویں سبج الاؤل سٹیشن لکھنؤ پتر  
ہجری کو (مطابق سال چہارم جلوس عالمگیری) برسات کے بعد کشتیوں میں روانہ  
ہوا۔ اور بمقام بری تلا جو بادشاہی ملک میں کوچ بھارہ کی سرحد پر تھا جاہل

کوچ بھارہ کے راستوں کی واقفیت  
اور تلاش کے بعد کڑکس راستہ داخل ہوا

چونکہ دانشمندان قوم انگریز فرمانروایان حال کی طرح جو  
ازراہ دور اندیشی سپہ سالار ہند کے دفتر میں ہمیشہ  
ایک مستقل محکمہ ہی اندرونی و بیرونی ملکوں کی نسبت ہر قسم کی معلومات جمع کرتے  
رہنے کا قائم رکھتے ہیں اسوقت پیش بینی کے یہ سامان کہاں تھے کہ اس  
سرحدی ریاست کے راستوں وغیرہ کے حالات سے اسکو واقفیت ہوتی  
اسی لئے ناچار متوقف ہو کر اس ملک میں داخل ہونیکے لئے راستہ تلاش کرنے لگا  
اور بعد تحقیقات یہ تین راستے دریافت ہوئے۔

ایک ولایت مورنگ کی طرف سے۔ دوسرا بادشاہی ملک کی سمت  
سے جو مکھ دوار ہو کر جاتا تھا۔ اور دھڑ سے راجہ متیجان سنگھ اور میرونا بیگ  
نے داخل ہونیکا قصد کیا تھا۔ تیسرا راستہ گھوڑا گھاٹ اور رنگا ماٹی  
کی جانب سے۔ سوائے ان تین مشہور راستوں کے بادشاہی ملک کی طرف  
سے ایک اور بھی غیر متعارف راستہ تھا چنانچہ حیدر جمل نے بوجہ حامل کیونہا کیا  
شہر کوچ بہار اسوقت اس طرح پر واقع تھا کہ اسکے

شہر کوچ بہار محفوظ حالت میں واقع تھا  
لہ عالمگیر نامہ وغیرہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت کی اصطلاح میں فقط ولایت کا اطلاق ایسے  
علاقوں کی نسبت کیا جاتا تھا جو بادشاہی حکومت سے آزاد اور خود مختار ہوتے تھے۔ جس طرح

گردا گرد مہتابے دراز سے ایک نہایت عریض اور مرتفع بند جس کو اُس ٹکاس کی اصطلاح میں آل کہتے تھے چوبیس کوس کے فوار میں بطور حصار کے بنا ہوا تھا۔ جس کے اندر نہ صرف یہ شہر بلکہ کئی پرگنہ بھی تھے۔ اور اس بند کے گرد گرد ایک عمیق خندق کے علاوہ بالنس اور بیدا اور آذر درختوں کا ایسا گھنا جھل تھا کہ جس میں سے جانور بھی شکل گزر سکے اور اس بند میں چند مستحکم دروازے تھے جنہر بڑی بڑی توپوں اور لمبی لمبی بندو قوں اور زنبورک وغیرہ کا سامان جنگ کے ساتھ نگہبانی کے لیے راجہ کی فوج ہر وقت تعینات رہتی تھی۔ اور ان سب میں سے ہزار وازہ جو شہر کے محاذی واقع تھا اُس کو ٹھکھا دوا دہتے تھے۔

میر جملہ نے جو راستہ اختیار کیا تھا اگرچہ اس طرف آل کا عرض اور اتیفاع کمتر تھا۔ لیکن ندیاں نالے اور بالنس کا گھنا جھل اس شدت سے تھا کہ پیادین کو اس طرف سے حملہ نہ کرنا بھی وعدہ تھا۔

مگر میر جملہ نہایت محنت کے ساتھ کوچ کوچ کر کے بھوٹنٹ کو بھاگتا۔

میر جملہ کی فتحیابی اور راجہ کا بھوٹنٹ کو بھاگنا۔

جمادی الاول سنہ مذکور کو آل تک جا ہی پہنچا۔ اور خفیف سے مقابلہ کے بعد اُس سے پار ہو گیا۔

پیم ناداین جو اسی جھل اور آل کے بھروسہ پر ساری شوخیاں اور سرکشیاں کرتا تھا شہر کو خالی چھوڑ کر اور اہل و عیال کو ساتھ لیکر بھوٹنٹ کے کوہستان بلند اور برفانی کے راجہ دھرم راج کے پاس جو ایک سو تالیس برس \* بھوٹنٹ میں جس کو آجکل انگریزی نقشوں میں اکثر بھونان لکھتے ہیں ہمیشہ



کی عمر میں مرد مرتاض - تارک لذات اور صرف کیدہ اور دودھ کی غذا پر جینے والا اور باوجود کبر سن کے تندرست اور صحیح القویٰ اور نہایت منصف اور رعیت پرور بودہ مت کا راجہ تھا چلا گیا - اور میڈیکل کالج ششم جمادی الاول ۱۳۸۵ھ ایکہزار ستتر بجوی کو (شروع کوچ سے تخمیناً ڈیڑھ مہینے کے بعد) شہر کوچ بھاد پر قابض ہو گیا۔

ملک کی قدرتی سرسبزی اور خوبی عالمگیر ناہ - میں لکھا ہے کہ فتح مندوں نے اس ملک کو طرح طرح کے پھولوں اور میوؤں اور سیاہ مرچ اور آوڑ انواع قسم کے خوبصورت درختوں سے اگرچہ مثل ایک قدرتی باغ کے پایا اور نہایت ہی سرسبز و شاداب دیکھا۔

باشندے جنگلی اور بد صورت  
اور ان کے ہتھیار  
مگروں کے سیاہ فام اور قلماق صورت (یعنی گورکھیہ نام) زن و مرد حسن و جمال اور صفت و ولادت کے پیرایہ سے عموماً معرا اور وحشی اور جنگلی خصلت تھے جن کا حربہ تلوار و بندوق کے علاوہ زیادہ تر زہر کے بجائے تیر تھے۔

شہر کی آبادی راجہ کی نفیس مزاجی  
اور اسکے مکانات کی عمدگی  
لیکن راجہ کی نسبت لکھا ہے کہ اس کی طبیعت زینت و نفاست عیش و عشرت اور صفائی و لطافت کی جانب نہایت مائل تھی اور اسکے مکانات "خلوت خانہ - دیوان خانہ محرم خاص پورہ - حمام - باغچہ - نہر - فوارہ - آبشار وغیرہ" بہت باقرینہ اور طحدار زینت و تکلف کے ساتھ بنے ہوئے تھے اور شہر بھی بہت اچھے قرینہ سے

دور راجہ تھیں ایک مینی دوسرا دنیاوی دینی راجہ کا لقب بیلاج اور ونیوی کا دھرم راجہ ہوتا ہے۔ ۱۳۸۵ھ

بسا ہوا تھا۔ اور اکثر کوچوں اور بازاروں میں خیابان اور چٹولوں کی کیا ریاں تھیں اور ناگ کیمبر اور کچنار کے خوبصورت وخت گئے ہوئے تھے۔ اور یہ صفائی اور نفاست کی باتیں جو انہوں نے وہاں جا کر دیکھیں ایسے جنگلی لوگوں کے منگ میں انکی توقع کے نہایت ہی خلاف تھیں۔

میر جملہ نے کوچ بھار میں کیا کیا کیا۔  
القسمہ جب سب طرح عمل و دخل ہو چکا تو دوسرے دن سیرینڈ صادق صوبہ بنگالہ کے صدر (تولی اوقام)

نے میر جملہ کے حکم سے پیمن ناراین کے سب سے اونچے محل کی چھت پر چڑھ کر زگو یا بطور علامت اہل سلام کی فتح کے) اذان دی۔ جو بقول صاحب عالمگیر نامہ اس ملک میں تحلیل و تکیہ کی یہ پہلی ہی صدا تھی اور بادشاہ کے نام کا سکہ خطبہ جاری کیا۔ اور تمکھ دودا کے استحکام اور عمارت کو سمار کرادیا۔ اور اس کے گرد اگر دوسو سو گز تک جنگل بھی کٹوا ڈالا۔ ایک سو چھ توپیں اور ڈیڑھ سو سے زیادہ زنبورک اور رام جنگی (جو اس زمانہ میں ایک قسم کی لمبی بندوق کو کہتے تھے) اور بہت سی معمولی بندوقیں اور سامان جنگ ضبط کر لیا گیا۔ اور بھولانا وزیر جو کوچ بھار کے مغرب کی طرف بھاگ کر موونگ کے دشوار گزار جنگلوں میں جا گھسٹا تھا اسکو بھی بادشاہی فوج نے ڈھونڈ بھال کر پکڑا اور راجہ کا بڑا بیٹا بشن ناراین جسکو اسکا باپ اکثر نظر بند اور قید رکھتا تھا باپ سے جدا ہو کر میر جملہ کے لشکر میں آگیا اور اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا۔

بھوٹنٹ کے راجہ کا میر جملہ کے پرہان کی پروا نہ کرنا۔  
اگرچہ کچھ سپاہ پیمن ناراین کی گرفتاری کے لئے بھوٹنٹ کو بھی روانہ کی گئی تھی اور اس باب میں

میو پٹنہ نے ایک پروانہ بھی وہاں کے راجہ کے نام لکھا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ فوج جو اکثر سواروں کی ہوتی تھی اسلئے بہار کے نیچے کے حصہ میں کچلا حاصل شروع عمل چکا اور واپس چلی آئی اور اسکے پروانہ کی کسی نے پروانہ کی۔ اور مصلحتاً یہ بھی چپ ہو رہا۔ غرض کہ میو پٹنہ نے سولہ دن کوچ بھارہ میں ٹھہر کر نظم و نسق ملک کے لئے اپنے عہدہ و امقرر کر دیئے۔ اور خود تیسویں جمادی الاول (شروع کوچ سے تقریباً دو مہینے کے بعد) گھوڑا اگھاٹ کے راستہ آسام کو روانہ ہوا۔

\* محقر حال کوچ بھارہ اور  
اسکے راجہ کا جو سوت ہے  
یہ ریاست فی زمانہ گورنمنٹ بنگالہ کے تحت دار الحکومت  
کے قریب راج شاہی کی کشتی کے متعلق ہے۔

شمال کی طرف ضلع جلیا گورجی کے مغربی دواروں سے محدود ہے۔ اور جنوبی دن  
میں ضلع رنگپور اور مشرق میں گوال پارڈا۔ اور مغرب میں دیناج پور ہے۔ رقبہ اسکا  
تیرہ سو سائٹ میل مربع اور آبادی خلافت چھ لاکھ دو ہزار چھ سو پچیس ہے۔ فرمانروا  
حال کا نام خطاب مہاراجہ فریب اندھ ناراین بھوپ بھاد ہے۔ اور گورنمنٹ  
انگریزی سے تیرہ لاکھ نوپ کی سلامی کا اعزاز اور انگریزی بھوپ کا فوجی لقب بھی حاصل ہے  
رئیس حال کی نابالغی کے زمانہ میں گورنمنٹ انگریزی نے اس ریاست کے طریق نظم و نسق کی  
بہت بڑی اصلاح کر دی ہے۔ اور اس زمانہ کی شاید طرز حکومت کے موافق صیغہ جات مال  
جوڈیشل۔ پولیس۔ بندوبست۔ تعمیرات عامہ۔ تعلیم۔ اور میڈیکل اور ڈاک خانے۔ اور  
باقاعدہ انتظام جیلخانہ وغیرہ موجود ہے۔ اور ملک کی آمدنی تخمیناً تیرہ چودہ لاکھ روپیہ لاکھ  
سرواڑس ایچسنی صاحب کی کتاب عہدہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا ایک ہزار  
سات سو بہتر عیسوی سے یہ ریاست گورنمنٹ انگریزی کی حمایت میں آئی ہے جبکہ  
وہاں کے خور و سال باجہ کو بھوٹیوں نے مقید کر کے ملک پر اپنا قبضہ کر لیا تھا اور  
گورنمنٹ مدوہ نے نصف ملک کی آمدنی ہمیشہ کے لئے اپنی کر کے انکو کمال دیا اور ہم

آسام کے عام حالات  
عالمگیر نامہ سے

یہاں تک تو ناظرین میڈیکل کا ریاست کوچ بہار میں داخل ہونا اور عمل و دخل کے بعد بادشاہی سکہ و خطبہ وغیرہ کے جاری کروینے کا حال معلوم کر چکے۔ مگر ہم آسام میں عیدِ جملہ کی جنگی کارروائیوں کے لکھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کی حدود اور حالات طبعی اور وہاں کے باشندوں کے عادات و خصائل اور رسم و رواج وغیرہ کو (جس طرح پرکہ اسوقت تھے اور جنگو صاحب عالمگیر نامہ نے اپنے طور پر بہت تفصیل سے لکھا ہے) توضیح مطلب کے لئے اول بیان کیا جائے۔ وہ ہوندا۔

آسامیوں کا اعتقاد کہ راجہ  
کامورث شہک سے آیا تھا۔

یہاں کے لوگ اپنے راجہ کو شہرگی راجا کہتے اور یہ عجیب اعتقاد رکھتے تھے کہ اس خاندان کے بزرگ شہرگ کے راجہ تھے ان میں سے ایک راجہ سونے کا زینہ لگا کر آسام میں اتر آیا کچھ عرصہ تک رہتے رہتے ہی جگہ پسند آگئی اور شہرگ کو واپس لگیا۔

آسامی راجاؤں کا کسی  
بادشاہ سے منسوب ہونا

ان راجاؤں نے کبھی ہندوستان کے کسی بادشاہ کی اطاعت نہیں کی تھی۔ اور جب کبھی فوج بھیجی گئی تو بجز ناکامی کے اور کچھ حاصل نہوا۔ اور یہ ملک جو طبعاً دشوار گزار ہے اکثر رسد کا

کو بحال کر دیا۔ اکتوبر ۱۶۵۵ء اٹھارہ سو پچاسی میں ہزیکسنی لارڈ ڈفرن و دیگر ہند کے دربار میں بمقام شہرہ راقم نے ریشہ حال کو دیکھا تھا کہ ایک سانوے رنگ کے نشیدہ نکتا نوجوان میں اور اسوقت فوجی دردی پہنے ہوئے تھے اور اپنے عادات و اطوار لباس پوشاک وغیرہ میں عموماً یورپین وضع رکھتے ہیں اور مذہب میں بوھو طریقہ کے پیرو ہیں۔ بلکہ باورکیشب چند دسین ساکن کلکتہ مقتدا سے فرقہ برہم سراج جو ہمارے ایک غریب آدمی مغزی علم اور نیک شخص تھے انکی لڑکی سے انکی شادی ہوئی ہے اور انھیں مع مہارانی صاحبہ مددہ بطرین سیر دیاحت لندن میں تشریف فرما ہیں۔ نقطہ سوم ح

تاریخ ہندوستان

راستہ روک کر شب خون مار کر اور کسی ایسے ہی آندہ پنج پچ سے ہمیشہ آسامی ہی لے جاتے رہتے تھے اور اگر مقابلہ سے بھی عاجز آئے تو رعیت کو پہاڑوں میں لگا کر اور اشیاء مادیہ کو لٹکا کر جلایا پھونک کر ملک کو ویران اور سنان کر ڈالتے تھے اور پھر برسات کے دنوں میں (جو دہاں بشتت ہوتی ہے) فوج غنیمت کو دزات کے تھنوں سے تباہ و غارت کر دیتے تھے اور چونکہ اپنے ملک میں کسی باہر والے کو نہ اندر آنے دیتے اور نہ کسی کو باہر جانے دیتے تھے اس سبب سے یہاں کے حالات غیروں سے استعد مخفی تھے کہ عموماً یہ شہور تھا کہ اس ملک کے رہنے والے ساحر اور جادوگر ہیں اور جو کوئی وہاں جا پھنستا ہے جادو کے زور سے پھر باہر نہیں آ سکتا۔

اس ملک کے حالات طبعی کی نسبت مصنف موصوفیوں لکھتا ہے کہ ملک آسام جو

آسام کی حدود اور طول و عرض اور راجہ کا دار الحکومت کھڑ گاؤں

بنگالہ کے شمال و مشرق میں واقع ہے تقریباً دو سو کو س طول کا علاقہ ہے اور عرض میں جنوبی پہاڑوں سے لیکر شمالی تک تخمیناً آٹھ دن کا راستہ ہے اور دیسے بوہما پٹنر جو ملک خطا کی طرف سے ان پہاڑوں میں سے آتا ہے جو مابین آسام اور ملک آدا کے ہیں طولاً اس ملک کے وسط میں سے گزرتا ہے۔ اس دریا کے شمالی کنارے کی طرف جو علاقے ہیں انکو اُتر کون اور جنوب کے علاقہ کو دکن کون کہتے ہیں۔ اُتر کون کے علاقوں کا مبداء گواہٹی سے ہے جو ملک بادشاہی کی سرحد ہے اور منتہا سے طول وہ پہاڑ ہیں کہ جتنے باشندوں کو مری اور مچی (زمانہ حال میں مڑے) م

کہتے ہیں اور دکن کوٹن کے علاقے طولاً کوہستان سیراجی نگر سے شروع ہو کر  
سندیا کے علاقہ پر ختم ہوتے ہیں۔

ناگ اور ڈفلے قوم کے وحشی جنوبی طرف کے پہاڑوں سے مشہور پہاڑ نام روپ کے  
ہیں جو راجہ کے دارالریاست کھٹ گاؤں سے چار منزل اوپر ہیں اور ایک ہ  
پہاڑ بھی مشہور ہے کہ جسے رہنے والوں کو ناگ کہتے ہیں۔ (جو زمانہ حال میں ناگ  
مشہور ہے) یہ لوگ ایسے وحشی ہیں کہ سر سے پاؤں تک ننگے رہتے اور  
گٹا۔ بلی۔ سانپ۔ چوہا وغیرہ سب چٹ کر جاتے ہیں۔ اگرچہ راجہ کی تابعداری  
کرتے ہیں مگر مالگداری نہیں دیتے۔ اور وہ پہاڑی جنگو ڈفلے کہتے ہیں نام کو  
بھی تابعداری نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے پہاڑوں سے اتر کر کبھی کبھی راجہ کے  
ملک کو لوٹ لیتے ہیں۔

صاحبِ عالمگیر نامہ شہر کھڑ گاؤں کا موقع اس طرح بتاتا ہے کہ گھوٹی  
سے پچھترہ کوس ہے اور کھڑ گاؤں سے راجہ پیگو کا دارالحکومت شہر آوا  
پندرہ منزل ہے جنہیں کوہستان نام روپ سے اُس طرف پانچ منزل تک  
توجہ کل اور دشوار گزار پہاڑ ہیں اور پھر آگے آوا تک زمین ہموار اور دشت ہے۔

اس ملک کے مشہور ترین دریا بھما پتر میں جو  
دریا شامل ہوتے ہیں اُن سب میں بڑا دریا  
دھنگ ہے جو آسام کے جنوبی پہاڑوں کے

دیک دھنگ اور بھما پتر کے فیضان سے  
آسام کے دو تھلوں کی عجیب و غریب شاواہی  
پھولوں اور بیویوں وغیرہ کی فراوانی بیڑوں  
جنگلوں۔ اور ہاتھیوں کی کثرت

اگر لکھو گڑھ کے مقام بھما پتر میں ملتا ہے اور اُن دونوں دریاؤں کے درمیان  
پچاس کوس تک نہایت ہی تاباں اور سرسبز و شاداب زمین ہے اور جس کا انتہائی

دشوار گزار بن پر ہوتا ہے جس میں ہاتھی بکثرت ہیں آسام میں اس جنگل کے علاوہ چار پنچ بن ہاتھی پکڑنے کے اور بھی ہیں اور ان سب میں سے ہر برس پانسو چھ سو ہاتھی پکڑے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا قطعہ کے سوا ایک اور علاقہ جو سیملا گڈھ سے کھڑگانوں تک قریب پچاس کوس کے ہے یہ بھی کہلاتا ہے کھیتوں اور سرسبز درختوں کی کثرت سے ایسا دلکش اور بہار ہے کہ نام سرزمین گویا ایک باغ ہے اور ان گنجان اور شاداب اور خوبصورت درختوں میں رعیت کے گھر بہت ہی خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ غرض کہ خود درختوں اور باغات اور میوؤں اور پھولوں کا ان دونوں قطعوں میں کچھ شمار نہیں ہے۔

اور چونکہ موسم بہار میں اکثر ان نشیب کی زمینوں پر پانی پھر جاتا ہے اسلئے سیملا گڈھ سے

سیملا گڈھ سے کھڑگانوں تک ایک عمدہ سڑک

کھڑگانوں تک ایک اچھی چوڑی اور اونچی آل (سڑک) بنی ہوئی تھی جس پر سایہ کے لئے موزونیت کے ساتھ بالنس کے درخت لگے ہوئے تھے۔ اور سوائے آل کے خالی اور غیر مزروع زمین نام کو بھی تھی۔ میوے اور مٹھے کی اقسام سے آم۔ کیلہ۔ تیج۔ نارنج۔ لیمو۔ انناس۔ ادراک۔ پان۔ پونڈہ۔ سرخ و سیاہ سفید تینوں قسم کا نہایت نرم اور شیریں۔ اور ایک قسم کا نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ آلمہ۔ اور ناریل۔ سیاہ مہج اور پھالیدہ وغیرہ کے درخت کثرت سے تھے اور کھڑگانوں کے گرد زرد آلو۔ اور خود رو نار بھی بہت تھے اور غلات میں چاول اور ماش بکثرت۔ مسو کم گیہوں بالکل نادر۔ ملک میں ابولیشم بھی بہت تھا جس سے مشجور اور محل اور اور اچھے اچھے

ریشمین کپڑے جنتی تھے مگر ملک کی اندرونی احتیاج سے زیادہ نہ بناتے تھے  
 نمک نمک کیا ب تھا اور اُس ولایت کا اصل نمک جو کلیلہ کے خوب  
 سے بناتے تھے نہایت ہی تلخ تھا۔

عود عود قوم ناگ کے پہاڑوں میں عود (اگر) نہایت عمدہ اور کثرت  
 سے تھا۔ جسکو وہ لوگ آسام میں لاکر نمک اور غلہ سے بدلتے تھے۔ عود  
 نام روپ۔ سندیا۔ اور لکھو گڑھ کے پہاڑوں میں بھی تھا۔ اور کستورے  
 ہرن بھی۔

دکن کون سے آکر کون کے صاحب عالمگیر نامہ لکھتا ہے کہ دکن کون کی طرف  
 ملک کا عمدہ اور خوش آب و ہوا ہونا  
 آسام کے راجاؤں نے پولیسکل مصلحتوں سے اپنا دار الحکومت سیطرف بنا  
 رکھا ہے۔ لیکن دریا سے برہما پتر کی شمالی جانب کا ملک بلحاظ قدرتی جویوں  
 اور کثرت آبادی کے نہایت پُر رونق اور اس سے بدرجہا بہتر ہے اور اس  
 طرف کے پہاڑ جو برہما پتر کے کنارہ سے کم از کم پندرہ کوس اور زیادہ  
 زیادہ پینتالیس کوس کے فاصلہ پر ہیں سب ٹھنڈے اور بر فانی ہیں۔ انکے  
 باشندے عموماً توانا تو میکل اور جیہ اور سڈول ہیں اور سرد ملکوں کے باشندوں  
 کی طرح انکا رنگ بھی سُرخ و سفید ہے اور یہاں وہ سب میوے بھی پیدا ہوتے  
 ہیں جو اور ٹھنڈے ملکوں میں ہو کرتے ہیں اور اپنی جانب قلعہ جملہ رام اور  
 گواہٹی کی سمت میں جو علاقہ درانگ کا پہاڑ ہے تمام باشندے یہاں کے  
 عادات و اطوار لکھتا میں باہم مماثلت رکھتے ہیں اور صرف اپنے پہاڑوں اور



قیساؤں کے نام سے علیحدہ علیحدہ تیسز کیے جاتے ہیں۔

مشک - چوریاں - گوٹ - ٹانگن  
اور ریگ شوی سے سونا نکلتا۔

اور ٹانگن بھی۔ اور ریگ شوی سے سونا بھی نکلتا ہے بلکہ کل آسام کے دریاؤں کی ریگ شوی سے سونا ملتا ہے۔ چنانچہ بارہ ہزار آدمیوں سے بینیل ہزار تک یہی کام کیا کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص بطور لانا محصول کے ایک تولہ سونا راہ کو دیتا ہے

آسامی زبان بنگالہ سے بالکل الگ ہے اور مذہب کے باب میں بھی انکا یہ حال ہے کہ بخلاف اہل ہندوستان کے کھانے

آسامیوں کی زبان انکا مذہب کھانے پینے میں مطلقاً بے قیاس گھی کھانے سے نفرت۔

پینے وغیرہ کی قیود متعارفہ میں سے کسی بات کے مطلق پابند نہیں ہیں اور ہر کسی کے ہاتھ کا کھانا بے تکلف کھا لیتے ہیں اور یہاں تک بقید میں کہ انسان کے گوشت کے سوا کسی قسم کا گوشت نہیں چھوڑتے۔ بلکہ مردار بھی کھا لیتے ہیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ گھی بالکل نہیں کھاتے۔ اگر کسی کھانے میں اسکی بوجھ آجائے تو اس سے نفرت کرتے ہیں۔

عورتوں کے پردہ کی مطلق رسم نہیں جتنے کہ راجہ کی رانیاں بھی کھلے مونہہ ننگے سریوں ہی پھر کرتی ہیں۔ آسامیوں کی

انکی عورتیں انکا تعدد بدلنا اور بیچنا اور اڑھی موچھ کی صفائی۔ لباس کا جنکلی بن اور اجض برنی خصلتوں کا ذکر۔

اکثر چار پانچ عورتیں ہوتی ہیں جنکو بیچ بھی ڈالنے اور بدل بھی لیتے ہیں۔

داڑھی مونچھ منڈاتے ہیں اور جو نہ منڈا سے اسکو بہت برا سمجھتے ہیں  
پوشش جنگلیاں ہے۔ گڑھی کی جگہ سر پر کچھ یوں ہی کپڑا لپیٹ لیتے ہیں  
- پاجامہ کے عوض تہ بند باندھ کر اوپر سے ایک چادر اوڑھ لیتے ہیں اور جوتا بھی  
نہیں پہنتے۔ قوت و توانائی - جرات، مہاکی - وحشت اور جنگلی پن انکی صورت  
اور سیرت سے ظاہر ہے اور جانی محنت اور جاکشی کے کاموں میں اکثر دنیا  
کے لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں اور سب کے سب سخت جان جنگجو۔

کینہ خو - غدار و مکار ہیں - رحم و شفقت اُنس والفت سچائی شرم و حیا اور  
عفت و وفا اور اہلیت و انسانیت کا انکے وجود میں نام ہی نہیں۔

ان کے گھراور عمارت اینٹ پتھر کی عمارت سوا کھوڑا گلوں کے دروازوں  
اور مندروں کے اور کہیں نہیں۔ امیر و غریب سب اپنے گھر لکڑی سے  
یا بانس اور گھاس بھوس سے بناتے ہیں۔

سنگھاسن اور ڈولے کی سواری راجہ اور اُسکے اُمرا سنگھاسن پر اور اوڑھے  
سردار اور رعیت کے دو لہند لوگ ڈولے میں جو سنگھاسن سے چھٹو  
ہوتا ہے سوار ہوتے ہیں۔ گھوڑا - اونٹ - گدھا اس ملک میں  
ہوتا ہی نہیں۔

گدھے سے عجیب رغبت اگر کوئی شخص کسی دوسری جگہ سے کوئی گدھا  
اور گھوڑے سے بیخوف لے آتا ہے تو اسکو دیکھ کر اور رکھ کر بہت خوش

ہوتے ہیں اور بڑی قیمت لگاتے ہیں اور اونٹ کو تو دیکھ کر نہایت ہی  
متعجب ہوتے ہیں۔ مگر گھوڑے سے بہت ڈرتے ہیں یہاں تک فی اشل

اگر ایک سوار سو آسامیوں پر حملہ کرے تو سب ہتھیار ڈال کر بھاگ جائیں یا  
 مطیع ہو جائیں حالانکہ اگر کسی پیادے دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو خوب  
 دلیری سے لڑتے ہیں۔

کلتانی سب کاموں میں مقدم ہیں۔ ایک آسامی دوسرے کلتانی۔ اگرچہ کلتانی  
 اور آسامی سپاہی ہیں اور انکو ہتھیار

سب باتوں میں مقدم ہیں لیکن سپاہی اور لڑائی بھڑائی کے سخت کاموں  
 میں آسامیوں کو ترجیح دیجاتی ہے۔ چنانچہ چھ سات ہزار آسامی راجہ  
 کے مکان کے گرد ہمیشہ مسلح پہرہ دیا کرتے ہیں اور ایسے کاموں میں  
 انہیں پر غماو ہے۔ اور راجہ کے جلاؤ اور میر غصب بھی یہی ہوتے ہیں  
 بندوق۔ تلوار نیزہ کے علاوہ بانس کے تیرو کمان رکھتے ہیں۔ مگر  
 ان کے قلعہ اور نواڑہ میں توپیں اور لمبی بندو قیں بھی ہوتی ہیں اور انکا  
 چلانا خوب جانتے ہیں۔

قصہ اس ملک میں داخل ہونیکے لئے چلا  
 نے حسب بیان ماسبق تیسویں تاریخ جمادی الاول  
 کو کوچ بھار سے گھوڑ گھاٹ کی طرف کوچ کیا

میدو جگہ کا کوچ بھار سے کوچ اور  
 گھوڑ گھاٹ اور رنگا مائی  
 پہنچ کر دیا بڑھاپت کے راستے  
 آسام میں داخل ہونا۔

اٹھائیسویں کو دیا بڑھاپت کے کنارے پہنچ کر رنگا مائی میں جہاں یہ دریا بہاؤ  
 سے باہر نکلنا ہے جائزہ۔ چونکہ دونوں طرف کے پہاڑ بہت بلند اور لشکر کے  
 لئے ناقابل گزر تھے۔ اور باوجود اسکے کہ دریا کے دونوں کنارے بن اور  
 جنگل اور دلدل اور پانی کثرت سے تھا مگر اسنے براہ دور اندیشی دریا کا بہت

اختیار کیا اور دریا کے کنارے جنگل کو کاٹ کاٹ کر رستہ بنانا چاہتا تھا۔

یہاں تک کہ ششم جمادی الآخر کو بمقام  
جوگی گھٹا جو گواھٹی سے چالینس کو س  
ہے اور وہاں سے راجہ کا دارالحکومت

جوگی گواھٹا اور پنجرتن کے قلعے اُنکا  
استحکام اور تدابیر حفاظت آسامیوں کا  
نامردی سے قتل اور قید ہونا اور  
بہت سا سان جگ ہاتھ آنا۔

کھڑگانوں ایک مہینہ کا راستہ تھا جائینچا۔ یہاں بوہماپتر کے کنارے پر آسامیوں  
ایک بہت مضبوط قلعہ تھا اسکی غربی دیوار جدھر سے حملہ آوروں کا راستہ تھا پہاڑ  
کی چوٹی تک گھری ہوئی تھی اور سمت جنوبی دریا ہے بوہماپتر سے محفوظ تھی  
اور مشرق کی طرف دریا ہے ہناس قلعہ کی دیوار کے ساتھ گزرتا ہوا دریا ہے  
بوہماپتر سے جاملتا تھا اور شمال کی طرف حفاظت کے لئے خندق کے علاوہ  
پہاڑ اور گھنا جنگل تھا اور علاوہ اسکے حملہ آوروں کی روک کے نیسے ہانسوں  
کونیروں کی طرح تماش کر جا بجا دور تک گاڑا ہوا تھا جسکو انکی زبان میں پھانچا  
کہتے تھے۔ پندرہ ہزار فوج مع توپخانہ کے قلعہ میں اور میں سو بیس جنگی کشتیار  
مع ساز و سامان دریا میں موجود تھیں اور اسکے محاذی دریا کے پار کو پنجرتن  
پر ایک دوسرا قلعہ بہت مستحکم اور ایسے موقع کا بنا ہوا تھا کہ اگر پہلے قلعہ پر شکست  
ہو تو فوج نواڑہ میں ٹھیکر آسانی دوسرے قلعہ میں چلی جاسکتے۔ اور چونکہ اُس  
تنگ مقام میں دریا ہے بوہماپتر کے اس طرح دو شعبے ہو گئے تھے کبچ میں  
کچھ زمین ٹاپو کے طور پر تھی ایسے آسامیوں نے فوج کو یہاں پر اس ارادہ  
سے قائم کیا ہوا تھا کہ جس کنارہ سے دشمن کی سپاہ گزرے گی اُسپر آگ برساتینگے۔  
میں جملہ نے یہ تدبیر کی کہ ایک حصہ اپنی فوج کا دریا کے دوسرے پار اُتارے۔

اور کچھ سپاہ کو کوہ جوگی گھاٹ کے عقب میں دریا سے مناسب تک جنگل کاٹنے کے لئے اس امراد سے مامور کیا کہ اگر آسامی قلعہ چھوڑ کر جنگل کو بھاگنا چاہیں تو راستہ نپا سکیں۔ اور حصہ شیر فوج کا کشتیوں میں بٹھا کر اسطرح سے روانہ کیا کہ دریا کنارہ کی فوج اور کشتیاں ایک دوسرے کی مدد کے لئے برابر چلتی تھیں۔

میدر جملہ کی اس تدبیر کو دیکھ کر آسامیوں نے یہ خیال کیا کہ اگر حلاؤروں نے قلعہ چھین لیا تو جنگل کی طرف بھاگنے کا راستہ سدود ہو چکا ہے ایسے خوف زدہ ہو کر نواڑہ میں بھیکر لڑنے کو ترجیح دی مگر ایسی نامردی کی کہ باوجود ایسے مضبوط قلعوں اور تمام قلعہ کے کہ جنگے اٹھ آجانے کی حکمت اور دل کو ایسی آسانی سے توقع تھی خفیت سے مقابلہ کے بعد مقتدر بے سرد پا ہو کر بھاگے کہ کچھ تو جنگل کو بھاگتے ہوئے مارے گئے اور بہت سے غرق اور گرفتار ہو گئے۔ ایک سو اڑتالیس کشتیاں اور چھوٹی بڑی چونتھ توہیں اور ہشمار بند و قیس اور بہت سا سکو بارود وغیرہ سامان جنگ چھین لیا گیا۔

اس کامیابی کے بعد دونوں قلعوں پر قبضہ کر کے گواہٹی پہنچنے کی تدبیریں کی گئیں یہاں تک کہ ایک سو اسی جاودی آلاخر کو عین جنگل گواہٹی کے

میدر جملہ کا سرری گھاٹ۔ ناندو اور کجلی کے قلعوں اور گواہٹی پر قابض ہونا اور آسامیوں کا بھاگنا اور قتل ہونا وغیرہ

نزدیک جا پہنچا۔ یہاں آسامیوں کے پھر دو مضبوط قلعے تھے۔ ایک بمقام سرری گھاٹ پہاڑ کی چوٹی پر اور دوسرا اسکے محاذی دریا سے بدھاپٹو کے اُس پار کوہ ناندو کی چوٹی پر اور ایک لاکھ سے زیادہ آسامی ان دونوں قلعوں میں جمع تھے میدر جملہ یہاں بھی وہی چال چلا اور اپنی فوج کے ایک سردار

کو قلعہ کی سمت شمالی پر جو آسامیوں کے بھاگنے کا راستہ تھا، مامور کیا چنانچہ اس تدبیر کے نتیجے سے وہ لوگ ایسے خالی ہوئے کہ رات کی قوت کشتیوں میں بھج کر خود بخود بھاگ گئے اور کچھ خشکی کے راستہ سے فرار ہوئے اور کچھ فوج نے دریا کے اُس پار حملہ کر کے قتل کبڑاے اور موضع کجلی میں قلعہ نانڈی سے ساٹھ کوس آگے جو ایک بہت مضبوط قلعہ تھا اُس کو بھی خالی کر گئے اور میڈر بجلہ سرحد گھاٹ اور نانڈو اور موضع کجلی کے قلعوں اور گواھٹی پر جو بادشاہی ملک کی قدیم سرحد تھی سب کھٹکے قابض ہو گیا یہم ایسے مستحکم اور با سامان قلعے تھے کہ اگر آسامی کچھ دلیری کر کے برسات کا موسم آجانے تک ثابت قدمی اختیار کرتے تو بیشک آسام کا فتح ہونا خود حملہ آوروں کی دانست میں غیر ممکن تھا۔

مذکورہ بالا قلعوں اور گواھٹی پر قبضہ کرنے کے بعد میڈر بجلہ نے پچیسویں جمادی الآخر کو جملہ ہر کے مشہور قلعہ کی طرف (جو دریا

جملہ ہر - سیملا گڈ - اور کلیاہو کے قلعے اور ان کا دلیو خاں اور میرو پنے کی شجاعت سے فتح ہوا۔

برہما پتر کے شمالی کنارے پہاڑ تراش کر تین حصوں کے اندر اور اُس کے گرد دریاے برہما پتر کا پانی چھوڑ کر جزیرہ کے طور پر بنایا ہوا تھا، کوچ کیا۔ مگر

عالمگیر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے جادو گردوں کی ہنستانی، لونا چاری اور ان کے

لا اسمعیل جگی - لونا چاری اور کوم گپھا کے مندر کا ذکر

گرو گشتال میاں! اسمعیل جگی جنکے شیطانی نام جاوے کوئے نسنوئیکامروچ دیس کے ساتھ ایس باتوں کے متفقہ اثر چا کرتے ہیں انکے اور کوم گپھا کے مندر اس جگہ قلعہ نانڈو کے متصل پہاڑ کی چوٹی پر نیچے سے ادب تک قریب اکھزار زمین کے چھ تراش کر بنائے ہوئے ہیں جس میں

چونکہ اسکا منزل مقصود (یعنی راجہ کا دارالحکومت کھڑگانوٹ) اس دریا کے جنوبی کنارے کی طرف تھا اور اسی سمت میں سیلا گڈا اور کلیابو کا قلعہ کھڑگانوٹ پہنچنے میں سدا رہ تھا۔ اسوجہ سے میڈر جملہ نے جمدھرا کے محاصرہ وغیرہ میں کوشش کرنا بیجا مدہ اور تضيیع اوقات خیال کر کے سیلا گڈا اور کلیابو کا فتح کرنا حصول مدعا کے لئے مقدم سمجھا۔ اور فوج کو جمدھرا کی طرف سے اٹھا کر نذر یہ کشتیوں کے اُس پار تارنا شروع کیا۔ اگرچہ عین حالت عبور میں طوفان ہوا اور اولوں کی شدت سے کچھ کچھ نقصان ہوئے۔ مگر جس طرح بنا دو تین دن کے عرصہ میں کل لشکر کو پار تار کر گیا ہو میں جب کو سیلا گڈا و قریب ڈیرہ کیا دراصل سیلا گڈا اور کلیابو کو ایک ہی قلعہ کہنا چاہیئے۔ مگر حصار بیڑنی کو سیلا گڈا کہتے تھے اور قلعہ اندرونی کا نام کلیابو تھا۔ اور اگرچہ قلعہ کلیابو بھی بہت ہی مضبوط تھا۔ مگر سیلا گڈا ایسا عظیم الشان اور عریض و طویل تھا کہ اسکی جنوبی دیوار دریا سے لیکر اُس پہاڑ تک جو کلیابو کے عقب میں تھا چار کوس اور شمال کی طرف تین کوس کے طول میں تھی۔ اور مناسب طور پر اس میں کئی بڑے بڑے برج بھی بہت عمدگی سے لڑائی کے ڈھب کے بنے ہوئے تھے جنکے آگے حصار کے طور پر ایک اونگہ دار دیوار بنی ہوئی تھی جسکے اندر باہر دونوں طرف عمیق خندقیں تھیں جنہیں کہیں پانی چھوڑا ہوا تھا اور جہاں پانی تھا وہاں خوب باریک سرمہ سامی بھری تھی۔ اور یہ اندرونی اور بیرونی دونوں قلعے سامان جنگ سے نہایت مکمل اور مرتب تھے۔ اور تین لاکھ آسمانی (جو غالباً لکھیہ ہونگے) اسوقت یہاں موجود تھے۔

میدر جملہ نے اگرچہ دہلے وغیرہ بنا کر سیملا لکھہ پر گولے مارنے شروع کیے۔ مگر اسکے استحکام کے باعث ان کے توپ گولہ کا اثر تک بھی محسوس نہیں ہوا اور چونکہ وہ لوگ اسکے لشکر پر فیصل سے برابر گولے برساتے تھے اور کبھی دن کو اور کبھی رات کو حملے بھی کرتے تھے اور قندلی مشکلوں کے باعث بھی یہ جگہ ایسی پر خطر تھی کہ زمانہ سابق میں مُحمَّد شہاؤ دُعاؤ لُغُلُ اور حُسین شہاؤ نامے بنگالہ کے ایک اور بادشاہ کے لشکر اسی مقام پر نیست و نابود ہو چکے تھے۔ اسلئے زیادہ توقف بعید از مصلحت سمجھ کر یہ صلاح ٹھہری کہ ایک تو خندق کے نیچے سے سُرنگ لگا کر قلعہ میں پہنچنے کا راستہ بنا چاہیے۔ دوسرے کسی مناسب موقع سے فیصل پر یورش کر کے قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ جب سُرنگ لگ چکی اور فرہاد خاں نامے ایک سردار نے چاروں طرف سے حصار کو دیکھ بھال کر میدر جملہ کو یہ اطلاع دی کہ جنوبی فیصل کی طرف حملہ کے لئے کچھ گنجائش ہے تو پندرہ ہویں جب کوہم با مسے دلیو خاں آدھی رات کی وقت فوج کثیر ساتھ لیکر سوار ہوا اور اس طرح سے کارروائی شروع کی کہ میدر جملہ نے رات کو پانچ گھنٹہ کو دروازہ پر حملہ کر نیکیے لئے مامور کیا تاکہ دشمن اُدھر ہی ادبھے ہیں اور دلیو خاں کی طرف جو فیصل پر چل کر چاہتا تھا متوجہ نہوں۔ چنانچہ میدر جملہ نے قلعہ کے دروازوں پر زور شور سے توپیں مارنی شروع کیں اور اگرچہ آسامیوں کی توپ بندوق کی زد سے اسکی سپاہ کو کوئی جا بے پناہ تھی اور سوجہ سے انکو متواتر نقصان پہنچتا رہا۔ مگر اسنے سرگرمی اور بہادری کے ساتھ لڑائی کو جاری رکھا۔ اُدھر دلیو خاں کو یہ شکل پیش آئی کہ اُسکا آسامی دہا ایک



ایسا شخص تھا جو ساہا سال سے بادشاہی فوج میں ملازم تھا اور خود میدانہ  
سے عرض کر کے اُسے یہ رہنمائی کی خدمت اختیار کی تھی۔ مگر درہل  
بقضائے حُب قومی اور جنسیت کے اُسے اس فوج کے تباہ کرانیکے  
لیئے یہ چال کی تھی کہ آسامیوں کو پہلے ہی خبردار کر رکھا تھا۔ اور دلیہاں  
کو تمام رات حیران کر کے صبح ہوتے کو ایک ایسی جگہ لگیا جو سب سے زیادہ  
گڈھب تھی۔ اور دشمن لڑائی کے لیئے بخوبی مستعد تھے۔ غرض کہ وہاں  
پہنچتے ہی ان پر اس شدت سے توپ بندوق کی آگ برسنے لگی کہ  
بہت سے سپاہی مجروح و مقتول ہو گئے۔ مگر دلیہاں کی غیرت اور دلیری  
نے پس پا ہونیکلی ذلت کو کسی طرح گوارا نکلیا۔ اور باوجودیکہ آسامی اُوپر سے توپ  
بندوق اور ”حقہ آتشیں“ یعنی گراپ برسا رہے تھے۔ اور فیصلہ تک  
پہنچنے میں خندق عمیق اور پُر آب حائل تھی مگر اس دلاور سردار نے سب سے  
پہلے اپنا ہاتھ خندق میں ٹھیل دیا۔ اور اگرچہ خود اس پر اس کے ہاتھ پر تیرہویں  
بھی سخت بوچھاڑ پڑی مگر یہ شیر مرد اپنے چند بہادر رفیقوں کو ساتھ لیکر فیصلہ پر  
جواہی چڑھا اور پھر تو اسکی بہمت اور دلیری کو دیکھ کر اور سردار اور اہل سپاہ بھی  
آہنچے ہی اُٹھائیں اور صدمہ و مصائب نے بھی دروازہ توڑ ڈالا اور اسکی فوج  
بھی کچھ دروازہ کے راستہ اور کچھ ٹھنگ کی راہ سے داخل ہو گئی۔ اور  
فریقین میں ایک سخت لڑائی ہو کر آخر آسامی مغلوب ہو گئے۔ اور حصہ کے  
ایک راستہ سے جو جنگل کی طرف تھا سیدھا لگڈھ اور کلیا بدوؤں کو خالی کر کے  
بھاگ گئے۔ اور یہ تعلق مع ہتھیار سامان کے حملہ آوروں کے قبضہ میں آئے

اور تعاقب کی حالت میں بہت سے آسامی مارے اور پکڑے گئے۔ اور اس واقعہ کی شہرت کا یہ اثر ہوا کہ قلعہ جملہ ہرج بھی خود بخود خالی ہو گیا۔ اور ملک کا مروجہ کے رہنے والے بہت سے ہندو مسلمان رعایا مروجہ بادشاہی نے جو مدتوں سے آسامیوں کی قید میں تھے راجائی پائی۔

چونکہ دریا بڑھا پائے اس جگہ سے دمنزل تک پہاڑ کی چڑ کے ساتھ ملا ہوا چلتا ہے۔ اور اسکے کناروں پر لشکر کے گزرنیکے لئے

مید جملہ کا آگے بڑھنا اور آسامیوں کا ایک سخت دریائی لڑائی میں اتفاقیہ حکمت علی سے ہو کا کہا کر منقولہ جانا

(جیسا کہ مید جملہ۔ اب تک کرتا آیا تھا) بالکل راستہ نہیں تھا۔ اس باعث سے کچھ فوج بذریعہ نواڑہ کے دریا میں سے اور باقی لشکر دریا کے متوازی پہاڑ کے پیچھے سے روانہ ہوا۔ منتشر شدہ آسامیوں نے سبب اسکے کہ نواڑہ اور لشکر میں کئی کوس کا فاصلہ ہو گیا تھا اور دھڑا دھڑا سے پھر جمع ہو کر اور آٹھ سو جنگی کشتیوں میں بٹھکر جو توپ بندوں سے خوب مسلح تھیں نواڑہ پر رات کے وقت حملہ کیا اور بہرہاں چڑھے تک بڑے جوش و خروش سے لڑتے رہے۔ قریب تھا کہ بادشاہی نواڑہ کو شکست ہو جائے مگر اتفاقاً مچھ میں نام ایک سردار جو رات کی وقت توپوں کی آواز لشکر میں حملہ نے صدر لشکر سے روانہ کیا تھا اور پہاڑ کے سبب سے راستہ بھٹو لا پھرتا تھا مع چند سواروں لڑائی کی جگہ آن نکلا۔ اور دشمنوں کے دھمکانیکہ یہ ہوشیاری کی جاں چلا کہ اپنے ساتھ کے ”کوناچی“ (ترجمی) کو حکم دیا کہ کرنا بجائے۔ جسکے بجتے ہی آسامیوں کو یہ یقین ہو گیا کہ تازہ دم مغلیہ فوج دریا کے کنارہ سے

بھی آہنچی اور اس ناگہانی اندیشہ سے اُن کے جی ایسے چھوٹے کہ غالب سے مغلوب ہو کر اکثر تو بھاگتے ہوئے پانی میں ڈوب گئے۔ اور بہت سو مارے گئے۔ اور چار سو کشتیاں جن میں سے ہر ایک پر بڑی بڑی توپیں سامان کے تھی چھین لی گئیں۔

ان متواتر فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ راجہ کے نخوت اور غرور کا نشہ کرکڑا ہو گیا۔ اور دائر الایست کو چھوڑ کر دشوار گزار پہاڑوں میں جہاں مغلیہ فوج

راجہ کا دارالریاست سے بھاگنا اور اُسکے سرداروں اور وزیروں کی ہجرت و نیاز کی عرضیاں اور اُن کا جواب

کے سواروں کے پہنچنے کا چنداں اندیشہ نہ تھا بھاگ گیا۔ اور راجہ کے سرداروں اور وزیروں نے جنگو اُنکی اصطلاح میں بھوکن کہتے تھے۔ میڈر پٹلہ کے پاس اپنے وکیل اور عجز و نیاز کی عرضیاں بھیجی شروع کیں جنگا جواب یہ دیا گیا کہ "شاہی سپاہ اور رعیت کا وہ سب مال اور وہ تو بچانہ جو تم لوگ گواہٹی سے لوٹ لائے تھے مع اُن سب لوگوں رعایاے بادشاہی کے جنگو راجہ نے مدت سے قید کر رکھا ہے۔ اور راجہ کی لڑکی کا ڈولہ اور ایک مستول پیش فوراً حاضر کرو اور آئندہ کو اگر راجہ ہر سال چند عمدہ ہاتھی بطور خراج کے بھیجتا رہے اور بادشاہی احکام کی اطاعت کرتا رہے تو البتہ ہم واپس ہو جائینگے ورنہ بادشاہی فوج کو کھڑگانوں میں سپینا سمجھو"

مگر اس خیال سے کہ یہ عجز و نیاز کا اظہار منتر دفع الوقتی اور سکارسی کے طور پر ہے جو بادشاہ کا منظر نہ کر میں حملہ برابر بڑھے گیا چنانچہ

میدجلہ کا اور آگے بڑھنا لکھو گڈہ میں راجہ کی طرف سے بعض شخصوں نے کچھ زندانہ لاکر شہادۃ کا پیش کرنا اور قبل نہ ہونا وغیرہ وغیرہ

چنانچہ ستائیسویں جب کو لکھوگڈا میں جہاں دریائے دھنگ کوہستان جنوبی سے اگر مع آؤ بہت سی ندیوں اور نالوں کے بدھماپنڈ میں ملتا ہے جا پہنچا۔ اس جگہ ایک اور بھی زیادہ معتبر شخص نے جو راجہ کے مذہبی شیواؤں میں سے تھا عجز و نیاز کر کے ضلع چاہی اور راجہ کے ایک رشتہ دار نے بھی انکار ایک طلائی پاندان اور ایک سونے کا لوٹا۔ اور دو چاندی کی گاگریں اور کچھ اشرفیاں مع ایک خط کے جس میں اظہارِ مذمت اور عذر و معذرت کے بعد فوج کی واپسی اور ضلع کی درخواست اور پیشکش کی قبولیت درج تھی پیش کیا۔ جسکا جواب (جیسا کہ غالب اور فتحند اکثر دیا کرتے ہیں) یہم دیگیا کہ ”ابنوشکر نے کھڑگانوں پہنچنے کا ارادہ کر لیا ہے وہاں پہنچ کر جو سب ہو گا کیا جائیگا“

چونکہ شہر کھڑگانوں دیکھو ندی کے کنارے آباد تھا اور اس میں استقر پانی نہیں تھا کہ بڑی کشتیاں چل سکیں ایسے بھاری نواڑہ کو لکھوگڈا میں چھوڑ دیا اور چھوٹی کشتیاں ساتھ کیکر غرہ شعبان سنہ ایکہزار ہتر ہجری کو لکھوگڈا سے آگے ایک مقام میں کہ جہاں نواڑہ کا کارخانہ تھا قریب ایکسو کے بڑی بڑی کشتیوں پر جو وہاں موجود تھیں قبضہ کیا۔ اور پھر وہاں سے دیول گانوں میں جہاں دریکنارے راجہ کا کسی اپنے گرو کے لیے بنوایا ہوا نہایت عمدہ مسند اور باغ تھا ڈیرہ کیا۔

اس جگہ بعض مسلمانوں کے کھنے سے جو رعایاے بادشاہی میں سے راجہ کے یہاں مدتوں سے

میدجملہ کا کھڑگانوں پر قابض ہونا۔ اور مال غنیمت

قید تھے اور جنگجو اپنی رائی کی توقع خواب و خیال میں بھی نہ تھی یہ اطلاع پا کر کہ  
راجہ دکن کون (جنوب) کی طرف نامروپ کے دشوار گزار اور بد آب و ہوا  
پہاڑوں کو جہاں وہ اپنے مقرب قیدیوں کو بھیجا کرتا تھا بھاگ گیا ہے اور  
اسکی سپاہ اور سردار جنگلوں میں جا چکے ہیں اور شہر بے وارث و والی خالی چڑا  
میدو جملہ نے براہ احتیاط کچھ فوج اپنے منہجے سے پہلے روانہ بھیج دی  
اور بعد ازاں چٹھی شعبان کو اورنگ زیب کے جلوس کے چوتھے برس گویا  
گواہی سے پچھتر کوس کے فاصلہ پر ساڑھے چار مہینے کے عرصہ میں کھڑکانوں  
پہنچ کر بلا مرحمت قابض ہو گیا۔

اور راجہ نے جو اپنی توپیں اور رینگے وغیرہ تالابوں اور ندیوں میں  
ڈبو دیئے تھے۔ اور اسی جنگلوں میں چھوڑ دیئے تھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر سب پر  
قبضہ کیا۔ چنانچہ ایک سو اسی اور قریب تین لاکھ روپیہ کے سونا چاندی اور اور  
اسباب جسکو راجہ اپنے ساتھ لہجاء سکا تھا ضبطی میں آیا۔

ایک عجیب لوٹ جسکا ذکر آسام کے متعلق ہے  
وہاں کا دستور تھا کہ جب کوئی راجہ یا بڑا آدمی

مر جاے تو بارہویوں کے دھم کی طرح متوفی کی لاش کو دفنائے بدون یوں  
ہی کسی محفوظ جگہ میں رکھ دیتے تھے اور اُسکے ساتھ سونے چاندی کے  
برتنوں اور فرش فروش لباس پوشاک اور سامان خورش وغیرہ کی محتاج  
حالت زندگانی تھے کہ اسکی عورتوں خواصوں کو بھی مردہ کے لئے کار آمد سمجھ کر  
اُسکے پاس چھوڑ آتے اور ایک بہت بڑے چراغ کو تیل سے بہر کر اُس جگہ

کے دروازہ کو بڑے بڑے لکڑوں سے بند کر دیتے تھے۔ اہل لشکر نے ایسے  
چند مقاموں کو جا کھولا اور ان میں سے نوہ ہزار کا سونا چاندی نکال لائے۔

اور اس تمام مہم میں مذکورہ بالا مہتھیوں کے علاوہ کل  
چھ سو پچھتر توہین جنہیں سے ایک اتنی بڑی تھی کہ سپین

کشد سامان جنگ اور  
کشتیاں اٹھ آئیں۔

تین من کے قریب گولہ پڑتا تھا۔ اور دو ہزار تین سو سینتالیس زنبورک بارہ سو  
رام جنگی۔ اور چھ ہزار پانسو ساؤن معمولی بندوقیں۔ پانچ ہزار من بارود کے  
دو ہزار صندوق۔ ساٹ ہزار اٹھائیس ڈھالیں۔ لوہے سے گندھک بھجیا  
اور ایک ہزار سے زیادہ جنگی کشتیاں۔ اور خاص راجہ کی سواری کی مکلف کشتیاں  
ایک سو بیس اٹھ آئیں۔

دھانوں کے ایک سو تیر ڈھیر اور سب سے زیادہ کارآمد چیز جو قبضہ میں آئی وہ دھانوں  
کے ایک سو تیر ڈھیر تھے جنہیں سے ہر ایک ڈھیر دس ہزار من کے قریب تھا  
انکی نسبت براہ فور اندیشی میں دیکھنے والے نے فوراً یہ بندوبست کیا کہ لوٹ کر  
منافع نہ کیے جائیں۔ اور احتیاج سے زیادہ صرف ہوں۔

خلاصہ یہ کہ میں نے جملہ نے کھڑ گاؤں پر قابض ہو کر  
جو جو انتظام مناسب وقت تھے وہ کرنے شروع کیے

مہار اور چوکیاں بٹھائی گئیں  
اور سبکدھار بھی لگایا گیا

اور جہاں جہاں موقع دیکھا اپنی جنگی چوکیاں اور تھانے مقرر کر دیئے۔ اگرچہ  
آسامی کچھ عرصہ تک جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل نکل کر ان چوکیوں اور تھانوں  
پر حملے کرتے اور لڑتے رہے مگر آخر کار ایسے دبائے گئے کہ جا بجا چپ ہو کر  
بیٹھ رہے اور بادشاہ کے نام کا سکہ خطبہ کھڑ گاؤں میں جاری ہو گیا۔

شہر کے گانوں کے حالات اسوقت شہر کی آبادی (بقول مصنف عالمگیری) اس طور سے تھی کہ دیکھو ندی بیچ میں بہتی تھی۔ اور اُسکے دونوں طرف آبادی تھی جسکے گرد و شہر پناہ کے طور پر نہایت گھنی اور ناقابل گزر بانسی لگائی ہوئی تھی۔ اور اس میں اینٹ پتھر کی بچہ عمارت کے چار دروازے تھے۔ اور ہر دروازہ راجہ کے مکان سے تین تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور ایک اونچی اور چوڑی آل شہر کے اندر برسات میں آرام سے چلنے پھرنیکے لئے اس سرے سے اُس سرے تک بنی ہوئی تھی۔ اور یہ شہر کیا تھا گویا دیہات اور کھیتوں کا ایک مجموعہ تھا۔ کیونکہ ہر شخص کے گھر کے گرد و پیش باغ اور کھیتیں تھیں اور معمولی بازار جن سے شہروں کی رونق اور زیب و زینت ہوتی ہے یہاں نہ تھے۔ شہر کے لوگ سال بھر گویا سٹے غلہ وغیرہ سب قسم کے یا محتاج اپنے اپنے گھروں میں عموماً جمع رکھتے تھے اس سبب سے سوائے پنواڑیوں کی چند دکانوں کے بازار کی ضرورت ہی نہ تھی۔

راجہ کا مکان جسکے چاروں طرف بطور حصار ایک آل بنی ہوئی تھی دیکھو ندی کے کنارے تھا۔ اور جیسا کہ تفصیلوں اور حصاروں پر دشمن

راجہ کے مکان کی وضع اور اسکا چوبیس دیوانخانہ۔ سواری کیوقت "واند" اور ڈھول بجانکی رسم۔

کی زد سے بچنے کے لئے سینہ پناہ کی دیوار ہوتی ہے یہاں بجائے اُسکے یہ عجوبہ ترکیب تھی کہ خوب مضبوط بانسوں کو برابر برابر آل کے گرد اگر دس طرح سے گاڑا ہوا تھا کہ سینہ پناہ کا کام دیتے تھے اور آل کے چاروں طرف خندق تھی جو ہمیشہ پانی سے بھری رہتی تھی۔ جسکا دور ایک کوس

سے زاید تھا اور اس احاطہ کے اندر راجہ کے بڑے بڑے مکانات تھے مگر سب لکڑی کے یا پھوس اور بانس کے۔ جنہیں سب سے عمدہ ڈیرہ سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ایک چوبیس دیوانخانہ تھا جسکے چھٹا سٹھ ستون ایسی موٹی لکڑی کے تھے جنکا چار چار گز کا دور تھا۔ اور اس مکان کے اطراف میں طرح طرح کی منبت کار لکڑی کی جالیاں لگی ہوئی تھیں اور پتیل کے پتر صقل کر کے جالیوں کے اندر باہر اسطرح سے لگاے تھے کہ آفتاب کی شعاع پڑنے سے آئینوں کی طرح چمکتے تھے۔ تین ہزار پڑھتی اور بارہ ہزار مردوں نے دو سال تک برابر کام کر کے اس مکان کو بنایا تھا۔ جب راجہ اس دیوانخانہ میں آکر بیٹھا یا سوار ہو کر کہیں جاتا تو بجائے نقارہ اور شہنائی کے ڈھول اور ”داند“ بجاتے تھے۔ اور یہ ”داند“ ایک موٹی اور مدور پتیل کی تختی گویا قسم کی ہوتی تھی (جیسے کہ ہندو فقیروں کی جماعتوں کے ساتھ یا مردوں کے بانوں کے آگے گھڑیاں بجا کرتے ہیں)۔

برسات کی آمد کے خیال سے  
میدجملہ کا مٹھالوید میں ڈیرہ کرنا

چونکہ برسات کی آمد کے آثار شروع ہو گئے تھے جو آسام میں تمام ہندوستان سے پہلے اور اس شدت سے ہوتی ہے کہ ملک کے نشیبی حصوں میں سب جگہ پانی ہی

اس ملک کے کچھ عام حالات اگرچہ اس سے پہلے جو بیان مصنف عالمگیر نامہ لکھے گئے ہیں۔ مگر اس موقع پر وہ حالات بھی زمانہ حال کی تصنیف شدہ کتابوں وغیرہ میں پائے جاتے ہیں لکھے جانے والی لطف

\* آسام کی کثرت بادش اور قبض  
جنتی قوموں کے رسم و رواج وغیرہ  
عجیب و غریب حالات زمانہ حال  
کی تحریروں کے بموجب

داخل ہو کہ ملک آسام جو صوبہ بنگالہ اور بوہما اور تبت کے مابین واقع ہے



پانی ہو جاتا ہے ایسے میں محلہ نے میئر مقرر تھے سردار تو پچانہ اور راجہ امر سنگ۔  
 ہاڑہ کو کھڑگاؤں میں ٹھہرا کر خود مٹھلا پور میں جو یہاں سے تین چار  
 کوس آگے بڑھ کر کچھ اونچی جگہ تھی جا ڈیرہ کیا۔ اور جا بجا چوکیاں اور تھانے  
 بٹھا دیئے۔

مگر چند ہی ہفتے بعد جب برسات کی معمولی شدت سے اس تمام نیچے کے ملک میں جہاں حملہ آوروں کا قبضہ تھا یانی ہی یانی گویا

برسات کی شدت سے بادشاہی  
 فوج کا مجبور ہو جانا۔ اور آسایوں کا  
 پھر اٹھنا اور اکثر مقامات پر فوج کھینچ کر لانا

اور اہل سیاہ کو ایک دوسرے سے ملنے اور کہیں آنے جانے میں بہت سی دشواری ہو گئی۔ اسلئے آسامیوں نے جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل کر میدان کی چوکیوں اور تھانوں پر حملے شروع کر دیئے۔ اور لڑ بھڑ کر آخر کار شروع ماہ

ہے۔ چونکہ یہاں کے باشندے اس زمانہ میں بھی بہت خاصے جانگلوں ہی ہیں۔

اسیلسے ۱۷۱۷ء کا شمار سوتہتر عیسوی ایک حکام انگریزی نے طریقہ انتظام اور طرز حکومت کو مصلحتاً سرحدی اور غیر قانونی طور پر رکھا ہوا تھا۔ ۱۷۱۷ء (۱۷۱۷ء سویتہتر) سے ایس ایک حاکم اعلیٰ بقب چیف کشر مع ڈپٹی کشروں وغیرہ معمولی ماتحت عہدہ داروں کے امور ہو گیا ہے۔ جسکا دار الحکومت سلہٹ کے شمال کی جانب کھاسی امجینڈیا کے پہاڑوں میں بمقام شیلانگ ہے جو سطح سمندر سے ۵۶۶۶ پاؤنڈ اچھے سو سرسٹھ

نٹ بند ہے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس صوبہ میں آب مضابطہ اور آئین کی پابندی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ یہ ملک کثرتِ بارش کے لیے تمام ہندوستان میں ایسا مخصوص ہے کہ راجہ شیو پرشاد صاحب - سی۔ ایس۔ آرمی سابق عہدہ دار سرشتہ تعلیم ملک مغربی و شمالی اپنے مشہور جغرافیہ جام جہاں نما میں راجہ پہلے پندرہ

سوال میں اکثر مقامات پر پھر قابض ہو گئے خصوصاً اپنی قدیمی چال کے موافق سرد کی آمد روکنے کے لئے لکھوگڈ، اور گج پور کے مابین دریا سے دھنگ کے کنارے جا بجا مورچے بنائے اور سرد پہنچنے کا راستہ روک لیا۔

جب میدو حملہ اس حال سے مطلع ہوا تو راستہ کے کھولنے کے لئے کچھ فوج دریا کے کنارے کنار سرائندہ ازخان ازبک کے زیر حکم اور کچھ نذریم

سرد کی آمد بند ہو گئی رعیت بڑ بیٹھی اور سرد رشک کا ہوں تک جھے ہونے لگے۔

نواڑہ محمد مراد بیگ کے تحت کھڑگانوں سے روانہ کی تاکہ ایک دوسر کی مدد اور اتفاق سے کام کریں۔ مگر بدبختی سے تھوڑی ہی دور چلکر ان دونوں میں اتفاقاً ایسی ناچاقی ہو گئی کہ سرائندہ ازخان تو پیچھے رہ گیا۔ اور محمد مراد بیگ براہ سخت اسکی مدد کی پروا نہ کر کے مع اپنی کشتیوں کے

کے قریب میں چھپا تھا، کھنے میں کہ مقام چپرا پونجی میں جہاں موسم گرما میں بنگالہ اور آسام سے انگریز لوگ جا کر اکثر راکرتے ہیں سال بھر کی بارش کی پیمائش تین سو چھ انچ تک کی گئی ہے حالانکہ یہ مقام سطح سمندر سے صرف ساڑھے چار ہزار فٹ کے قریب بلند ہے۔ اور جھڑ ندیاں اور دریا اس ملک میں جاری ہیں یقین ہے کہ اور کسی جگہ نہ ہونگے۔ چنانچہ کٹھ ندیاں تو ایسی ہیں جنہیں بارہ مہینے ناؤ چلتی ہے۔ اگلے زمانہ میں وہاں کے راجاؤں نے اس بارش کی کثرت ہی کے باعث سے پانی کبچ میں سے راستہ جاری رکھنے کو تین چار گز زیر سے اونچی طرکیں (دہی آل) بنائی ہوئی تھیں۔ اور راجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ان سڑکوں پر اتھو جھل اگا ہوا ہے اور بجائے انسانوں کے شیر اور بھالو چلتے ہیں۔ اگرچہ سارا ہی ملک جھل اور بہار ہے مگر قرب اور ترکی طرف پہاڑ اور جھل بہت ہی زیادہ ہیں جن میں مختلف ناموں کی جھلی تو ہیں بہت ہیں۔ اور انکی ذات اور مذہب کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے سب چیز کھاتے ہیں۔ تیروں کو نہ ہرین ٹھجاتے ہیں۔ گندے ایسے کہ آبدست تک نہیں لیتے۔ چوہاؤں

بندہ کا سیر و مشاہیر اور نقشہ

آگے بڑھ گیا۔ اور آسامیوں نے موقع پاکر رات کی وقت جہاں یہ پہنچا ہوا تھا ایک ایسا چھا پاما کر سب کشتیاں مع ساز و سامان کے چھین لیں اور وہ لیا سراسیمہ ہوا کہ مع اپنی سپاہ کے بغیر لڑے تو مہانی کو بھاگ گیا۔ اس کامیابی سے آسامی اُدھ بھی مغرور ہو گئے اور لکھو لکھو سے بد اور خبر آنیکا راستہ بالکل سدود ہو گیا۔ اور جہاں کہیں بادشاہی فوجیں تھیں بجز اپنی حفاظت کے اُدھر اُدھر کہیں نہیں جاسکتی تھیں۔ اور آسامی جو اس شدت طغیانی میں گویا اِن ندی نالوں کی مچھلیاں ہی تھے میدان اور پہاڑ سے اگر بے تکلف اور متواتر حملے کرتے تھے یہاں تک کہ خود کھڑ گاؤں کے صدر لشکر پر بھی حملے شروع کر دیے اِن حالتوں کو دیکھ کر عایا کے لوگ بھی اطاعت اور فرمانبرداری سے منحرف ہو کر بگڑ بیٹھے۔ اور اسی اثنا میں اتفاق سے کوچ بھاد میں یہ واقعہ پیش آیا

کی کھوپڑیاں خالی کر کے آرائش کیا سٹے بندھن وارڈ کی طرح گھروں میں لگاتے ہیں۔ کوئی اُن میں بود کا کا مذہب بھی رکھتا ہے۔ اکثر دھرمی چھال کا لگاؤ بنا کر باندھتے ہیں اور سنگ کا کن ٹوپ پہنتے ہیں۔ کوئی تکلف کرتا ہے تو کبھی ارڈہ لیا کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اِن اقوام میں گاڑڈ و قوم کے لوگ جو بوہما پٹور کے دکن اور سیلہٹ اور میمنسنگ کے اُتر میں بستے ہیں سانپ کو بھی کھا جاتے ہیں۔ اور کتے کا پلہ تو ان کے بڑے مزے کی چاٹ ہے۔ پہلے اُسکو پیٹ بھر کر چاول کھلاتے ہیں بعد اُسکے عتا ہی آگ پر بھوں کر کھا جاتے ہیں۔ اس قوم میں یہ بھی دستور ہے کہ جب ان کے آپس میں کراہ ہو تی ہے تو دونوں آدمی اپنے اپنے گھر میں چٹاکی کا دخت لگاتے ہیں اور سب سے کسی قسم کھاتے ہیں کہ قابو پائے ہی اپنے دشمن کا سر کاٹ کر اس پیر کے کٹھے پھل کے ساتھ کھا جائیگے۔ اور جب دشمن کا سر کاٹ لاتے ہیں تو فی الحقیقت اُسکو چٹاکی کے دخت کے ساتھ چٹ کر جاتے ہیں۔ بلکہ اپنے دوست و آشناؤں کو بھی دعوت میں کھلا کر کھاتے ہیں۔

بیمارستان میں جہاں کھانا کھاتے ہیں

کہ عمال بادشاہی نے جو بیوقوفی سے ممالک محروسہ شاہی کی طرح کرٹی جمعیہ سی کر کے سختی سے مطالبے شروع کر دیئے، ایسے رعایا نے باغی ہو کر پیریم ناراین کو بھوٹنٹ سے واپس بلالیا اور فوجا کو قتل کر کے (جیسا کہ ہم ایک حاشیہ میں قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں) بادشاہی علی دہل اٹھا دیا اور تمام عہدہ دار مجبور ہو کر گھوڑا گھاٹ میں چلے آئے۔ اس خبر کے مشہور ہو جانے سے آسام کے حوصلے اڑ بھی زیادہ بڑھ گئے اور بادشاہی فوج کی جرات و ہمت پر بھی برا اثر پیدا ہوا

میدجلہ کی کوشش اس حالت کی اصلاح کے لئے

میدجلہ نے اس سیناب بلا کے روکنے کے لئے طرح کی تدبیریں کیں اور چونکہ کھڑگانوں میں لکھو گڈا سے رسد کا پہنچنا اور اسکے گرد و نواح کے مفسدوں کی مبنیہ و تادیب کر کے گرفت

اور پھر اس پیر کو بھی (جو گویا لڑائی کی جڑ تھی) کاٹ ڈالتے ہیں۔ راجہ صاحب موصوف نے ان لوگوں کی جست کی اپنی کتاب میں شروع عملداری انگریزی کے وقت کی روایتیں بیان کھیں ہیں کہ جب لڑائی جھگڑے میں کسی بنگالی زمیندار کا سر کاٹ لاتے ہیں تو اس کے گرد پہلے سب سے سب لکڑیاں چتے گاتے ہیں اور پھر اسکی کھوپڑی صاف کر کے اپنے گھر میں لگا دیتے ہیں۔ وہ کھوپڑیاں آپس میں بیچ بھی ڈالا کرتے ہیں۔ بلکہ شرفی اور بنک لوٹ کی برابر وہاں یہ بنگالیوں کی کھوپڑیاں اسکے بازار میں چلتی ہیں۔ چنانچہ علامہ (اٹھارہ سو پندرہ عیسوی) میں کالو مالو پاڑے کے زمیندار کی کھوپڑی ایک ہزار روپہ کو چلتی تھی۔ اور اندد علاقہ دار کی کھوپڑی پانسو روپہ کو بھٹائی جاتی تھی۔ وہ لوگ اپنے مردوں کو جلا کر بالکل اٹھ کر لٹاتے ہیں

راجہ صاحب موصوف نے میرے خط کے جواب میں اس مضمون کے ماخذوں کی نسبت یہ ارقام فرمایا ہے کہ میں نے آسام کا حال متبر انگریزی کتابوں سے نقل کیا ہے مثلاً والکر ہیملٹن کا ایسٹ انڈیا گزیٹیئر جلد ۱۵ میں چھپا تھا اسکے حصہ اول کا پہلا صفحہ اور سیلٹن جیسا موصوف نے بعض حالات سے نقل کیے ہیں۔ س م ح

بقیہ کتاب میں درج ہے

۱۵۰

کا راستہ کھولنا سب سے زیادہ ضروری تھا اسلئے اُس نے ایک فوج بانڈا رہستان  
متھرا پور سے زیر حکم فرما دیاں بمعیت راجہ اُتیمان سنگھ ہارڈہ و قزاقوں کا  
وغیرہ سرداروں کے اس مطلب کے پورا کر نیکے لئے روانہ کی۔ اگرچہ فرماؤ کا  
نے کھڑکھاؤڈ پہنچ کر کمال بہت بے لایسی کوشش کی کہ راتوں رات اپنے لشکر  
کو دیکھو مندی سے جو بڑی طغیانی پر آئی ہوئی تھی پار اُتارا۔ مگر آخر کچھ دور آگے  
جا کر کثرت بارش اور شدت سیلاب سے یہ حالت دیکھی کہ تمام ملک مثل ایک  
دریا سے بیکراں کے تھا اور باوجود کوشش کے کہیں راستہ نہ ملتا تھا۔ اور چونکہ  
بارش شدت سے ہو رہی تھی۔ اور سرداروں اور پیادوں کو سواے پانی میں کھڑو  
رہنے کے کوئی جگہ ہی نہ تھی اُس نے ناچار واپس آنا چاہا۔ اور جب اس پانی ہی پانی

تاکہ کوئی آدمی کھڑے رہ پھر کسی طرح کسی گاڑی کی کھوپڑی بنگالی کی کھوپڑی کے عوض میں بکر  
اُہنیں ٹھک نہ لیا کرے۔ شادی بیاہ دیاں عورتیں مرد کی خوشی اور زمانہ مندی سے ہوتا  
اور اگر انہیں سے کسی کا باپ اس شادی سے ناراض ہو جائے تو یہ وہ سب لوگ اُسکو اتنا شیتے  
ہیں کہ وہ بیچارہ راضی ہو جاتا ہے۔ خاوند کے مہمانیکے بعد دیاں کی عورتیں اپنے پیٹھ دیور  
سے نکاح کر لیتی ہیں اور اگر خاوند کا کوئی بھائی زندہ نہ ہو تو اپنے خسر سے شادی کر لیتی ہیں  
مالک میراث دیاں چھوٹی لڑکی ہوتی جو مردہ کو چار روز کے بعد جلاتے ہیں۔ اور اگر ان کا  
کوئی چھوٹا سردار مر جائے تو اُس کے ساتھ ایک غلام کا بھی سرکاٹ کر اگ میں جلا دیتے ہیں  
اور جو کوئی بڑے درجہ کا سردار مر جاتا تو اُس کے سب غلام ملکر ایک ہندو کو پکڑ لاتے ہیں اور  
اُس کا سرکاٹ کر اُس کے ساتھ جلا ڈالتے ہیں۔ وہ لوگ محنت کش اور مضبوط ہوتے ہیں۔ موت  
نقل الکی یہ ہے کہ ناک چشمہوں کی سی پھیلی ہوئی اور انہیں چھوٹی۔ ماتھے پٹھریاں پڑی  
ہوئیں۔ بڑا سا مونہ۔ ہونٹھ موٹے۔ چہرہ گول۔ اور رنگ اُکا گندمی ہوتا ہے عورتیں  
نائی اور دنگلی ایسی کر مردوں سے زیادہ مضبوط کانوں میں اُن کے بینٹ میں تیس تیس

میر جملہ کی فوج کشی کوچ بھاؤ اور آسام پر

میں قہرمانی تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ آسامیوں نے وہاں سے لیکر دریا کھنگ  
تک نہایت چوڑی اور عمیق نہریں کھود کر اور کنارہ پر مستحکم مورچے بنا کر اور توپ  
اور رہکتے وغیرہ سامان حرب سے مضبوط کر کے واپس جا نیکارا ستہ بند کر رکھا ہے  
اور یہ سپاہ ہمسقام پر پہنچی ہی تھی کہ بہت سے آسامیوں نے اپنے مورچوں اور  
جنگی کشتیوں پر سے گولے برسائے شروع کیے۔ اور بادشاہی فوج کو آبِ طہری  
وقت پیش آئی کہ نہ ان کے پاس رسد اور چارہ تھا اور نہ کشتیاں کہ ان پر سوار ہو کر اور  
دشمنوں کو دفع کر کے ندی نالوں سے پار ہو جائیں۔ اور نہ آگے جا سکتے تھے  
اور نہ کہیں پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ اور کسی طرح کی مدد بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ناچار

بائے نیل کے اتنے بڑے بڑے رہتے ہیں کہ چھاتی تک لٹکا کرتے ہیں آسام  
کے ایر لوگ بھی گھاس چوس کے بنگلے یا چھپرہاں میں رہتے ہیں۔ پچھم کا حصہ آسام کا  
اتک کامروپ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن ہندوؤں کے شاستریں جو سرحد  
کامروپ دیس کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بوجب رنگپور۔ میھن سنگا۔ سلہٹ۔  
جینتیا اور۔ کچھار۔ منی پور۔ اور آسام یہ سب کامروپ دیس ٹھہرتا ہے۔ اور  
اگلے زمانہ کی پوٹھیوں میں اس دیس کے بڑے بڑے اچھنے کی باتیں اور نہایت تعویذ کی  
لکھائیں لکھی ہیں۔ نادان آدمی ہاتک اسکو جادو کا گھوڑیال کرتے ہیں۔ نان توک مذہب ہی  
جگہ سے پھیلا تھا۔ کامکھشا دیوی کا شہر زندر ۹۲ درجہ ۵۶ دقیقہ طول شرقی اور ۲۶ درجہ  
۳۶ دقیقہ عرض شمالی میں واقع ہے۔ وہاں سکے آدمیوں کی صورت شکل چین والوں سے  
ملتی ہے۔ صدر مقام گواہٹی کلکتہ سے تین سو پچیس میل گوشہ شمال مشرق  
کی طرف جو کسی زمانہ میں کامروپ کا تخت گاہ تھا اور اب وہاں صاحب کشر  
رہتے ہیں بدھ پاڈو کے بائیں کنارے پر رہتا ہے۔ فقہ انتہا کلامہ۔

ایک آل پر جو اس نواح میں تھی جا پڑے۔ میں نے اس حادثہ کی خبر پکار  
 فوج کو من کو فوج کشی کے ساتھ انکی کمک کے لئے روانہ کیا۔ مگر وہ بھی تو بھائی  
 سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خلاصہ یہ کہ فرہاد خاں اور اسکی سپاہ اور تمام سوار  
 آل پر گھرے ہوئے بھوکھ سے ناچار بہہ کر لشکر کے بیلوں کا گوشت کھا کر نصیب  
 کے دن کاٹتے تھے۔ اور اس عرصہ میں اگرچہ آسامی کشتیوں پر سے بھی گولے  
 مارتے تھے۔ اور دن اور رات میں کئی کئی بار آل تک میں چکر چلے بھی کرتے تھے  
 مگر یہ لوگ ایک ہفتے تک باوجود ہر طرح کی تکلیف کے کمال جرات اور بہادری  
 سے انکو پس پائی کرتے رہے۔

اور آخر کار فرہاد خاں نے ایک وزیر تدبیر کی  
 کہ جب آسامی راجہ شبناسنگ کے  
 لاجپوتوں پر حملہ کر نیکی لئے بڑے چلے آؤ

فرہاد خاں اور راجہ شبناسنگ  
 کی ماموری۔ انکی مصیبت۔ مگر عجب استقلال ہے  
 اپنے گھر سے ہو کر لشکر کو بچانا اور دشمنوں پر  
 غالب کر فوج کو صحیح دستا واپس لیجنا۔

تھے تو اسنے انکو بطور حکمت عملی پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ اور جب راجپوت پیچھے  
 ہٹے اور یہ مجھول آسامی معزور ہو کر استغدر اگے بڑھ آئے کہ انکی کشتیوں سے  
 جو دریا سے دھنگ میں کھڑی تھیں انکو بہت فاصلہ ہو گیا۔ تو خان مذکور نے موقع  
 دیکھ کر ایک سخت دھاوا کیا اور ایسی تلواریں ماریں کہ حملہ کرنے والوں کے ٹکڑے  
 اڑا دیئے۔ اور انکی چند کشتیاں بھی جھین لیں۔ لیکن چونکہ اُسکے پاس سپاہ کے  
 کھانیکو کچھ نہیں تھا تو آخر یہی صلاح ٹھہری کہ جسطرح بنے اس مصیبت سے نکلنا چاہیے  
 مگر نکلنے کے واسطے چونکہ کشتیاں کافی تھیں۔ اور وہی چند کشتیاں تھیں جو دشمنوں  
 سے چھینی تھیں ایلے کیلے اور بانس کا ٹکڑا اور چھال اور گھاس سے بانہ کر

بیڑے بنائے اور ان پر چیدہ چیدہ بہادروں نے چڑھ کر طلوع آفتاب سے بہت پہلے کہ جب آسامی بالکل نیکر پڑے سو رہے تھے یکایک حملہ کیا اور انکو دوانے بھگا کر اکتالیس کشتیاں جھین لائے اور پھر ان کشتیوں پر اپنے لشکر کو ندی نالوں سے پار اتار کر تمام لشکر کو صحیح سناست مٹھرا پور میں دوسری ذیقعد کو پہنچا دیا۔

مگر بعد اسکے جو بارش کی شدت اس سے بھی زیادہ ہوئی۔ اور مٹھرا پور اور چوکیوں تک مد کا پہنچنا بہت دشوار ہو گیا۔ تو میر جملہ نے

میر جملہ کا بجوری محل سپاہ کو کھڑگانوں اور مٹھرا پور میں جمع کر لیا۔ اور بجند لکھو کڈہ بھگڑگانوں اور مٹھرا پور کے سب جگہ سے غل و غل اٹھ جانا۔

ازراہ و نامی محل سپاہ کو سب جگہ سے اٹھا کر کھڑگانوں اور مٹھرا پور میں جمع کر لیا۔ اس عہد سے تمام ملک پر پھر آسامی ہی قابض ہو گئے۔ اور سواے مٹھرا پور۔ کھڑگانوں۔ اور لکھو گڈہ کے اور کوئی مقام بادشاہی لشکر کے تصرف میں باقی نہ رہا۔ بلکہ آسامیوں کی جرأت اور جرات یہاں تک بڑھی کہ مٹھرا پور اور کھڑگانوں کے مابین جو صرف چند میل کا فاصلہ تھا یہاں بھی بغیر جمعیت فوج کے آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی

اب ظاہر ہے کہ اس حالت میں سرداروں اور اہل لشکر کے فکر و تردد کا کیا ٹھکانا تھا۔ اور قلتِ رسد اس پر اور بھی ستر اور بھی علاوہ

سرداروں اور اہل لشکر کی فکر ندی سد کی قلت اور آسام کے ایک ہوکن اور چارنگ کے راجہ کے حملے میر جملہ کے لشکر پر۔

راجہ نے میں بنگلہ کے پانوں اٹھرنیکے لیے اپنے ایک بھوکھن کو اپنا مقام بنا کر اور بڑے بڑے اختیارات دیکر فوج کثیر کے ساتھ مٹھرا پور کو روانہ کیا۔ اور خود بھی قلعہ سولہ کوڑی میں جو کھڑگانوں سے چار منزل اور آسام کے



راجاؤں کا قدیمی دارالحکومت تھا اگر ٹھہر گیا۔ بھوکھن مذکور ایک ندی کے کنارے جو مٹھلاپور کے نزدیک گزر کر دریا سے دھنگ میں گرتی اور برسات کے موسم میں دریا سے غلیم ہو جاتی ہے آٹرا۔ اور شیار آسامیوں کو جمع کر کے (بقول صاحب عالمگیر نامہ) ایک دیوار عریض و مرتفع تین کوس لمبی اور کمال مستحکم جس کا ایک سراپاڑ سے اور دوسرا دریا سے دھنگ سے ملا ہوا تھا بہت تلیل عرصہ میں اپنے لشکر کے آگے تیار کر لی۔ یہ شخص اکثر راتوں کو ندی سے پار اتر کر اگرچہ کتنی ہی دفعہ سخت سخت حملے کرتا مگر ہمیشہ ناکامیاب ہی ہوتا بلکہ آخر میں میدانِ حملہ نے ایک روز خود سوار ہو کر انکو ایسا تہ تیغ کیا کہ پھر انکو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور ایسا ہی چا دانگ کے راجہ کو بھی جو آسام کا ایک بہت بڑا ذلیلہ رہتا تھا اور جسے مٹھلاپور کے نزدیک دوسری جانب سے مورچے آن لگا تھے راجہ سُبجان سینگ نے ایک سخت لڑائی لڑ کر ہبکا دیا۔

جب آسامی اس طرح سے مٹھلاپور پر متواتر حملے کر کے ہمیشہ پرتاپ ہی ہوتے رہے تو اس جگہ کا خیال چھوڑ کر اوایل ذیقعد سے کھٹکانوں پر حملے کرنے شروع کیے۔ چنانچہ اکثر راتوں کو ایسے سخت حملے ہوئے کہ مدد کے لیے میدجلہ کو مٹھلاپور سے بعض سرداروں کو بھیجا پڑا۔ اگرچہ اسپر بھی ذی الحجہ کے مہینہ میں آسامیوں نے کئی باریات کو ایسی شدت سے حملے کیے کہ اگر بادشاہی سردار اور فوج ذرا سی کوتاہی کرتے تو ضرور مغلوب ہو جاتے۔ مگر یہ سپاہ کمال ہستقلال اور مردانگی سے انکے حملوں کو دفع ہی کرتی رہی۔

آخر کار روزمرہ کی لڑائی بھڑائی سے دق ہو کر منہ فی فوج نے خود ایسے

مٹھرا پور اور کھڑگانوں میں لگا رہا۔  
ہو کر آسامیوں کا منہ بولنے پر پشیمان ہو جانا  
اور خصوصاً لکھوگڑہ میں ابن حسین کی  
پیشکش سے انکا زیادہ مغلوب ہونا۔

سخت حملے کیے کہ انکے مورچے چھین کر  
جلا ڈالے اور دشمنوں کو قتل اور غارت  
کر کے محصور و مغلوب سے بھر غالب ہو گئے  
اور اس دلیری اور ہمت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دشمن منتشر ہو گئے۔ اور فوج موجودہ کھڑگانوں  
کو روڑہ کی لڑائیوں سے کسی قدر فرصت مل گئی۔ اس طرح جو فوج مع نوارہ وغیرہ  
لکھوگڑہ میں ابن حسین و اردو نوارہ کے زیر حکومت تھی۔ (جو نام سے معلوم  
ہوتا ہے کہ کوئی ہما زراں عرب تھا) باوجود آسامیوں کی کوشش اور بیج حملوں  
کے جو نوارہ کے علاوہ دریا کنارہ سے بھی آکر دق کرتے تھے کسی طرح مغلوب  
ہوئی بلکہ ابن حسین اور اسکے رفیق سرداروں نے خود حملے کر کے آسامیوں  
کی کئی کشتیاں چھین لیں۔ اور کتنے ہی انکے مورچے بھی تباہ کر ڈالے۔ اور  
ابتداء سے برسات میں دیول گانوں وغیرہ سے جو تھانے اٹھ گئے تھے پھر  
قائم کر دیئے۔ بلکہ ایسا عمدہ بندوبست کیا کہ انکے کئی سردار بھی کھڑے ہو گئے اور لکھوگڑہ  
سے گواہٹی تک اپنے رب و بدیع کو حیا کا چاہیئے تھا قائم رکھا۔ اور گواہٹی  
سے رسد اور خبر کی آمد و رفت کے سلسلہ کو منقطع ہونے نہیں دیا۔

آسامیوں کا پھر طالب صلح ہونا  
اور یہی جملہ کاربہ مصلحت پہلے  
سے زیادہ کڑی شرطیں پیش کرنا۔

خلاصہ یہ کہ جب مذکورہ بالا بھوکھن اپنی تمام جرات اور  
ہیادری خراج کر چکا اور باوٹا ہی فوج باوجود قلت  
تو اس کے غالب رہی تو اسے راجہ کی مرضی سے

پھر حملہ کے پاس مٹھرا پور میں وکیل بھیج کر صلح کی درخواست کی لیکن یہی جملہ  
سنت از راہ مصلحت پہلے سے بھی زیادہ یہ کڑی شرطیں پیش کیں کہ بانسوا تھی

تین لاکھ تو لہ سوناغ اپنی بیٹی کے جو بادشاہی بیگمات کی خدمتگداری لے لئے بھیجی جائے بالفعل حاضر کرے۔ اور آئندہ کے لئے پنچائش ہاتھی ہر سال بطور پیشکش بھیجنا رہے اور جہانگ ہماری فوج پہنچ چکی ہے وہ تمام ملک ہمارے قبضہ میں رہے۔ اور کوہستان نامرد پ و غیرہ راجہ کے پاس۔ گمران سخت شرطوں کے ساتھ براہ دانائی یہہ نرمی بھی ظاہر کی کہ پورن مل نامے اپنی ایک ہندو سردار کو بھوکھن کی تسلی کے لئے بھی بھیج دیا۔ جسکی نہایت درجہ کی خاطر اور تواضع و تکریم جو کھن مذکور نے کر کے سب شرطوں کو قبول کر لیا۔ بلکہ ایک دن تخلیہ میں یہاں تک کہنیا کہ اگر راجہ ان شرطوں کو منظور نہ کرے گا تو میں اُسکا ساتھ چھوڑ کر خود میاں جملہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا

مگر یہ کام بنتے بنتے پھر اس طرح ہو گیا کہ اسی اثناء میں بدقسمتی سے یہ تازہ مصیبت پیش آگئی کہ شدت بارش سے

بیماری اور قحط کی تازہ مصیبت کا پیش آنا اور نئے بڑے بیٹے

فٹھرا پور کے لشکر میں آب و ہوا خراب ہو کر تپ لرزہ اور دستوں کی بیماری ایسی پھیلی کہ اکثر لوگ مر گئے بلکہ بے مدین معلوم ہوا کہ یہہ و با تمام ملک اور خصوصاً راجہ کی سپاہ اور رعایا کے لوگوں میں جو بھاگ کر پہاڑوں جنگلوں اور تنگ مقاموں میں جا گھسے تھے یہاں تک پھیل گئی تھی کہ اُسکے بعض ملازموں کے قول کے موافق دو لاکھ تیس ہزار آسامی ضایع ہوئے تھے۔ !!! اس بیماری کے علاوہ میاں جملہ کے لشکر میں سند کا بھی ایسا قحط تھا کہ سبھلہ ان ایکسٹہر انبار چادلوں کے جو کچھ ڈھیر پانی کی ٹھنیانی اور دشمنوں کی دست و برد سے بچے ہوئے تھے انوکھ کیس قدر اُنپر گزران تھی یا ان بیلوں کے گوشت پر جو لڑائیوں بھڑاہیوں میں دشمنوں کو

چھینے ہوئے تھو بلکہ ایک مدت تک سواے اسکے کہ بیل کا گوشت پانی میں جوش دے لیں یا اسیکی کی چربی میں بھون لیں یا لیمو اور نارنج کے ساتھ جو اس ملک میں کثرت سے تھے تبدیل ذائقہ کر لیں بڑے بڑے امراے خوش خور کو بھی کھانے کے لیے اور کچھ میسر نہ آتا تھا اور آخر کو یہ بھی نایاب تھا۔

بادشاہی لشکر کی اس مصیبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ آسامی جو پہلے ذرا دہکے تھے انہوں نے پھر سر اٹھایا اور وہی بھوکھن جو عجز و نیاز اور اطاعت کے پیغام سلام بھیج رہا تھا۔ پھر لڑنے کو تیار ہو گیا ! اور چونکہ مٹھل پور میں سیاری زیادہ تھی اور تقریباً تین مہینے سے دن رات کی بارش اور لڑائی اور قحط کی مصیبت نے مجبور کر دیا تھا۔ اور اس لیے میڈیجملہ بارھویں محرم کو وہاں سے ڈیرہ اٹھا کر کھڑکواڑ میں چلا آیا تھا۔ آسامیوں نے اس امر کو اور بھی زیادہ انہی کمزوری پر محمول کیا اور اذ سر نو ذرات حملے کرنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ یہ بھوکھی اور بیمار فوج رات سونے نہیں پاتی تھی۔

لیکن ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ چاندنی رات میں آسامیوں نے جو دلیو خاں اور راجہ شینجا کے مورچوں پر نہایت جھمیت سے حملہ کیا

دلیو خاں اور اڈر سرداروں کی شجاعت اور ہمتی اور بیسات کے کم ہونے پر میڈیجملہ کا بھڑائی کا ردائیاں شروع کرنا

اگرچہ وہ شکست کھا کر پس پا ہو گئے تھے۔ مگر دلیو خاں نے بمقتضای اپنی شجاعت کے صرف ان کے معمولی پس پا ہونے پر اکتفا کر کے چاندنی رات کے موقع کو عنایت سمجھا اور دُور تک تعاقب کر کے اس قدر تھک گیا کہ اسکے بعد پھر انکو کھڑکا لٹوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

قصہ مختصر نصف ماہ صفر تک سب سرداروں اور سپاہیوں کی بیماری اور قحط کی مصیبت کو نہایت تحمل اور استقلال سے برداشت کیا اور چونکہ بارش میں بھی کچھ کمی ہونے لگی تھی اسلئے میدیہ محلہ اور اسکے سرداروں نے پھر کارروائی شروع کی اور معلوم کیا کہ براہ چاندنگا دریا سے دیکھو کے پار دیول گاؤں تک دامن کوہ کے قریب ایک ایسی آل بنی ہوئی ہے جو برساتی پانی میں نہیں ڈوبتی۔ اور سپر آمد و رفت کے لئے خشک راستہ موجود ہے۔ ہلیڑ میدیہ محلہ نے اکیسویں صفر کو تھوڑی سی فوج اور ابو الحسن نامے اپنے ایک معتبر سردار کو جو اسکے ذاتی ملازموں میں سے تھا واسطے تنبیہ مفیدان اور اس رستہ کے جاری کرنیکے مامور کیا اور یہ بھی ہدایت کی کہ ابن حسین نواڑہ کے داروغہ کو خبر دیوے کہ رسد کی کشتیاں جس طرح ہو سکے دیول گاؤں میں بھیجے چنانچہ اس بندوبست کے موافق مخالفوں کی تنبیہ و تاویب کے بعد یہ دیول گاؤں میں پہنچ گیا۔ اور چونکہ دریا کنارے اب بھی آسامیوں کے مورچے اور نوٹو گڑھیاں تھیں اور رسد کی کشتیوں کے لئے اسوجہ سے اندیشہ تھا اسلئے کچھ رسد تو کشتیوں سے نکال کر جمعیت مناسب چاندنگ کے راستہ سے کھڑ گاؤں کو بھیج دی اور خود نواڑہ کے ساتھ ہو کر کھڑ گاؤں کو روانہ ہوا اور انکی گڑھیاں جو دھنگ ندی کے کنارے تھیں انکو بھی چھین کر مسابکڑ والا۔ اور چاندنگ اور گج پور اور دیول گاؤں میں راستہ کی حفاظت کا بخوبی بندوبست کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ تدبیریں راست آئیں اور آخر بیج الاول میں چھ مہینے کے بعد خشکی اور تری

انکی تدبیروں کا راست آنا چھ مہینے کے بعد رسد کا مات کھل جانا۔ اور آسامیوں کا پھرتنا اور مغلوب ہونا۔

دونوں راستوں سے کھڑکالوٹ میں رسد پہنچی۔ اور قحط کی مصیبت رفع ہوئی اور برسات کے آثار کے ساتھ آسامی بھاگ کر بھر جنگلوں۔ دروں اور اونچو اونچو پہاڑوں پر جا پڑے۔ اور راجہ بھی سولہ کوڑی سے پھر ناہروپ کے پہاڑوں کو چلا گیا۔ اور اگرچہ اسکا نامور سردار یعنی وہی مذکورہ بالا بھوکن سبسا پنہ مورچہ کی مضبوطی اور جمعیت فوج کے ابھی تک کھڑکالوٹ کے قریب ایک ندی کے کنارے ٹھہرا ہوا تھا۔ مگر اُسے بھی عاجزی سے پھر صلح کی درخواست کرنی شروع کی جسکو قبول کر کے میڈیوٹھلہ نے آٹھویں ربیع الثانی کو چند سرداروں اور فوج کو کشیوں پر بٹھا کر اُسکی سرداری کے لیے روانہ کیا اور ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں بھوکن مذکورہ سے اسکا ہاتھوں کا تلہ جو اُسے اپنے لشکر کے گرد گرد بنایا ہوا تھا چھین لیا گیا۔ مگر چونکہ اُسکے ساتھ جمعیت کثیر موجود تھی اور اُسنے ایک دوسرے تلہ میں جو دنگٹکا ندی کے قریب تھا پائوں جا جاے تھے۔ اور اب وہ اس حملہ آور فوج اور لشکر متقیم کھڑکالوٹ کے بیچ میں آگیا تھا۔ اسلئے چودھویں ربیع الثانی کو میڈیوٹھلہ بذات خود کھڑکالوٹ سے اُسپر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر چونکہ وہ پہلی ہی شکست سے ہمت ہار چکا تھا۔ اور اب میڈیوٹھلہ کے بذات خود چڑھائی کر نیکا حال بھی اُسکو معلوم ہوا تو خائف ہو کر اس مورچہ سے بھی جو بہت مضبوط تھا بے رطے بھاگ گیا۔ اس جگہ پر قابض ہو جانیکے بعد میڈیوٹھلہ کو خبر ملی کہ ابھی ایک اور مورچہ دریا دھنگ کے اُس پار باقی ہے۔ اسلئے وہاں سے اٹھا ہوا بیس ربیع الثانی کو روانہ ہو کر وہ اس دریا کے کنارے پہنچا ہی تھا کہ آسامی اسکو بھی خالی کر گئے۔ حالانکہ دریا کے عرض و عمق کے باعث وہ حملہ سے محفوظ تھے۔

میدو جملہ کے مرض الموت کا آغاز اور سپہ بھی اُسکا آگے کو بڑھ جانا  
 دیکھ کر خود بخود بھاگے جاتے تھے۔ مگر یہاں میں مجھ پر یہ حالت گزری کہ  
 جسوقت اپنے گھوڑے پر سوار اسی کنارہ سے آسامیوں کے مورچوں  
 اور ان کے حال احوال کو حملہ کی تدبیر سوچنے کے لئے بظرف غور و احتیاط دیکھ  
 بجالا رہا تھا۔ یکایک اسپر ضعف کی سی کیفیت ایسی طاری ہوئی کہ گھوڑے  
 سے اتر کر زمین پر لیٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر تک بالکل بیہوشی اور غشی میں پڑا  
 اور اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہوش آگیا مگر کئی روز تک اسکو یہیں مقام کرنا پڑا۔ اور  
 اب باوجودیکہ اس کے مقابلہ سے دشمن بالکل ہٹ گئے تھے۔ بلکہ ایسا اچھا اثر پیدا  
 ہو گیا تھا کہ رعایا کے لوگ عموماً اطاعت کرنے لگ گئے تھے اور بدلی بھگتن  
 نامے جو آسام کے سرداروں میں راجہ کا ایک بہت بڑا رکن تھا۔ اور سبب  
 کسی بخش کے راجہ سے اُسکی اُن بن ہو گئی تھی اپنے اہل و عیال کی بھی  
 پروا نہ کر کے اور راجہ کی رفاقت چھوڑ کر میں مجھ کے لشکر میں حاضر ہو گیا تھا بلکہ  
 میدو جملہ کی خواہش کے موافق راستوں وغیرہ کے بند و بست اور شاہی خدائے  
 کے لئے کئی ہزار آسامیوں کی فوج بھی بھرتی کرادی تھی۔ اور اس باعث سے  
 راجہ کو اپنے سب سرداروں کی طرف سے ایسی بطنی پیدا ہو گئی تھی کہ  
 اُس بچاؤ و فادہ کو نہ بلکہ بالاجھو کہن کو بھی جو نہایت بہادر و کرم تھا باندشاہی  
 فوج کو کوئی مہینے تک وق کرتا رہا تھا خواہ مخواہ سستی اور کوتاہی کا الزام لگا کر  
 ازراہ وحشت عیال اطفال سمیت لوہے کی گرم سینچوں میں پرو پرو کر سخت

عذابوں سے مروا ڈالا۔ اور صورت معاملات ایک مدت تک خراب رہ کر اب سب طرح میدو جملہ کے حسبِ خواہ ہو چلی تھی اور باوجود مرض کے بھی اسکا یہم مستقل ارادہ تھا کہ جس طرح بنے رابعہ سے اسامہ کا کل ملک چھین کر اسکو خارج کر دے اور اسی ارادہ سے پانچویں جمادی الاول کو کوہستان نامروپ کی طرف یہاں سے کوچ بھی کر دیا تھا بلکہ ساتویں جمادی الاول کو قصبہ سولہ کوئی میں پہنچ کر اور آٹھویں کو دریا سے دھنگ کے پار ہو کر (جسکے کنارہ یہم قصبہ آباد تھا) اُور آگے بڑھ کر جا اُتر تھا۔

مگر اسی مقام پر اسکی بیماری بہت ہی سخت و شدید ہو گئی۔ سینہ اور معدہ میں درد ہو کر شدت سے تب چڑھ گیا۔ اور دو تین دن کے بعد مرض

میدو جملہ کی بیماری کا سخت شدہ ہو جانا اور اسکی مرضی کے خلاف نصیر وارادہ کا یہم ارادہ کہ ہم کو ختم کرنا چاہیے۔

ذات الصدر میں بھی مبتلا ہو گیا۔ اس سبب سے اہل لشکر اور سردار جو متواتر لڑائیوں کے علاوہ گزشتہ بارش اور قحط اور بیماری سے تنگ آئے ہوئے تھے اب انکو یہم فکر پیدا ہوئی کہ مبادا سردار مر جائے یا ہم طویل کھینچ کر دوبارہ برست کا موسم آجائے اور لشکر تباہ ہو جائے۔ لیکن اکثر سرداروں نے یہم ارادہ لیا کہ اگر میدو جملہ اس ہم کو زیادہ طویل دینا چاہے تو خود سری اختیار کر کے بھگا کر چلے جائیں۔

اگرچہ میدو جملہ کو عین شدت مرض میں سرداروں کے اس ارادہ سے نہایت ہی رنج ہوا۔ مگر عالی ہمتی اور حسن تدبیر سے

شدت مرض اور سرداروں کی راجی مجبور ہو کر راجہ کے پیغام صلح کے منظور کرنے پر میدو جملہ کا راضی ہو جانا۔



تاکہ دشمن دلیر نہو جائے باوجود بیماری کے ایک منزل اور آگے بڑھ گیا لیکن مذکورہ بالا وجوہات سے بخلاف اپنی اصل آرزو کے دل میں صلح کر لینے کا ارادہ کر لیا۔ اور اس عرصہ میں جو راجہ کے بھیجے ہوئے سفیر اور وکیل امرا ہمراہی کے ذریعہ سے معافی اور صلح کی شواہد درخواستیں کرتے تھے اور قبول نہیں کیجاتی تھیں اور اب جو اسنے دلیر خاں کے ذریعہ سے درخواست کی تو میدو جملہ بھی بنا چاری موقعہ وقت دیکھ کر راضی ہو گیا۔

راجہ کے وکیلوں کا حاضر ہونا  
شرائط صلح اور انکی تعمیل

اور تتر تھو میں ماہ مذکور اپنے لشکر گاہ سے آگے بڑھ کر موضع پتنام میں جو نامودپ کے درہ پر تھا جائزہ۔ یہ پتنام کا علاقہ راجہ کے ایک رشتہ دار کی ریاست میں تھا۔ جسکو اسکی طرف سے راجگی کا خطاب تھا۔ اور اسجگہ جنگل اور درہ کے سرے پر نہایت ٹھیک طور پر بنا ہوا تھا۔ غرض کہ اس جگہ راجہ کے وکیل حاضر ہوئے۔ اور بعد بہت سی قیل و قال کے ان شرائط پر صلح ٹھہر گئی۔ کہ راجہ ایک اپنی بیٹی اور ایک راجہ پتنام کی لڑکی۔ بیس ہزار تولہ سونا۔ ایک لاکھ بیس ہزار تولہ چاندی۔ بیس ہاتھی بادشاہی پیشکش میں۔ پندرہ ہاتھی میدو جملہ کو اور پانچ ہاتھی لیرنگا کو دیوے۔ اور بعد ازیں بارہ مہینے کے اندر اندر تین لاکھ تولہ چاندی اور نو ہاتھی سرکار میں داخل کرے۔ اور بطور پیشکش سالانہ بیس ہاتھی بھیجتا رہے اور مذکورہ بالا شرائط کی تعمیل تک اپنے چار بڑے بڑے سرداروں کے بیٹوں کو اول کے طور پر بنگالہ میں حاضر رکھے۔ اور بدلی بھوکھن کے اہل و عیال کو (جو حسب شرح صدر میدو جملہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا) مع بعض اشخاص

علاقہ کا مروپ کے جواب بھی نامروپ وغیرہ کے پہاڑوں میں قید تھے بادشاہی لشکر میں بھیج دینا منظور کیا۔ اور بابت ملک مفتوحہ کے اتر کو کھٹن دریا سے الی برادی اور وکن کون کی طرف دریا سے کلنگ راجہ اور بادشاہی ملک میں حد فاصل مقرر ہو گئی۔ اور ان امور کی نسبت آسامیوں کی طرف سے عہد نامہ اور میڈر جملہ کی طرف سے قول نامہ تحریر ہو کر دیا اور لیا گیا۔ اور پانچویں جمادی الآخر کو راجہ کے وکیلوں نے اس معاہدہ کی تمیل میں معنوں لڑکیاں اور مقررہ سونا چاندی اور چاروں سرداروں کے لڑکے حاضر کر دیئے

اور میڈر جملہ نے دسویں جمادی الآخر کو اوزنگیلب کے جلوس کے پانچویں سال میں اس با عزت صلح کے بعد کوستان نامروپ سے بنگالہ

میڈر جملہ کی مراجعت اور حالت مراجعت میں مفتوحہ ملک کے بدو اوپیم ناراین کی ندادی سے یئے انتظامات مناسب کا عمل میں لانا۔

کو مراجعت کی (اس حساب سے من ابتدا سے شروع کوچ جو جمادی الاول کی تیرہویں تھی دوسرے برس کی دسویں جمادی الثانی تک کل ایام مہم ایک برس سے کچھ ناید ہوئے) اور چونکہ اسکو بیماری سے کیتقد رافاقہ ہو گیا تھا منزل بمنزل جلد جلد کوچ کرتا ہوا بائیسویں ماہ مذکور کو لکھوگڈہ میں پہنچ گیا۔ اور میڈر مقلعہ وغیرہ سرداروں اور ہمایوں کے انتظار میں جو کھڑگاؤں سے مع اشیا و اموال بادشاہی اور مع ایک کروہ کشیر ہندو و مسلمان زن و مرد کے جو قید سے رہائی پا کر اور اُس ملک کو چھوڑ کر آتے تھے توقف کیا۔ اور چونکہ نو مفتوحہ علاقوں درانگ اور ڈومرویدہ وغیرہ کا بند و بست کرنا اور گواہی کے نظم و نسق کو جو آسامیوں کے ایام تصرف میں پراختلال ہو گیا تھا پھر دست

کرنا اور پیم ناراین کو بھی اسکی دوبارہ فساد انگیزی کے سبب سزا دینا ضروری تھا۔ اور برسات کا موسم قریب آگیا تھا ایسے میڈر محمد کچ فوج اپنے ساتھ لیکر اور باقی فوج و لشکر دیو خاں کے زیرِ کمان لکھو گڈہ میں چھوڑ کر اٹھائیسویں جمادی الآخر کو گواھٹی کی طرف چل پڑا۔ اور یہاں سے غرہ جب کو آسمان کی نئی سرحد کے ملاحظہ کے لئے داسن کوہ کے راستہ سے کوچ کیا۔ چونکہ جنگل بہت گھنا تھا تین چار منزل لشکر نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ چہارم جب کو دریہ کلنگ سے اتر کر قلعہ کجلی کے نیچے ڈیرہ کیا۔ اور اسگاہ درانگ اور ڈوہیو کے راجاؤں کو جنہوں نے اس مہم میں اچھی خدمتیں کی تھیں مناسب حال غنائتوں سے سرفراز کیا

میڈر محمد کے امراض کی ترقی  
فرنگی ڈاکٹر دکان علاج اور کاتال

ڈاکٹروں نے وہی تھیں اور صاحب عالمگیر نامہ کے خیال میں وہ حار تھیں (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بھی انگریزی دواؤں کی نسبت اکثر ہندوستانیوں کا یہی عجوبہ خیال ہے) پہلی بیماریوں کے علاوہ ضیق النفس اور خفقان و قروح شش اور استسقا کے آثار پیدا ہو گئے۔ غرض کہ یہی حال میں تیرہویں جب کو کجلی سے کوچ کر کے دزیا یا قصبہ گواھٹی کے محاذی موضع ناندو میں اتر پڑا۔ اور بادشاہ کے حکم کے موافق رشید خاں کو سرکار نامہ و پ کافو جدار مقرر کیا اور اور ضروری امور کا بندوبست مناسب کر کے چھبیسویں کو موضع ناندو سے کشتی میں بٹھکر آخر تائیں جب کو بمقام بری تلماریاست

کوچ بھار کے راستہ پر پہنچ کر باوجود شدت مرض کے پیم ناراین کی سزا دی اور اسکا  
 ملک چھیننے کے ارادہ سے اُتر پڑا۔ اور لشکر کے جمع ہو جانیکے انتظار میں جو بیٹھے  
 آتا تھا اسی جگہ ٹھہرا۔ مگر شدت امراض سے جب اُس نے اپنے جاں برہنہ کی  
 امید نہ کی تو ناچار عسکرِ خاں کو کوچ بھار کی تسخیر کے لئے مامور کر کے خضر پور  
 کو کوچ کیا۔ اور بدھ کے دن رمضان کی دوسری کو خضر پور سے دو کوس اس  
 دنیا، ناپا یاد رہی سے سفر آخرت اختیار کیا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ !!!  
 اور جب یہ خبر بادشاہ کے پاس جبکہ وہ کیشنپور کو جاتا تھا لاہور میں پہنچی اُسکے  
 بیٹے محلِ امین خاں کو جو میر بخشی اور پنہزار سی پنہزار سوار کا امیر تھا نہایت  
 تسلی دیکر بہت سی شامانہ عنایتوں سے سرفراز کیا۔ فقط س م ح

## حاشیہ

(متعلقہ صفحہ ۳۰۸)

(پرتگیزیوں کا ہندوستان میں آنا اور اُن کا عروج و زوال)

صفحہ ۳۰۸ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ اس کتاب کے مترجم انگریزی مسٹر اردنگ بڑاکن نے پرتگیزیوں کے ہندوستان میں آنے اور ممالک مشرق میں اُن کے عروج و زوال کا حال ایک کچھ حاشیہ میں تفصیل سے لکھا ہے جسکو خفیف تغیر و تبدل کے ساتھ ہم اس جلد کے خاتمہ میں لگا بیٹھے۔ چنانچہ وہ اس طرح پر ہے کہ

ہندوستان کی دو تہذیب کی شہرت اور یہاں کے گرم مصلحوں کی افراط اور سستی مہین کپڑوں کی عمدگی نے مہتا سے دراز سے یورپ کی اکثر قوموں کو اس ملک کے ساتھ اپنا کاروبار تجارت جاری کرکیلے لئے نہایت پھین کر رکھا تھا۔ لیکن خشکی کے راستہ کی مشکلات اور سمندر کی راہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب لاجپا تھے۔ مگر آخر کار جب پرتگالی کے بادشاہ جان دوم نے جو نہایت ذی ہوش شخص تھا علحدہ آمد سابق کے برخلاف اپنے پائے تخت لیزبن کو جو دریائے ٹیگس کے کنارے آباد ہے۔ ایک ایسا بند گاہ قرار دیا کہ جس میں ہر طرف کے جہاز بغیر کسی طرح کی روک ٹوک کے آنے لگے۔ اور اُسی کی اعانت اور حسن توجہ سے بذریعہ علم ہیئت سمندر میں سفر کرنے کا نیا طریق جاری ہوا تو پرتگیزیوں نے پہلے کیپ کا راستہ نکالا جو مالاکا فریقہ کے انتہائے جنوب کی طرف واقع ہے۔ مگر یہ لوگ اُن تکلیفوں کے باعث جو یہاں تک پہنچنے میں طوفان کی شدت سے اُنکو اٹھانی پڑی تھیں اسکو کیپ آف مستارم یعنی راس الطوفان کہنے لگ گئے تھے۔ اور آگے بڑھنے سے کسی قدر جھجکتے تھے۔ لیکن اس بادشاہ

لیزبن - ڈیوے گس - کپ آف سٹارم

Cape of storm Tagus Lisbon

ہندوستان میں  
پرتگیزیوں کا ہندوستان میں

نے جسکے دور میں خیال میں یہ امر یقینی تھا کہ وہاں سے ہندوستان کا  
راستہ ضرور ملے گا۔ اس نامبارک اور بہت دشمن نام کا بدل دینا مناسب سمجھا کہ اس کا  
نام کیپ آف گڈ ہوپ یعنی نیک اُمید رکھ دیا۔ اور اسکے بعد جب  
ایمانوئل تحت نشین ہوا تو وہ بھی شکاکہ جان کی یہی تیسری پیروی میں  
را۔ چنانچہ اٹھویں جولائی ۱۴۹۸ء (چودہ سو ساٹھ نوے) عیسوی کو ایسے چھوٹے چھوٹے  
چار جہازوں کا بیڑا جن میں صرف ایک سو ساٹھ آدمی سوار تھے زیر حکم واسکو ڈی گاما  
ہندوستان کے راستہ کی تلاش کے لیے پھر روانہ کیا گیا۔ یہ باہمت سردار  
اول کیپ آف گڈ ہوپ پہنچا اور پھر اس سے آگے ایسے سمندر روں کو طے  
کرتا ہوا جگہ پہنچے کسی نے نہیں دیکھا تھا دشمنیتے اودن کے ایک پرمعوبت  
اور طولانی سفر کے بعد شربتوں میں روزِ جموعہ ۱۴۹۹ء (چودہ سو اٹھانوے) عیسوی  
کو ساحل ملایا اور پر آہنچا۔ اور جس کام کے لیے یہ اولوالعزم لوگ ساگر برس سے  
جانیں بکھارے تھے آخر کار انکی محنت ٹھیک لگ گئی۔ اُسوقت ہندوستان کا  
ملک دیکھنے کے علاوہ جنوب و مغرب کی طرف مختلف فرماں رواؤں میں منقسم تھا اور  
ان کے تخت اور چھوٹے چھوٹے راجا اور باجگدار میں حکمراں تھے۔ ان میں سے  
کالی کٹ کا فرمانروا جسکا لقب زیچوڈن (سامری) تھا۔ ساحلوں اور  
بندر گاہوں پر سب سے زیادہ حکومت اور اقتدار رکھتا تھا۔ اور ہلا بار کا نام

فارسی تاجیوں میں زیچوڈن کو سامری لکھا ہے اور زمانہ حال کی بعض اُردو تصانیف  
میں کالی کٹ کا لفظ کلی کوڈو اور کسی جگہ کالی کوٹ درج ہے۔ اسیلے  
ہم نے مدراس گورنمنٹ کے ایک عالی منزلت عہدہ دار کی معرفت خود  
صاحب کلکٹر ملایا دار سے انکی اصلیت دریافت کی تھی مگر افسوس کہ صاحب مونسو  
کو ان پرانے لفظوں کی اصلیت کا کچھ نہ پتہ نہ مل سکا۔ آخر کار ہم نے حضور ہمارا جہ صاحب

زیچوڈن کا حاشیہ

Zamorin Kali Kott Calicut

پرتگیزیوں کا ہندوستان

اُسی کے زیر فرمان تھا۔ جب واسکو ڈی گاما نے ناکہ کالی کٹ ایک بڑے تجارتی بندر پہنچے تو وہ اُسی دیس کا ایک جہازی رہنما باہم پینچر کالی کٹ میں پہنچ گیا۔ خوش قسمتی سے یہاں ٹونس کا رہنے والا ایک مسلمان شخص ایسا مل گیا جو پرتگیزی زبان سے واقف اور ان سے میل جول اور اُنس و محبت کو پسند کرتا تھا۔ اس شخص کے ذریعہ سے واسکو ڈی گاما نے ساحری کے دربار میں باریابی حاصل کی اپنے بادشاہ کی طرف سے دو متحد المضمون نامے جو ایک پونگالی میں اور دوسرا عربی میں تھاپیش کیے۔ اور یہ درخواست کی کہ دوستی اور تجارت کا ایک عہد نامہ بادشاہ پرتگال اور ساحری کے باہم ہو جائے۔

یہ عہد نامہ ہر جانے ہی کو تھا کہ وہاں کے مسلمان تاجروں نے جو پرتگیزیوں کی اولوالعزمی اور تسعدی سے خائف تھے ساحری کے دل میں کچھ شکوک ڈال دیے اور ان کی باتوں نے ایسی تاثیر کی کہ اُسکے اور واسکو ڈی گاما کے باہم سخت ان بن ہو گئی۔ یہاں تک کہ چند ہی روز پہلے جن لوگوں کی اُسے بہت کچھ خاطر اور عزت کی تھی انہیں کے قتل کے درپے ہو گیا۔

پرتگیزیوں کا ہندوستان

سرگباشی دانی ٹراون کو درج بہت صاحب علم رئیس تھے۔ اور ان کی ریاست بھی اصل ملابار ہی پر واقع ہے۔ انکی تحقیق جاہی۔ چنانچہ حضور مہدوح کے حکم سے اُسکے سرکاری نے جو جواب بذریعہ انگریزی چھٹی کے لکھا اُسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ زیٹھون تو پونڈین لوگوں نے بنالیا ہے۔ میم کی پیش کے ساتھ صحیح لفظ ساحری ہے۔ مگر اسکے *Samuri* معنی اور اشتقاق معلوم نہیں۔

اور کالی کٹ کی اصل نکالی کوڈو بنا کر اسکی درجہ تسمیہ کی نسبت یہ روایت لکھی

افریقہ کے ساحل مغربی و شمالی پر ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ہے جہاں کا ترک رئیس فی زمانہ محمد صادق بلی ہے

س-م-ج

پرتگیزیوں کے حاشیہ کا تقیہ

واسکو ڈی گاما یہاں کا نقشہ بگڑا ہوا اور ناقابل اصلاح دیکھ کر جلدیا۔ اور جاتے ہوئے ساٹھری کو یہ کہلا بھیجا کہ مسلمان سوداگروں کے یہاں سے تینے ہکو چراو بیعزت تو سمجھا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ عفریب معلوم ہو جائیگا کہ پرتگیزی کون اور کیسے ہیں۔ اور اُسکی رعایا کے چند لوگوں کو بھی جواہری ان بن کی حالت میں پکڑ لیے تھے، اپنے بادشاہ اور اہل وطن کے دیکھانیکے لیے ساتھ ہی لے گیا۔ اور اگرچہ ساٹھری کے چند جہازوں نے کچھ دور تک اُسکا تعاقب بھی کیا مگر باؤاد کی مدد سے وہ صحیح سلامت نکل گیا۔ اور دو برس دو مہینے کے بعد ایک سو ساٹھ ہمراہیوں میں سے صرف پچاس آدمیوں کو زندہ لیکر باہر ستمبر ۱۴۹۹ء کو چودہ ہونٹاؤں اپنے وطن میں واپس پہنچا۔

تقیہ حاشیہ کا تقیہ

(۱) کہ شاہ ملابار سے چیر و مان پیدا و مال نے جب اپنے باغدار کے طور پر سب سے پہلے ساٹھری کو ریاست عطاکا تو ایک تلوار اور مرنار دیکر یہ حکم دیا تھا کہ مقام تالی ٹیل (۲) کو (جو بعد ازاں ساٹھریوں کا دارالحکومت ہوا) جائے اور جہاں تک مسرخ کی آواز پہنچے مستعد علاقہ پر قبضہ کرے۔ اسوج سے کالی کوڈو نام پڑ گیا۔ جسکے معنی دہاں کی زبان میں ”سرخ کی ریاست“ ہوتے ہیں جسکو ہمارے ملک کے ہندی محاورہ کے موافق ”کوکر راج“ کہنا چاہیے۔

(۳) بیورج صاحب کی تاریخ ہند سے بھی (جو ایک عمدہ اور جامع کتاب ہے) اسی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحب موصوف نے ڈاکٹر بکائن صاحب کے سفر نامہ کے حوالہ سے یوں لکھا ہے کہ اُس ملک میں افسانہ کے طور پر عام بیڑیوں جلی آتی ہے کہ شاہ ملابار نے ایک روز اپنے سرداروں کو تمام ملک بٹ دیا تھا یہاں تک کہ جب ٹاٹھری نامے ایک سردار نے اپنے لیے بھی علاقہ مانگا تو اُسکے پاس دینے کو تو کچھ باقی ہی تھا اسوج نے اپنی تلوار دیدی اور کہا کہ وہ سنا

(۱) Cheraman Perumal, (۲) Talilyl, (۳) Beveridge



پرنٹرز کا ہندوستان میں

جب یہ لوگ دارالسلطنت میں پہنچے تو اہل شہر نے یہ خیال کر کے کہ اب تمام دنیا کی نہایت پر منفعت تجارت ہمارے قابو میں آنے والی ہے سجدہ خضیاں سنائیں اور واسکو ڈی گاما کو اس کارگزاری کے صلے میں بادشاہ نے ایک بھاری پنشن اور بڑے بڑے خطاب عنایت کئے۔

اور دو من کیتھلک فرقہ کے پیشواے عظیم پوپ آف روم نے جو ہمیشہ اسی تاک میں رہ کر تھے ہیں کہ عامہ غلامی کے دلوں میں اس خیال کو جما لیں کہ روئے زمین پر پوپ کی سی عظمت اور اقتدار کسی کا نہیں۔ بقول شہرہ آبادیہ یا بخشیدیں "پر عمل کر کے اپنی طرف سے بھی ان اپنے مریدوں کو یہ عطیہ مرحمت کیا کہ مشرقی ملکوں میں جتنے ساحل اور بندر گاہیں تم دریافت کر لو وہ سب ہم نے تمہیں کو بخشیں!!

اس کامیابی سے ایمانوئل ایسا سرور ہوا کہ اپنے القاب ہی میں ایسے الفاظ اضافہ کئے کہ شاہ پرتگال - اتھوپیا - عرب - فارس اور ہند کے سوا ہر جزائر کی فتوحات اور جہاز رانی کا بھی مالک ہے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ بعد جہاز بازہ سوا دیوں کی جمیت سے زیر علم آل دریس کا بریل نویں مایچ سنہ ۱۴۸۲ء (پندرہ سو) عیسوی کو روانہ ہو کر پھر کالی کٹ میں آئے۔

مندرجہ پر بیٹھا ہوا جو ایک مرغ بانگ دے رہا ہے جہاں تک اسکی آواز جائے اُتھر ملک پر تو بھی قبضہ کرے۔

صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ یہ مرغ والی بات جو کالی کٹ کے قدیمی نام کالی کوڈو کی اصل بیان کی جاتی ہے۔ اسکی اہلیت خواہ کچھ ہو یا نہ ہو۔ مگر اسیں شک نہیں کہ خود بادشاہ کے ہاتھ کی تلوار بجانے سے ان سب سرداروں پر ٹامی ہی غالب آگیا۔ اور تمام ملک پر اسی کی حکومت ہو گئی۔ اور غالباً ٹامی ہی ہے اُسکے جانشینوں کا لقب رفتہ رفتہ ساٹھری بگلیا۔

پرنٹرز کا ہندوستان میں

پرتگیزیوں کا ہندوستان میں آنا

اگرچہ ان کے آنے پر سامعوی کی طرف سے بھی کچھ بدسلوکی نہ ہوئی اور کابریل نے بھی ان شخصوں کو جنہیں واسکو ڈی گاما پکڑ کر لگیا تھا واپس لاکر چھڑوایا۔ اور ان قیدیوں نے اس حسن سلوک اور رعایتوں کی بھی جو پرتگیزیوں نے اپنے وطن میں ان سے برتی تھیں نہایت تعریف و توصیف کی۔ لیکن سامعوی کے دل کے شبہات ایک مدت دراز کے بعد فرغ ہوئے۔ مگر چونکہ وہی عربی یا افریقی تاجر جو سامعوی اور واسکو ڈی گاما کے باہم ان بن کا باعث ہوئے تھے۔ اسکے راج میں زیادہ اعتبار رکھتے تھے۔ ان کے بہکانے سے اب یہ ایک اور نئی حرکت ہوئی کہ شہر کے لوگوں نے پنجاس پرتگیزیوں کو مار ڈالا۔ اسکے انتقام میں کابریل نے عربوں کے محل جہازوں کو جو بندرگاہ میں موجود تھے۔ جلادیا۔ اور شہر پر بھی خوب گولے مارے۔ اور وہاں سے کوچاچین کو ہوتا ہوا کانا لود کو چلا گیا۔ اور ان دونوں شہروں کے راجاؤں نے اسکوت سے گرم مصالحت اور روپیہ افرنیاں مندرکیں۔ اور سامعوی کے برخلاف جسکے وہ باجگذاڑتے اُس سے دوستی اور اتفاق کا عہد و پیمان کرنا چاہا۔ اور قرب و جوار کے اور کئی راجاؤں نے بھی یہی درخواست کی۔ ان سب کو یہ ہوس تھی کہ اس طرح سامعوی کی اطاعت سے آزاد ہو جائینگے۔ اور اپنے اپنے ملکوں کی حدود کو بڑھائیگی۔ چنانچہ انکی اس دیوانگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک ملا بار پر پرتگیزیوں کو ہندوستان پر اقتدار حاصل ہو گیا کہ

۴ ملک قواکش جو افریقہ کے ساحل شمال و مغرب پر یورپ کے قریب واقع ہے ہل میں وہاں کے باشندوں کو جو مسلمان ہیں انگریزی میں <sup>Moor</sup> مور کہتے ہیں۔ مگر جس طرح کل ممالک مختلف افریقہ کے سیاہ رنگ باشندوں کو ملک حبش کے قرب کے ہشت ہم عمر حبشی کہتے ہیں۔ یا کل یورپین لوگوں کے۔ یونے فرانس کے قرب کی وجہ سے بلا لحاظ اختلاف اقوام لفظ فونگی بولا جاتا ہے۔ اسی طرح انگریزی میں لفظ مور کا اطلاق مجازاً ان سب عرب اور افریقی سانے رنگ کے مسلمانوں پر کیا جاتا ہے جن سے یورپ کے لوگوں کو مشرقی سمندروں میں سابقہ پڑتا تھا۔ س۔ م۔ ح۔

جہاں وہ پہنچتے تھے وہاں کے فرماؤ ہو جاتے تھے۔ اور کسی راجہ سے جب تک وہ ان تین باتوں کو قبول نہ کرے اتفاق باہمی کا عہد و پیمان نہ کرتے تھے۔

اول۔ یہ کہ ہم دربار لڑین کے تابع دار اور مطیع الحکم ہیں۔

دوسرے یہ کہ پرتگیزی اس کی ریاست گاہ میں ایک قلعہ بنالیں۔

تیسرے یہ کہ پرتگیزی جو اجناس تجارت خریدیں اس کی قیمت کی تخفیف اور کسی ایسی تکرار و نزاع کا فیصلہ وہ اپنی ہی رائے سے کر لیں۔

اس کے علاوہ سب غیر ملکی تاجروں پر یہ امر لازم کیا گیا کہ جب تک پرتگیزی خرید مال سے فائدہ ہو کر اس کو اپنے جہازوں پر نہ بڑھالیں وہ سب لوگ مال کی خرید اور روٹگی سے رُکے ہیں۔ اور ان کے اجازت نامہ اور سند راہداری کے بغیر کوئی شخص سمندر کے سفر کا مجاز نہ تھا۔ اگرچہ پرتگیزیوں کو چند بار لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں۔ لیکن اس سے ان کی تجارت میں چندان خلل نہ پڑا۔ بلکہ انہوں نے اپنے قہوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ بڑی بڑی فوجوں کو نکلتیں دیں۔ اور چند ہی سال میں اقتدار پایا کہ ان کی متبوضہ بندرگاہوں میں سماؤمرونی یا اسکے باجگزار راجاؤں کے یا حرب و غیرہ سوداگروں کے جہاز بالکل نہیں جا سکتے تھے۔

اسی عرصہ میں جب اَلْفَاکْسُوڈِیُو کوک شاہ پرتگال کی طرف سے دیرائے مقرر ہو کر آیا تو براہِ دور اندیشی اس کی یہ رائے ہوئی کہ ہندوستان میں ٹھہرنیکے لئے کوئی ایسی جگہ قرار دینی چاہیے جسکو دشمن کے حملہ سے آسانی نہ پاسکیں اور وہ ایک اچھی بندرگاہ بھی ہو۔ اور آب و ہوا بھی عمدہ ہو تاکہ نوادرو پرتگیزی دور دراز بحری سفروں کے بعد وہاں آرام لے سکیں۔ چنانچہ ان صفتوں کے باعث سے اُس نے اپنے خیال میں جزیرہ گوآ جو کھٹ کر حدود میں واقع ہے تاکا اگرچہ اُس وقت گوآ ایسا نامی مقام تھا جیسا کہ جیل ہے۔ لیکن پھر بھی وہاں کا بندرگاہ ان اطراف میں ہر طرح سے مفید اور بہتر سمجھا جاتا تھا۔ ان دنوں میں یہ مقام فرناؤ دکن (یعنی خاندان ہمدیہ) کے راج میں تھا۔ لیکن یوسف عادل خان

پرتگیزیوں کا ہندوستان پر

Alfonso Albuquerque

پرتگیزیوں کی حاشیہ

جو انکی طرف سے وہاں کا صوبہ دار تھا خود سر ہو کر ملا بار تک اپنی حکومت چیلانے میں کوشش کر رہا تھا۔ اور جبکہ یہ غاصب ملک گیر سی کے منصوبوں میں کسی طرف مصروف تھا تو البیوکوک نے میدان خالی دیکھ کر ٹھوگرچی نامے اپنے ایک دوست کے مشورہ سے جو کنھڑ کے علاقہ میں دریائی غارتگری کے ذریعہ سے بہت زبردست ہو گیا تھا سلسلہ (بندرہ سوڈس) عیسوی میں گواہاں پر انکھان چلا گیا۔ اور شہر کو لے لیا۔ اس واقعہ کے بہت عداوت خاں گواہاں کو واپس آیا۔ اور پرتگیزیوں جو ابھی متحکم طور سے پانوں نہ جا چکے تھے ناجائز شہر چھوڑ کر جہازوں پر بھاگ چکے لیکن اس سے ٹھوگر کے عرصہ بعد جو عادل خاں کو دجنگ کے راہ سے لڑنے کو جانا پڑا تو البیوکوک نے اپنے اسی یار کی امداد سے پھر ایک چھللا مارا اور گواہاں پر قابض ہو بیٹھا۔ اور مورچہ بندی کر کے اور محاصرہ وغیرہ بنا کر اسکو خوب متحکم کر لیا۔ اور کالی کٹ کا بندر جو کسی کام کا نہ تھا وہاں کی دولتندی اور تجارت سب گواہاں میں سمٹ آئی۔ اور اسی دن سے پرتگیزیوں کے مقبوضات واقعہ منہ کے لیے شہر گواہاں بننے لگا۔ اور رفتہ رفتہ جب پرتگیزیوں کی حکومت خلیج فارس اور بحر عرب اور ساحل ملا بار میں بخوبی قائم ہو گئی تو انہوں نے ایشیا کے اور مشرقی ملکوں کی طرف رخ کیا۔ اور اس میں البیوکوک نے سب سے پہلے جزیرہ سرانڈیپ کو مستقر کیا۔ اگر پرتگیزی دور بینی اور عاقبت اندیشی کو کام میں لاتے تو ان کے لیے یہ زیادہ مفید تھا کہ اپنی تمام قوت اور طاقت کو اسی جزیرہ میں قائم کر لیتے۔ کیونکہ اول تو یہاں کے بندر ہندوستان کی تمام بندر گاہوں سے بہتر تھے۔ دوسرے یہ جزیرہ مشرقی ملکوں کے وسط میں تھا اور تمام دولت مند ملکوں کے راستے اور صحری سے تھے۔ اور اسکی سب بندر گاہیں اس طرح کی تھیں کہ وہاں سے جنگی جہاز ایشیا کے تمام ملکوں پر دباؤ ڈالنے اور خوف قائم رکھنے کو آسانی سے بھیجے جاسکتے تھے۔ اور خود اس کے بندر گاہوں کی حفاظت و حراست تھوڑی

ہی فوج سے بخوبی ہو سکتی تھی۔ گرنائب السلطنت مذکور نے ان فوائد کا کچھ دیکھا۔

نکلیا۔ بلکہ ساحل کارو مندلی پر قابض ہو جانے میں بھی فروگزاشت ہی کی۔ اور اگرچہ یہاں سے وہ عمدہ اور نہایت لطیف اور مہین سونی کپڑے بہم پہنچ سکتے تھے جو دنیا بھر میں بے مثل گئے جاتے تھے۔ اور بنگالہ اور آئر ملاک کی تجارت کے لیے یہ مقام قدرتی طور پر نہایت مفید اور موقع کا تھا۔ مگر باوجود اسکے بھی کوئی اچھی جگہ اس ساحل پر قائم نہ کی۔ حتیٰ کہ متبانات سینٹ ٹامس اور ناگ پٹن بھی ایک مدت کے بعد قائم کئے۔ اس نے یہ خیال کر لیا تھا کہ در حالیکہ ہم جزیرہ سرانڈیپ کے مالک ہو گئے ہیں دنگی فتوحات کو دوسرے سابق دی المیدا نے شروع کیا تھا اگر ملک ملاکا بھی ہمارے قبضہ میں آجائے تو پھر ساحل کارو مندلی کی تمام تجارت خود ہی ہمارے قابو میں آجائیگی۔ پس اس وجہ سے اس نے ملاکا ہی کو مقدم سمجھ کر سی کی طرف غریت کی۔ یہ ملک جسکا دارالحکومت شہر ملاکا ہے طول میں تین سو میل کے قریب اور عرض میں بہت تنگ سا ہے۔ اسکے شمال کی طرف بنگالی میں تو سیام کا ملک ہے۔ اور باقی تین طرف سمندر ہے۔ چونکہ ملاکا پور مربع کے محاط سے ہندوستان کے تمام تجارتی مقاموں میں سب سے بہتر منڈی ہے۔ اور پرتگیزیوں کو اس بات کی بڑی آرزو تھی کہ مشرقی ملکوں کی سبیل کی تجارت میں حلیع بنے ہیم و شریک ہو جائیں۔ اس لیے یہ لوگ اس ملک میں پہلے پہل صرف تجارت ہی کے لباس میں نمودار ہوئے۔ چونکہ انکی دست و پاؤں نے جوہ ہندوستان میں کرتے آئے تھے انکی تدبیروں کو بہت فائدہ خیر و بھلا تھا۔ اس لیے اہل ملاکا ان کے آنے سے بہت ڈرے۔ اور باہم تجویز کر کے بہت سے تو مار ڈالے اور باقی ماندہ قید کر لیے۔ اگرچہ البیوکوک کو ملاکا پر حملہ کر نیکیے لیے پہلے بھی کسی جیلہ بہانہ کی حاجت نہ تھی۔ مگر اب تو خود بخود ایک جائز سبیل نکل آئی۔ اس واقعہ کے باعث اہل ملاکا کو بھی یہ خیال تھا کہ کسی کشتی

۱۰۰  
۱۰۱  
۱۰۲  
۱۰۳  
۱۰۴  
۱۰۵  
۱۰۶  
۱۰۷  
۱۰۸  
۱۰۹  
۱۱۰  
۱۱۱  
۱۱۲  
۱۱۳  
۱۱۴  
۱۱۵  
۱۱۶  
۱۱۷  
۱۱۸  
۱۱۹  
۱۲۰  
۱۲۱  
۱۲۲  
۱۲۳  
۱۲۴  
۱۲۵  
۱۲۶  
۱۲۷  
۱۲۸  
۱۲۹  
۱۳۰  
۱۳۱  
۱۳۲  
۱۳۳  
۱۳۴  
۱۳۵  
۱۳۶  
۱۳۷  
۱۳۸  
۱۳۹  
۱۴۰  
۱۴۱  
۱۴۲  
۱۴۳  
۱۴۴  
۱۴۵  
۱۴۶  
۱۴۷  
۱۴۸  
۱۴۹  
۱۵۰  
۱۵۱  
۱۵۲  
۱۵۳  
۱۵۴  
۱۵۵  
۱۵۶  
۱۵۷  
۱۵۸  
۱۵۹  
۱۶۰  
۱۶۱  
۱۶۲  
۱۶۳  
۱۶۴  
۱۶۵  
۱۶۶  
۱۶۷  
۱۶۸  
۱۶۹  
۱۷۰  
۱۷۱  
۱۷۲  
۱۷۳  
۱۷۴  
۱۷۵  
۱۷۶  
۱۷۷  
۱۷۸  
۱۷۹  
۱۸۰  
۱۸۱  
۱۸۲  
۱۸۳  
۱۸۴  
۱۸۵  
۱۸۶  
۱۸۷  
۱۸۸  
۱۸۹  
۱۹۰  
۱۹۱  
۱۹۲  
۱۹۳  
۱۹۴  
۱۹۵  
۱۹۶  
۱۹۷  
۱۹۸  
۱۹۹  
۲۰۰

الیوکرک یکایک آن پڑیگا ایسے وہ بھی لڑائی کے لیے ہر طرح تیار ہی کیے  
بیٹھے تھے۔ چنانچہ اوایل سال (پندرہ سو گیارہ) عیسوی میں جو الیوکرک  
ملاکا کے سامنے نمودار ہوا تو انکو مقابلے کے لیے مستعد اور تیار پایا۔ پرتگیزیوں  
نے شہر پر حملہ کیا۔ اور کئی بار سخت اور خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ مگر آخر کار شہر جھین لیا  
گیا اور ہیشمار مال و دولت اور سامان حرب و ضرب پرتگیزیوں کے ہاتھ آیا۔ اور  
قبضہ قائم رکھنے کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا گیا۔ لیکن الیوکرک نے زیادہ  
دست اندازی مناسب نہ جانکر صرف شہر ملاکا ہی پر اکتفا کیا۔ سیام اور پیگو  
کے بادشاہوں اور قرب وجوار کے رئیسوں نے پرتگیزیوں کی اس فتح سے جو  
اُن کے استقلال اور آزادی کے لیے اُس مضر تھی خائف ہو کر الیوکرک کی  
خدمت میں مبارکباد کے لیے سفیر بھیجے۔ اور درخواست کی کہ ہمارے اور شاہ  
پرتگال کے باہم دوستی اور اتفاق کا عہد و پیمان ہو جائے۔ اور یہ خواہش بھی ظاہر  
کی کہ آپ ہمارے ملک میں کاروبار تجارت جاری کریں۔

جب شہر ملاکا میں پرتگیزی اپنے قدم جا چکے اور قرب وجوار کے رئیسوں پر  
بھی اپنا رعب داب بخوبی بٹھالیا تو الیوکرک نے اپنے بیڑے میں سے چند  
جنگی جہاز جزائر متعلقہ ملاکا کی تسخیر وغیرہ کے لیے روانہ کیے۔

یہ ٹاپو بطور ایک مجموعہ جزائر کے ہیں۔ اور اُن کے باشندے پشت اپشت سے  
ساگو دانہ اور ناریل کے دودھ پر گزراں کیا کرتے تھے۔ مگر اتفاقاً کسی طوفان وغیرہ  
کے حادثہ کے باعث سے جو ایک چینی جہاز وہیں آگیا تو پہلے پہل انہیں کی بدولت  
لونگ اور جا پٹھل نے جو ان جزائر میں بکثرت تھے دنیا میں مشہور ہونا شروع  
کیا۔ چنانچہ اس سے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ مصالحوں ہندوستان  
میں عموماً پسند اور مرغوب طبع ہو گئے۔ اور پھر ہندوستان اور فلگستان  
میں جا پہنچے۔ اہل عرب جو اُس زمانہ میں تقریباً تمام دنیا کی تجارت پر قابض تھے  
بھلا اس منفعت سوداگری پر انہی اٹھ کر نہ پڑتی۔ چنانچہ عربی تاجروں کے

بقیہ حاشیہ

قافلے کے قافلے ان جزیروں میں جو پیداوار کی جہت سے مشہور ہیں اگر ذیل ہو گئے  
 ورتب سے اب تک یہاں کے معاصروں کی تجارت انہیں کے ہاتھوں میں بھی نہ  
 یکا یک یہ پرتگالی جو کسی ملک ان کا بھی نہیں چھوڑتے تھے یہاں بھی ان پہنچے  
 اور اس تجارت کو ان سے چھین لیا۔ اور اس وقت سے شاہان پرتگال نے ان  
 جزیروں کو اپنے متعلق سمجھنا شروع کیا۔ اور حقیقتاً چند روز بعد انہیں کے ہونے کو  
 البیوکوک نے سنا (پندرہ سو پندرہ) عیسوی میں بمقام گوا انتقال  
 کیا۔ اور لوپز سواریز اسکا جانشین مقرر ہوا۔ یہ شخص بھی تاجر ملک گیری اور  
 حدود سلطنت کے بڑھانے میں اپنے جانشین سابق ہی کا متعلق تھا۔ مگر کچھ  
 عرصہ تک اسکو ان ملامتوں کی روک تھام کی تدبیروں میں مصروف رہنا پڑا جو  
 ہندوستان میں پرتگیزیوں کے مقابلہ کے لیے قریب الوقوع تھیں لیکن  
 ان تفکرات سے جھوٹے ہی اُسے چین کا بہتہ معلوم کرنے کا عزم  
 مصمم کیا۔

ملاکا میں البیوکوک کے عمل و دخل کرنے سے پہلے ملک چین  
 اور وہاں کے لوگوں کے حالات فرنگستان میں کسی کو معلوم تھے۔ فرنگستان  
 سے اب تک صرف مارکو پولو نامے شہر دیلس واقع اٹلی کا رہنے والا ایک  
 شہر سیاح خشکی کے ساتھ وہاں گیا تھا اور اسے اس ملک کے کچھ کچھ حالات  
 لکھے تھے جسکو لوگوں نے بار بار کر کے محض وہابیات اور افمان سمجھا ہوا تھا۔  
 مگر جب البیوکوک ملاکا میں چین کے بعض جہازی سوداگروں سے ملا۔ اور اُس نے اس عظیم الشان  
 سلطنت کی وسعت و فصاحت وغیرہ کے حالات معلوم کیے اور ان کو قلبہ کر کے فرنگستان  
 کو بھیجا تب البتہ مارکو پولو کے بیان سے مطابق پاور فرنگستان کے لوگوں نے بھی اس سیاح  
 کی روایتوں کی تصدیق کی۔ چنانچہ سلاطین (پندرہ سو اٹھارہ) عیسوی میں پرتگال  
 لزبن سے طامس پدیز نامے ایک سفیر جسے ساتھ چند جنگی جہاز تھے چین  
 کو روانہ ہوا۔ جب یہ جہاز سفیر کو لیکر ان جزیروں کے قریب پہنچے جو کانٹن

(1) Ferdinand, Andradu.

(2) Siraon Andradu.

(3) Tarnau.

(4) Tancian.

کے آس پاس ہیں تو انکو چینی جہازوں نے آن گھیرا۔ <sup>(1)</sup> فوڈی نینڈ اینڈ راڈا نے جو پرتگالی جہازوں کا سردار تھا ازراہ واناہی چینیوں کو اپنے جہازوں پر آئینی اجازت دی۔ اور اپنے آنے کا مدعا بیان کر کے طامس پیریڈ کو کنارہ پر اتار دیا اور چینی اسکو اپنے ملک کے پاسے تخت شہر بیگن میں <sup>(2)</sup> لینگے۔ وہاں پچھو پیریڈ کو معلوم ہوا کہ چین کے اہل دربار پرتگیزیوں کے ساتھ رعایت اور خاطر داری سے پیش آنا چاہتے ہیں۔ جبکہ سبب اہل تو فوجی وہ نہا سو ہی تھی جو تمام مشرقی ملکوں میں پہلے ہی میں رہی تھی اور اسکے علاوہ فوڈی نینڈ اینڈ راڈا کے مستقل طریقہ کار داری نے پرتگیزیوں کو اہل چین کی نظروں میں اُور بھی بڑھا دیا تھا اسوجہ سے چین کی بندرگاہوں میں پرتگیزیوں کو تجارت کرنے کی اجازت ملنے ہی والی تھی۔ اور طامس پیریڈ کے ساتھ عہد نامہ ہونے ہی والا تھا کہ اسنے میں فوڈی نینڈ اینڈ راڈا کا بھائی <sup>(3)</sup> ساچی من اینڈ راڈا کچھ اُور جنگی جہاز لیکر آگیا۔ اور اہل چین سے وہی نا ملائم حرکتیں کرنے لگا جو ہم لوگ تمام اہل مشرق کے ساتھ کچھ مدت سے کیا کرتے تھے۔ اور بلا اجازت دربار چین کو ایک قلعہ جزیرہ <sup>(4)</sup> ٹیمین میں تعمیر کرایا اور دہاں ہو کر جو جہاز چین کی بندرگاہوں کو آتے جاتے تھے ان کے ساتھ جبر و تعدی اور لوٹ کھسوٹ کا عمل کرنے لگا۔ اور بہت سے چینیوں کو بڑا بڑا غلام بنالیا اور نہایت بے باکی کے ساتھ دریائی خزانہ کی !

اہل چین ان حرکتوں کو دیکھ کر سخت غضبناک ہو گئے۔ اور ایک بڑا بیڑا جنگی جہازوں کا پرتگیزیوں کی تنبیہ کے لئے امر کیا۔ لیکن پرتگیزی بغیر مقابلے کے بھاگ نکلے۔ اور فغفور چین نے طامس پیریڈ کو جو پاسے تخت میں موجود تھا قید کر لیا۔ چنانچہ قیدی میں رہ گیا۔

اس واقعہ کے باعث اگرچہ چند سال سے پہلے پرتگیز چین کی حدود سے بالکل خارج ہو گئے تھے۔ مگر اسکے بعد چینیوں نے پرتگیزیوں کو بندرگاہ <sup>(4)</sup> جان سین تجارت کرنے کی اجازت دیدی۔ اور بعد ازیں یہ اتفاق پیش آیا کہ ایک بحری خزانہ



ہندہ حاشیہ

جوابی تھوڑا سیابیوں سے نہایت زبردست ہو گیا تھا جزیرہ مگڈاؤ پر قابض ہو گیا۔ اور وہاں سے چین کی بندرگاہوں کے راستے بند کر دیئے اور جہاں تک بڑھاکہ ٹھکانے کو جاگھرا۔ اسکی ان حرکتوں سے شرفاء و امرا اور حکام چین استغذنگ ہوئے کہ تو تانگیزوں سے مدد چاہی۔ یہ لوگ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کانٹوں کے بجائے کپڑے دوڑ چرسے اور اس فراق کو شکست دیکر محاصرہ اٹھا دیا۔ اس کے صلہ میں فغفور چین نے غرض ہو کر جزیرہ مگڈاؤ انہیں کو بخش دیا۔ اور ان لوگوں نے اس جزیرہ میں ایک شہر بسا لیا جو تھوڑی سی مدت میں بخوبی رونق پڑ گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں جاپان کے ساتھ بھی انکی تجارت جاری ہو گئی۔ سچو (پندرہ سو یا بیس) عیسوی میں پرتگیزیوں کا ایک جہاز شدت طوفان سے بہرہ جزائر جاپان میں جا پہنچا تھا۔ جاپانیوں نے انکی بہت خاطر داری کی اور وہاں آئیے۔ لیکن جس جس چیز کی ضرورت تھی بخوشی میا کر دی۔ جب یہ لوگ گوا میں پہنچے تو جاپان کے حالات جو کچھ دیکھے تھے سب اپنے مناسب سلطنت سے بیان کئے اور کہا کہ ہم ایک ایسا ملک دیکھ آئے ہیں جو نہایت آباد و دولت مند ہے اور ہمارے تاجروں کو وہاں آنے جانے سے بہت فائدہ ہوگا یہ سننے ہی پر نگاہی سوداگر اور پادری جہازوں پر چڑھ روانہ ہو پڑے اور جا کر دیکھا کہ حقیقت میں ایک بڑی مملکت ہے جو شاید چین کے سوا دنیا کی اور سلطنتوں سے زیادہ قدیم ہے۔

الغرض جب پرتگیزی جاپان میں پہنچے تو انکے آنے سے سب لوگ خوش ہوئے اور عموماً اپنی بندرگاہوں میں تجارت کی اجازت دیدی۔ اور تمام چھوٹے چھوٹے فرمانروائیوں نے اپنے اپنے علاقوں میں انہیں درخواست کر کر بلایا۔ اور سب کو ایک ایسی ریس پیدا ہوئی کہ ہر ایک ریس ہی چاہتا تھا کہ سب سے بڑھکر انکی خاطر و مدارا کرے اور انکو فائدہ پہنچاے۔ اور بڑے بڑے حقوق عطا کرنے میں دوسروں سے سبقت لیا۔ یہ دیکھ کر پرتگیزیوں نے بھی تجارت کا بڑا ٹھاٹھ پھیلایا۔

چنانچہ ہندوستان کا مال جاپان کو بیجاتے تھے اور فرنگستانی چیزیں ذخیرہ کے طور پر مگڈاؤ میں جمع کر کے موقع مناسب اور ضرورت سے بیچتے رہتے تھے

چنانچہ انواع و اقسام کی ایشیائی اور فرنگستانی چیزیں فرانز و اسے جاپان اور  
 وہاں کے روس اور شرفا اور عام خلائق کے صرف میں آنے لگیں اور جاپان  
 میں تو ایسی جنسیں کہاں تھیں کہ اسکے معاوضہ میں پونکیزوں کو دیتے۔ کیونکہ جاپان  
 اکثر کوستانی اور سنگ لاف اور کمزرت ملک ہے اور اسیں کوئی چیز دسار کے  
 لائق پیدا نہیں ہوتی۔ اور اگر اس ملک میں سونے اور چاندی اور تانبے کی کانیں  
 بھی ہوتیں جو شاید تمام دنیا کی کانوں سے بہتر ہیں تو ملک کی آمدنی سے سلطنت کا  
 خرچ بھی پورا ہوتا۔ یہاں کی معدنی پیداوار میں سے یہ لوگ ہر سال بقدر چھ کروڑ روپیہ  
 کے حاصل کر کے بیچتے تھے اسکے علاوہ انہوں نے اُس ملک کے اچھے اچھے  
 گھرانوں میں شادیاں کر کے اسطرح پروہاں کے امرا اور ذمی اقتدار خاندانوں سے قرابتیں  
 پیدا کر لی تھیں پس مجاہد ایسے ایسے فوائد کے اگر پونکیز لوگ ذرا قناعت کا طریق اختیار  
 کرتے تو مناسب تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں سواہل ملک گئی اور بحر عرب اور خلیج فارس  
 اور تمام سواہل ہند ہر طرح اُن کے قابو میں تھے۔ اور جزائر ملاکا اور سراندیب  
 اور سندا میں تو خاص اُنکی حکومت ہی تھی۔ اور جزیرہ ملاکا میں اُن کے قیام کے  
 باعث سے تجارت چین اور جاپان بھی گویا انہیں کے ہاتھوں میں تھی۔ اور  
 ان سب ممالک اور سواہل وسیعہ میں انہیں کی مرضی اور مشائخ بنزلہ قانون اور حکم مطلق کے  
 تھا۔ اور کسی قوم کو اتنی جرات تھی کہ بغیر انکی اجازت کے بحری سفر کر سکے۔ اور بہت سی  
 اجناس تجارت جتنکے ذریعہ سے اکثر قومیں نہایت دولت مند ہو گئی ہیں وہ بالکل نہیں  
 کے انقباض میں تھیں اور اس اعتبار اور انحصار تجارت کے باعث سے فرنگستان کی  
 مصنوعات اور ممالک ایشیا کی پیداواروں کا نرخ صرف انہیں کی مرضی سے گھٹاؤ  
 بڑھتا تھا علاوہ بریں پونکیزوں نے اُس حصہ اذوقہ کی حکومت کو بھی حاصل کئے  
 بہ دن چھوڑا تھا جو مین کیپ آف گڈا ہوپ اور بجااھر کے ہے۔ ان اطراف  
 میں ایک مدت سے اہل عرب قابض اور سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور انہیں  
 نے ساحل زنگبار پر چھوٹی چھوٹی چند خود سر ریاستیں قائم کر لی تھیں جنکی رونق اور

توں سبب ان سونے اور چاندی کی کانوں کے تھا جو ان ریاستوں میں موجود تھیں  
 چنانچہ ہی دولت کے لالچ سے پرتگیزیوں نے سنہ ۱۴۹۸ء (پندرہ سو آٹھ) عیسوی  
 میں اگوئیلوب اور تباہ کر کے اپنے لیے ایک نئی سلطنت جو سفالہ سے  
 میلند ایک پھیلی ہوئی تھی اور جبکہ وسط اور دارالحکومت جزیرہ موزمبیق  
 کو مقرر کیا تھا قائم کر لی تھی۔ پس یہ کامیابیاں اور فتوحات اگر معقول و منطوق  
 محفوظ رکھی جاتیں تو ممکن تھا کہ ایسی سلطنت بن جاتی جس کا زوال انتقال شکل ہوتا۔  
 لیکن پرتگیزی سرداروں کی بد اعمالی اور حماقت اور دولت و حکومت کی ناقہ شنائی  
 کی وجہ سے ان لوگوں کی چال ڈھال شروع ہی سے ایسی بھید تھی کہ واسکو ڈیگاما  
 - کابریل - دی المیدا وغیرہ نے ایسی عجیب عجیب طور کی برہمیاں کیں کہ  
 جنگو شایستگی اور انسانیت کی پشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ کہنا چاہتے ہندو مسلمان  
 وغیرہ ایشیائی لوگوں کے بوجہ لوٹ بیٹھے اور غلام بنانے میں کچھ بھی دریغ  
 نہ کرتے تھے۔ سفاکی - بیدردمی اور وحشت یہاں تک ان کے خمیر میں تھی کہ  
 بیگناہ قیدیوں - منطوم عورتوں - اور معصوم بچوں کو بھی انکی تلوار اور آگ سے  
 پناہ نہیں ملی۔ بیجاری ہندوستانی عورتوں سے سولٹی زلیشن کے اس  
 برتاؤ میں بھی دریغ نہ تھا کہ کرسچن بنا کر فوج میں تقسیم کر دی جاتی تھیں - چنانچہ خود  
 البیوکوک جیسے نامور شخص کے عہد کی (جو حقیقتاً ان کے سرداروں میں سب  
 سے بہتر تھا) کیا ہی لطیف روایت چلی آتی ہے کہ منجندہ ابیر آبادی گوا  
 کے ایک دفعہ یہ تدبیر بھی کی گئی کہ بہت سی عورتیں اچھے بڑے خاندانوں  
 کی جو ہندی میں آئی تھیں انکی نسبت پادری صاحب کو یہ خدمت سپرد ہوئی کہ  
 کرسچن بنا کر پرتگیزیوں سے ان کے جوڑے ملا دیں۔ چونکہ پادری صاحب کو  
 جوڑے ملاتے ملاتے رات بڑ گئی اور صحن اتفاق سے روشنی بھی بچھ گئی  
 تو ہجوم اور جنسیت کے باعث سے یہ تمیز نہ رہی کہ کون سی عورت کس مرد کو  
 ملحق میں اُچکی ہے پہلے تو پادری صاحب اس مسئلہ کے حل کرنے میں جکڑاؤ

مگر آخر کار یہ فیصلہ کر دیا کہ اس دور میں پرتگیزیوں کی کون ضرورت ہے جو عورت جس مرد کے ساتھ لگ جائے وہ ایسی سمجھی جائے !!! اور چونکہ یہ لوگ مشرقی ہندوستان کے بالکل ایک و مختار تھے ہر ایک ملک کے جہازوں سے جبراً خارج لیتے اور وہ اصل بحر پر خانہ گری کرتے تھے۔ اور امرا اور رئیسوں کو بیعت کرتے تھے۔ آخر انہیں کر تو توں کے باعث تھوڑے ہی عرصہ میں تمام قوموں کی نظروں میں کھڑے ہوئے۔ دشمن بن کر رہنے لگے۔ اور حکومت شاہِ فلپ دو دیو کے عہد میں اس قوم کی حکومت کا منتزل یورپ میں شروع ہوا تو جو پرتگیزی ہندوستان میں تھے انہوں نے اپنے پرتگالی ہونے کا خیال چھوڑ دیا۔ چنانچہ بعض تو خود سربن بن گئے اور بعض نے دریائی خانہ گری ایسی بیدھڑک اختیار کر لی کہ کسی قوم کے جہاز کا بھی بخانا کرتے تھے۔ اور بہت سے پرتگیزی ہندوستانی راجاؤں اور امیروں کے ملازم ہو گئے یہاں تک کہ اکثر سپلائی اور وزارت تک پہنچ گئے۔ کیونکہ انہیں بھی اکیلی قابلیت اور لیانتوں کا اثر لوگوں کی طبیعتوں پر پڑا تھا۔ اور ہندوستان میں جو علاقے ان کے قبضہ میں تھے وہ ایسے علائقہ ملکہ حتموں میں مشہور ہو گئے کہ ایک کو دوسرا بالکل مدد دیتا تھا۔ بلکہ حسد اور عداوت کے بارے ایک دوسرے کی تدبیروں میں مزاحم اور معترض ہوتے تھے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ ان کے سرداروں اور فوج میں نہ تو کچھ پابندی آئین اور قاعدہ ہی کی باقی رہی تھی اور نہ اطاعت اور فرماں پذیری اور نہ شوقِ حفظ نام و نشان بلکہ بجا سے ان باتوں کے اکثر عیش و عشرت اور شوقِ منہمک اور شوقِ رکر تفریح اوقات کرتے تھے۔ اور اگلی شان و شوکت بالکل رخصت ہو چکی تھی کہ اتنے میں ڈچ لوگ جب بن بند (سولہ سو) عیسوی میں سپین کی حکومت سے آزاد ہوئے تو وہ بھی ہندوستان میں آکر ڈچ اور پرتگیزیوں سے اقتدار حکومت چھین لینے کے لئے جنگ و جدال اور حرکتیں کرنا لگے یہاں تک کہ جزیرہ لنگا بھی چھین لیا۔ اور ہندوستان کی تجارت اور بندرگاہوں میں سب جگہ انہیں کا زور اور غلبہ ہو گیا۔















